

مفت علمائے قرنی محل لکھنؤ



تالیف

یسر اختہ مصباحی

بانی و صد دار ملت، قادی مسجد و ڈاکٹر محمد بنی دہلی



ناشر
الکبریا پبلشرز لاہور

منازل علمائے فرنگی محل لکھنؤ

تالیف

یسر اختصار صبا

بانی و صدر دارالافتاء، قادیان مجدد و ذاکر نگر نئی دہلی

زمین پرنٹر ۴۰ اردو بازار لاہور

Ph: 37352022

البرکات پبلشرز

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں)

الصلوة والسلام عليك يا سيدى يا رسول الله
وعلى الك واصحابك يا حبيب الله

نام کتاب	ممتاز علمائے فرنگی محل لکھنؤ
مؤلف	علامہ یسین اختر مصباحی
صفحات	512
تعداد	600
اشاعت	فروری 2017ء
زیر اہتمام	محمد اکبر قادری
ناشر	اکبر بک سیلرز لاہور
قیمت	400 روپے

اکبر بک سیلرز
لاہور

فہرست

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
۱	انتساب	۷
۲	تہدیہ	۸
۳	کلمہ آغاز	۹
۴	فرنگی محل کا ”ورقہ نسب“	۱۴
۵	فرنگی محلی سلسلہ علم و حکمت	۱۵
۶	فرنگی محلی فیضان علم و حکمت	۲۲
۷	مُلا، قطب الدین، شہید، سہالوی	وصال ۱۱۰۳ھ ۴۲
۸	مُلا، نظام الدین محمد، سہالوی، فرنگی محلی	وصال ۱۱۶۱ھ ۵۰
۹	مُلا، کمال الدین محمد، سہالوی	وصال ۱۱۷۵ھ ۶۱
۱۰	بحر العلوم، مُلا، عبدالعلی محمد، فرنگی محلی	وصال ۱۲۲۵ھ ۶۶
	علمائے خانوادہ فرنگی محل	
۱	مُلا، احمد عبدالحق، فرنگی محلی	وصال ۱۱۶۷ھ ۸۶
۲	مُلا، احمد حسین، فرنگی محلی	وصال ۱۱۸۴ھ ۹۳
۳	مُلا، محمد ولی، فرنگی محلی	وصال ۱۱۹۸ھ ۹۸
۴	مُلا، محمد حسن، فرنگی محلی	وصال ۱۲۰۹ھ ۱۰۱
۵	مُلا، محمد مبین، فرنگی محلی	وصال ۱۲۲۵ھ ۱۰۶
۶	مُلا، نور الحق، فرنگی محلی	وصال ۱۲۳۸ھ ۱۱۱
۷	مُلا، ظہور اللہ، فرنگی محلی	وصال ۱۲۵۶ھ ۱۱۶
۸	مُلا، ولی اللہ، فرنگی محلی	وصال ۱۲۷۰ھ ۱۱۸
۹	مُلا، جمال الدین، فرنگی محلی	وصال ۱۲۷۶ھ ۱۲۲

۱۰	مولّا، عبدالوالی، فرنگی محلی	وصال ۱۲۷۹ھ	۱۲۶
۱۱	مولانا عبدالجلیم، فرنگی محلی	وصال ۱۲۸۵ھ	۱۲۹
۱۲	مفتی محمد یوسف، فرنگی محلی	وصال ۱۲۸۶ھ	۱۳۸
۱۳	مولانا عبدالحی، فرنگی محلی	وصال ۱۳۰۴ھ	۱۴۲
۱۴	مولانا عبدالرزاق، فرنگی محلی	وصال ۱۳۰۷ھ	۱۶۷
۱۵	مولانا محمد نعیم، فرنگی محلی	وصال ۱۳۱۸ھ	۱۷۵
۱۶	مولانا عبدالوہاب، فرنگی محلی	وصال ۱۳۲۱ھ	۱۷۷
۱۷	مولانا عبدالباری، فرنگی محلی	وصال ۱۳۳۳ھ	۱۷۹
۱۸	مولانا عبدالباقی، فرنگی محلی	وصال ۱۳۶۴ھ	۱۹۱
تلامذہ خانوادہ فرنگی محل			
۱	مولّا، حمد اللہ، سندیلوی	وصال ۱۱۶۰ھ	۱۹۴
۲	مولّا، محمد اعلم، سندیلوی	وصال ۱۱۹۸ھ	۱۹۷
۳	مولّا، عبدالواجد، خیر آبادی	وصال ۱۲۱۸ھ	۱۹۹
۴	صوفی، عبدالرحمن، لکھنوی	وصال ۱۲۳۵ھ	۲۰۲
۵	شاہ عین الحق، عبدالحجید، بدایونی	وصال ۱۲۶۳ھ	۲۰۷
۶	سید کفایت علی، کافی، مراد آبادی	وصال ۱۲۷۴ھ	۲۱۱
۷	شاہ احمد سعید، مجددی، دہلوی	وصال ۱۲۷۷ھ	۲۱۹
۸	مولانا سلامت اللہ، بدایونی	وصال ۱۲۸۱ھ	۲۲۶
۹	شاہ فضل رسول، عثمانی، بدایونی	وصال ۱۲۸۹ھ	۲۳۳
۱۰	سید آل رسول، برکاتی، مارہروی	وصال ۱۲۹۶ھ	۲۵۸
۱۱	شاہ فضل رحمن، گنج مراد آبادی	وصال ۱۳۱۳ھ	۲۷۳
۱۲	مولانا وکیل احمد، سکندر پوری	وصال ۱۳۲۲ھ	۳۱۲

۳۱۶	وصال ۱۳۲۷ھ	مولانا محمد فاروق، چریاکوٹی	۱۳
۳۱۸	وصال ۱۳۳۶ھ	مولانا نواز اللہ، حیدر آبادی	۱۴
۳۳۱	وصال ۱۳۴۳ھ	مولانا عین القضاة، لکھنوی	۱۵
۳۳۳	وصال ۱۳۸۱ھ	سید محمد محدث اشرفی، کچھوچھوی	۱۶
		علمائے ”سلسلہ خیر آباد“ شاخ فرنگی محل	
۳۵۰	وصال ۱۳۴۴ھ	علامہ فضل امام، خیر آبادی	۱
۳۵۸	وصال ۱۳۷۸ھ	علامہ فضل حق، خیر آبادی	۲
۳۶۵	وصال ۱۳۸۵ھ	مفتی صدر الدین، آزرده، دہلوی	۳
۳۷۶	وصال ۱۳۰۱ھ	علامہ نور احمد، عثمانی، بدایونی	۴
۳۸۰	وصال ۱۳۱۱ھ	مفتی ارشاد حسین، مجددی، رام پوری	۵
۳۸۵	وصال ۱۳۱۶ھ	علامہ عبدالحق، خیر آبادی	۶
۳۹۰	وصال ۱۳۱۹ھ	علامہ عبدالقادر، عثمانی، بدایونی	۷
۳۹۶	وصال ۱۳۲۳ھ	خواجہ سید عبدالقاسم، چشتی، سہوانی	۸
۴۰۱	وصال ۱۳۲۶ھ	علامہ ہدایت اللہ، جون پوری	۹
۴۰۴	وصال ۱۳۲۷ھ	مولانا غلام قادر، ہاشمی	۱۰
۴۰۸	وصال ۱۳۳۴ھ	مولانا عبدالمتقدر، عثمانی، بدایونی	۱۱
۴۱۳	وصال ۱۳۳۹ھ	مولانا عبدالحی، چانگامی	۱۲
۴۱۷	وصال ۱۳۴۲ھ	مولانا ظہورالحسین، رام پوری	۱۳
۴۲۰	وصال ۱۳۴۷ھ	حکیم سید برکات احمد، ٹوکی	۱۴
۴۲۸	وصال ۱۳۵۸ھ	مولانا سید سلیمان اشرف، علی گڑھی	۱۵
۴۳۲	وصال ۱۳۵۸ھ	مولانا فضل حق، رام پوری	۱۶

۲۳۵	وصال ۱۳۶۷ھ	مولانا محمد امجد علی، اعظمی، رضوی	۱۷
۲۴۰	وصال ۱۳۶۷ھ	مولانا یار محمد، بندیا لوی	۱۸
۲۴۳	وصال ۱۳۷۹ھ	مولانا عبد القدیر، عثمانی، بدایونی	۱۹
۲۵۰	وصال ۱۳۸۴ھ	خولجہ سید مصباح الحسن، چشتی	۲۰
۲۶۶	وصال ۱۴۰۲ھ	مولانا الشاہ مصطفیٰ رضا، نوری، بریلوی	۲۱

سوانح اعظم کانفرنس سے خطاب

ص ۴۹۲ تا ۵۰۰

تعارف خانقاہ قادریہ الیوبیہ

ص ۵۰۱ تا ۵۱۱

انتساب بنام

مشائخ و علمائے دہلی

- (۱) قُطْبُ الْأَقْطَاب، خواجہ قطب الدین بختیار، کاکی، دہلوی
 (۲) محبوب الہی، خواجہ نظام الدین اولیا، بدایونی، دہلوی
 (۳) حضرت خواجہ نصیر الدین محمود، آؤھی، چراغ دہلی
 (۴) حضرت سید ابراہیم، ایرجی، قادری، دہلوی
 (۵) حضرت شیخ عبدالعزیز شکر بار، دہلوی
 (۶) حضرت خواجہ محمد عبدالباقی، باقی باللہ، نقشبندی، دہلوی
 (۷) امام المحدثین، شیخ عبدالحق، محدث دہلوی
 (۸) حضرت شاہ ولی اللہ، محدث دہلوی
 (۹) حضرت شاہ عبدالعزیز، محدث دہلوی
 (۱۰) حضرت شاہ غلام علی، نقشبندی، مجددی، دہلوی

مشائخ و علمائے لکھنؤ

- (۱) مخدوم آؤدھ، حضرت شاہ محمد مینا، چشتی، لکھنوی
 (۲) استاذ الہند، مولانا نظام الدین محمد، فرنگی محلی، لکھنوی
 (۳) بحر العلوم، مولانا عبدالحق، فرنگی محلی، لکھنوی
 (۴) عارف حق، مولانا نور الحق، فرنگی محلی، لکھنوی
 (۵) حضرت مفتی ظہور اللہ، فرنگی محلی، لکھنوی
 (۶) حضرت مولانا ولی اللہ، فرنگی محلی، لکھنوی
 (۷) حضرت مولانا جمال الدین، فرنگی محلی، لکھنوی
 (۸) حضرت مولانا عبدالحلیم، فرنگی محلی، لکھنوی
 (۹) حضرت مفتی محمد یوسف، فرنگی محلی، لکھنوی
 (۱۰) ابوالحسنات، مولانا محمد عبدالحق، فرنگی محلی، لکھنوی

تہذیب، خدمت

”پورب“ شیراز ماست۔ (شاہجہاں)

مرکز دینی و علمی ”الجامعۃ الاشرفیہ“ مبارک پور

جس کا سلسلہ منقولات و معقولات اپنے اکابر و اسلاف کرام کے ساتھ، اس طرح، مربوط و منظم ہے۔

سلسلہ منقولات

(۱) حافظِ ملت، مولانا الشاہ عبدالعزیز، مراد آبادی، محدث مبارک پوری (وصال ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء)

قدس سرہ۔ بانی الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور۔ ضلع اعظم گڑھ (یوپی، انڈیا)

(۲) صدر الشریعہ، مولانا الشاہ مفتی محمد امجد علی، اعظمی، رضوی (وصال ذوالقعدہ ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء)

قدس سرہ۔ مؤلف ”بہار شریعت“ و صاحب ”فتاویٰ امجدیہ“۔

(۳) فقیہ اسلام، امام احمد رضا، قادری، برکاتی، بریلوی (وصال ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) قدس سرہ۔

(۴) خاتم الکامر، سید شاہ آل رسول احمدی، قادری، برکاتی، مازہروی (وصال ۱۲۹۶ھ/۱۸۷۹ء) قدس سرہ۔

(۵) سرانج الہند، شاہ عبدالعزیز، محدث دہلوی (وصال ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۴ء) قدس سرہ۔

سلسلہ معقولات

(۱) حافظِ ملت، مولانا الشاہ عبدالعزیز، مراد آبادی، محدث مبارک پوری (وصال ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء)

قدس سرہ۔ بانی الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور۔ ضلع اعظم گڑھ (یوپی، انڈیا)

(۲) صدر الشریعہ، مولانا الشاہ مفتی محمد امجد علی، اعظمی، رضوی (وصال ذوالقعدہ ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء)

قدس سرہ۔ مؤلف ”بہار شریعت“ و صاحب ”فتاویٰ امجدیہ“۔

(۳) استاذ الاساتذہ، علامہ ہدایت اللہ، جون پوری (وصال ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء) قدس سرہ۔

صدر المدرسین، مدرسہ حنفیہ، جون پور۔

(۴) امام الحکمۃ و الکلام، قائد جنگ آزادی، علامہ فہل حق، خیر آبادی (وصال ۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ء) قدس سرہ

مصنف ”تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ“ و ”امتناع النظیر“۔

أولینک آبائی فحجنا بمنزلہم

إذا جمعتنا یا جریو المجمع

☆☆☆

کلمہ آغاز

اسلاف و اکابر اسلام کی یاد اور ان کی حیات و خدمات کا ذکر و بیان، صرف تاریخی طور سے سرمایہ قوم و ملت نہیں بلکہ دینی و مذہبی طور سے بھی ایمان و اسلام کے لئے سبب ترقی مدارج و تائید حق و ہدایت اور باعث تطہیر و تقویت قلب و روح و محرک محاسن و مکارم اخلاق ہے کہ اُن کے نقوش فکر، ہمارے لئے ”کَلَامُ الْجُودِ“ اور ان کے نقوش قدم، ہمارے لئے ”کَسْفِیْنَةُ نُوحٍ“ ہیں۔

یہی وہ حقیقت ثابتہ ہے، جس کی آرزو و تمنا، عرض و معروض اور التجا و دعا کی تعلیم و ہدایت ہمیں، اِس آیت مبارکہ میں دی گئی ہے:

إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ۔ (سورہ فاتحہ)

اے اللہ! ہمیں سیدھے راستے پر چلا۔ اُن کے راستے پر، جن پر تو نے انعام فرمایا۔ ان کے راستے پر نہیں، جن پر، تیرا غضب، نازل ہوا۔ نہ ان کے راستے پر، جو، گمراہ ہیں۔“ اور ہدایت یافتہ و انعام یافتہ نفوس قدسہ کی صراحت بھی فرمادی گئی ہے کہ: وہ، انبیاء و مرسلین و صدیقین و شہداء و صالحین ہیں۔

مزید وضاحت اور اُمت محمدیہ کی ہدایت کے لئے، یہ بھی فرمایا گیا کہ: مَا آتَانَا عَلَيْهِ وَ أَصْحَابِي۔ ہدایت و نجات، اُسی راستے پر ملے گی۔ جس پر میں، اور میرے صحابہ ہیں۔“

انحراف و کج روی سے بچنے کے لئے، یہ حکم بھی دے دیا گیا کہ: اتَّبِعُوا السَّوَادَ الْأَعْظَمَ فَإِنَّهُ مَنْ شَدَّ شُدَّ فِي النَّارِ۔ (مَشْكُوهُ الْمَصَائِبِ) سَوَادِ اعظم (جمہور اُمت) ہی کے نقش قدم پر چلو۔ ورنہ جو، اکیلا ہوگا وہ، اکیلے ہی، جہنم میں جائے گا۔“

”سَوَادِ اعظم“ کی تعین، امام المحدثین، شیخ عبدالحق، محدث دہلوی (وصال ۱۰۵۲ھ/۱۶۴۲ء)

اس طرح فرماتے ہیں:

”وہا لجملة، سوا ادا عظم، دروین اسلام، مذہب اہل سنت و جماعت است۔“

(اشیعة اللمعات شرح مشکوٰۃ۔ باب الإعتصام بالکتاب والسنة)

اور عارف حق، حضرت مولانا نور الحق، فرنگی محلی، لکھنؤی (وصال ۱۲۳۸ھ/۱۸۲۲ء) کے

تلمیذ رشید، علامہ فضل رسول، عثمانی، قادری، بدایونی (وصال ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء)

اس ”کلمہ حق“ کی تشریح، اس طرح فرماتے ہیں:

”اور وہ سوا ادا عظم، عقائد میں اشعری، مائیدی اور فقہ میں حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی ہیں۔“

(ص ۱۰۔ سیف الجبار۔ مطبوعہ بدایوں)

زیر نظر کتاب ”ممتاز علمائے فرنگی محل، لکھنؤ“ محض، ایک ”کتاب تعارف“

اور ”تاریخ فضل و کمال“ نہیں، بلکہ درحقیقت، یہ ایک ”کتاب تذکرہ“ ہے۔ فَإِنَّهَا تَذْكِرَةٌ۔

”علمائے فرنگی محل“ اپنے آبا و اجداد، مثلاً، قطب الدین شہید، سہالوی (متوفی ۱۱۰۳ھ)

و مثلاً، نظام الدین محمد، سہالوی، فرنگی محلی (متوفی ۱۱۶۱ھ) سے

مولانا محمد عبدالحی، فرنگی محلی (متوفی ۱۳۰۴ھ) و مولانا عبدالرزاق، فرنگی محلی (متوفی ۱۳۰۷ھ)

اور مولانا قیام الدین محمد عبدالباری، فرنگی محلی (متوفی ۱۳۳۳ھ) تک (جن کا اس کتاب میں

تعارف و تذکرہ ہے)

یہ سب کے سب، بِفَضْلِهِ تَعَالَى وَ بِكَرَمِ حَبِيبِهِ الْأَعْلَى (جَلَّ وَ عَلَا وَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ) مشاہیر علمائے سوا ادا عظم اہل سنت و جماعت ہیں۔

اور ان کی اسی دینی و علمی حیثیت اور اہمیت و افادیت کے پیش نظر، ان کی حیات و خدمات کا

مجملاً و مختصر، ذکر خیر کرنے کی سعادت بھی، حاصل کی گئی ہے۔ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ أَجْمَعِينَ۔

متحدہ ہندوستان کے بہت سے دینی و علمی خانوادے، اپنی روشن خدمات اور گراں قدر

کارناموں کی وجہ سے، تاریخ اسلامیان ہند میں نمایاں مقام کے حامل ہیں۔

اور نسلیں، انھیں، یاد رکھیں گی اور ان پر فخر بھی کرتی رہیں گی۔

لیکن، میرے محدود مطالعہ کے مطابق، خانوادہ فرنگی محل، ان سب کے درمیان

اس حیثیت سے بے حد ممتاز و منفرد ہے کہ:

پورے تسلسل کے ساتھ، دو ڈھائی صدی تک اس خانوادے سے ایسے تبحر اور جلیں القدر

علماء و فضلاء پیدا ہوتے رہے، جو آفاق ہند پہ نجوم و کواکب ہی نہیں، بلکہ آفتاب و مہتاب بن کر چمکتے اور دھکتے رہے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔

اور ان کی درس گاہ و دانش گاہ کا سلسلہ علم و حکمت اور دائرہ فضل و کمال پورے متحدہ ہندوستان کو حاوی و محیط ہے۔

اس سے ملتی جلتی ایک تاریخ، ہدایوں (روہیل کھنڈ) کے ”خانوادہ عثمانیہ“ کی بھی ہے جس پر تحقیق و تہ سیرج کر کے اس کی دینی و علمی خدمات کو، مظہر عام پر لانے کا کام، ابھی باقی ہے۔ علماء فرنگی محل سے متعلق، زیر نظر کتاب ”ممتاز علماء فرنگی محل“ کوئی قابل لحاظ تاریخی تحقیق ہے، نہ علمی تحقیق، نہ ملک کی مختلف لائبریریوں کی چھان بین کر کے کچھ نایاب گوشوں کی پیش کش، نہ ہی مطبوعہ مواد کا استیعاب، بلکہ اپنے دارالعلوم، دہلی میں بیٹھے بیٹھے جو کچھ آسانی، حاصل ہو سکا، اُسے پیش نظر رکھ کر ایک کتاب تذکرہ، تیار کر دی گئی ہے۔

اور دستیاب مواد کے مطالعہ کے دوران، علماء فرنگی محل سے متعلق، جو تاثر، دل پہ قائم ہوا، وہ، ایک قابل ذکر، یافت ہے کہ علماء فرنگی محل، باس علم و فضل، بالخصوص تخریر فن معقولات (۱) اپنے دین توہم اور مذہب مستقیم سے وابستہ رہے۔

(۲) علم کے صحیح ذوق سے، بہرہ ور، ہوتے رہے۔

(۳) غم و غمگینی کے باوجود، پُر وقار زندگی، بسر کرتے رہے۔

(۴) اُمر و ادھکام کے درپے، کبھی، جنس رسائی، نہیں کی۔

(۵) زمانے کی گردش اور علم کی ناقدری نے بعض متبحر علماء کو، ترک وطن پہ مجبور کیا۔

(۶) قناعت اور صبر و شکر کا دامن، ہاتھ سے، نہ جانے دیا۔

(۷) عالمانہ وقار کو، کبھی، مجروح نہ ہونے دیا۔

(۸) متحدہ ہندوستان کے بے شمار علماء و مشائخ اور دینی و علمی خانوادے

سلسلہ بہ سلسلہ، ان کے فیضانِ علم سے سیراب ہوتے رہے۔

(۹) توفیق الہی اور ایک عارفِ با اللہ شیخِ کامل (سید عبدالرزاق، قادری، بانسوی) سے وابستگی نے

ان کے روشن دل و دماغ کو ”معقولات“ کے رنگ اور انحراف و ضلال سے

مجموعی طور پر، محفوظ رکھا۔

(۱۰) ملک العلماء، سید الفضل، بحر العلوم، علامہ عبدالعلی محمد، فرنگی محلی

مذہب و مسلک سوا اہل عظیم اہل سنت کے معیار و مہاج اور امام و مقتدا
کل بھی تھے اور آج بھی ہیں۔ فَاَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِک۔
بیشتر قارئین کو، اس کا علم ہوگا کہ:

خانوادہ عزیز ی، ولی اللہی، دہلی اور علمائے فرنگی محل، لکھنؤ پر، دو تین سال سے
میں نے جمع مواد و تحقیق احوال و خدمات کے ساتھ، ان کی ترتیب و تدوین اور کمپوزنگ کا
سلسلہ جاری کر رکھا ہے۔ علاوہ ازیں، دیگر مصروفیات اور مسائل و معاملات بھی پیش آتے رہتے ہیں
جنہیں دیکھنا اور سنبھالنا، ضروری ہوتا ہے۔

عزیز القدر، حافظ بھٹین رضا، قادری، ایوبی، سجادہ نشین خانقاہ قادریہ، ایوبیہ، رضا نگر
پہراکنک۔ ضلع کوٹلی نگر۔ (مشرقی اتر پردیش، انڈیا) میری تحریک و تجویز کے مطابق
اپنی خانقاہ کی جانب سے ”بحر العلوم، علامہ عبدالحی، فرنگی محلی سیمینار و کانفرنس“ کے اعلان
کے ساتھ، اس کی تیاری بھی، زور و شور سے کر رہے ہیں۔

اس ”بحر العلوم سیمینار و کانفرنس“ کا انعقاد، ان کی خانقاہ کی طرف سے یکم فروری ۲۰۱۶ء کو
ہو رہا ہے۔ برادر مکرم، حضرت مولانا محمد احمد، اعظمی، مصباحی (ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ مبارک پور
ضلع اعظم گڑھ۔ یوپی) اور بعض دیگر علمائے مجھ سے فرمایا کہ:

علمائے فرنگی محل پر آپ، کام کر رہے ہیں۔ اس لئے اس سیمینار سے پہلے
بہتر ہے کہ حضرت بحر العلوم، فرنگی محلی پر آپ کا تعارفی رسالہ آجائے۔

اس سے مقالہ نگاروں کو سہولت ہوگی۔ اور قارئین کی معلومات میں بھی اضافہ ہوگا۔

اس رسالہ کے لئے عزیز القدر حافظ بھٹین رضا، تقاضا اور اصرار کرتے رہے۔

میں نے سوچا کہ جب لکھنا ہی ہے، تو، کیوں نہ کچھ ممتاز و منتخب علمائے فرنگی محل کا

ایک ساتھ ہی مختصر تعارف ہو جائے۔ بعد میں تفصیل سے کام ہوتا رہے گا۔

چنانچہ، بات بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچی کی اجمالی تعارف و تذکرہ علمائے فرنگی محل پر
ایک مستقل کتاب ہی تیار ہوگئی، جو، اس وقت آپ کے زیر مطالعہ ہے۔

کتب و رسائل علمائے فرنگی محل کی دستیابی اور پھر، ان کی تحقیق و تجزیہ وغیرہ

یہ ایک دوا دی کے بس کی بات نہیں۔ اور وہ بھی، ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔

اس کے لئے جس علمی و تحقیقی وقت و نظر کی ضرورت ہے، وہ، اہل علم پر مخفی نہیں۔

بجلیت ممکنہ، جو کچھ ہو سکا، وہ، اہل ذوق اور اہل علم کی خدمت میں حاضر ہے۔
اہل علم سے التماس ہے کہ:

مطالعہ کتاب کے دوران، جس نقص و عیب اور سہو و خطا پر، نظر پڑے اُس سے
مؤلف کتاب کو، براہ راست، مطلع کریں اور اپنی مفید ہدایات اور مشوروں سے نوازیں۔
انھیں، قبول کرتے ہوئے اگلے ایڈیشن میں، فراخ دلی کے ساتھ، ترمیم و اصلاح وغیرہ
کر کے کتاب کو مزید بہتر اور جامع بنانے کی کوشش کی جائے گی۔ اِنْ شَاءَ اللہ تعالیٰ۔
اور ایسے کرم فرما حضرات کا مہرِ دل سے شکریہ بھی ادا کیا جائے گا۔
هَذَا وَمَا تَوْفِيقِي اِلَّا بِاللّٰهِ۔

مؤرخہ
۱۶ ربیع الاول ۱۴۳۸ھ
۱۶ دسمبر ۲۰۱۶ء
جمعۃ المبارکہ

یمن اختر مصباحی
داڑ القلم، قادری مسجد روڈ
ڈاکٹر نگر، نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵
موبائل: 09350902937

ای میل: misbahi786.mk@gmail.com

خانوادہ فرنگی محل کا ”ورقہ نسب“

شیخ الاسلام، ابواسمعیل، عبداللہ، انصاری، ہروی (وصال ۳۸۱ھ/۱۰۸۸ء) سے سلسلہ بہ سلسلہ منتقل ہوتا ہوا، میزبانِ رسول (صَلَّى اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) حضرت ابویوب انصاری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ تک، خانوادہ فرنگی محل کا ”ورقہ نسب“ اس طرح، متصل اور مربوط و منسلک ہے:

(۱) مُلَّا قطب الدین شہید، سہالوی (۲) بن مُلَّا، عبدالحلیم (۳) بن مُلَّا، عبدالکریم (۴) بن شیخ الاسلام، مُلَّا احمد (۵) بن مُلَّا، محمد حافظ (۶) بن شیخ فضل اللہ (۷) بن شیخ محی الدین (۸) بن شیخ شرف الدین (۹) بن شیخ نظام الدین (۱۰) بن قطب العالم، شیخ خواجہ علاء الدین (۱۱) بن خواجہ اسمعیل (۱۲) بن جمال الدین (۱۳) بن خواجہ داؤد (۱۴) بن خواجہ عزیز الدین (۱۵) بن خواجہ جمال الدین (۱۶) بن خواجہ دوست محمد (۱۷) بن خواجہ، پیر، غیاث الدین (۱۸) بن پیر مُعِزُّ الدین (۱۹) بن پیر حبیب اللہ (۲۰) بن خواجہ شمس الدین (۲۱) بن خواجہ جلال الدین (۲۲) بن خواجہ ظہیر الدین (۲۳) بن خواجہ سلطان محمد (۲۴) بن خواجہ نظام الدین (۲۵) بن خواجہ شہاب الدین (۲۶) بن محمود (۲۷) بن ایوب (۲۸) بن جابر (۲۹) بن مقرَّب باری (۳۰) بن خواجہ ابواسمعیل عبداللہ، انصاری، ہروی (۳۱) بن ابومنصور محمد (۳۲) بن ابومعاذ (۳۳) بن محمد (۳۴) بن احمد (۳۵) بن علی (۳۶) بن جعفر (۳۷) بن منصور، انصاری۔

(۳۸) بن حضرت ابویوب، انصاری، بخاری، مدنی (میزبانِ رسول صَلَّى اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) رِضْوَانُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْن -

(”انحصان اربعہ“ (فارسی) مؤلفہ: مولانا ولی اللہ، فرنگی محلی (متوفی ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۳ء)

بحوالہ ۳۔ ”باقیات“ بقلم: مفتی محمد رضا، انصاری، فرنگی محلی۔ متوفی ۱۴۱۰ھ/فروری ۱۹۹۰ء۔

مطبوعہ فرنگی محل لکھنؤ۔ ۲۰۰۹ء

علمائے فرنگی محل (لکھنؤ) کا سلسلہ علم و حکمت

خانوادہ فرنگی محل، لکھنؤ کے مورث اعلیٰ، مثلاً، قطب الدین شہید، سہالوی (ولادت تقریباً ۱۰۴۰ھ شہادت ۱۹/رجب ۱۱۰۳ھ/۲۷ مارچ ۱۶۹۲ء) ہیں۔ رَحْمَةُ اللهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی عَلَیْہِ۔ سہالی، اودھ (ضلع بارہ بنکی، صوبہ اتر پردیش) کے، مثلاً، قطب الدین شہید، انصاری کا سلسلہ نسب بواسطہ شیخ الاسلام، ابوالسّمیل، عبداللہ، انصاری، ہروی (ہرات، افغانستان۔ متوفی ۴۸۱ھ/۱۰۸۸ء) میزبان رسول، حضرت ابویوب انصاری، رَضِیَ اللہُ عَنْہُ سے جاملتا ہے۔ ”تذکرہ علمائے فرنگی محل“، مؤلفہ مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی (ولادت ۱۳۰۶ھ/

۱۸۸۸ء۔ وفات ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء)، مطبوعہ فرنگی محل، لکھنؤ ۱۹۳۰ء سے پہلے کی مطبوعہ

ایک نایاب کتاب ”علمائے فرنگی محل“، مؤلفہ شیخ الطاف الرحمن قدوائی

(بڑا گاؤں، ضلع بارہ بنکی۔ صوبہ اتر پردیش۔ متوفی ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء)

شائع کردہ: محمد عبداللہ صدیقی، درمطبع مجتہائی، لکھنؤ

اس وقت، پیش نظر ہے۔

شیخ الطاف الرحمن، قدوائی، حضرت مولانا عبدالباری، فرنگی محلی (وصال رجب ۱۳۴۴ھ/ جنوری ۱۹۲۶ء) رَحْمَةُ اللهِ عَلَیْہِ کے شاگرد ہیں۔

اپنی تعارفی و سوانحی کتاب ”أحوال علمائے فرنگی محل“ میں، میزبان رسول، حضرت ابویوب انصاری، رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کی اولاد میں سے ایک عالم و محدث و عارف

حضرت شیخ الاسلام، عبداللہ انصاری (متولد ۳۹۶ھ۔ متوفی ۴۸۱ھ/۱۰۸۸ء) کے تعارف میں شیخ الطاف الرحمن، قدوائی لکھتے ہیں کہ:

”آپ کی اولاد، نہ تھی۔ آپ نے اپنے بھانجے، یا۔ نواسے کو، اپنا بیٹا بنایا۔

اور ان کی اولاد، آپ کی طرف، منسوب ہوئی۔

چنانچہ، ایک گروہ اہل ہرات کا، حضرت استاذ الہند، مولانا نظام الدین محمد کے پاس آیا اور اس نے اس واقعہ کو، بیان کر کے کہا کہ:

”آپ لوگ، سید ہیں۔ اس لئے کہ اون کی، بمشیرہ، یا۔ صاحبزادی

سادات میں، بیابھی ہوئی تھیں۔“

مولانا (نظام الدین محمد، سہالوی) رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْہِ نے جواب دیا کہ:
 ”ہم، ایسی بے اصل مشہور روایتوں کی وجہ سے، اپنے اوس نسب کو
 جو، برابر، اپنے آبا سے سنتے چلے آئے ہیں اور تواریخ بھی، اس کی تائید کرتی ہیں
 بدل نہیں سکتے۔“

”اگر تم لوگ سچے ہو، تو، یہ شرف، ہم، قیامت کے لئے اٹھارہکتے ہیں۔
 دنیا میں، ہم، انصاری ہیں۔ اور یہ فضل، ہمارے واسطے کوئی کم نہیں ہے۔“
 کتب تاریخ اور انساب کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ:
 حضرت عبداللہ، انصاری کے بیٹے، اسماعیل نامی تھے۔
 جن کی وجہ سے آپ کی کنیت، ابو اسماعیل تھی۔ اور انھیں سے، آپ کا سلسلہ نسب، جاری ہوا۔
 ہندوستان میں، اور بھی خاندان، علاوہ، اس فرنگی محل کے، آپ کی اولاد میں ہیں۔
 اور مشہور و معروف علماء و فقہاء، آپ کی اولاد سے گذرے ہیں۔“
 (حاشیہ:- چنانچہ، علمائے پانی پت اور گرانہ اور سنبھل اور برناوا، اور فتح پور اور اہلی سہالی بھی
 انھیں کی اولاد میں ہیں۔ الطاف الرحمن)

برات سے حضرت خواجہ، جلال الدین بن خواجہ سلیم بن خواجہ اسماعیل بن عبداللہ، انصاری
 بطور جہاد، ہندوستان میں تشریف لائے اور قریہ، سرسل میں قیام کیا۔
 ایک مدت تک، درس و تدریس میں بھی، وہاں مشغول رہے۔
 اور خانقاہ اور مسجد بھی، وہاں، تعمیر کرائی۔

..... آپ کی اولاد میں، بہت بڑے بڑے علماء اور فضلاء گذرے ہیں۔
 خاندانِ برناوا (قریب دہلی کے ایک قریہ ہے) کے بھی اکابر ہیں۔ اون کے احوال
 رسالہ چشتیہ اور تکملہ خیر العمل اور مقدمہ فتاویٰ قیام المیلۃ والدین میں، مکتوب ہیں۔
 منجملہ ان کے، مخدوم بدر الدین بن مخدوم شرف الدین بن خواجہ فضیل بن خواجہ کلاں
 بن خواجہ داؤد بن خواجہ حامد بن خواجہ جلال الدین بن ہیں۔

انھوں نے، دہلی میں علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل کی اور عالم متبحر ہوئے۔
 اور درس و تدریس میں، مدت تک، مشغول رہے۔

ایک مدرسہ، منارہ شمس (قطب صاحب کی لاٹ، مہرولی، دہلی) کے پاس بنایا

اور اس کو نہایت درجہ رونق دی۔ ایک مدت تک تو، درس و تدریس میں مشغول رہے پھر، دنیا کو ترک کر کے حضرت خواجہ نصیر الدین، چراغ دہلی کے ہاتھ پر، بیعت کی اور خلافت حاصل کی۔

شیخ، قدس سرہ نے حکم دیا کہ: موضع برناوا میں سکونت کرو اور نکاح بھی، اپنا کر لو۔“ اگرچہ، ضعیف ہو گئے تھے، مگر، حکم شیخ، نکاح کیا۔
شیخ قدس سرہ نے، یہ بھی فرمایا تھا کہ:

”تمہارے، ایک لڑکا ہوگا۔ اس کا نام، میرے نام پر، رکھنا۔“

چنانچہ، ایک صاحبزادے، پیدا ہوئے اور اون کا نام، نصیر الدین رکھا گیا۔

مخدوم بدر الدین نے ۲۵ شوال ۸۲۷ھ میں، وفات پائی۔

مخدوم نصیر الدین نے اپنے والد کی بیعت کی اور عالم و فاضل، صاحب کرامات و خرق عادات ہوئے۔ نوے (۹۰) سال کی عمر میں، یا۔ نانوے (۹۹)

یا۔ ایک سو، ایک (۱۰۱) برس کی عمر میں ۱۱ رذوالحجہ ۸۳۹ھ، یوم یک شنبہ کو، وفات پائی۔

آپ کے صاحبزادے، مخدوم، علاء الدین ہوئے۔

مخدوم، مثلاً علاء الدین کا لقب، بزرگ ہے۔ آپ نے علوم عقلیہ و نقلیہ

اپنے والد ماجد اور مولانا افتخار الدین سے تحصیل کیے اور صاحب ارشاد ہوئے۔

چنانچہ، علاء الدین خلجی، شاہ دہلی، آپ کے مرید تھے۔

۲۱ شوال ۸۷۶ھ میں، وفات پائی اور موضع شیخ پورہ، راپڑی میں

اپنے والد بزرگوار کے مقبرہ میں، دفن ہوئے۔

آپ کے صاحبزادہ، مخدوم، نظام الدین تھے۔

سرزمین اودھ، جن کی وجہ سے مشرف ہوئی ہے، وہ، یہی بزرگ (مخدوم، نظام الدین) ہیں۔

انھوں نے حفظ قرآن سے فراغت کر کے تحصیل علم کیا۔ اور ایک مدت تک، درس و تدریس

میں مشغول رہے۔ ہرات کا بھی ایک سفر کیا۔ وہاں سے واپسی کے وقت، برناوا میں آکر

ایک خانقاہ بنوائی۔ بعد اس کے، اودھ میں قصبہ سہالی ضلع بارہ بنکی میں آکر، ترائن اختیار کیا

اور وہیں، انتقال فرمایا۔ اور کچھ تھوڑے فاصلہ پر، سہالی کی آبادی سے، دفن ہوئے۔

دفن گاہ ان کی، اس وقت تک ”روضہ“ کر کے مشہور ہے۔“

(ص ۹۷- ”احوالِ علماے فرنگی محل“۔ مؤلفہ الطاف الرحمن، قدوائی۔ مطبع مجبائی، لکھنؤ)

اس سے آگے، ذکرِ مخدوم نظام الدین میں، شیخ الطاف الرحمن قدوائی صاحب لکھتے ہیں کہ:

”جہاں تک، تاریخ سے پتہ چلتا ہے، یہ بات، ظاہر ہوتی ہے کہ:

شیخ الاسلام، عبداللہ، انصاری سے لے کر، اس وقت تک

اس خاندان میں، برابر، سلسلہ وار، علم چلا آ رہا ہے۔

چنانچہ، حضرت مثلاً، نظام الدین مذکور کے بعد سے، تو، کوئی شبہ نہیں کہ:

علی التسلل، یکے بعد دیگرے، خاندانِ فرنگی محل میں، علما ہوتے چلے آ رہے ہیں۔

چنانچہ، آپ کے فرزند، شیخ شرف الدین، عالم فاضل مدرس تھے۔

یہ بھی اپنے والد کی قبر کے پاس، مدفون ہوئے۔

آپ کے پوتے، شیخ الاسلام، مثلاً، محمد حافظ بن شیخ فضل اللہ، مشہور و معروف علما میں سے

ہیں۔ اور دور دراز سے طلبہ، آپ کے پاس، تحصیلِ علم کی غرض سے آتے تھے۔

چنانچہ، آپ کے مدرسہ میں اتنی جماعت کثیر طلبہ کی تھی، جس کے اخراجات و خورد و نوش کے

واسطے، بادشاہ اکبر نے ایک کثیر قبۂ زمین، معاف کی تھی۔

جیسا کہ، فرمانِ خطی شاہ اکبر سے معلوم ہوتا ہے۔ جو، اب تک موجود ہے۔

مثلاً، محمد حافظ کی اولاد، اس وقت تک، علاوہ فرنگی محل کے خاندان کے، اور بھی ہے۔

آپ کا انتقال، سہالی میں ہوا۔ اور درمیانِ قبضہ، اور ”روضہ“ کے، ایک باغ میں دفن ہوئے۔

اور آپ کی قبر کی جگہ پر، آپ کی اولاد کے بھی، کچھ لوگ، دفن ہیں۔

آپ کے فرزند، مثلاً احمد، عالم فاضل تھے اور ان کے فرزند، مثلاً عبدالکریم تھے۔ عالم فاضل

تبحر تھے۔ ان دونوں کے متعلق، کوئی خاص بات ایسی نہیں ہے، جو، مذکور ہو۔

مثلاً، عبدالکریم کے صاحبزادے، مثلاً، عبدالحلیم نے عبدالسلام، دیوی سے کتبِ درسیہ پڑھیں۔

مثلاً، عبدالسلام، دیوی، اس زمانے میں لاہور کے مدرسے میں مدرس تھے۔

مثلاً، عبدالحلیم بھی بعد تحصیل کے، ایک مدت تک، اسی مدرسہ میں مدرس رہے ہیں۔

آپ کے ہاتھ کا لکھا ہوا، پدایہ اس وقت تک، فرنگی محل میں موجود ہے۔

مثلاً، عبدالحلیم کے صاحبزادے، مثلاً، قطب الدین شہید، سہالوی تھے۔ جن کی اولاد میں

یہ خاندان، فرنگی محل کا ہے کہ سوا، اس خاندان کے، اور ان کی اولاد، نہیں ہے۔

مُلاً، قطب الدین، سہالی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی علوم اپنے والد بزرگوار کے ہمراہ لاہور کے مدرسہ میں تحصیل کیے۔ اور مُلاً، دانیال جوراسی، شاگردِ مُلاً عبدالسلام، دیوی سے بھی تعلیم پائی۔ پھر حضرت قاضی گھانسی، الہ آبادی، خلیفہ حضرت شیخ محبت اللہ، الہ آبادی سے علوم ظاہری و باطنی کی تحصیل کی۔ اور سلسلہ صابریہ چشتیہ میں، اخذِ بیعت کی۔

اور علمِ اصول فقہ، معانی اور منطق اور طبعی اور الہی اور ریاضی اور فنونِ عربیہ اور حدیث میں مرتبہ کمال، حاصل کیا۔

ایک مدت تک، درس و تدریس میں مشغول رہے۔ یہاں تک، کثرت سے تلامذہ تھے کہ صاحبِ مآثر الکرام، سید غلام علی آزاد، بلگرامی لکھتے ہیں کہ:

اکثر علمائے ہند کا سلسلہ تلمذ، مُلاً، قطب الدین، سہالوی تک، تمام ہوتا ہے۔

اور لکھتے ہیں کہ: مُلاً، قطب صاحب کی تصنیف میں سے

حاشیہ شرح عقائد و انی بہت، دقیق تھا۔

صاحب ”خیر العمل“ تحریر کرتے ہیں کہ:

اون کی تصانیف میں سے زیادہ مشہور، حاشیہ تلوخ اور حاشیہ شرح عقائد نفی اور

تفریعاتِ بزدوی اور حاشیہ مطوّل اور رسالہ، در تحقیق دائر الحرب اور حاشیہ شرح حکمۃ العین تھی۔

مگر، افسوس کہ، یہ تصانیف، اون کے معرکہ شہادت میں جل کر، خاکستر ہو گئیں۔

یومِ دو شنبہ، انیسویں رجب ۱۱۰۳ھ میں، ترسٹھ (۶۳) برس کی عمر میں آپ کے

بعض دشمنوں نے آپ کو شہید کیا۔ قصہ شہادت آپ کا، محض مُلاً سعید سے کماحقہ ظاہر ہوتا ہے۔

(ص ۹ تا ۱۱۔ ”احوال علمائے فرنگی محل“۔ مؤلفہ شیخ الطاف الرحمن، قدوائی۔ مطبع مجبائی، لکھنؤ)

مُلاً، قطب الدین شہید، سہالوی کے والد، مُلاً، عبدالحلیم کے استاذ، مُلاً، عبدالسلام، دیوی

کے بارے میں، سید غلام علی آزاد، بلگرامی (متوفی ۲۵ ربیع الثانی ۱۲۰۰ھ) تحریر فرماتے ہیں:

”دیوہ، مضافاتِ اودھ (دیوہ، ضلع بارہ بنکی۔ صوبہ اتر پردیش، انڈیا۔ مصباحی) میں ہے۔

اضافہ علوم، خصوصاً عربی، آپ نے اپنے وطن میں تحصیل کی۔

قسمت نے، انھیں، مُلاً، عبدالسلام، لاہوری تک، لاہور پہنچا دیا۔

مُلاً، عبدالسلام، دیوی نے جو کچھ پڑھا تھا، اُس کی مُلاً، عبدالسلام، لاہوری کی خدمت میں

تصحیح کی اور اپنے استاد کے قدم بہ قدم چلے۔

دُنوں کے نام میں جس طرح، یکسانیت ہے، اُسی طرح، فضیلت میں بھی برابری کا رتبہ حاصل کیا۔
 کچھ دنوں تک، طلبہ کو تعلیم دینے میں مصروف رہے۔ اس کے بعد
 صاحبِ قراں، شاہجہاں کے ساتھ، وابستہ ہو کر، فوجیوں کے اُمورِ قضا پر، مامور رہے۔
 بڑھاپے میں منصبِ قضا سے مستعفی ہو کر، لاہور میں گوشہ نشینی، اختیار کر لی۔
 اور تشنگانِ علوم کو، اپنے علم سے فیض یاب و سیراب کرتے رہے۔
 اسی دوران، تفسیر بیضاوی کا ایک حاشیہ بھی تحریر کیا۔“

(ص ۳۷۷- مائثر الکریم- مؤلفہ: سید غلام علی آزاد، بلگرامی۔ اردو ترجمہ از مولانا محمد یونس، مونس اویسی
 جامعۃ الرضا، مقرر پور۔ بریلی شریف۔ یو پی۔ طبع اول ۱۳۲۹ھ/۲۰۰۸ء)

مُلاً، عبدالسلام، دیوبی، اُدھی کے استاد، مُلاً، عبدالسلام، لاہوری کے بارے میں
 سید غلام علی آزاد، بلگرامی تحریر فرماتے ہیں:
 آپ، معدنِ علوم عقلیہ و نقلیہ تھے۔ اور فنونِ ادب فقہ و اصول کے بھی اچھے عالم تھے۔
 میر فتح اللہ، شیرازی وغیرہ سے تعلیم، حاصل کی۔

اور تقریباً ساٹھ (۶۰) سال تک، خدمتِ درس و تدریس، انجام دیتے رہے۔

ایک بڑی جماعت کو مرتبہ علم و فضل کا، حامل بنایا۔
 اور تفسیر بیضاوی کا ایک حاشیہ بھی تحریر کیا۔ تقریباً نوے (۹۰) سال کی عمر پائی۔

آپ، فرماتے تھے کہ کتب متداولہ پر:
 میرے بہت سے اعتراضات تھے، جنہیں، میں نے اہلِ علم کے سامنے رکھا، جسے سب نے
 درست قرار دیا۔ لیکن، تدریس میں کثرتِ مشغولیت کی وجہ سے کچھ لکھنے کی فرصت، نہیں ملی۔

اب، جب کہ ضعیفی نے گھیر لیا ہے، قوتِ حافظہ میں بھی کمزوری آ گئی ہے
 تو، وہ باتیں، ذہن سے نکل چکی ہیں۔

اپنے تصورات و خیالاتِ ذہنی کے محمل و مفقود ہو جانے پر آپ، اظہارِ افسوس کیا کرتے تھے۔
 ۱۰۳۷ھ میں آپ کا انتقال ہو گیا۔“

(ص ۳۳۸- مائثر الکریم- مؤلفہ: سید غلام علی آزاد، بلگرامی۔ مطبوعہ بریلی ۲۰۰۸ء)

مُلاً، عبدالسلام، لاہوری (متوفی ۱۰۳۷ھ/۱۶۲۸ء) کے استاد، میر فتح اللہ، شیرازی (متوفی
 ۹۹۷ھ- در کشمیر) کی وجہ سے منطق و فلسفہ کی ترویج و اشاعت ہوئی۔

اور تقریباً تین صدی تک، ہندوستان کے اندر، معقولات کی گرم بازاری رہی۔ جس کا مرکز اودھ تھا۔ اور اس کے علم بردار، علمائے فرنگی محل و علمائے سندیلہ و گوپا مسو و جون پور و خیر آباد تھے۔

اور اب اس کی محفل، اُجڑ چکی ہے۔ بساط، پلٹ چکی ہے۔
 اور شمع، جھلملاتے ہوئے محل ہو چکی ہے۔ رہے نام، اللہ کا۔

فرنگی محلی فیضانِ علم و حکمت

”درسِ نظامی“ سرزمینِ متحدہ ہند کے عظیم فرزند، اُستادِ الہند، مُلاً، نظام الدین محمد، سہالوی فرنگی محلی (ولادت ۱۰۹۰ھ یا ۱۰۹۱ھ/۱۶۷۸ء۔ وصال ۱۱۶۱ھ/۱۷۴۸ء)

فرزندِ مُلاً، قطب الدین، سہالوی (شہادت ۱۹ رجب ۱۱۰۳ھ/۲۷ مارچ ۱۶۹۲ء) کے ذہین رسا و فکر بلند کا ایک تاریخ ساز نمونہ ہے۔

متحدہ ہندوستان کے مختلف علاقوں، بالخصوص، صوبہ متحدہ اُودھ و آگرہ، یعنی موجودہ صوبہ اتر پردیش کے سیکڑوں مدارسِ اسلامیہ میں، صدی دوسری قبل بھی، یہی درسِ نظامی، رائج تھا۔

اور عہدِ حاضر میں بھی، اپنی بدلی ہوئی ہیئت کے ساتھ، یہی درسِ نظامی سیکڑوں مدارسِ ہندوپاک میں، داخلِ نصاب ہے۔

جس سے ہزاروں طلبہ، مستفید و سیراب اور فیض یاب ہو رہے ہیں۔

اور آج بھی، اس کی اہمیت و افادیت میں کسی دیدہ و راورِ ژرف نگاہ عالم و مدِرس کو کسی طرح کا انکار و اضطراب نہیں ہے۔

اگر، کسی کو کچھ کلام ہے، یا۔ کسی طرف سے کوئی آواز آتی ہے

تو، داخلِ نصاب علوم و فنون میں عصری تقاضے، ملحوظ رکھنے کی ہے۔

جسے، اگر بظرفِ غائر، اور نگاہِ انصاف سے دیکھا جائے

تو، یہ ”درسِ نظامی“ اپنی تدوین و ترتیب اور نفاذ و اجرا کے لحاظ سے

خود، اپنے عہد کے تقاضے کی تکمیل ہے۔

ایسی صورت میں، یہ حقیقت، واضح ہے کہ:

اسلامی علوم و فنون مقصودہ کی تعلیم و تحصیل کے ساتھ ہی

مذہبی تقاضوں کی تکمیل کے لئے عصری علوم و فنونِ آلیہ کی تحصیل ہی

”درسِ نظامی“ کا بنیادی مقصد ہے۔

اس حقیقت کو ”درسِ نظامی“ سے وابستہ بعض حضرات، یا۔ اس کے کچھ ناقدین، نہ سمجھیں۔

اور اس کی خاطر خواہ رعایت، نہ کر سکیں

تو، یہ ”درسِ نظامی“ کا نہیں، بلکہ اس کے بعض حامیوں کی کوتاہ نظری، یا غفلت و بے عملی یا اس کے بعض انتہا پسند ناقدوں کی بے خبری و بے بصری اور جسارت بے جا ہے۔ جس سے درسِ نظامی، برٹی الذمہ اور اس کا دامن، بالکل بے داغ و بے غبار ہے۔ ”درسِ نظامی“ کی استعداد آفرینی، مسلم ہے۔ اس نے ایسے جلیل القدر علما و فضلاء پیدا کیے ہیں، جنہیں اپنے دور کا وقار و افتخار قرار دیا جانا چاہیے۔

کامل اساتذہ اور متبحر علما کی فہرست بنانے اور ان کا نام، شمار کرانے کی ضرورت نہیں۔

جن حضرات کا تاریخی مطالعہ ہے، اُن کی نگاہوں کے سامنے

بہت سی ایسی صورتیں، یا اُن کے نام، گردش کرنے لگے ہوں گے

جن کی نظیر، اپنے زمانے میں تھی، اور نہ آج

خطہ ہند و پاک کے کسی گوشے میں، اُن کا کوئی مثیل و نظیر ہے۔

ذہن نشین رہے کہ کل کا ”مُلا“ ہی، ”استاذُ الہند“، ”بحر العلوم“، ”امام الہند“

”استاذ مطلق“ اور ”استاذُ الاساتذہ“، ہوا کرتا تھا۔

زیر نظر کتاب میں، یا۔ جہاں، کہیں، صدی و صدی پیشتر کے

”مُلا“ سے سابقہ پڑے، آپ، یہ باور کریں کہ:

یہ، وہی ”مُلا“ ہے جس کے پایہ کا کوئی عالم و مدِرس و صدرُ المدرسین و شیخُ الحدیث

آج کے مدارس و مراکز میں

اور کوئی دانشور و پروفیسر، آج کی یونیورسٹیوں میں

ڈھونڈنے سے بھی نہیں مل پائے گا۔

ہاں! آج کا ”مُلا“ یقیناً، وہی سمجھا جاتا ہے

جو، عموماً، صرف علم نہیں، بلکہ عقل سے بھی، کوسوں دور ہوتا ہے۔

اور مسلم معاشرے میں، اس کی حیثیت کسی ”شے زائد“ اور ”مذہبِ فاضل“ کے علاوہ، کچھ نہیں ہوتی۔

جسے ”بیچارہ مُلا“ اور ”قابلِ رحم مُلا“ کے سوا، کچھ نہیں سمجھا اور کہا جاتا ہے۔

آج، نہ کہیں، کوئی ”مُلا حَسَن“، ملے گا، نہ کوئی ”مُلا مُبِین“، نہ کوئی ”مُلا آعِلَم“،

نہ کوئی ”مُلا کمال“ جن کے علم و فضل اور جن کی دیدہ وری و نکتہ رسی کی گونج

کسی زمانے میں لکھنؤ سے دہلی اور ملتان و لاہور سے گزر کر، وسطِ ایشیا تک تھی۔

”درسِ نظامی“ میں شامل علوم و فنون اور کتبِ درسیہ کے کسی تعارف و تبصرہ کی اور اس تحریر میں کسی تحقیق و تفصیل کی ضرورت، نہ محسوس کرتے ہوئے اختصار کے ساتھ ہی، اس کے تعلق سے کچھ گفتگو کی جائے گی۔

”درسِ نظامی“ کے بارے میں ماضی قریب کے ایک فرنگی محلی عالم مفتی محمد رضا، انصاری، فرنگی محلی (استاذ شعبہ دینیات، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔ یوپی۔ متوفی ۱۳۱۰ھ / فروری ۱۹۹۰ء) نے جو کچھ لکھا ہے، اُس کا ایک خلاصہ، درج ذیل ہے۔ جس میں کتب و مخطوطات کے حوالے، کتاب ”بانی درسِ نظامی“ مؤلفہ مفتی محمد رضا انصاری، فرنگی محلی سے ہی، دیے جا رہے ہیں۔

مفتی محمد رضا، انصاری، فرنگی محلی لکھتے ہیں کہ:

”درسِ نظامی“ کا مقصود ہے: طلبہ کو، اُن کتب کی تعلیم دینا

جن کے ذریعہ، متعلقہ علم و فن کی استعداد اور ملکہ، ان کے اندر پیدا ہو جائے اور پھر، وہ اپنے طور پر، باقی کتب کا مطالعہ کر کے، انھیں سمجھ سکیں۔“

اس مقصود کی تحصیل میں ”درسِ نظامی“ کامیاب تھا۔ اور اب بھی کامیاب ہے۔

اور اگر، طالب علم، اپنی غفلت و کوتاہی سے دیگر کتابوں کا مطالعہ، نہ کرے

تو، یہ اُس کا نجی اور ذاتی قصور ہے۔ جس سے ”درسِ نظامی“ کا دامن، پاک ہے۔

”درسِ نظامی“ کے آغاز کا سلسلہ، بعض حضرات

مثلاً قطب الدین شہید، سہالوی سے کرتے ہیں۔

اگر، صورت واقعہ کچھ ایسی بھی ہو، تو، مثلاً، قطب بھی

صرف علوم عقلیہ نہیں، بلکہ علوم قرآن و حدیث و فقہ کے بھی، تبحر عالم و فاضل تھے۔

اس کا واضح و صریح ثبوت، اُس محضر نامہ میں پایا جاتا ہے

جسے، آپ کی شہادت (۱۱۰۳ھ / ۱۶۹۲ء) کے بعد، آپ کے صاحبزادگان و علما و عمائدین نے

سلطان اورنگ زیب عالم گیر کی خدمت میں پیش کیا تھا کہ:

مثلاً، قطب الدین کے اپنے کتب خانہ میں، نمبر (۹۰۰) کتابیں تھیں۔ (جو، جملہ آوروں نے

جلادیں) ان میں قرآن شریف کے چار نسخے اور مشکوٰۃ وغیرہ، حدیث کی کتابیں تھیں۔“

(وہ سب، جمل گئیں)

اس مختصر نامہ میں، مسطور و مذکور ہے کہ:

”درس اور عبادت سے فرصت کے اوقات میں مُلّا، قطب الدین، سہالوی

علوم تفسیر و حدیث و فقہ و اصول فقہ میں، تصانیف کیا کرتے تھے۔“

مُلّا، نظام الدین محمد، سہالوی اپنے نامور والد (مُلّا، قطب الدین، سہالوی) کے علوم و فنون کے وارث تھے۔ انھیں، سندِ علم حدیث، شیخ محمد، مغربی، تلمسانی سے حاصل تھی، جو، آپ کے شاگرد بھی تھے۔

مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی (وفات ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء) لکھتے ہیں کہ:

ایک کتاب کی پشت پر میں نے لکھا ہوا دیکھا ہے کہ، استاذِ الہند (مُلّا، نظام الدین محمد) نے، سندِ حدیث، اپنے شاگرد، مُلّا، محمد، مغربی، تلمسانی سے حاصل فرمائی تھی۔ ”وَاللّٰهُ تَعَالٰی اَعْلَمُ۔“

(ص ۱۸۲۔ ”تذکرہ علمائے فرنگی محل“۔ مؤلفہ مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی۔ مطبوعہ اشاعت العلوم۔

فرنگی محل لکھنؤ۔ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء)

مُلّا، نظام الدین محمد، سہالوی، فُصوص اور، مشکوٰۃ صحیح بخاری کا بھی، درس دیا کرتے تھے۔

انھیں، اپنے استاذ، مُلّا، غلام نقشبند، لکھنوی سے سندِ حدیث، ضرور ملی ہوگی۔

اور علوم حدیث میں آپ کی وسعتِ نظر، آپ کے ایک رسالہ ”اَحْوَالُ وَضُوءِ النَّبِیِّ“ سے ظاہر ہوتی ہے۔

اس کا ایک اقتباس، مفتی مظہر کریم، دریابادی (وفات ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۳ء) کے مجموعہ فتاویٰ (مخطوط، مخزن کتب خانہ مولانا عبد الماجد، دریابادی) میں، موجود ہے۔

شاہ شاہ شاکر اللہ، سند دہلوی (وصال ۱۱۸۸ھ/۱۷۷۴ء۔ شاگرد مُلّا، نظام الدین محمد، سہالوی و خلیفہ سید شاہ اسماعیل، بیلگرامی ثم مَؤَلَوِی۔ مصباحی) کے احوال میں، درس صحیح بخاری کے ایک واقعہ کا ذکر مُلّا، نظام الدین محمد، سہالوی کے حقیقی پوتے، مُلّا، عبداللہ علی، فرنگی محلی (وصال ۱۲۰۷ھ) نے اپنے رسالہ قطبیہ (مخطوط) میں کیا ہے۔

اور درس بخاری دینے والے استاذ، مُلّا، نظام الدین محمد کا نام لے کر

اس واقعہ کا ذکر اپنی دوسری تصنیف ”محاسن ردّ اقیہ“ میں کیا ہے۔

(”محاسن ردّ اقیہ“ از مُلّا، عبداللہ علی۔ مخطوط۔ مخزن مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی

علی گڑھ۔ یہ شرح ہے ”مناقب ردّ اقیہ“ مؤلفہ مُلّا، نظام الدین محمد، سہالوی کی۔

جس کا دوسرا ایڈیشن، شاہی پریس، لکھنؤ سے ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء میں، شائع ہوا)

مُلاً، عبد اللہ علی، فرنگی محلی (وصال ۱۲۰۷ھ) فرزند بحر العلوم، مولانا عبد اللہ علی، فرنگی محلی (وصال ۱۲۲۵ھ) درسی کتب کے بارے میں لکھتے ہیں:

(فارسی سے ترجمہ) جان لینا چاہیے کہ ہر ایک استاذ کے پڑھانے کا انداز زمانہ اور حصول استعداد کے لحاظ سے، جداگانہ رہا ہے۔

اس لئے کہ مُلاً، قطب شہید، ہر فن کی ایک ہی کتاب جو اپنے موضوع پر بہترین ہوتی اسے پڑھاتے تھے اور ان کے تلامذہ، صاحب تحقیق ہو جاتے تھے۔

مُلاً، نظام الدین محمد، ہر علم کی، دو دو کتابیں اور بعض ذہین طلبہ کو، ایک ایک کتاب پڑھاتے تھے۔ بحر العلوم (مولانا عبد اللہ علی، فرزند مُلاً نظام الدین محمد، سہالوی، فرنگی محلی) بعض طلبہ کو ایک ایک، بعض کو، دو دو، اور بعض طلبہ کو، تین کتابیں، ہر علم و فن کی پڑھاتے تھے۔

یعنی طلبہ کی استعداد کے مطابق، کتابوں کی تعداد کا، تعین کرتے تھے۔

راقم (مُلاً، عبد اللہ علی، فرنگی محلی) نے اپنے زمانے کے طلبہ کی استعداد کے پیش نظر تدریس کا ایک بہت ہی اچھا طریقہ، مقرر کیا ہے۔

جس سے طالب علم کے اندر کتاب کا مطلب سمجھنے اور علم و فن کے دوسرے پہلوؤں کے حصول کی اچھی استعداد، پیدا ہو جاتی ہے اور تحصیل علم سے جلد ہی فراغت اور تکمیل بھی ہو جاتی ہے۔“ (ترجمہ ”رسالہ قطب“ از مُلاً، عبد اللہ علی، فرنگی محلی۔ مخطوطہ۔ فرنگی محل، بکھنؤ)

مفتی محمد رضا، انصاری، فرنگی محلی اپنی تحقیق و تجربہ کا خلاصہ، ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

”وآب تدریس“ میں، ”موافق زمانہ استعداد“ اور رد و بدل کرنا

خود ”درس نظامی کے حیوٹی“ میں شامل، نظر آتا ہے۔

اس لئے فکر و نظر اور حالات کے انقلاب کے ساتھ، اگر، اس درس میں تبدیلی کی جاتی ہے تو، اس کے قدردانوں کو، ذرا بھی، شاق، نہ گذرنا چاہیے۔

اور نہ، تبدیلی کے مطالبہ کو، کسی معاہدہ نہ ردیہ پر محمول کرنا چاہیے۔ خواہ، اس مطالبہ کے اظہار میں بعض پُر جوش طبیعتوں کی طرف سے ایسا ہی انداز کیوں نہ اختیار کیا گیا ہو جو، معاہدہ نہ نظر آتا ہو۔

”تدریسی نظریات“ مسلسل تجربوں کے نتیجے میں بہت کچھ بدلے ہیں۔

اور برابر بدلتے جا رہے ہیں۔ اور آج کی تیز رفتار دنیا میں ترقی کی رفتار بھی، بہت تیز ہو گئی ہے۔

”درس نظامی“ کو، اگر، اس پہلو سے دیکھا جائے کہ:
اس تعلیمی و تدریسی تجربے کو کتنے طویل عرصے تک، استحکام، حاصل رہا
اور اس کی مقبولیت کی وسعت، کہاں سے کہاں تک پہنچ گئی؟
تو، یہی پہلو، اس کا خاطر خواہ امتیاز، نظر آئے گا۔“

(ص ۲۶۳۔ ”بانی درس نظامی، استاذ اہلحد، ملا نظام الدین محمد فرنگی مکی“۔ مؤلفہ مفتی محمد رضا، انصاری، فرنگی مکی
جلسہ صحافت و نشریات، ندوۃ العلماء، لکھنؤ۔ ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء)

”درس نظامی“ کا وجود ہی، حالاتِ زمانہ کی رعایت اور تغیر و تبدل کی واضح دلیل ہے۔

یہ درس نظامی، از خود بدلتا رہا۔ یہ عمل، واضح طور سے، اس حقیقت کا، اعلامیہ ہے کہ:

ہر زمانے کی ضرورت، الگ ہوتی ہے۔ اور تغیر پذیر زمانہ سے، مفر نہیں کہ:

یہ تغیر و تبدل، اس جہانِ موجودات و مخلوقات کا معقد رہے۔

اور، یہ تغیر و تبدل ہی، اس کائنات کے زوال و فنا کی علامت، بلکہ واضح دلیل و برہان بھی ہے۔

”درس نظامی“ سے متعلق ایک دانشور، راقمِ سطور (ینس اختر مصباحی) سے تبادلۂ خیالات
کرتے ہوئے ایک بار، بہت کچھ، گرج برس رہے تھے کہ:

”ان مدارس نے، سو (۱۰۰) سال پہلے نصاب کو، اب بھی اپنے سینے سے لگا رکھا ہے۔

اور اس میں کسی تبدیلی کے، اب بھی، روادار نہیں۔“

میں نے، انھیں، متانت و معقولیت کے ساتھ سمجھایا کہ:

آپ نے ”درس نظامی“ کے بارے میں جس طرح، کہیں، کچھ پڑھ لیا، سن لیا ہے

وہ، امرِ واقعی، نہیں ہے۔ نصاب میں ہر دور کے اندر تبدیلی ہوتی رہی ہے۔ اور ہوتی رہے گی۔

کسی بھی، دائرِ العلوم کا نصاب اٹھا کر، آپ، مطالعہ اور پھر موازنہ کر لیں

تو، پچاس سال پہلے کے، اور آج کے نصاب میں، زمین آسمان کا فرق، نظر آئے گا۔

اس سلسلے میں اگر، آپ، ہمارے الجامعۃ الاثریہ مبارک پور ضلع اعظم گڑھ (یوپی۔ انڈیا)

کے ناقد و رائج نصابِ تعلیم کا مطالعہ کر لیں

تو، آپ، خود، اس نتیجے تک پہنچیں گے کہ:

یہ نصاب، بہت جامع ہے، جسے ”درس نظامی خیر آبادی“ کا مجموعہ

اور تبدیل شدہ شکل میں اسے ”درس امجدی“ بھی کہا جاسکتا ہے۔

اور اتنا ہی نہیں، بلکہ اس نصابِ تعلیم کو، جدید ضرورت و معیار کے مطابق قرار دیتے ہوئے آپ کا خود، یہ فیصلہ ہو گا کہ:

”یہ نصاب تو نہایت جدید ہے۔ البتہ، میرا تجربہ، سو (۱۰۰) سالہ قدیم ہے۔“

اس نصاب کو ”درسِ امجدی“ نہیں کہا جائے گا، بلکہ جس طرح، خیر آبادی اضافہ کے باوجود

درسِ نظامی، درسِ نظامی ہی رہا، اسی طرح، امجدی ترتیب و تقدیم جدید کے باوجود

اسے ”درسِ نظامی“ ہی کہا جاتا ہے اور کہا جائے گا۔

بِسْمِ اللّٰهِ تَعَالٰی، یہ جدید مرتبہ نصاب، صوبہ اتر پردیش کے پچاس (۵۰) سے زائد

بڑے مدارس میں نافذ اور رائج ہو چکا ہے۔ اور اس کا سلسلہ، جاری اور روز افزوں ہے۔

”خانوادہ فرنگی محل“، لکھنؤ، صدیوں پر محیط، اپنی دینی و علمی خدمات کے لحاظ سے

اور اس خانوادہ کے طویل سلسلہ علم و تعدادِ علمائے کے لحاظ سے

متحدہ ہندوستان کا وہ عظیم خانوادہ ہے، جس کی اسلامی تاریخ ہند کے کسی دور میں، کوئی مثال

نہیں ہے۔ صدیوں تک، اسے دینی و علمی اہمیت و عظمت و مرکزیت، حاصل رہی ہے۔

”سلسلہ فرنگی محل“ کی ایک دیرپا اور نہ بھلا، شاخِ ثمر بار ”سلسلہ خیر آباد“ ہے

جس کے علمائے و تلامذہ، سلسلہ بہ سلسلہ، آج، سارے ہندوپاک کی دینی و علمی فضا پر چھائے

ہوئے ہیں۔ اور مدارس و جامعات میں، اسی سلسلہ سے وابستہ علمائے مدرسین کا دہ بدہ اور وقار ہے۔

جس میں ”سلسلہ خیر آبادی امجدی“ کا کردار، سب سے ممتاز اور نمایاں ہے۔

بِفَضْلِہِ تَعَالٰی رَاقِمِ سَطُوْر (یمنِ اختر مصباحی)

اسی خیر آبادی امجدی سلسلہ علم و حکمت سے وابستہ ہے۔ جس کی تفصیل، اس طرح ہے:

(۱) استاذِ گرامی، حافظِ مِلّت، مولانا الشاہ عبدالعزیز، مراد آبادی، محدثِ مبارک پوری

(وصال ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء۔ بانیِ الجملۃ الاثریہ، مبارک پور)

(۲) صدرِ الاثریہ، مولانا محمد امجد علی، اعظمی، رضوی (وصال ۱۳۶۷ھ)

(۳) استاذِ العلماء، علامہ ہدایت اللہ، جون پوری (وصال ۱۳۲۶ھ)

(۴) امامِ الحکمۃ والکلام، علامہ فہرل حق، خیر آبادی (وصال ۱۲۷۸ھ)

(۵) علامہ فہرل امام، فاروقی، خیر آبادی (وصال ۱۲۴۴ھ)

(۶) ”سلسلہ خیر آباد“ فرنگی محل کے سب سے دیرپا ”بار آور شاخ“ ہے۔

۱۹۸۰ء سے پہلے کی بات ہے۔ جب، راقم سطور (پیش اختر مصباحی) سُواِ اعظم اہل سنت و جماعت کی عظیم مرکزی درس گاہ، الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ (یوپی۔ انڈیا) کا ادنیٰ خادم تدریس تھا۔ اپنے ذوق و مزاج کے مطابق

علمائے فرنگی محل سے متعلق، جدید اسلوب میں جامع و مختصر تعارف و تذکرہ پر مشتمل ایک کتاب کی ضرورت کا احساس دلاتے ہوئے مفتی محمد رضا، انصاری، فرنگی محلی، استاذ شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کو، کئی خطوط لکھے، جن کے جوابات، آپ نے عنایت فرمائے۔

مفتی محمد رضا، فرنگی محلی کا ایک حوصلہ افزا جوابی مکتوب، یہاں، ریکارڈ کے طور پر، پیش کیا جا رہا ہے۔
۳۰ محرم الحرام ۱۴۰۲ھ

۲۸ نومبر ۱۹۸۱ء

عَزَّوَجَلَّ مَحْتَرَم! دَامَتْ مَعَالِیْکُمْ
وَعَلِیْکُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ
آپ کے گرامی نامہ، مورخہ ۱۸ نومبر (۱۹۸۱ء) کا جواب، قدرے تاخیر سے دے رہا ہوں۔
جس کی معافی چاہتا ہوں۔

آپ نے جو تجویز کیا ہے کہ ”تذکرہ علمائے فرنگی محل“ مصنفہ حیدری و استاذی، محمد عنایت اللہ مرحوم، دوبارہ، شائع کی جائے۔

ہم سب فرنگی محلی حضرات کے دیرینہ ارمان کی، بمن جانب اللہ، ایک ٹھوس شکل ہے۔
جو، آپ کے دل میں اُلٹا، اور آپ کے قلم سے نمپ قرطاس ہوئی۔
یہ تذکرہ، ۱۹۳۰ء میں، بجلت تمام، مرتب کر کے شائع کر دیا گیا تھا۔
اور عملاً، اس کی حیثیت، تَذْکِرَةُ الْأَنْسَاب کی رہی۔

اب، نصف صدی گزرنے کے بعد، اس کو، از سر نو مرتب کرنے کی فکر، اس خاندان کے ہندو پاکستان اور عرب میں مقیم افراد خاندان کو عموماً اور مجھے، خصوصاً رہی، اور ہے۔

مگر، ہمیشہ، یہی مانع رہا کہ مرتب، طباعت کا بار، اٹھانہیں سکتا۔
اور دوسرے افراد، جو، مالی تعاون کر سکتے ہیں، اُن سے طالب امداد، نہیں ہو سکتا۔
آپ نے، یہ گرامی نامہ بھیج کر۔ خدا کرے، یہ عملی شکل بھی، اختیار کر سکے۔
مجھے، ایک نیا و لولہ، بخش دیا۔

میں، اپنے ذاتی رجحان کے پیش نظر، آپ کی تجویز کے دوسرے جُوز کا

یعنی، آپ کے الفاظ میں ”اس موضوع پر، ایک مستقل تصنیف“ کا زیادہ، مؤید ہوں۔
اور اس کے لئے دل و جان سے تیار ہوں۔ بلکہ کسی حد تک، تیاری ہو بھی چکی ہے۔
اب، آپ، یہ بتائیں کہ ”الْمَجْمَعُ الْإِسْلَامِي“ (مبارک پور)
اس موضوع پر کتنے صفحات، شائع کرنا چاہے گا؟

میں نے، یہ اندازہ کیا ہے کہ چار سو اور پانچ سو کے درمیان صفحات
موضوع سے پوری طرح، انصاف کے لئے درکار ہوں گے۔

یہ شکل، طباعت کے آپ کے نظام کے تحت، قابل عمل ہوگی کہ:
پچاس ساٹھ صفحات، ابتدائی مرحلے میں بھیج دیے جائیں اور کتابت کا آغاز ہو جائے۔

اس کے بعد، تین ماہ کے اندر، سب کچھ پایہ تکمیل کو پہنچ جائے۔
یعنی، کتابت ہو جائے اور طباعت، شروع ہو جائے۔

مواد تصنیف، تیار ہے۔ صرف اس کی ترتیب کا کام، باقی ہے۔
اس لئے میں، اتنی مستعدی کا مظاہرہ کر رہا ہوں۔

میرا سلسلہ ملازمت، جو ۳۰ نومبر ۱۹۸۰ء کو پورا ہو گیا تھا، دو سال کے لئے بڑھا دیا گیا ہے۔
جس کا ایک سال، پرسیوں، پورا ہو جائے گا۔

اور میں، بڑی سنجیدگی، بلکہ بے چینی سے سوچ رہا ہوں کہ:

باقی ایک سال کی توسیع سے، دست بردار ہو کر، لکھنؤ میں رہوں۔

اور حسب استعداد، خاندانی روایات پر، حتی الوسع، عمل پیرا ہو جاؤں۔

اگر لکھنؤ کا قیام، آپ کی تجویز کی تعمیل ہی سے شروع ہو تو، اس سے بڑھ کر، اور کیا بات ہوگی؟

اندازہ ہے کہ اس تجویز کی تعمیل میں میری طرف سے تین ماہ سے زیادہ، نہیں لگیں گے۔

إِنْ شَاءَ اللَّهُ بِطُفَيْلٍ حَبِيبِهِ الْأَمِينِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ۔

..... بہر حال! آپ اپنی صواب دید پر جو شکل، تجویز فرمائیں گے

بہر صورت! اس کو عملی شکل دینے کی کوشش کروں گا۔

مولانا افتخار احمد قادری صاحب سے گذشتہ ہفتہ، یہاں (علی گڑھ) ملاقات، بہت سرسری ہو گئی

”نور الایمان“ (تالیف: حضرت مولانا عبدالعلیم فرنگی بکلی۔ اردو ترجمہ: از مولانا، افتخار احمد، قادری)

کے تیسرے زیر طبع ایڈیشن کے لئے، انھوں نے تاثرات کا تقاضہ فرمایا، مگر، کتاب مجھے، نہیں پہنچ سکی۔

(ڈاکٹر) محبت الحق صاحب (رضوی) کے پاس سے کوئی صاحب
”میری کتاب“ لے گئے۔ اب پھر، وعدہ فرما گئے ہیں۔

..... ایک بات اور قابل ذکر ہے۔ وہ، یہ کہ:

ہمارے بعض اکابر کی، عقائد اہل سنت و جماعت سے متعلق کتابیں
اردو میں عرصہ ہوا، طبع ہوئی تھیں۔ اب، ناپید ہیں۔

دوبارہ اشاعت کے بارے میں بھی، غور فرمائیں۔ مخلص! محمد رضا انصاری۔“

مفتی محمد رضا، انصاری، فرنگی محلی کے اس مکتوب میں جس کتاب ”نور الایمان“ کا ذکر
ہے، وہ، ابوالحسنات مولانا محمد عبدالحی، فرنگی محلی (وصال ۱۳۰۴ھ) کے والد ماجد

حضرت مولانا عبدالحلیم، فرنگی محلی (وصال ۱۲۸۵ھ) کی تصنیف ہے۔

جو، آثار و ترمکات کے سلسلے میں ایک نہایت جامع و مفید کتاب ہے۔

اس کا اردو ترجمہ، صدیق محترم، مولانا افتخار احمد، قادری، مصباحی (موجودہ شیخ العلوم
دائر العلوم قادریہ غریب نواز۔ لیڈی اسمتھ، ساؤتھ افریقہ) نے کیا تھا۔

یہ کتاب، ہندوپاک سے متعدد مرتبہ، شائع ہو چکی ہے۔

اس کتاب کے تعارف میں، شارح بخاری، حضرت مفتی محمد شریف الحق، امجدی (متوفی ۲۰۰۰ء)
صدر شعبہ افتاء الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور ضلع اعظم گڑھ۔ (یوپی۔ انڈیا) تحریر فرماتے ہیں:

”مَلِكُ الْعُلَمَاءِ، بَحْرُ الْعُلُومِ، مَوْلَانَا عَبْدُ الْحَلِيمِ، رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ

اور ان کے والد ماجد، حضرت مولانا نظام الدین، قَدْ مَنَّ مَسْئُورُهُ كِي بَدَوْلَت
”فرنگی محل، لکھنؤ“ ماضی قریب میں، مسلمانان ہند کا مرکز عقیدت رہ چکا ہے۔

معقولات میں معلومات کے بعد، عموماً عقائد پر، داغ آجاتا ہے

مگر، موصوف (حضرت مولانا عبدالحلیم، فرنگی محلی) پر، اللہ غَزَّوَجَلَّ کا
یہ خاص فضل ہے کہ:

معقولات میں، تہر کامل رکھنے کے باوجود، ان کے عقائد پر

داغ، تو، بڑی چیز ہے، میل بھی نہیں آیا۔ ذَالِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ۔

(ص ۱۲۔ تعارف۔ نور الایمان۔ مولفہ حضرت مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی۔ اردو ترجمہ

از مولانا افتخار احمد قادری، مصباحی۔ طبع اول ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء۔ المجمع الاسلامی، مبارک پور ولاہور)

بحر العلوم، مولانا عبدالعلی، فرنگی محلی، لکھنوی (وصال ۱۲۳۵ھ/۱۸۱۰ء) کے ایک ممتاز و متحر شاگرد، حضرت مولانا نور الحق، فرنگی محلی (وصال ۱۲۳۸ھ/۱۸۲۲ء) ہیں۔

جن کے تعارف و تذکرہ میں، حضرت مولانا محمود احمد، قادری، رفاقی، مظفر پوری لکھتے ہیں کہ:

آں نور کہ بود نورِ انوار

در نورِ چوں ظہورِ آں ظہورِ پیوست

سلطان العلماء، استاذ مطلق، حضرت مولانا شاہ نور الحق بن حضرت مولانا شاہ انوار الحق بن حضرت مولانا احمد عبدالحق (بن مولانا محمد سعید، سہالوی بن مولانا قطب الدین شہید، سہالوی) کا نام نامی، علم و عرفان کے آسمان پر، شمس و قمر کی طرح، درخشاں ہے۔

آپ کی ذات گرامی، قدرتِ خداوندی کی واضح برہان و آیت تھی۔

آپ نے اپنے والد اور مولانا مبین قدس سرہما سے درسیات پڑھی۔

تکمیل، حضرت ملک العلماء، بحر العلوم، قدس سرہ کی خدمت میں فرمائی۔

بیعت و خلافت، والد ماجد سے حاصل فرمائی۔

آپ کے والد اور دادا، دونوں، قطب، علمائے فرنگی محل تھے۔

حضرت بحر العلوم کے ممتاز ترین شاگرد اور مشہور عالم

حضرت مولانا سید عبدالرحمن، وجودی، لکھنوی فرماتے تھے کہ:

مولانا نور الحق، علم میں اپنے والد ماجد، مولانا شاہ انوار الحق سے فائق ہو گئے تھے

اور معرفت میں بلند مرتبہ رکھتے ہیں۔“

آباے کرام کی روش اور طریقے پر، مسند درس بچائی۔

آپ کی تعلیم، بڑی بابرکت تھی۔ جو آیا، مہر انور و ماہ منیر بن گیا۔

حضرت مولانا سید شاہ آل رسول، احمدی، محدث مارہروی و حضرت مولانا شاہ فضل رحمن

گنج مراد آبادی و سیف اللہ المسلمول، حضرت مولانا شاہ معین الحق فضل رسول، بدایونی اور مرزا

علی صغیر حسن، محدث لکھنوی و مولانا احمد حسین، محدث ملیح آبادی، آپ کے، اشہر مشاہیر شاگرد تھے۔

۲۳ رجب ۱۲۳۸ھ، حضرت کا، سال وصال ہے۔

اپنے والد ماجد کے باغ میں جو، باغِ مولانا انوار کے نام سے مشہور ہے، دفن ہوئے۔“

(ص ۷۵)۔ ”حیات سید شاہ آل رسول، احمدی، مارہروی“۔ مؤلف مولانا محمود احمد، قادری، رفاقی۔

خانقاہ رفاقتی اشرفی، اسلام آباد۔ ضلع مظفر پور۔ بہار۔ طبع اول ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۵ء)

خاتم الاکابر، سید شاہ آل رسول، احمدی، قادری برکاتی، مارہروی (وصال ذوالحجہ ۱۲۹۶ھ
دسمبر ۱۸۷۹ء) کے تعارف و تذکرہ میں ”فرنگی محل میں تکمیل علوم“ کے عنوان سے
حضرت مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی، مظفر پوری لکھتے ہیں:

..... حضرت مولانا شاہ انوار الحق بن حضرت ملا، احمد عبدالحق قدس سرہما

سربراہ خاندان تھے۔ حضرت موصوف و مدوح نے حضرت خاتم الاکابر مارہروی کی خاص
پذیرائی فرمائی۔ اور حضرت مولانا عبد الواسع، سیدن پوری، تلمیذ ارشد حضرت بحر العلوم (مولانا
عبد العلی، فرنگی محلی) اور اپنے فرزند و جانشین

حضرت ملا، نور الحق کو، حضرت خاتم الاکابر کی تعلیم، سپرد فرمائی۔

ان بزرگوں کے بحر علم سے جو بھی، شاخ نکلی، عالم کو سیراب کر گئی۔

اسی درس سے حضرت مولانا شاہ فضل رحمن، گنج مراد آبادی، فیض یاب ہوئے۔

حضرت سیف اللہ المسلمول، شاہ معین الحق فضل رسول، قادری، بدایونی سیراب ہوئے۔

کس کس کا نام لیا جائے؟ پوری ایک جماعت تھی

جس کا علمی غلغلہ اور روحانی و باطنی طغیانیہ، عالم میں بلند ہے۔

حضرت خاتم الاکابر، مارہروی نے، ان دونوں فرنگی محلی علمائے کبار سے

علوم عقلیہ اور کلام و فقہ و اصول و فقہ و حدیث و تفسیر میں اکتساب فیض کیا۔

..... ۱۲۲۶ھ کے ماہ جمادی الاخریٰ میں حضرت شیخ احمد عبدالحق، چشتی صابری، قدس سرہ

کے عرس مبارک کے موقع پر، خاص ردولی شریف میں

علماء و مشائخ کی ایک عظیم و جلیل جماعت کی موجودگی میں امتحان ہوا۔

حضرت مولانا شاہ انوار الحق، فرنگی محلی اور صاحب سجادہ، ردولی شریف کے

دست مبارک سے حضرت خاتم الاکابر کو، دستارِ فضیلت، باندھی گئی۔ اور سندِ فضیلت، عطا کی گئی۔

یہ سند، خانوادہ برکاتیہ کے نواد میں مشترکہ طور پر، آج بھی

خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ مظہرہ میں موجود ہے۔ ”الیٰ آخرہ۔“

(ص ۸۵۔ ”حیات شاہ آل رسول، احمدی، مارہروی“۔ مؤلفہ مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی۔

خانقاہ رفاقتی اشرفی، اسلام آباد شریف، ضلع مظفر پور، بہار۔ ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۵ء)

دارالعلم والعمل، فرنگی محل، لکھنؤ میں تعلیم اور خانقاہِ ردولی شریف میں بطور تبرک دستار بندی جیسی ایک اور اہم روایت، بقلم مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی، مظفر پوری مندرجہ ذیل تاریخی تحریر میں، ملاحظہ فرمائیں:

..... ”حضور قبلہ گاہی (مفتی اعظم کان پور، حضرت مولانا رفاقت حسین، مظفر پوری) کے تلامذہ کی دستار بندی کا جلسہ، صدر مجلس علمائے اہل سنت بریلی، مولانا خواجہ سید عبدالصمد، چشتی نظامی، فخری علیہ الرحمۃ (تلمیذ تاج الفحول، مولانا عبدالقادر، بدایونی فرزند و خلیفہ سیف اللہ المنسکول، مولانا فضل رسول، بدایونی و تلمیذ علامہ، فضل حق، خیر آبادی) کے آستانہ واقع، پھپھوند شریف ضلع اتاواہ (یوپی) میں، بہ موقعِ عرس، ہو رہا تھا۔

وہاں کے صاحبِ سجادہ، حضرت مولانا خواجہ سید مصباح الحسن (فرزندِ حافظ بخاری، خواجہ سید عبدالصمد، چشتی، نظامی، سہوانی) علیہ الرحمۃ تھے۔

حضور قبلہ گاہی (مفتی اعظم کان پور) ان کو ”آفتابِ شریعت، ماہتابِ طریقت“ لکھتے تھے۔ وہ، حضرت صدر الشریعہ (مولانا محمد امجد علی، اعظمی، رضوی۔ مؤلف بہارِ شریعت) کے استاذ بھائی تھے۔ حضرت سجادہ نشین (پھپھوند شریف) نے افتتاحی تقریر میں فرمایا:

”حضرت مولانا رفاقت حسین صاحب، مفتی اعظم کان پور کی عنایت و توجہ سے یہ جلسہ دستار بندی، آستانہ عالیہ پر ہو رہا ہے۔

مفتی اعظم کان پور، اگرچہ، فارغ التحصیل اور بھرِ عالم ہیں

حضرت صدر الشریعہ کے رشتے سے مجھے، چچا کہتے ہیں۔ اور میں نے سنا ہے کہ:

”ان کی دستار بندی، نہیں ہوئی ہے، تو، میرا حق ہے کہ میں، ان کی دستار بندی کر دوں۔“

اس جلسے میں حضرت مفتی اعظم، بریلی شریف بھی تشریف فرما تھے۔ شیخ الاسلام، حضرت مولانا شاہ عبدالقدیر، بدایونی، مفتی اعظم ریاستِ حیدر آباد، دکن بھی رونق افروز تھے۔ حضرت صدر العلماء، محدث میرٹھی بھی شریکِ جلسہ تھے۔ علامہ مشتاق احمد، نظامی، الہ آبادی بھی موجود تھے۔ ان کے علاوہ، خواجہ غلام نظام الدین، بدایونی و حضرت مولانا شاہ محمد عمر، لکھنؤی، مدیر ماہنامہ سنی لکھنؤ بلبل ہند، مولانا رجب علی، نان پاروی وغیرہم مشاہیر علمائے اہل سنت، تشریف فرما تھے۔ سب نے سنا اور مقرر رکھا۔“

(ص ۱۳۸ و ۱۳۹۔ ”سوانحِ رفاقتی“۔ مؤلفہ مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی۔ کاروانِ رفاقت۔ درگاہ شریف

حضرت امین شریعت ٹرسٹ۔ اسلام آباد۔ ضلع مظفر پور۔ صوبہ بہار۔ طبع اول ۱۳۳۱ھ/۲۰۱۰ء)
مندرجہ بالا تحریر میں ”استاد بھائی“ کا ذکر، اس طور سے ہے کہ صدر الشریعہ، حضرت مولانا
امجد علی، اعظمی اور حضرت خواجہ سید مصباح الحسن، چشتی، یہ دونوں حضرات
علامہ ہدایت اللہ، جون پوری (تلمیذ علامہ فاضل حق، خیر آبادی) کے تلامذہ ہیں۔
چودھویں صدی ہجری کے عظیم المرتب عالم و فقیہ، مولانا الشاہ المفتی، محمد احمد رضا، قادری
برکاتی، بریلوی (وصال ۲۵ صفر ۱۳۳۰ھ/۱۹۲۱ء) کے دادا

حضرت مولانا رضا علی، بریلوی (وصال ۱۲۸۶ھ) کے شیخ طریقت
اویس زمان حضرت مولانا فاضل رحمن، گنج مراد آبادی، تلمیذ حضرت مولانا نور الحق، فرنگی محلی ہیں۔
اور حضرت مولانا رضا علی، بریلوی کے والد محترم، حافظ کاظم علی خاں، بریلوی کے پیر و مرشد
حضرت مولانا شاہ انوار الحق، قادری، رزّاقی، فرنگی محلی، لکھنوی (وصال ۱۲۳۶ھ) ہیں۔
امام احمد رضا، قادری، برکاتی، بریلوی کے اساتذہ گرامی کی فہرست میں آپ کے والد ماجد
حضرت مولانا نقی علی، بریلوی (ولادت ۱۲۳۶ھ/۱۸۳۰ء۔ وصال ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء)
اور مرشد طریقت، خاتم الاکابر، سید شاہ آل رسول، احمدی، قادری برکاتی، مارہروی
(وصال ذوالحجہ ۱۲۹۶ھ/دسمبر ۱۸۷۹ء) کے علاوہ، ایک نام آپ کے اساتذہ کی فہرست میں ہے:
(۳) جناب مولانا عبد العلی صاحب، رام پوری، رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ۔
(ص ۱۰۰۔ ”حیات اعلیٰ حضرت“۔ مؤلفہ مولانا محمد ظفر الدین قادری رضوی، عظیم آبادی۔ مکتبہ نبویہ، لاہور)
حضرت مولانا عبد العلی، ریاضی داں، رام پوری (وصال ۱۳۰۳ھ)
امام الحکمتہ والکلام علامہ فاضل حق، خیر آبادی کے شاگرد ہیں۔

اور خود اپنا ایک سلسلہ تلمذ، امام احمد رضا، قادری برکاتی، بریلوی نے، اس طرح تجریر فرمایا ہے:
”حضرت مولانا محمد نقی علی، قادری، بریلوی از حضرت مولانا رضا علی، بریلوی از حضرت
مولانا غلیل الرحمن، محمد آبادی از فاضل محمد اعلم، سند یلوی از ملک العلماء، بحر العلوم، مولانا عبد العلی
فرنگی محلی، لکھنوی۔ (ص ۳۰۵۔ ترجمہ الْاِجَازَاتُ الْمَعْنِيَّةُ۔ مشورہ رسائل رضویہ۔ مطبوعہ بریلی ولاہور)
آپ کے فرزند، مفتی اعظم، حضرت مولانا شاہ محمد مصطفیٰ رضا، قادری برکاتی، بریلوی (وصال
محرم الحرام ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۱ء) اور پوتے، مفسر اعظم، حضرت مولانا ابراہیم رضا، جیلانی، بریلوی
(وصال ماہ صفر ۱۳۸۵ھ/جون ۱۹۶۵ء) فرنگی محلی شاخ

”سلسلہ خیر آباد“ کے دو معروف علما، حضرت مولانا شاہ رحم الہی، منگلوری (وصال ۱۳۶۱ھ) و حضرت مولانا ظہور الحسین، فاروقی، رام پوری (وصال ۱۳۳۲ھ) اساتذہ ”منظر اسلام“ بریلی شریف کے تلامذہ ہیں۔

قارئین کرام کو معلوم ہو چکا ہے کہ سلسلہ فرنگی محل ہی کی ایک شاخ ”سلسلہ خیر آباد“ ہے۔ علما و حکماء خیر آباد، بالخصوص حضرت علامہ فضل حق، خیر آبادی پر، تحقیق مزید اور نظر ثانی کے لئے راقم سطور (ایس اختر مصباحی) نے مولانا عبدالشاہد، شیروانی، علی گڑھی اور مولانا سید نجم الحسن رضوی، خیر آبادی تلامذہ مولانا معین الدین، اجیری (تلمیذ حکیم، سید برکات احمد، ٹوکی تلمیذ علامہ عبدالحق خیر آبادی) کو بذریعہ مکتوب، متوجہ کیا۔

مولانا عبدالشاہد، شیروانی کو، خاص طور سے ”باغی ہندوستان“ پر نظر ثانی اور حذف و اضافہ کے ساتھ، ترتیب جدید کی طرف، اصرار کے ساتھ، توجہ دلائی جس میں بِحَمْدِہِ تَعَالٰی کامیابی، حاصل ہو گئی۔

مولانا عبدالشاہد، شیروانی، علی گڑھی کے متعدد خطوط میں سے دو خطوط کی نقل، بطور نمونہ، یہاں، پیش کی جا رہی ہے:

(۱) علی گڑھ۔ ۱۲/۳۰/۱۹۸۰ء ۷۸۶

مُحْتَرَمُ الْمَقَامِ دَامَ لَطْفُكُمْ وَعَلَيْكُمْ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللَّهِ

مؤدّت نامہ، مورخہ ۱۲/۲۳/۱۹۸۰ء۔ ملا۔

”اِمْتِنَاعُ النِّظَیْرِ“ مکتبہ قادریہ، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور شائع کر رہا ہے۔ کئی ماہ ہوئے، یہ کتاب، مولانا عبدالحکیم شرف، قادری کو بھیج دی گئی۔ آپ، موصوف سے اس کے متعلق معلومات، بہم پہنچائیں۔

عرصہ ہوا، موصوف کا خط نہیں آیا جس سے کچھ پتہ چلتا۔ خط لکھیں، تو، میرا سلام بھی لکھ دیں۔ خوشی ہوئی کہ آپ ”احیاء اسلاف“ کی طرف، متوجہ ہیں۔ امید ہے، مزاج گرامی، مع الخیر ہوگا۔

مجمع علمی نے اگر کوئی کتاب شائع کی ہو، تو، اس کی زیارت کا مشتاق ہوں۔

وَالسَّلَامُ خیر اندیش شاہد شروانی ۱۲/۲۱/۱۴۰۱ھ

(۲) علی گڑھ۔ ۱۲/۱۱/۸۱ء ۷۸۶

مُحْتَرَمُ الْمَقَامِ دَامَ لَطْفُكُمْ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ
 مَوَدَّت نامہ ۲۹/۱۱/۱۹۸۱ء نظر نواز ہوا۔ قدر افزائی کا شکریہ۔

میں، خود، ارادہ کر رہا تھا کہ حذف و اضافہ کے ساتھ ”باغی ہندوستان“ کو، مرتب کر دوں۔
 کچھ مزید مواد بھی مل گیا ہے۔ مولانا امتیاز علی خاں عرشی اور مالک رام صاحب نے
 علامہ (خیر آبادی) کے جہادِ جریٹ پر، خامہ فرسائی کر کے، غلط فہمی پیدا کی ہے
 اس کا مدلل جواب بھی دوں۔

اب، آپ نے عزم کو پختہ کر دیا۔ آپ، تفصیل سے طباعت کے متعلق لکھیں۔

... شرف قادری صاحب نے دوسرا ایڈیشن شائع کیا تو، میں، برسرِ کار تھا۔

آپ، جانتے ہیں۔ دو پہلو انوں میں کشتی ہو

تو، ہارنے والے پہلوان کی، پہلے، تعریف کرنی پڑتی ہے۔ تاکہ جیتنے والے کی قدر و منزلت ہو سکے
 ورنہ، معمولی پہلوان کو، بچھاڑ دینا، کیا کمال ہو سکتا ہے؟

یہی اصول، پیش نظر رکھ کر، علامہ خیر آبادی کے فریقِ مخالف کو، سراہا گیا۔

اور چون کہ بہت بڑا گروہ، اس کا معتقد تھا اس لئے کچھ زیادہ خامہ فرسائی ہو گئی۔ مگر، اس کا نتیجہ
 یہ ہوا کہ، اس حلقے میں علامہ کی عظمت ایسی بڑھی کہ تقریر اور تحریر میں حوالے دیے جاتے رہے۔

پہلا ایڈیشن (۱۹۴۷ء) شائع ہونے کے بعد، ہندو پاکستان میں کوئی سیاسی و تاریخی کتاب
 شائع نہیں ہوئی جس میں ”باغی ہندوستان“ کا حوالہ، نہ ہو۔

اس کی مقبولیت کا اندازہ، اسی سے ہو سکتا ہے کہ ایک ایک ہزار کے تین ایڈیشن
 (طبع ثانی ۱۹۷۴ء، لاہور۔ طبع ثالث ۱۹۷۸ء، لاہور) میری زندگی ہی میں شائع ہو گئے۔

میں، آپ کے جواب کا منتظر ہوں گا۔ اس کے بعد، کام شروع کر دوں گا۔

حضرت مولانا مصطفیٰ رضا خاں صاحب، بریلوی کا سانحہ ارتحال، پوری جماعت کا حادثہ ہے۔

اللہ تعالیٰ، جو ار رحمت سے ہم کنار کرے۔ اور آپ سب وابستگانِ سلسلہ کو

توفیقِ صبر بخشے۔ آمین۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

خیر اندیش شاہد شروانی ۱۲/۱۱/۱۴۰۲ھ

مؤڈٹ نامہ ۱۰/۱۲/۱۹۸۱ء، ۱۳/۱۲/۱۹۸۱ء کو ملا۔ کتابوں کا پیکٹ، اب تک نہیں ملا۔

”حکمائے خیر آباد“ پر ضرور کام کرتا، مگر، ارشد، ایم اے

جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی سے اسی موضوع پر، ریسرچ کر رہے ہیں۔

یہ، مولانا آزاد سچائی کے نواسے ہیں اور علی گڑھ کے اسٹوڈنٹ ہیں۔ گذشتہ ہفتہ، کئی روز

آتے رہے اور میرے یہاں سے مواد، حاصل کرتے رہے۔

مولانا سید نجم الحسن، خیر آبادی کو لکھ چکا ہوں۔

”باغی ہندوستان“ سے بٹ لوں

تو پھر، مولانا (سید سلیمان اشرف) بہاری پر، کچھ لکھوں، یا۔ کسی کو متوجہ کروں۔

نظر ثانی کا کام، قریب قریب، ختم ہو گیا ہے۔ سیاسی اور اختلافی حصے، نکال دیے۔

کہیں کہیں، اضافہ بھی ہو گیا ہے۔ مدافعت پر لکھنا، باقی ہے۔ یہ مستقل باب، بڑھ جائے گا۔

خیال ہے کہ علامہ (خیر آبادی) کے کچھ قصائد اور مکاتیب وغیرہ کا بھی

اضافہ کر دیا جائے۔ تاکہ محفوظ ہو جائیں۔

آپ نے آنے کے لئے لکھا تھا۔ کب تک کا ارادہ ہے؟

خیر اندیش شاہد شروانی ۱۲/۲/۱۴۰۲ھ

مولانا عبد الشاہد، شیروانی، علی گڑھی، تلمیذ مولانا معین الدین اجیری، تلمیذ حکیم سید برکات

احمد ٹوکی، تلمیذ علامہ عبد الحق، خیر آبادی کے رفیق درس، مولانا نجم الحسن، رضوی، خیر آبادی نے

راقم السطور کے ایک مکتوب کے جواب میں تحریر فرمایا:

از خیر آباد، اودھ۔ ضلع سیتاپور (یوپی)

۱۸/صفر ۱۴۰۲ھ۔ ۱۶/دسمبر ۱۹۸۱ء

۷۸۶

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ

ذُو الْمَجْدِ وَالْإِحْتِرَامِ

آپ کے گرامی نامہ کے جواب میں عریضہ، ارسال کیا تھا۔ اس کے بعد آپ کا کوئی مکتوب

نہیں ملا۔ ”الجمع الاسلامی“ کو، شکریہ کا خط بھی لکھ دیا تھا۔ خدا کرے آپ، مع الخیر ہوں۔

مولانا شاہد صاحب ”الثَّوْرَةُ الْهِنْدِيَّةُ“ پر، نظر ثانی کر رہے ہیں۔

”باغی ہندوستان“ کے نام سے ہی، وہ، دوبارہ، آپ کی فرمائش پر، کتاب، شائع کریں گے۔

میں نے ”الْجَوَاهِرُ الْغَالِيَةُ“ کی بابت آپ کو لکھا تھا۔

اگر بی الحال، اکیڈمی، اس کو شائع نہ کر سکتی ہو تو، کوئی حرج نہیں ہے۔ آئندہ، دیکھا جائے گا۔
میں نے سوچا تھا کہ اس کے ساتھ ہی ”خیر آباد کی ایک جھلک“ آپ کو بھیج دوں گا۔
یہ کتابچہ، خیر آباد کی مختصر تاریخ ہے۔ اس میں علامہ فضل حق خیر آبادی پر بھی مضمون ہے
جس کی آپ نے مجھ سے فرمائش کی تھی۔

اگر ”الْجَوَاهِرُ الْغَالِيَةُ“ کا، سر دست، انتظام نہیں ہو سکتا
تو، آپ کا جواب مل جانے کے بعد، میں، ایک آپ کو، ارسال کر دوں گا۔
الْمَجْمُوعُ الْإِسْلَامِي (مبارک پور) نے بہت ہی مفید کتابیں، شائع کی ہیں۔
دوسری بعض کتابوں کا بھی علم، ان کے مطالعہ سے ہوا۔
حضرت شیخ عبدالحق، محدث دہلوی کی التَّالِيفُ الْآلِيفُ ماضی بعید میں طبع ہو چکی ہے۔
شاید، اس کو، غیر مطبوعہ لکھ دیا گیا ہے۔

حاشیہ شامی، یعنی جَدُّ الْمُتَمَتَّارِ کی پہلی جلد کی طباعت کا بھی، علم ہوا۔
..... کئی روز سے آپ کے مکتوبِ گرامی کا انتظار کر رہا ہوں۔

یہ عریضہ، ارسال کر رہا ہوں۔ امید ہے، جواب سے جلد سرفراز فرمائیں گے۔
نجم الحسن عَفِیْ عَنْهُ
فقط۔ دعا طلب

تقریباً ثانی وحذف و اضافہ کے بعد ”باغی ہندوستان“ (الْثَوْرَةُ الْهِنْدِيَّةُ - مَوْلَانَا مُحَمَّدُ فَضْلُ حَقِّ خَيْرِ آبادی - اردو ترجمہ از مولانا محمد عبدالشہید، شروانی، علی گڑھی) کی طباعت و اشاعت
الْمَجْمُوعُ الْإِسْلَامِي، مبارک پور، اعظم گڑھ (یوپی - انڈیا) کے زیرِ اہتمام ۱۹۸۵ء میں ہوئی۔
”باغی ہندوستان“ کے اس نسخے کے کتابت شدہ مواد کی صحیح حروف کی اور اس کے
چوتھے ایڈیشن کی طباعت و اشاعت کی خدمت، برادرِ مکرم، مولانا محمد احمد، اعظمی، مصباحی
(موجودہ صدر المدزسین الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ) نے بڑی محنت اور عرق ریزی
کے ساتھ انجام دی۔ اور آپ کی ہی نگرانی میں، اس کی کتابت سے طباعت تک کے جملہ مراحل، طے
ہوئے۔

تقریباً ثانی و کتابت کے مراحل میں برادرِ مکرم، مولانا محمد احمد، اعظمی، مصباحی کی خط و کتابت بھی
مولانا عبدالشہید، شروانی، علی گڑھی سے ہوئی اور آپ ہی کی گزارش پر مولانا سید نجم الحسن، رضوی
خیر آبادی نے ”باغی ہندوستان“ کے جدید ایڈیشن کے لئے ”تقدیم“ بھی لکھا۔ ملاحظہ فرمائیں:

”باغی ہندوستان“۔ مطبوعہ المجمع الاسلامی، مبارک پور ۱۹۸۵ء)

فَجَزَاهُ اللَّهُ أَحْسَنَ الْجَزَاءِ -

۱۹۹۷ء میں، جب کہ آزادی ہند کے پچاس سال (از ۱۹۴۷ء تا ۱۹۹۷ء) پورے ہو رہے تھے اور ۲۰۰۷ء میں جب کہ جنگ آزادی ہند (۱۸۵۷ء) کے ڈیڑھ سو سال (از ۱۸۵۷ء تا ۲۰۰۷ء) پورے ہو رہے تھے، راقم سطور (پیس اختر مصباحی) نے ۱۸۵۷ء اور قائد جنگ آزادی علامہ فضل حق، خیر آبادی پر، چھوٹی بڑی، متعدد کتابیں لکھ کر، شائع کرائیں۔

اور کچھ تنظیموں سے گفتگو کر کے، دہلی و ممبئی میں، پُر وقار اجلاس (ہال کے اندر) کرائے۔

۲۰۱۱ء میں جب کہ علامہ فضل حق، خیر آبادی کے (وصال در جزیرہ انڈمان - ۱۸۶۱ء) کو، ڈیڑھ سو سال پورے ہو رہے تھے، علامہ فضل حق خیر آبادی یادگاری کانفرنسوں کی تحریک کی۔ اس کے لئے دسمبر ۲۰۱۰ء میں دارالقلم دہلی میں کچھ باشعور افراد اور دہلی کی چاروں یونیورسٹیوں کے کچھ سرگرم طلبہ کی میٹنگ کر کے، انھیں، اپنے منصوبے اور اس کی اہمیت و افادیت سے آگاہ کیا۔ جنوری ۲۰۱۱ء میں، الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے اساتذہ و مدرسین کی میٹنگ

زیر صدارت، عزیز ملت، مولانا شاہ عبدالحفیظ، عزیزی، سربراہ اعلیٰ مَدَّ ظِلُّهُ الْعَالَمِ، منعقد کی۔ جس میں اساتذہ اشرفیہ، شریک ہوئے۔

ان دونوں اہم میٹنگوں کی رپورٹیں، جرائد و رسائل میں شائع ہونے کے بعد ملک کے اندر ایک بیداری، پیدا ہوئی اور بحمدہ تعالیٰ، دہلی و لکھنؤ و ممبئی و کلکتہ و پٹنہ و بمبئی و دیگرہ میں بہت کامیاب اجلاس اور کئی ایک عظیم الشان کانفرنس ہوئیں۔

جن کی رپورٹیں بھی، اخبارات و رسائل میں شائع ہو چکی ہیں۔

اسلاف شناسی کی یہ تحریک، آگے بڑھی اور دسمبر ۲۰۱۲ء کو، گوونڈی، ممبئی میں عظیم الشان بیانے پر ”امام اعظم ابوحنیفہ سمنار و کانفرنس“ کا انعقاد

”زیر اہتمام خانقاہ قادریہ ایوبیہ و تحریک اہل سنت و جماعت، پیراکنک - ضلع کوٹلی نگر - مشرقی اتر پردیش، ہوا۔

۲۴ مارچ ۲۰۱۳ء کو، ”امام اعظم ابوحنیفہ سمنار و کانفرنس“، لکھنؤ (یوپی) کو بھی

اسی طرح کی تاریخی کامیابی، حاصل ہوئی۔ اس کا اہتمام و انصرام، دارالعلوم حنفیہ، رنگ روڈ لکھنؤ کی جانب سے ہوا۔ لکھنؤ کے متعدد ادارے و تنظیمیں بھی، اس میں شریک اور معاون تھیں۔

اس کے کنوینر، مولانا محمد اقبال، قادری اور قاری محمد احمد، بقتائی تھے۔

”امام اعظم ابو حنیفہ سمینار کانفرنس“ بمبئی کی سرپرستی، حضرت امین ملت، پروفیسر سید محمد امین میاں، قادری برکاتی، سجادہ نشین خانقاہ عالیہ قادریہ برکاتیہ، مارہرہ شریف نے فرمائی۔ کانفرنس کی صدارت، حضرت مولانا شاہ عبدالحفیظ عزیزی، سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور اور سمینار کی صدارت، حضرت مولانا محمد احمد، اعظمی، مصباحی، صدر المدرسین الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ۔ (یوپی۔ انڈیا) نے فرمائی۔

امام اعظم ابو حنیفہ سمینار کانفرنس بمبئی کا ضخیم مجموعہ مقالات و مضامین بنام ”انوار امام اعظم“ شائع ہو چکا ہے۔

متعدد اداروں اور تنظیموں کے ذمہ داران سے راقم سطور کی ترغیبی و تحریکی گفتگو کے نتیجے میں اِنْ شَآئَ اللّٰہ، اسی طرح کے پروگرام، بعض دیگر اکابر و اسلاف پر بھی ہوں گے۔ جن میں سے، یہ نام، طے ہو چکے ہیں:

قطب کوکن، مخدوم مہارنجی (ممبئی) شہنشاہِ اودھ، مخدوم شاہ مینا، لکھنؤی۔

امام المحدثین، شیخ عبدالحق، محدث دہلوی۔ سراج الہند، شاہ عبدالعزیز، محدث دہلوی۔

بحر العلوم، مولانا عبدالحی، فرنگی محلی لکھنؤی عَلَیْہُمُ الرِّحْمَةُ وَالرِّضْوَانُ۔

ایسا کرنا، اور اس سلسلے کو دراز سے دراز تر کرتے رہنا

یہ ہمارا قومی و ملی اور جماعتی فریضہ ہونے کے ساتھ، تاریخی تقاضے کی بھی تکمیل ہے۔

ضبط کن تاریخ را، پائندہ شو

اکابر و اعظم صوفیہ و مشائخ کرام و علماء و محدثین و فقہائے عظام کی حیات و خدمات سے متعلق، سمینار کانفرنس کرنے کے ساتھ

اللّٰہ رُبُّ الْعَزَّة، ہم سب کو، ان حضرات کے نقش قدم پر چلنے کی بھی، توفیق عطا فرمائے۔

اٰمِیْن بِجَآءِ حَبِیْبِہٖ وَرَسُوْلِہٖ النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ

اَفْضَلُ الصَّلٰوٰتِ وَاَکْرَمُ التَّسْلِیْمٰتِ ۔

مُلاً، قطب الدین شہید، سہالوی

متحدہ ہندوستان کے ممتاز علمی خانوادہ فرنگی محل، لکھنؤ کے مورثِ اعلیٰ، مُلاً، قطب الدین شہید سہالوی (شہادت ۱۹ رجب ۱۱۰۳ھ / ۲۷ مارچ ۱۹۲۰ء؛ مدفون سہالی ضلع بارہ بنکی۔ اتر پردیش، انڈیا) اپنے عہد و عصر کے بلند پایہ عالم و فاضل اور جامع و ماہر علوم و فنونِ نقلیہ و عقلیہ تھے۔

عبادت و ریاضت، درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں ہمیشہ مصروف و منہمک رہا کرتے تھے۔

مغل حکمران، سلطان اورنگ زیب عالم گیر نے شہرہٴ علمی سُن کر، مُلاً، قطب الدین کو دعوتِ ملاقات، پیش کی مگر، آپ نے سلطان اورنگ زیب کی اس خواہش کو قبول اور منظور نہیں فرمایا۔ اورنگ زیب کو، آپ سے عقیدت تھی۔ آپ سے، اس کی مُراسلت بھی تھی۔

اپنے اُمرا و حُکام کو بھی، اورنگ زیب، آپ کے پاس، بھیجا کرتے تھے۔

آپ کے حادثہ شہادت کے وقت، اورنگ زیب، دکن کے علاقے میں تھے۔

حادثہ کی اطلاع ملتے ہی، اورنگ زیب عالم گیر نے صوبیدارِ علاقہ اودھ کو حکم دیا کہ:

”مُلاً، قطب الدین شہید کے قاتلوں کو گرفتار کر کے، انھیں، سخت سزا دی جائے۔“

مُلاً، قطب الدین شہید نے تکمیلِ علوم اپنے والد ماجد، مُلاً عبدالحلیم سہالوی اور مُلاً دانیال جوراسی، تلامذہٴ مُلاً، عبدالسلام، دیوی (تلمیذِ مُلاً، عبدالسلام، لاہوری، تلمیذِ میر فتح اللہ شیرازی) سے کی۔

اور تکمیلِ تعلیم کے بعد، سہالی، اودھ (ضلع بارہ بنکی، یوپی) میں مسندِ تدریس، آراستہ کی۔

پھر، شاہِ حُجُب اللہ، الہ آبادی کے خلیفہ و جانشین، قاضی صدر الدین، گھاسی سے چالیس (۴۰) سال کی عمر میں علومِ باطنی کی تحصیل کی۔

اور قاضی گھاسی سے ہی، تقریباً ۱۰۸۰ھ میں سلسلہٴ چشتیہ میں مُرید ہو گئے۔

مُلاً، عبدالسلام، دیوی، خطہٴ اودھ کے ایک قصبہ ”دیوہ“ (ضلع بارہ بنکی۔ صوبہ اتر پردیش) کے رہنے والے تھے۔ وطن ہی میں آپ نے تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد لاہور پہنچ کر

مُلاً، عبدالسلام، لاہوری سے تکمیلِ علوم کیا۔ اور کچھ دن، لاہور میں مصروفِ درس و تدریس رہے۔

پھر، مغل سلطان، شاہجہاں نے آپ کو، اپنی فوج کے عہدہٴ قضا پر، مامور کر دیا۔

مدت تک، یہ خدمت انجام دینے کے بعد، مُلّا، عبدالسلام، مستعفی ہو کر، لاہور میں گوشہ نشینی کی زندگی گزارنے لگے۔ اور تشنگانِ علوم کی تشنگی بجھاتے رہے۔

تفسیر بیضاوی پر آپ نے ایک موقع حاشیہ لکھا تھا۔ جو، نایاب ہے۔
 مُلّا، عبدالسلام، دیوبی کے استاذ، مُلّا، عبدالسلام، لاہوری اپنے عہد کے
 معدنِ علومِ عقلیہ و عقلیہ تھے۔

آپ نے، میر فتح اللہ، شیرازی (متوفی ۹۹۷ھ) و دیگر علما سے تحصیلِ علم کیا۔ ساٹھ (۶۰) سال تک، درس و تدریس میں مصروف رہے۔ تفسیر بیضاوی پر آپ نے بھی ایک حاشیہ لکھا تھا۔
 نوے (۹۰) سال کی طویل عمر پائی۔ ۱۰۳۷ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

حَسَنُ الْهِنْد، سید غلام علی آزاد، بلگرامی (وصال ۱۲۴۲ھ / ذوالقعدہ ۱۲۰۰ھ / ۱۷۸۶ء) مُلّا، قطب الدین، سہالوی کی تصانیف کے بارے میں لکھتے ہیں:

(ترجمہ) مُلّا، قطب الدین نے شرح عقائدِ علامہ دَوَّانی پر، بڑی دقتِ نظر سے ایک حاشیہ لکھا تھا۔ "مَائِثُ الْكَرَام، فارسی)

اسی طرح، حاشیہ تلوت، حاشیہ شرح عقائد، شرح تفریعاتِ بزدوی، حاشیہ مطوّل اور تحقیقِ دار الحرب، آپ کی معرکہٴ الآرا قلمی یادگاریں تھیں۔

جو، آپ کے حادثہٴ شہادت (۱۱۰۳ھ) کے ساتھ، ظالموں کے ہاتھوں، نذرِ آتش ہو گئیں۔ صرف، حاشیہ تلوت، محفوظ تھا جو، بعد میں ضائع ہو گیا۔

ملّا، قطب الدین، سہالوی کے شہرہٴ آفاق فرزند و تلمیذ، استاذِ الہند، مُلّا، نظام الدین محمد، سہالوی فرنگی بکلی (وصال ۱۱۶۱ھ / ۱۷۴۸ء) کے علاوہ، چند معروف تلامذہ کے نام، ماضی قریب کے فرنگی بکلی عالم، مفتی محمد رضا، انصاری، فرنگی بکلی، لکھنؤی (متوفی ۱۲۱۰ھ / فروری ۱۹۹۰ء) نے اس طرح تحریر کیے ہیں:

(۱) قطب الدین، شمس آبادی، مسکنِ اُمیٹھوی، مؤطِن (۲) حافظ امان اللہ، بناری، مؤلفِ محکم الاصول، (۳) قاضی، مُجِبُّ اللہ، بہاری، مؤلفِ سُلَم و سُلَم (۴) قاضی شہاب الدین، گوپا موئی (۵) حاجی، صفی اللہ، خیر آبادی (۶) زین العابدین، سندیلوی (۷) قاضی دولت، سہالوی (۸) ملک بہاء الدین، بلگرامی (۹) میر عبدالمہادی بن میر عبدالواحد، بگڑاں (۱۰) مُلّا، محمد غوث، کاکوروی (۱۱) مولوی اسماعیل، اورنگ آبادی (۱۲) مُلّا، محمد اسعد، فرزند اکبر مُلّا، قطب الدین شہید (۱۳) مُلّا، محمد سعید، فرزند دوم، مُلّا قطب الدین شہید (۱۴) مُلّا، علی قلی، جاکسی (عالم)۔

(ص ۴۴)۔ ”بہی درس نظامی، مولا نظام الدین محمد“۔ مؤلفہ مفتی محمد رضا، انصاری، فرنگی بکلی۔ شعبہ صحافت و نشریات دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ۔ ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء)

حُتَّانُ اُھْہند، مولانا سید غلام علی آزاد، بلگرامی (وصال ۲۴ ذوالقعدہ ۱۴۰۰ھ/۱۷۸۶ء) مولا، قطب الدین شہید، سہالوی کے مختصر احوال، اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

آپ، اساتذہ کے امام، نقادوں کے پیشوا، معدن معقولات و مخزن منقولات ہیں۔ اصلاً، آپ، سہالی، علاقہ لکھنؤ کے شیخ زادہ ہیں۔

سہالی کے شیخ زادے، دو طرح کے ہیں: انصاری اور عثمانی۔

اس آبادی کی ریاست وزمینداری کا تعلق، انھیں دونوں فریقوں سے ہے۔

مولا، قطب الدین، انصاری، شیخ زادہ ہیں۔ کسب کمال، مولا، دانیال جو راسی سے کیا۔ جو مولا، عبدالسلام، دیوبہ اور قاضی گھاسی کے شاگردوں میں تھے۔ اور قاضی گھاسی کے مرید تھے۔ قاضی گھاسی، شیخ حُجُبُ اللہ آبادی کے بہترین شاگردوں اور کامل خُلُفا میں تھے۔

مولا، قطب الدین، سہالوی، ساری عمر، تدریس کی انجمن، بجائے رہے۔

اور تحصیل علم کرنے والوں کی ایک بڑی جماعت کو، درجہ کمال تک پہنچایا۔

آج کل کے اکثر علمائے ہند کا سلسلہ تلمذ و استفادہ، انھیں پر، منقہی ہوتا ہے۔

عثمانی شیخ زادوں نے، زمین داری کی شرکت میں تنازع ہو جانے کے سبب

شیخ اسد اللہ خاں زادہ، ساکن یتیمی پور، کو۔ جو، سہالی سے پانچ کوس کے فاصلے پر ہے ساتھ ملا کر، شب خون مارا اور اس عالم بے مثیل و نظیر کو، فنا کا شربت پلا دیا۔

مولا، قطب الدین نے، شرح عقائد علامہ دَوَّانِی پر ایک دقیق حاشیہ بھی لکھا تھا۔

فتنہ پردازوں نے شب خون مار کر، مولا، قطب کا گھر، نذر آتش کر ڈالا۔ حاشیہ مذکورہ بھی گھر کے آٹاش کے ساتھ، جل گیا۔ مولا، قطب الدین سہالوی کی شہادت ۱۱۰۳ھ میں ہوئی۔ ”الی آخرہ۔“

(ص ۳۱۷ و ۳۱۸۔ مآثر البکرام (فارسی)۔ مؤلفہ سید غلام علی آزاد بلگرامی۔ اردو ترجمہ از مولانا محمد یونس

مونس اویسی۔ مطبوعہ جلد۱۱ الرضا۔ مہراپور۔ بریلی۔ (یو پی، انڈیا) ۱۳۲۹ھ/۲۰۰۸ء)

مولا، قطب الدین شہید، سہالوی کے تین مایہ ناز تلامذہ:

مولا، قطب الدین، شمس آبادی (متوفی ۱۱۲۱ھ) و مولا، حُجُبُ اللہ، بہاری (متوفی ۱۱۱۹ھ) و مولا

امان اللہ، بنارس (متوفی ۱۱۳۳ھ) کا تذکرہ، سید غلام علی آزاد بلگرامی نے، اس طرح تحریر فرمایا ہے:

(۱) مولوی سید قطب الدین، شمس آبادی کی اصل، میٹھی مضافاتِ اودھ (خطِ لکھنؤ۔ مصباحی) سے ہے۔ اپنے وطن، شمس آباد جا کر، اسے مطلع انوار بنادیا۔ شمس آباد، قنوج کے ملکھات سے ہے۔ (شمس آباد، ضلع فرخ آباد۔ اتر پردیش۔ مصباحی) ملّا، سید قطب الدین، شمس آبادی، علامہ یگانہ اور دانشور بے مثال تھے۔ فضلاء عصر سے شرفِ شاگردی، حاصل کیا۔ اس کے بعد، ملّا، قطب الدین شہید سہالوی کے حلقہٴ درس میں شامل ہوئے اور علوم کا، وافر حصہ پایا۔ پھر، شمس آباد میں مسندِ تدریس سنجایا اور کثیر طلبہ کو، دانش و بینش سے فیض یاب کیا۔ ملّا، قطب الدین شہید فرماتے تھے کہ:

جسے، مغزِ سخن تک پہنچنے کی خواہش ہو، اُسے چاہیے کہ، سید قطب الدین تک پہنچے۔“
ملّا، قطب الدین، شمس آبادی نے، ستر (۷۰) سال کی عمر پائی اور ۱۱۲۱ھ میں حیات کا ورق پلٹ دیا۔“ (ص ۳۱۹۔ مآثرُ الیکرام۔ مؤلفہ سید غلام علی آزاد، بلگرامی۔ مطبوعہ بریلی)

(۲) ملّا، محب اللہ، بہاری، علوم کے سمندر اور ستاروں کے درمیان، بدرِ کامل ہیں۔ آپ کی جاے پیدائش ”محب علی پور“ ہے۔ جو، صوبہ بہار کے ملکھات سے ہے۔ غفوانِ شباب میں، علاقہ پورب (جون پور، فیض آباد، بنارس، اعظم گڑھ، وغیرہ۔ مصباحی) کی سیاحت کی۔ کتبِ ادبیات و متونِ طائعات، متفرق جگہوں پر، پڑھیں۔ آخر میں، سید قطب الدین، شمس آبادی کے حلقہٴ درس میں پہنچ کر اس رفیع المرتبت قطب کی رہنمائی میں، درجاتِ کمال، طے کیے۔ زیورِ فضائل ہے آراستہ ہونے کے بعد، خطہٴ دکن کی طرف، رَحِبتِ سفر باندھا۔ اور بارگاہِ خلدِ مکانی (اورنگ زیب عالم گیر) میں، باریاب ہو کر شہرِ لکھنؤ کے منصبِ قضا پر، فائز ہوئے۔

کچھ دنوں بعد، پھر، دکن کی جانب، عتبانِ سفر موڑ دیا اور حیدر آباد کا منصبِ قضا حاصل کر کے، دفترِ امتیاز سے فائز ہوئے۔

اچانک کسی وجہ سے زیرِ عتاب آگئے اور معزول ہو کر، عجیب حالتِ خمار، طاری کر لی۔ پھر، کچھ لوگوں کی سفارش سے تقصیر، معاف ہوئی اور شاہزادہ رفیع الدین شاہ عالم کی تعلیم و تربیت کے منصب پر فائز ہوئے۔ سابقہ عزت، حاصل کر لی۔

جب، شاہ عالم کی طرف سے، حکومت کی جانب سے حکومتِ صوبہ کابل، تفویض ہوئی تو، آپ، شاہزادہ کے ساتھ، کابل گئے۔ اور جس وقت، خلد مکانی (اورنگ زیب عالم گیر) نے، پرچمِ عزیمت، منکبِ جاوِ دانی کی طرف بڑھایا تو، شاہ عالم نے فوجِ ظفر موج کے ساتھ، کابل سے ہندوستان کی طرف، توجہ کی۔

قاضی، محبت اللہ، بہاری کا ستارہ، مخرج پر تھا کہ: انھیں، منصبِ عظیم اور ساری مملکتِ ہند کے صدر کا عہدہ ملا اور ”فاضل خان“ کا خطاب پا کر سرمایہٴ افتخار، جمع کیا۔ مگر، عمر نے وفا، نہ کی۔ شاہ عالم، اکبر آباد گیا ہوا تھا کہ: قاضی محبت اللہ بہاری منصبِ حیات سے، سبک دوش ہو گئے۔ یہ حادثہ ۱۱۱۹ھ کا ہے۔ آپ کی طبعِ روشن کا نتیجہ ”مسلم الخلوم“، منطق میں۔ اور ”مُسْلِمُ الثبوت“ اصولِ فقہ میں اور رسالہ ”جوہر فرد“ مسئلہٴ جُوعِ لایستجریٰ میں، ہیں۔

یہ کتابیں، آج بھی، علما کے ہاتھوں میں گردش کر رہی ہیں۔“

(ص ۳۲۰۔ مآثور الذکر ام (فارسی)۔ مؤلفہ سید غلام علی آزاد بلگرامی۔ اردو ترجمہ، مطبوعہ بریلی۔ ۲۰۰۸ء)

(۳) حافظ امان اللہ بن نور اللہ بن حسین، بناری

حافظ قرآن اور ہندوستان کے عظیم المرتبت عالم ہیں۔ منقول و معقول میں آپ کی شہرت کا ڈنکا بجا اور علمِ اصولِ فقہ میں آپ کا پرچم لہرایا۔ اس علم میں ایک متن، تصنیف فرمایا اور ”مفسر“ نام رکھا۔ اور خود، اس کی شرح، بنام ”تکلم الاصول“، لکھی۔ تفسیر بیضاوی، عضدی، تکو، حاشیہ قدیم، شرح مواقف، شرح حکمت العین، شرح عقائد ملّا جلال دوانی وغیرہ پر، حواشی لکھے۔

نیز ”مناظرہ رشیدیہ“ پر، حاشیہ لکھا اور متعدد بحثوں کو، رد کیا۔

مسئلہٴ خدوٹ عالم، جس کے بارے میں محقق جون پوری، ملّا، محمود

میر باقر، اُستر آبادی کے مخالف ہیں، اُس کے بارے میں محاکمہ، تحریر فرمایا۔

کچھ دنوں تک آپ، خلد مکانی (اورنگ زیب عالم گیر) کی طرف سے شہر لکھنؤ کے منصبِ صدارت پر، متمکن رہے۔

حافظ امان اللہ، بناری، عہدہٴ صدارت پر، اور قاضی محبت اللہ، بہاری، منصبِ قضا پر اس شہرِ ہر وقار میں جمع ہوئے اور دونوں کے درمیان، علمی بحثیں، جاری رہا کرتی تھیں۔

زندگی کے آخری دنوں میں شاہجہان آباد سے الہ آباد آئے اور شیخ محمد یحییٰ، معروف بہ شیخ خوب اللہ، الہ آبادی قَدَس سِرُّہ کی خدمتِ بابرکت میں، جن کے احوال، ترجمہ زائر کے ضمن میں، جلد ثانی (سر و آزاد) میں بیان کیا جائے گا، طریقہ نقشبندیہ کا استفادہ کیا۔ اور اسی کے مطابق، مشغل رکھا۔

پھر، جب، اس کا اثر، ان پر ظاہر ہوا، تو، حضرت شیخ نے فرمایا کہ:

”بظاہر، جو، اجتماع، السَّيِّدُ السَّنْدُ اور خواجہ علاء الدین عطار عَطَّرَ اللّٰهُ مَرْقَدَہ کے مابین ہوا تھا، ایسا اجتماع کبھی، نہ ہوا ہوگا۔

لیکن، تم، سید صاحب سے اس معاملے میں بڑھ چڑھ کر ہو۔

اور میرا، خواجہ کے مقابلے میں، کوئی مرتبہ نہیں ہے۔“

حافظ امان اللہ، بناری نے انکساراً و تواضعاً، عرض کیا کہ:

”آپ، خواجہ کے قدم بہ قدم ہیں۔ اور میں، سید صاحب کے ساتھ، کوئی نسبت نہیں رکھتا۔“

انھیں ایام میں آپ نے اپنی جاے پیدائش، بنارس میں ۱۱۳۳ھ میں انتقال فرمایا اور بنارس ہی میں، مدفون ہوئے۔“ (ص ۳۲۰ و ۳۲۱۔ مآثر الکرام (فارسی)۔ اردو ترجمہ، مطبوعہ بریلی۔ ۲۰۰۸ء)

مُلّا، قطب الدین شہید، سہالوی کے چار بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں۔ بیٹوں کے نام، اس طرح ہیں:

(۱) مُلّا، محمد اسعد (۲) مُلّا، محمد سعید (۳) مُلّا، نظام الدین محمد (۴) مُلّا، محمد رضا۔

مفتی محمد رضا، انصاری، فرنگی محلی، چاروں بیٹوں کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

”بڑے بیٹے، مُلّا، محمد اسعد، بچھلے، مُلّا، محمد سعید، بچھلے، مُلّا، نظام الدین محمد

اور چھوٹے، مُلّا، محمد رضا تھے۔

ملّا، محمد اسعد اور ملّا، محمد سعید نے اپنے والد ماجد ہی سے تحصیلِ علم کی تھی۔

بڑے بیٹے، مُلّا، اسعد اپنے والد کی حیات ہی میں، اورنگ زیب کے پاس چلے گئے تھے۔

اور اپنی بیوی اور خور و سال بیٹے، غلام محمد مصطفیٰ کو، اپنے والد کے پاس چھوڑ دیا تھا۔

وہ، اورنگ زیب عالم گیر کے پاس تھے کہ والد ماجد کی شہادت کی خبر، موصول ہوئی۔

ملّا اسعد، پھر، وطن، واپس نہیں آئے۔

”اغصانِ اربعہ“ کی روایت کے مطابق (ص ۱۳۳) مُلّا، اسعد، بُرہان پور کے

صدر الصُّدور کے عہدہ پر فائز تھے۔ ان کا سال وفات اور مرقد تک، معلوم نہیں ہے۔

ان کا علمی کارنامہ، علامہ دَوَّانی کے حاشیہ قدیمہ پر، حاشیہ موجود ہے۔ جو، اُن کی علمی قابلیت کی قاطع دلیل ہے۔ جس کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے ”تذکرہ علمائے فرنگی محل“ کے مصنف، مولانا عنایت اللہ، فرنگی محلی نے لکھا ہے کہ:

انھوں نے، یہ حاشیہ، مولانا عبدالحی، فرنگی محلی کے کتب خانہ میں دیکھا تھا۔

مگر، اب، مولانا عبدالحی کے ذخیرے میں، جو، آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ میں منتقل ہو چکا ہے، اس کا پتہ نہیں چل پایا۔

مجھے صاحبزادے، مُلّا، محمد سعید، مُلّا، قطب الدین کی شہادت کے وقت، موجود تھے۔ اور اس معرکے میں، زخمی بھی ہوئے تھے۔

واقعہ شہادت کے بعد، یہی بیٹے، محضّر لے کر، عالم گیر کے پاس گئے تھے، جو، اُس وقت دکن میں تھا۔ عالم گیر نے، جو، واقعہ شہادت سے پہلے ہی مطلع ہو چکا تھا، مُلّا، قطب شہید کے کنبے کی اس خواہش کو، کہ، وہ، اب ”سہالی“ میں، نہیں رہنا چاہتا، معلوم کر کے ان ہی مُلّا، محمد سعید کے ذریعہ، کر درہی بلدہ لکھنؤ کو، فرمان بھیجا کہ:

”ہر مکانے کر، مُلّا، سعید، فرزند ارجمند، مولانا قطب الدین شہید برائے سکونت خود و دیگر فرزندان شہید مذکور، در بلدہ لکھنؤ، تجویز نمایند، آں را سپرد کردہ و بقضہ او، درآوردید۔“
(ص ۱۳۳- انصافان اربعہ۔ مطبوعہ فرنگی محل لکھنؤ)

(ترجمہ) مُلّا، قطب الدین شہید کے فرزند ارجمند، مُلّا، سعید اپنے اور مُلّا، شہید کے دوسرے بیٹوں کے لئے، جو مکان بھی لکھنؤ، میں پسند کریں، وہ، ان کے سپرد کر کے، اس پر، ان کا قبضہ دلایا جائے۔“
(ص ۵۰۔ بانی درس نظامی۔ مطبوعہ لکھنؤ)

”ملّا، محمد سعید، عالم گیر کا فرمان لے کر ”کر درہی بلدہ لکھنؤ“ کے پاس آئے اور اپنے کنبے کے لئے فرانسیسی تاجر کی اُس کوٹھی پر، اُن کی نظر انتخاب پڑی جو، اجارے کی مدت، ختم ہو جانے کے بعد، سرکاری ملک میں آگئی تھی۔

اس کوٹھی میں، جو ”حویلی فرنگی“ کہلاتی تھی، اپنے گھر والوں کو، بسا کر

ملّا، سعید، خاص اس حویلی کا فرمان، حاصل کرنے کے لئے دوبارہ، بادشاہ کے پاس دکن گئے۔ اور جدید فرمان لے کر جس میں ”یک منزل حویلی فرنگی“ کے الفاظ ہیں (اور جو، اب تک، محفوظ ہے) واپس، وطن آئے۔“

(ص ۱۳۳۔ ”اغصان اربعہ“۔ مؤلفہ مُلّا ولی اللہ، فرنگی محلی۔ مطبع کارخانہ فرنگی محل، لکھنؤ۔ ۱۲۹۸ھ/۱۹۰۳ء)
الطاف الرحمن، قدوائی لکھتے ہیں کہ:

آپ (ملّا، سعید) کے دو صاحبزادے، ملّا، احمد عبدالحق اور ملّا، عبد العزیز، قُدس سرُہما
تھے۔ آپ کی اولاد میں بہت برکت ہوئی۔ اکثر اہل محلہ، آپ ہی کی اولاد سے ہیں۔“
(ص ۳۳۔ ”احوال علما فرنگی محل“۔ مؤلفہ شیخ برکت اللہ، قدوائی۔ مطبوعہ لکھنؤ)

ملّا، محمد سعید کچھ عرصہ، وطن میں قیام کر کے

پھر، عالم گیر کے پاس چلے گئے اور وہیں، انتقال فرمایا۔

سال وفات اور مرقد کے سلسلے میں، وہ بھی، اپنے بڑے بھائی کے ہم قسمت ہی، ثابت ہوئے۔

اب، ملّا، قطب شہید کے کنبے کی سربراہی، ملّا قطب کے سنبھلے فرزند (ملّا نظام الدین

محمد) کے ذمہ آگئی، جو، والد ماجد کی شہادت کے وقت، صرف چودہ (۱۴) سال کے تھے۔

ان کی تعلیم، ابھی، متوسطات سے آگے نہیں بڑھ پائی تھی۔

اور، یہی چودہ (۱۴) سالہ یتیم تھا، جو، آوارہ وطن قافلہٴ اولادِ ملّا قطب شہید کے ہمراہ

سہالی سے مشکوک اور غیر یقینی مستقبل کے دھندلکے میں، لکھنؤ کی سمت، روانہ ہوا تھا۔“

(ص ۵۰۔ ”بانی درس نظامی“۔ مؤلفہ مفتی محمد رضا، انصاری، فرنگی محلی۔ مطبوعہ لکھنؤ)

استاذ الہند، مُلّا، نظام الدین محمد، فرنگی محلی

حَسَنُ الہند، سید غلام علی آزاد، بلگرامی (وصال ۲۴ رذوالقعدہ ۱۲۰۰ھ / ۱۷۸۶ء) کے بارے میں مُلّا، نظام الدین محمد، سہالوی (ولادت ۱۰۹۱ھ - وصال ۱۱۶۱ھ / ۱۷۴۸ء) لکھتے ہیں:

”مُلّا، نظام الدین، خَلَفَ الصِّدِّقَ مُلّا، قطب الدین، شہید سہالوی طَابَ اللہُ ثَرَاهُمَا آپ، دنیا کے استاذ، ماہر زمانہ تھے۔

ابتداءے حال میں علم، حاصل کرنے کے لئے پورب کے دیار میں گئے۔ علمائے وقت سے علومِ درسیہ کی تحصیل کی۔

آخر میں، شیخ غلام نقشبند، لکھنؤی قُدِّسَ سِرُّہ کی بارگاہ سے منسلک ہو کر بقیہ کتابوں کی تکمیل کی اور فاتحہ فراغ پڑھا۔

اس کے بعد لکھنؤ میں قیام پذیر ہو کر، ساری عمر، تدریس و تصنیف میں گزار دی۔ بڑا نام اور بڑی شہرت پائی۔

آج، اکثر علمائے ہند، مولوی صاحب ہی کی طرف، نسبتِ تلمذ کرتے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں۔ اور جس کا سلسلہ، آپ تک پہنچتا ہے، وہ، فُضِّلَا کے درمیان، امتیاز کا پرچم لہراتا ہے۔

بے شمار لوگوں کو دیکھا گیا کہ دوسری جگہوں پر، انھوں نے علم، حاصل کیا مگر، اعتبار اور شہرت کے لئے فاتحہ فراغ، مولوی صاحب کے یہاں پڑھا۔

آپ، شیخ عبدالرزاق، بانسوی سے مُرید تھے۔

اور میر سید اسماعیل، بلگرامی، خلیفہ شیخ عبدالرزاق، بانسوی قُدِّسَ سِرُّہ کی خدمت میں آپ نے تلقین و ارشاد، حاصل کیا۔ اور فیوض و برکات، حاصل کیے۔

آپ کی تالیفات میں، حاشیہ شرح ہدایۃ الحکمۃ، حکیم صدر شیرازی اور مُسَلَّم الثبوت وغیرہ ہیں۔

فقیر (سید غلام علی آزاد بلگرامی) نے ۱۹ رذوالحجہ ۱۱۳۸ھ کو شہر لکھنؤ میں مولوی صاحب کو دیکھا۔

سلفِ صالحین کے طریقہ پر تھے۔ تقدّس کانور، پیشانی پر چمکتا تھا۔
 بروز چہار شنبہ ۱۹ جمادی الاولیٰ ۱۱۶۱ھ کو، ملک جاوہانی کا سفر کیا۔
 آخری آرام گاہ لکھنؤ میں ہے۔ الٰہی آخری ۹۔

(ص ۳۲۹ و ۳۳۰۔ مآثر الکرام (فارسی)۔ مؤلف سید غلام علی آزاد، بلکرامی
 اردو ترجمہ از مولانا محمد یونس مونس، ادیسی۔ مطبوعہ جامعہ الرضا۔ مقرر اپور۔ بریلی۔ ۱۳۲۹ھ/۲۰۰۸ء)
 مولانا رحمن علی (متوفی ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء) مؤلف ”تذکرہ علمائے ہند“ لکھتے ہیں:
 مُلّا، نظام الدین، سہالوی، مُلّا، قطب الدین شہید، سہالوی کے تیسرے فرزند تھے۔
 اور علوم متعارفہ کی تحصیل اپنے والد ماجد کی شہادت کے بعد، حافظ امان اللہ، بنارس
 اور مولوی قطب الدین، شمس آبادی سے کی۔

فاتحہ فراغ، مولوی، غلام نقشبند، لکھنؤی سے پڑھا۔
 وہ (مُلا، نظام الدین محمد، سہالوی، فرنگی محلی) مولانا شہید (قطب الدین، سہالوی) کے
 بیٹوں میں، وحید عصر، فرید دہر اور جامع علوم ظاہر و باطن تھے۔
 ان (مُلا، نظام الدین محمد، سہالوی) کی تدریس کے مقابلے میں
 اس علاقہ کے تمام علمائے مدین کی درس گاہیں، سر دھیں۔ مشرق و مغرب اور دور دراز کے
 قصبات سے لوگ ان کے پاس آتے اور تعلیم حاصل کرتے۔

برصغیر ہند (موجودہ ہندوستان و پاکستان و بنگلہ دیش۔ منصاجی) میں شاید ہی
 کوئی ہوگا، جو، ان کا، یا۔ ان کے بیٹوں کا، یا۔ ان کے شاگردوں کا شاگرد، نہ ہو۔
 معقولات و منقولات میں مبسوط کتابیں لکھیں۔

حضرت شاہ (سید عبدالرزاق، قادری) بانسوی قُدس سرّہ کے مرید تھے۔
 شاہ صاحب سے کامل استفادہ کیا۔ حضرت شاہ، بانسوی قُدس سرّہ
 ان (مُلا، نظام الدین محمد، سہالوی) کو، اُن لوگوں میں شمار کرتے تھے، جن کے متعلق، ارشاد ہے:
 اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔

ایک جہان کو، اپنے باطنی علوم و معارف سے مستفید کیا۔ خلق کثیر نے ان کے دستِ حق
 پرست پر، بیعت کی۔ ان کی تعلیم و تربیت سے علمائے اُمت کی ایک بڑی جماعت، فارغ ہوئی۔
 ان حُصائل کے باوجود، بے نفسی میں نظیر نہیں رکھتے تھے۔ اور اپنے کو ناچیز محض سمجھتے تھے۔

شب و روز، عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے۔

۹ جمادی الاولیٰ ۱۱۶۱ھ (۱۷۷۸ء) میں، فوت ہوئے۔“

(ص ۵۲۵ و ۵۲۶)۔ ”تذکرہ علمائے ہند“ (فارسی) اردو ترجمہ از پروفیسر محمد ایوب قادری۔

طبع اول پاکستان، سنوریکل سوسائٹی۔ کراچی۔ ۱۹۶۱ء)

مترجم، پروفیسر محمد ایوب قادری لکھتے ہیں:

”مُلاً، نظام الدین کی تصنیفات، حسب ذیل ہیں:

شرح مُسَلَّم الثبوت، شرح تحریر الاصول لابن الہمام، صبح صادق، شرح منارالاصول

حاشیہ شرح عقائد جلالی، حاشیہ حواشی قدیمہ دَوَّانِیہ، حاشیہ صدر، حاشیہ شمس بازغہ

شرح رسالہ مبارزہ، مناقب رزاقیہ۔

(حاشیہ ۵۲۶)۔ ”تذکرہ علمائے ہند“۔ مطبوعہ کراچی ۱۹۶۱ء)

شیخ برکت اللہ، قدوائی لکھتے ہیں:

”مُلاً، نظام الدین بن مُلاً، قطب الدین شہید

استاذ الہند، مَرَجِ علم۔ آپ نے چودہ (۱۴) برس کے سن تک، اپنے پدر بزرگوار

اور اپنے برادرانِ معظم کی تربیت پائی۔

بعد واقعہ شہادت اپنے والدِ قُدَسِ سرُّہ العزیز کے، مُلاً، علی قلی، جاکسی اور مُلاً، امان اللہ

بنارس اور مُلاً غلام نقشبند سے تکمیلِ علم کی۔

اور شیخ الوقت، قطب العصر، حضرت سیدنا سید شاہ عبدالرزاق، بانسوی قُدَسِ سرُّہ العزیز

سے بیعت کی۔

آپ سے علوم ظاہری اور معارف باطنی کا فیض ایسا ظاہر ہوا جس کی نظیر کوئی دوسرا نہیں ہے۔

خرق عادت اور کرامات اس قدر ہیں، جن کے لکھنے سے، میں قاصر ہوں۔

..... آپ کی تصانیف میں سے شرح مُسَلَّم الثبوت اور شرح منار، مشہور ہیں۔

۹ جمادی الاولیٰ یوم چہار شنبہ ۱۱۶۱ھ میں ایک فرزند، مولانا عبد العلی محمد بحر العلوم کو چھوڑ کر وفات پائی۔“

ص ۷۷۔ ”احوال علمائے فرنگی محل“۔ مؤلفہ شیخ برکت اللہ، قدوائی۔

(ص ۱۸۰ تا ۱۸۲)۔ ”تذکرہ علمائے فرنگی محل“۔ مؤلفہ محمد عنایت اللہ فرنگی محلی۔

مطبوعہ فرنگی محل، لکھنؤ۔ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء)

مُلاً، نظام الدین محمد، سہالوی نے شرح جامی تک کی تعلیم، اپنے والد ماجد
 مُلاً، قطب الدین شہید سہالوی سے حاصل کی تھی۔ اور فرنگی محل، لکھنؤ میں قیام کے بعد
 دیوہ (ضلع بارہ بنکی) جاس (ضلع رائے بریلی) بنارس اور لکھنؤ میں بھی تعلیم، حاصل کی۔
 قصبہ جاس، ضلع رائے بریلی میں، دو معروف درس سگا ہیں تھیں۔
 ایک مُلاً، علی قلی، جاسی کی اور دوسری مُلاً، محمد باقر کی درس گاہ تھی۔
 مُلاً، نظام الدین محمد نے اکثر درسی کتب، مُلاً، علی قلی، جاسی سے پڑھیں۔
 اس کے بعد بنارس جا کر، والد ماجد، مُلاً، قطب الدین، سہالوی کے مایہ ناز شاگرد
 مُلاً، امان اللہ، بناری سے شرح مواقف اور دوسری مکتبہ کتابوں کا درس لیا۔
 آخر میں، مُلاً، غلام نقشبند (وصال ۱۱۲۶ھ/۱۷۱۳ء) سے متعدد کتب فنون کی تعلیم و تحصیل
 کے بعد، بن بیت کی آخری کتاب ”رسالہ توجیہ“ پڑھی۔
 دریائے گومتی، لکھنؤ کے کنارے واقع، مزار شاہ پیر محمد (وصال ۱۰۷۹ھ/۱۶۶۸ء) کے
 جوارِ قدس میں مُلاً، غلام محمد نقشبند نے درس و تدریس اور ارشاد و ہدایت کی مجلس، آراستہ کر رکھی تھی۔
 ۱۱۰۵ھ میں، فرنگی محل لکھنؤ، قیام کرنے کے بعد
 مُلاً، نظام الدین محمد، سہالوی اپنی تعلیم کی تکمیل کی طرف، دوبارہ متوجہ ہوئے تھے۔
 جس کا ذکر کرتے ہوئے شیخ محمد عنایت اللہ، انصاری، فرنگی محلی (متوفی ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء)
 لکھتے ہیں:

..... اور جب، اطمینان سے بیٹھنا، نصیب ہوا

تو، طلب علم کی فکر ہوئی۔ جہاں جہاں، چشمہ علم پایا، اُس سے فیض یابی کی پوری کوشش کی۔
 لہذا، دیوہ اور دیگر قصبات میں مختصرات پڑھے۔

پھر، مُلاً، امان اللہ، بناری کی خدمت میں

جو، آپ کے والد ماجد کے شاگرد تھے، حاضر ہوئے اور اکثر علوم، وہاں سے حاصل کیے۔

کچھ، مُلاً، علی قلی، جاسی سے بھی پڑھا۔

اور فاتحہ الفرائغ، مُلاً، غلام نقشبند، رَحِمَہُ اللہُ عَلَیْہِ سے پڑھا۔

رسالہ قطبیہ میں ہے کہ اکثر علوم، مُلاً، علی قلی سے اور فن امور عامہ، مُلاً، امان اللہ بناری سے

اور رسالہ توجیہ، مُلاً، غلام نقشبند سے پڑھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

پچیس (۲۵) سال کی عمر میں تحصیل علم سے فراغت ہوئی۔ اس کے بعد فرنگی محل، واپس تشریف لائے اور خدمتِ علم، شروع کی۔ بھتیجیوں سے ابتدا سے تدریس فرمائی۔ تھوڑے ہی عرصے میں، ہندوستان بھر کے گوشہ گوشہ میں شہرہ ہو گیا۔ اکناف و اطراف ملک سے لوگ طلب علم کے لئے خدمت میں حاضر ہوتے اور اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر، واپس جاتے۔ آخر میں، حلقہ درس کی شہرت و عزت، اس قدر زائد ہو گئی تھی کہ، کسی طالب علم نے کہیں بھی کتابیں، ختم کی ہوں، مگر فاتحۃ الفرائغ پڑھنے، حضرت ہی کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ علامہ آزاد، بلکرامی تحریر فرماتے ہیں:

”اعتبار و اشتہار عظیم یافت۔ امروز، اکثر علمائے قطر ہندوستان، نسبت تلمذ، بہ مولوی دارند و کلاہ گوشہ نقاخری کشند۔ و کسے کہ سلسلہ تلمذ باو، می رساند، بین الفضلاء، علم امتیازی افرآرد۔

و مردم بسیار را ویدہ شد کہ تحصیل، جاہاے دیگر کردند

و برائے اعتبار، فاتحۃ الفرائغ از مولوی گرفتند۔“ (الحی ان قال)

”فقیر، بہ تاریخ نوزدہم ذی الحجہ ۱۱۴۸ھ در بلدہ لکھنؤ، یک صحبت مولوی رادیدم کہ طریقہ سلف صالحین، داشت و ششعہ تقدس از ناصیہ ہمایوں می تافت۔ انتہی۔ (مآثر الکرام)

باوجود، اس شہرت و عزت کے، حضرت (ملاً، نظام الدین محمد)

نہایت متواضع و منکسر المزاج تھے۔ کسی ایک شخص پر بھی کسی اعتبار سے اپنے تفوق کو پسند نہ فرماتے۔ اور اگر کوئی، حضرت کی مدح کرتا تو، اس کو، زجر فرماتے۔

تو کل علی اللہ، ایسا تھا کہ مدتِ العمر کسی سے بھی اپنی حاجت روائی نہیں چاہی۔

بعض اوقات، متحدہ فاقے ہو جاتے۔ مگر بڑے صبر و شکر کے، کسی کے سامنے

شکین ابرو سے بھی تکلیف کو ظاہر نہ ہونے دیتے۔ ٹوٹی ہوئی چٹائی پر بیٹھ کر درس دیتے۔

اتحاد پر ہیزگاری، ایسی کہ پیر و مرشد (حضرت سید عبدالرزاق، بانسوی) کی خدمت میں

حاضر ہوتے تو، عاتبانہ ارشاد ہوتا کہ:

”خبر دیت ہے خبر دیت ہے کہ: إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ، آوَتْ ہیں۔“

(یعنی حضرت سید عبدالرزاق، بانسوی اپنی پوری زبان میں فرماتے کہ:

مخلص غیبی، خبر دے رہا ہے۔ خبر دے رہا ہے کہ:

ایمان اور عملِ صالح والی شخصیت آرہی ہے۔ مصباحی)

غرض کہ، یہ مُستغنی عَنِ الاوصاف ذات، تحصیلِ علم کے بعد، تقریباً پچاس (۵۰) سال تک خدمتِ علم کرتی رہی۔ پالآ خرنیم جمادی الاولیٰ ۱۱۶۱ھ یوم چہار شنبہ، بعارضۃ قرعہ مثلاً نہ رحلت فرمائی۔ اور باغِ مولانا انوارِ رحمۃ اللہ علیہ کے مغرب، اپنی مملوکہ زمین میں دفن ہوئے۔

قبر مبارک، اس وقت بھی مفیدِ خاص و عام اور خاص کر مریضانِ علم کے لئے نسخۂ شفا ہے۔ مشہور ہے کہ جس کو مطلب، کتاب کا سمجھ میں نہ آتا ہو، کتاب کھول کر مزارِ اقدس پر حاضر رہے۔ اور روحِ امیت حضرت سے توجہ کرے۔ فوراً، مطلب سمجھ میں آ جائے گا۔ (وہو منجرب)

مدتِ العمر، درسِ علوم معقولہ کا شغل رہا، جو، آخر تک رہا۔ مگر، خوش اعتقادی ایسی کہ کوئی بزرگ اور بزرگ زادے، حاضر خدمت ہوتے تو، اُٹھ کر کھڑے ہوتے اور ان کو اپنی جگہ پر بٹھاتے۔

چالیس (۴۰) سال کی عمر ہی کہ نہی اُمّی صَلَّی اللہ علیہ وَسَلَّم وَرُوحِی فِذَاہ کے ایک اُمّی صاحبزادے (سید عبدالرزاق، بانسوی) کی خدمت میں، یہ آفتابِ فضل و کمال حاضر ہوا۔ اور اپنے فضل و کمال کو، اُس کے قدموں پر نثار کر کے دولتِ کونین، حاصل کی۔

فرنگی محل کا، بچہ بچہ جانتا ہے کہ:

علم کی یہ دولت، اُس کے خاندان کو

اسی سید السادات (شاہ عبدالرزاق، قادری، بانسوی) کے عہدِ امجدی دعاؤں سے اور، اسی سید السادات کی خدمت کی برکتوں سے حاصل ہوئی ہے۔

بڑا، چند افراد کے، سب کے سب علمائے فرنگی محل کا

جس طرح، سلسلہ نسب، قطب الدین شہید سے ملتا ہے

اُسی طرح، سلسلہ ارادت، سید السادات، قطب الاقطاب، شہید فی الحجۃ (شاہ عبدالرزاق قادری، بانسوی) تک پہنچتا ہے۔

بڑے بڑے منطقی، فلسفی، مجدد، مفسر، متکلم، اسی بارگاہ سے فیض یاب ہوئے ہیں۔

استاذِ الہند کے بعد، مولانا احمد عبدالحق، مولانا محمد رضا، مولانا احمد حسین، مولانا بحر العلوم

مولانا حسن، مولانا مبین، مولانا ولی اللہ، مولانا محمد ولی

فخر المسماخرین، مولانا عبدالحق و ملک العلماء، امام الوقت مولانا عبد الباری رَحِمَہُمُ اللہ

سب، اسی خرمن کے خوشہ چیں تھے۔

حضرت استاذِ الہند کی تصانیف، حسب ذیل ہیں:

شرح مسلم الثبوت، شرح تحریر الاصول لابن الھمام، صحیح صادق، شرح منار الاصول
حاشیہ شرح عقائد جلالی، حاشیہ حواشی قدیمہ و ذوقیہ، حاشیہ شمس بازغہ، شرح رسالہ مبارزہ
مذہب رزاقیہ، یعنی ملفوظ حضرت سید السادات (شاہ عبدالرزاق، قادری، بانسوی)
رسالہ، در بیان وضوے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔

آپ کے مفصل کرامات و مفصل حالات، ”عمدۃ الوسائل“ میں مولانا ولی اللہ نے تحریر فرمایا۔
..... حضرت میرا سخیل، بلگرامی، رَحْمَةُ اللہ عَلَیْہ

اور اپنے بھتیجے، مولانا احمد عبدالحق، رَحْمَةُ اللہ عَلَیْہ کے مکاشفہ کے مطابق
دوسرا عقد، شیخ محمد کریم بن شیخ محمد علیم بن مُلّا، شاہ ولی محمد، عثمانی، چشتی، سترکھی کی
دختر سے ہوا، جن سے ایک صاحبزادے، کامل الوجود، مولانا عبدالحق، بحر العلوم
یادگار، بلکہ فخر خاندان، جن کا ذکر، اوپر ہو چکا ہے، اور ایک صاحبزادی، پیدا ہوئے۔

..... مُلّا (نظام الدین محمد) صاحب کے چند مشہور شاگردوں کے نام، حسب ذیل ہیں:

ارباب فرنگی محل میں سے آپ کے تینوں بھائیوں کے، سب صاحبزادے
مُلّا، احمد عبدالحق و مُلّا، عبدالعزیز پسرانِ مُلّا، سعید۔ قاضی غلام مصطفیٰ بن مُلّا، اسعد۔
مُلّا، احمد حسین و مُلّا، عبدالحق، پسرانِ مُلّا، محمد رضا۔

آپ کے بڑے بھائی کے پوتے، مُلّا، حسن بن قاضی غلام مصطفیٰ۔

آپ کے دوسرے بھائی کے پوتے، مُلّا، محب اللہ بن مُلّا احمد عبدالحق
و مفتی محمد یعقوب بن مُلّا، عبدالعزیز۔

خود، آپ کے صاحبزادے، مولانا بحر العلوم (عبدالحق، فرنگی محلی)

آپ کے شاگرد و خاص، مُلّا، کمال الدین، سہالوی، جو، آپ کے ابنِ عم تھے۔

مولانا شاہ حقانی، ناٹروی، مُلّا، حمد اللہ سندیلوی، مولوی عبدالرشید، جون پوری

حضرت شاہ شاکر اللہ سندیلوی، سید ظریف عظیم آبادی

مولوی غلام محمد ہان پوری، مولوی محمد وجیہ دہلوی، مولانا محمد مغربی تلمسانی

مولانا غلام عمر شمس آبادی، سید کمال الدین، مولوی عبداللہ میٹھوی

مولوی احمد لکھنوی، مولوی غلام فرید، محمود آبادی، قاضی مولوی فقی احمد، سترکھی۔

ایک کتاب کی پشت پر میں نے لکھا ہوا، دیکھا ہے کہ:

”استاذ الہند نے حدیث کی سند اپنے شاگرد، مُلّا محمد، مغربی، تلمسانی سے حاصل فرمائی تھی۔
واللہ اعلم۔“ (آخذوا اقتباس از تذکرہ علمائے فرنگی محل، مؤلفہ مولانا محمد عنایت اللہ فرنگی محلی

و ”بانی درس نظامی“۔ مؤلفہ مفتی محمد رضا، فرنگی محلی، مطبوعہ لکھنؤ)

مولانا محمد واضح رشید، ندوی، معتمد دارالعلوم، ندوۃ العلماء، لکھنؤ، اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:
”رائے بریلی کے مشہور بزرگ، حضرت سید شاہ علم اللہ، حسنی تھے، جن کی طرف، دائرہ شاہ
علم اللہ، منسوب ہے۔ اُن کے پوتے، مولانا محمد واضح، مُلّا، نظام الدین کے ممتاز شاگرد
ملّا، عبداللہ میٹھوی کے شاگرد تھے۔

یہی مولانا واضح، ایک دفعہ، مُلّا صاحب کی، یعنی استاذ الاساتذہ کی ملاقات کو، آئے۔
ملّا، ولی اللہ، فرنگی محلی لکھتے ہیں:

مولانا واضح، بیان کرتے تھے کہ مُلّا صاحب کی ملاقات کی غرض سے
ایک دفعہ، حاضر خدمت ہوا۔

جاڑے کا زمانہ تھا اور شام کا وقت۔ بلکہ تھوڑا، اندھیرا پھیل چکا تھا۔
اُس وقت، مُلّا، نظام الدین، صاحب، بالوں کی ٹوپی پہنے ہوئے تھے۔
اندھیرے کی وجہ سے میں نے سمجھا کہ:

ملّا صاحب کے سر پر، اس طرح کے بال ہیں، جیسے لوگ رکھ لیتے ہیں کہ:
سر کے گرد، بالوں کا حلقہ۔ اور بیچ سے بالوں کا صفایا۔ یہ طریقہ، خلاف شرع ہے۔
اُس وقت، اس خلاف شرع بات کا گمان، میرے دل میں ہوا۔

دو شبے اور بھی تھے۔ ایک، یہ کہ ملّا صاحب، حقہ پیتے ہیں۔
دوسرے، یہ کہ منطق پڑھانے میں مصروف رہتے ہیں۔

حالاں کہ علمائے منطق میں مشغولیت کو، حرام لکھا ہے۔
ملّا صاحب، مجھ سے بڑی تواضع اور مدارات سے پیش آئے۔

اس کے بعد اپنے سر سے بالوں کی ٹوپی اتار دی اور فرمایا:

”میاں محمد واضح! سمور، بہت گرم اور جاڑوں میں بہت مفید ہوتا ہے۔“
میں سمجھ گیا کہ میرے دل میں جو بدظنی تھی، اس پر ملّا صاحب مطلع ہو کر
میرے وہم کا جواب دے رہے ہیں۔

اتنے میں ایک خدمت گار نے حقہ لاکر، ملا صاحب کے سامنے رکھ دیا۔

اب میں، حقہ کے جائز و ناجائز ہونے کے بارے میں استفسار کرنا ہی چاہتا تھا کہ:

میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی، ملا صاحب نے فرمایا:

ساری عمر، فقہ کی کتابوں کے مطالعہ میں گزری۔ لیکن، مستند مصنفین کی کتابوں میں کہیں بھی، حقہ کشی اور منطق، پڑھانے کی حرمت کا کوئی ثبوت، نہیں ملا۔

آپ کے دادا، شاہ عظیم اللہ، غالباً حقہ نوشی کو، حرام بتاتے تھے۔

اگر، یہ مسئلہ انھوں نے کسی کتاب سے لیا ہے، تو، مجھے بھی، اس کا حوالہ بتائیے۔“

میں نے کہا: اس بارے میں کوئی صراحت تو کتابوں میں نہیں

لیکن، چون کہ، یہ ایک بے کار اور لغو کام ہے، اس لئے وہ منع کرتے تھے۔

ملا صاحب نے فرمایا:

لیکن، حقہ نوشی میں فائدہ بھی تو ہے؟

ریاح کا توڑنا، قبض کو دفع کرنا، درد اور بادی امراض میں اس کا مفید ہونا، وغیرہ۔

جو لوگ اس سلسلے میں افراط و تفریط کا شکار ہو گئے ہیں، وہ مہمل اور فضول بات ہے۔

اس لئے کہ ہر چیز، مباح ہے۔

شریعت میں، اگر، حرام ہونے کی صراحت نہیں ہے، تو، اصل ہی پر ہر چیز کو محمول کرنا چاہیے۔

رہا منطق کا معاملہ، تو، وہ، قوتِ عقلیہ میں اضافہ کرتی ہے۔

اور صحیح اور غلط کے درمیان، اس کے ذریعہ، فرق کیا جاسکتا ہے۔

منطق کے قواعد کو، پیش نظر رکھنے سے غور و فکر میں غلطی سے حفاظت ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے

بقدر ضرورت، منطق کا جاننا، واجب ہے۔ اس لئے کہ وہ علم اصول فقہ کے مبادیات میں سے ہے۔

ممنوع، یا حرام ہے تو، وہ، فلسفہ کے اُن قواعد و اصول میں مشغولیت ہے

جو، قرآن و حدیث کے خلاف ہیں۔

(ماخوذ از مضمون مفتی محمد رضا، انصاری، فرنگی محلی۔ مطبوعہ رونا، قومی آواز، لکھنؤ)

(ص ۳۱ و ص ۳۲۔ مضمون بقلم مولانا محمد واضح رشید، ندوی۔ ”علمائے فرنگی محلِ احیات و خدمات“۔

ایف۔ پبلیکیشنز، جوگابائی، جامعہ مگر، نئی دہلی۔ طبع اول فروری ۲۰۱۲ء)

ملا، نظام الدین محمد، سہالوی، فرنگی محلی نے تکمیلِ درس کے بعد، جب درس و تدریس کا سلسلہ

فرنگی محل لکھنؤ میں شروع کیا تو، آپ کی درس گاہ علم و حکمت، مرجع طلبہ بن گئی۔

اور بڑے بڑے باکمال علما آپ کی درس گاہ سے پیدا ہوئے۔

جن میں خاندانی شاگردوں کی بھی ایک قابل لحاظ تعداد ہے۔ مثلاً:

غلام محمد مصطفیٰ بن مُلّا، محمد اسعد بن مُلّا، قطب الدین شہید، سہالوی۔

مولّا، احمد عبدالحق بن مُلّا، محمد سعید بن مُلّا، قطب الدین شہید، سہالوی۔

مولّا، عبد العزیز بن مُلّا، محمد سعید بن مُلّا، قطب الدین شہید، سہالوی۔

مولّا، احمد حسین و مولّا، عبدالحق، فرزندانِ مولّا، محمد سعید بن مُلّا، قطب الدین شہید، سہالوی۔

مولّا، محمد علی، مولّا، محمد ولی، مولّا، محمد حسن (معروف بہ مولّا، حسن)

ابنائے مولّا، غلام محمد مصطفیٰ بن مُلّا، محمد اسعد بن مُلّا، قطب الدین شہید، سہالوی۔

مولّا، محب اللہ بن مُلّا، احمد عبدالحق بن مُلّا، محمد سعید بن مُلّا، قطب الدین شہید، سہالوی۔

مولّا، محمد یعقوب بن مُلّا، عبد العزیز بن مُلّا، محمد سعید بن مُلّا، قطب الدین شہید، سہالوی۔

دیگر نامور تلامذہ میں میراں کمال الدین، بنگالی اور مولّا، کمال الدین سہالوی

بن قاضی دولت، سہالوی، نمایاں حیثیت کے حامل ہیں۔

حکیم عبدالحق، رائے بریلوی (متوفی ۱۳۴۱ھ / فروری ۱۹۲۳ء) نَزْهَةُ الْخَوَاطِر میں لکھتے ہیں:

..... فَلَمَّا اطْمَأَنَّ قَلْبُهُ خَرَجَ مِنْ لَكْنَاوٍ وَ ذَهَبَ إِلَى بَلَدِهِ "جَائِسْ"

قرأ أكثر الكتب الدرسية على "مولّا علی قلی الجائسی"۔

ثُمَّ ذَهَبَ إِلَى بَلَدِهِ "بنارس" وَ تَلَمَّذَ عَلَى الْحَافِظِ "أَمَانُ اللَّهِ بْنِ نُورِ اللَّهِ الْبَنَارِيسِيِّ"

وَقَرَأَ عَلَيْهِ "شرح المواقف"۔

ثُمَّ رَجَعَ إِلَى بَلَدِهِ لَكْنَاوٍ وَ تَلَمَّذَ عَلَى الشَّيْخِ "غلام نقشبند بن عطاء اللہ الکنوی۔

وَقَرَأَ عَلَيْهِ "الرسالة القوشجية" فِي الْهَيْئَةِ.....

وَبِالْجُمْلَةِ إِنَّهُ قَرَأَ فَاتِحَةَ الْفَرَاغِ وَلَهُ خَمْسٌ وَعَشْرُونَ سَنَةً۔

ثُمَّ تَصَدَّرَ لِلتَّدْرِيسِ وَالْإِفَادَةِ فَتَكَاتُرَ عَلَيْهِ الطُّلَبَةُ وَخَضَعَ لَهُ الْعُلَمَاءُ۔

وَطَارَتْ مَصْنَفَاتُهُ فِي حَيَاتِهِ إِلَى الْأَمْصَارِ وَالْبِلَادِ۔

وَتَلَقَّى نِظَامَ دَرْسِهِ فِي مَدَارِسِ الْعُلَمَاءِ بِالْقَبُولِ۔

وَأَنْتَهَتْ إِلَيْهِ رِيَاسَةُ التَّدْرِيسِ فِي أَكْثَرِ بِلَادِ الْهِنْدِ۔

كَانَ مَعَ تَبَحُّرِهِ فِي الْعُلُومِ وَسِعَةً نَظَرَهُ عَلَى أَقَاوِيلِ الْقُدَمَاءِ عَارِفًا كَبِيرًا، زَاهِدًا مُجَاهِدًا، شَدِيدَ التَّعَبُّدِ، عَمِيمَ الْإِخْلَاقِ، حَسَنَ التَّوَاضُعِ، كَثِيرَ الْمُوَاسَاةِ بِالنَّاسِ۔
وَكَانَ لَا يَتَّقِيْدُ بِتَكْبِيرِ الْعِمَامَةِ وَتَطْوِيلِ الْإِكْمَامِ وَالطَّيْلَسَانِ۔
أَخَذَ الطَّرِيقَةَ الْقَادِرِيَّةَ عَنِ الشَّيْخِ عَبْدِ الرَّزَّاقِ بْنِ عَبْدِ الرَّحِيمِ الْحُسَيْنِيِّ الْبَانَسَوِيِّ۔
قَالَ السَّيِّدُ غَلَامُ عَلِيٍّ بْنِ نُوحٍ الْحُسَيْنِيِّ الْبِلْكَرَامِيِّ فِي "سُبْحَةِ الْمَرْجَانِ"
أَنَا دَخَلْتُ لَكَنَاؤُ فِي التَّاسِعِ عَشَرَ مِنْ ذِي الْحِجَّةِ سَنَةِ ثَمَانٍ وَارْبَعِينَ وَمِائَةٍ وَآلَفٍ
وَاجْتَمَعْتُ بِالْمُلَّا نِظَامِ الدِّينِ۔

فَوَجَدْتُهُ عَلَى طَرِيقِهِ السَّلَفِ الصَّالِحِينَ۔

وَكَانَ يَلْمَعُ عَلَى حَبِيبِهِ نُورُ التَّقْدُسِ۔ اِنْتَهَى۔

وَمِنْ مَضْمُونَاتِهِ شَرْحَانِ عَلَى "مُسْلِمِ الثَّبُوتِ" لِلْقَاضِي مُجِيبِ اللَّهِ "الْأَطُولِ"
وَالطَّوِيلِ" وَشَرْحُ لَهُ عَلَى "مَنَارِ الْأَصُولِ" وَشَرْحُ عَلَى "تَحْرِيرِ الْأَصُولِ لِابْنِ الْهَمَامِ"
وَشَرْحُ عَلَى "الْمُبَارِزَةِ" لِلْحَوْنفُورِيِّ وَحَاشِيَةٌ عَلَى شَرْحِ "هُدَايَةِ الْحِكْمَةِ" لِلشَّيْرَازِيِّ
وَعَلَى "الْحَاشِيَةِ الْقَدِيمَةِ" لَهُ۔

وَلَهُ "مَنَاقِبُ رَزَاقِيَّةٍ" كِتَابٌ بِالْفَارْسِيَّةِ فِي أَخْبَارِ شَيْخِهِ عَبْدِ الرَّزَّاقِ۔

وَأَمَّا شَرْحُهُ الْأَطُولِ عَلَى مُسْلِمِ الثَّبُوتِ فَإِنَّهُ فَقَدَ مِنْهُ مَدَّةً طَوِيلَةً۔

وَأَمَّا تَلَامِيذُهُ فَإِنَّهُمْ كَثِيرُونَ، أَجَلُهُمْ:

السَّيِّدُ كَمَالُ الدِّينِ الْعَظِيمُ آبَادِي وَالسَّيِّدُ ظَرِيفُ الْعَظِيمِ آبَادِي وَالْعَلَّامَةُ كَمَالُ
الدِّينِ الْفَتْحُ بَوْرِي وَمَوْلَانَا حَقَّانِي التَّانْدَوِيُّ وَالشَّيْخُ غَلَامُ مُحَمَّدِ الْبَرْهَانِ فَوْرِي
وَالشَّيْخُ عَبْدِ اللَّهِ الْأَمِيئِيُّ وَالشَّيْخُ أَحْمَدُ بْنُ غَلَامِ نَقَشِبَنْدِ اللَّكْنَوِيِّ وَحَمْدُ اللَّهِ بْنِ
شُكْرِ اللَّهِ السَّنْدِيلَوِيِّ وَالشَّيْخُ عَبْدِ الرَّشِيدِ الْحَوْنفُورِيُّ الْمَدْفُونُ بِلَكَنَاؤُ وَالشَّيْخُ وَجِيهَةُ
الدِّينِ الدَّهْلَوِيُّ وَمَوْلَانَا غَلَامُ مُحَمَّدِ عَمْرِ الشَّمْسِ آبَادِي وَمَوْلَانَا غَلَامُ فَرِيدِ مُحَمَّدِ
آبَادِي وَمَوْلَانَا الْمَالِكِيُّ التَّلَمْسَانِيُّ وَالشَّيْخُ شَاكِرُ اللَّهِ السَّنْدِيلَوِيُّ وَالشَّيْخُ مُحَمَّدُ
حَسَنُ بْنُ غَلَامِ مُصْطَفَى وَصِنُوهُ مُحَمَّدُ وَلِيُّ بْنِ الشَّيْخِ أَحْمَدَ عَبْدِ الْحَقِّ بْنِ مُحَمَّدِ
سَعِيدٍ وَوَلَدُهُ مَلِكُ الْعُلَمَاءِ عَبْدِ الْعَلِيِّ مُحَمَّدٍ وَخَلْقٌ كَثِيرٌ۔

(ص ٦٥١ و ص ٦٥٢ - نَزْهَةُ الْخَوَاطِرِ - جُلْد سَادِس - دَارُ ابْنِ حَزَم، بِيْرُوت)

مُلّا، کمال الدین، سہالوی

مُلّا، کمال الدین محمد، سہالوی (وصال محرم الحرام ۱۱۷۵ھ/۱۷۶۲ء۔ بمقام فتح پور، اودھ موجودہ فتح پور ضلع بارہ بنکی۔ یوپی) کے بارے، میں سید غلام علی آزاد، بنگرامی لکھتے ہیں:

آپ، سہالی کے انصاری شیوخ اور مُلّا، نظام الدین محمد، سہالوی کی چچا زاد اولاد میں سے ہیں۔ آپ کے والد نے فتح پور، جو، سہالی سے تین کوس کے فاصلے پر واقع ہے، وہاں کے مخدوم زادوں کے خاندان میں، نکاح کیا تھا اور وہاں کے قاضی، مقرر ہو گئے تھے۔

اس لئے فتح پور میں آپ، متوطن ہو گئے۔ فتح پور ہی میں، مُلّا، کمال الدین کی ولادت ہوئی۔ شعور، بیدار ہوتے ہی، مُلّا، نظام الدین محمد، سہالوی کی خدمت میں، از ابتدا تاجرتا سارے علمی منازل، مولانا کمال نے طے کیے اور آپ کے ممتاز و نامور شاگرد ہوئے۔ آپ کے نام کے ساتھ، فتح پوری کی نسبت بھی ملتی ہے۔ کیوں کہ وہیں اپنے نانیہال میں آپ کی ولادت ہوئی تھی۔ اصل وطن اور دادیہال، سہالی ہے۔ جس کی نسبت سے بعد میں سہالی لکھا جانے لگا۔

ایک طویل مدت سے مُلّا، کمال الدین، مسند تد ریس و تصنیف کی مسند پر فائز ہیں۔ کثیر طلبہ، آپ کی تعلیم و تربیت کی برکت سے علمی مرتبہ کمال کو پہنچے۔ آپ کے ذہن ثاقب و طبع وقاد کا نتیجہ و نمونہ، علم کلام میں، آپ کی کتاب ”الْعُرْوَةُ الْوُثْقَى“ ہے۔

اس کے علاوہ، حاشیہ عقائد جلالی بھی ہے۔ (مآثر الکرام۔ مؤلفہ: سید غلام علی آزاد، بنگرامی) مولانا رحمن علی (متوفی ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء) لکھتے ہیں:

”مُلّا، کمال الدین، سہالوی، مُلّا، نظام الدین بن مُلّا، قطب الدین شہید، سہالوی کے اچلے تلامذہ میں تھے۔ جامع معقول و منقول، حاوی فروع و اصول اور اپنے زمانہ کے ذہین افراد کے درمیان، سب سے افضل تھے۔

آپ کی بڑی حیرت انگیز تصنیفات ہیں۔

الْعُرْوَةُ الْوُثْقَى، شرح کبریٰ، حاشیہ کمالیہ، شرح عقائد جلالیہ، مبسوط و مشہور ہیں۔ تعلیقات حاشیہ زاہدیہ بھی لکھا ہے، جو، شرح جلالی پر ہے۔

۱۳ محرم الحرام ۱۱۷۵ھ/۶۲-۱۷۶۳ء میں انتقال ہوا۔

بَرَدَ اللّٰهُ مَضْجَعَهُ سے تاریخ وصال (۱۱۷۵ھ) نکلتی ہے۔

(ص ۳۹۹۔ ”تذکرہ علمائے ہند“۔ مؤلفہ رحمن علی۔ اردو ترجمہ از پروفیسر محمد ایوب، قادری۔ مطبوعہ کراچی)۔

مُلاً، کمال الدین، سہالوی کے بارے میں مفتی محمد رضا، انصاری، فرنگی محلی لکھتے ہیں کہ:

”مُلاً، کمال الدین، سہالوی کے تلامذہ میں نامور ترین، مُلاً، حَسَن، فرنگی محلی، مُلاً، محمد برکت

الہ آبادی، مُلاً، حمد اللہ، سندیلیوی، مُلاً، عبد اللہ، سندیلیوی، مُلاً، محمد اعلم، سندیلیوی تھے۔

مُلاً، اعلم، سندیلیوی کے شاگردِ رشید، مُلاً، عبدالواجد، خیر آبادی تھے۔

جن کے شاگردِ رشید، مولانا فضل امام، خیر آبادی (مولانا فضل حق، خیر آبادی کے والد ماجد)

تھے۔ اور انھیں سے ”خیر آبادی سلسلہ“ جاری ہوا۔ اور دہلی، رام پور اور آودھ میں، یہ سلسلہ کافی پھیلا۔

مُلاً، کمال الدین کے درس کا فیض، مغربی اضلاع، بجنور، مراد آباد، مظفر نگر اور سہارن پور

وغیرہ میں، مُلاً، کمال کے تلامذہ کے ذریعہ، دور دور تک، اُس وقت پھیلا

جب، نواب نجیب الدولہ، یا۔ ان کے بیٹے، غلام قادر، روہیلہ نے، دارانگر، متصل امر وہہ

میں ایک مدرسہ قائم کیا۔ اور مُلاً، کمال کے شاگردوں کو، پیش قرارتخواہوں پر

درس و تدریس کے لئے مامور کیا۔“

(ص ۹۱۔ ”بانی درس نظامی، مُلاً نظام الدین محمد“۔ مؤلفہ مولانا محمد رضا، انصاری، فرنگی محلی)

”ان شاگردانِ مُلاً، کمال الدین، سہالوی کے ذریعہ، مُلاً، کمال کے استاذ، مُلاً، نظام الدین

محمد کے درس کا سلسلہ، دارانگر متصل امر وہہ کے مدرسہ کے فارغ طلبہ کے واسطے سے

تمام مغربی اضلاع میں، جن میں ہندوستان کی راجدھانی، شاہجہان آباد بھی شامل ہے، پھیل گیا۔

یہ، وہ زمانہ ہے، جب، دلی میں ولی اللہی خاندان کا حلقہٴ درس، خاصاً وسیع ہو چکا تھا۔

اور اسی خاندان کے سربراہ شاہ، عبدالعزیز، محدثِ دہلوی، دیگر علوم کے ساتھ، تفسیر و حدیث

وفقہ کی ترویج میں غیر معمولی شہرت کے حامل ہو چکے تھے۔

مُلاً، نظام الدین محمد کے شاگرد، مُلاً، کمال الدین کے دو شاگرد، مُلاً، حَسَن، فرنگی محلی

اور مُلاً، قطب الدین محمد بن کمال الدین، سہالوی بھی، شاہ صاحب کی حیات میں دلی پہنچ گئے تھے

اور مُلاً، حَسَن نے دلی میں، درس و تدریس کا سلسلہ بھی، جاری کیا تھا۔

اور، یہ، اُسی عہد کا واقعہ ہے جس کو مولانا عنایت اللہ فرنگی محلی نے

حسب ذیل الفاظ میں درج کیا ہے:

”مُلاً، حَسَن (فرنگی محلی) نے کچھ مدت، دلی میں قیام فرمایا تو، حضرت شاہ عبدالعزیز، محدث دہلوی کے شاگردوں کو خبر ہوئی۔ وہ بھی، مُلاً حَسَن کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کسی مَجْتِ علمی پر، بحث کرنے لگے۔ مُلاً، حَسَن نے جواباتِ معقولہ سے، ان کی تشفی بھی کر دی۔ وہ (طلبہ) حضرت شاہ صاحب کے پاس، واپس گئے اور مُلاً، حَسَن کی تعریف کرنے لگے۔ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ:

”ان معقولیوں کو، حدیث و قرآن سے بالکل بے خبری ہوتی ہے۔

یہ بے چارے، عمر بھر قَالَ الشَّيْخُ وَقَالَ الرَّازِي میں، پڑے رہتے ہیں۔“
مُلاً حَسَن، اس عرصے میں رام پور، واپس ہو چکے تھے۔

کسی نے بحر العلوم (مولانا عبدالحی، فرنگی محلی) تک، یہ واقعہ پہنچایا۔ بحر العلوم نے ”أركان اربعة“ لکھ کر، شاہ صاحب کی خدمت میں بھیجی۔

حضرت شاہ صاحب نے اس کے جواب میں، نہایت تو صیف و مدح، مولانا کو لکھی۔ اور اس خط کے عنوان میں، مولانا (عبدالحی، فرنگی محلی) کو ”بَحْرُ الْعُلُوم“ کے لقب سے ملقب فرمایا۔

خدا کی قدرت کہ حضرت شاہ صاحب کے قلم سے نکلا ہوا خطاب (بحر العلوم)

آج، عالم میں شہرت پا گیا اور اب، اہل علم کے حلقوں میں، نام اور شاہی خطاب سے زائد حضرت شاہ صاحب کا عطیہ خطاب (بَحْرُ الْعُلُوم) ہی، مشہور ہے۔

ان ہی مُلاً، کمال الدین کے ذریعہ، ان کے استاذ (مُلاً، نظام الدین محمد) کا فیض ہندوستان سے باہر پہنچا۔“ (ص ۹۲ تا ۹۳۔ ”بانی درس نظامی“۔ مطبوعہ لکھنؤ)

مُلاً، کمال الدین، سہالوی کے ایک شاگرد، حج و زیارت کے لئے گئے تو، مکہ مکرمہ میں ایک یمنی عالم، شیخ عبدالرحمن سے کسی علمی مسئلہ پر گفتگو ہوئی جس سے، وہ، بہت متاثر ہوئے۔

انھیں، اس شاگرد کے ذریعہ، مُلاً، کمال الدین، سہالوی کے علم و فضل کا پتہ چلا تو، وہ، ہندوستان آئے اور مُلاً، کمال الدین، سہالوی کی خدمت میں پانچ چھ سال رہ کر کتبِ درسیہ کی تعلیم، حاصل کی اور اپنے وطن، واپس جا کر، مسندِ درس بچھائی اور اپنے استاذ، مُلاً، کمال الدین، سہالوی کے نام کو، شیخ عبدالرحمن، یمنی نے خوب، شہرت دی۔

مفتی محمد رضا، انصاری، فرنگی محلی (متوفی ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء) لکھتے ہیں کہ:

”مُلاً، کمال الدین، سہالوی، اس درجہ کے فاضل تھے کہ:

تنہا، وہی، اپنے استاذ، مُلاً، نظام الدین محمد کے نام کو، روشن کرنے کے لئے بہت تھے۔

ان کی فکر کا عالم، مدرس اور مصنف، اس زمانے میں، دور دور تک، کوئی دوسرا، نہ تھا۔“

ان کی تصانیف ”الْعُرْوَةُ الْوُثْقَى“ ”شرح کبریٰ بہت احمر“ اور ”حاشیہ شرح عقائد جلالی“

میں سے، حاشیہ، طبع ہو چکا ہے۔ اور الْعُرْوَةُ الْوُثْقَى اور شرح کبریٰ بہت احمر، مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کے مولانا عبدالحی، فرنگی محلی، کلکشن میں، مخطوطہ کی شکل میں محفوظ ہے۔“

(ص ۹۸ و ۹۷۔ ہائی درس نظامی۔ مطبوعہ لکھنؤ)

”اسی طرح، میراں، کمال الدین، ساکن بنگال، یا۔ ساکن بہار نے اپنے استاذ کا فیض

بنگال میں، عام کیا۔ اور مُلاً، کمال الدین سہالوی، آودھ میں، سرگرم فیض رسانی رہے۔“

(ص ۹۹۔ ہائی درس نظامی۔ مطبوعہ لکھنؤ)

”مُلاً، کمال الدین، سہالوی کے براہ راست شاگردوں، بیک واسطہ شاگردوں اور دو، یا تین

واسطوں سے کچھ شاگردوں کے نام ”أَغْصَانُ الْأَنْسَاب“ (زمانہ تصنیف ۱۲۶۰ھ/۱۸۴۴ء) کے مصنف (رضی الدین محمود، فتح پوری) نے کہنا ہے:

مولوی حمد اللہ، سندیلوی، قاضی محمد نور الحق، فتح پوری (مُلاً، کمال کے ابن عم) مولوی محمد اعظم سندیلوی، مولوی برکت اللہ، الہ آبادی، مُلاً حَسَن، فرنگی محلی، ان کے بھائی، مُلاً، محمودی، فرنگی محلی (یہ دونوں فرنگی محلی حضرات، مُلاً، کمال کے سگے بھانجے بھی تھے)

مولوی احمد اللہ، خیر آبادی، مولوی محمد احسن، چریا کوٹی (یہ سب، براہ راست شاگرد)

ان حضرات کے وہ شاگرد، جو، صاحب درس ہوئے:

مولوی باب اللہ، جون پوری، مولوی غلام یحییٰ، بہاری، مولوی عبدالواجد، خیر آبادی وغیرہ ہیں۔

اور تین واسطوں سے شاگردوں میں، مولوی فضل امام خیر آبادی، مولوی غلام امام شہید

مولوی عبدالواسع، سید پوری، مولوی ضامن، ساکن کٹرہ مانک پور وغیرہ۔

یہ سب، مولوی عبدالواجد، خیر آبادی کے شاگرد ہیں۔

اور مولوی عبدالواجد، مولوی محمد اعظم، سندیلوی کے شاگرد اور بھانجے تھے۔

اور مولوی اعظم مُلاً، کمال الدین کے شاگرد و رشید تھے۔“

(ص ۱۰۰۔ ”بانی درس نظامی“۔ مؤلفہ: مفتی محمد رضا، انصاری، فرنگی محلی۔ مطبوعہ لکھنؤ ۱۹۷۳ء)

علاً، مہ فضل امام، خیر آبادی، ملاً، حسن، فرنگی محلی کے چھوٹے بھائی
ملاً، محمد ولی، فرنگی محلی تلمیذ ملاً، کمال الدین محمد، سہالوی ملاً، نظام الدین، محمد، فرنگی محلی کے
بھی شاگرد ہیں۔

اس طرح، علاً، مہ فضل امام، خیر آبادی، بیک واسطہ، ملاً، کمال الدین، سہالوی
اور ملاً، نظام الدین، محمد، فرنگی محلی، بانی درس نظامی کے شاگرد ہوئے۔

ملاً، محمد ولی، فرنگی محلی سے تلمذ کی، یہ روایت
ملاً، نعمت اللہ، فرنگی محلی (نبیرہ ملاً، محمد ولی، فرنگی محلی) کے ایک مخطوطہ میں درج ہے۔
جس کا ذکر ”تذکرہ علمائے فرنگی محل“ اور ”احوال علمائے فرنگی محل“ میں ہے۔

(حاشیہ ص ۴۸۲۔ ”تذکرہ علمائے ہند“۔ بقلم مترجم، پروفیسر محمد ایوب، قادریہ۔ مطبوعہ کراچی۔ ۱۹۶۱ء)

بحر العلوم، علامہ عبدالعلی، فرنگی محلی

ملک العلماء، بحر العلوم، علامہ عبدالعلی محمد، فرنگی محلی، لکھنؤ (وصال رجب ۱۲۲۵ھ/ ۱۸۱۰ء)
 فرزند و تلمیذ استاذ الہند، مولانا نظام الدین محمد، سہالوی (وصال ۹ جمادی الاولیٰ ۱۱۶۱ھ/ ۱۷۴۸ء)
 بانی ”درس نظامی“ اپنی ابتدائی عمر میں تحصیل علم کی جانب، زیادہ، راغب نہ تھے۔

حضرت شاہ پیر محمد، چشتی، لکھنؤ (وصال ۱۰۷۹ھ/ ۱۶۶۸ء) کے مزار مبارک
 واقع ٹیلہ دریاے گومتی، لکھنؤ کے عرس مبارک کے موقع پر ایک ایسا حادثہ، رونما ہوا
 جس نے بحر العلوم کی زندگی کا، رخ، بدل دیا۔

مولانا نظام الدین محمد، سہالوی کے استاذ، مولانا غلام نقشبند، لکھنؤ (وصال ۱۱۲۶ھ/ ۱۷۱۳ء)
 کی درس گاہ، یہیں تھی۔

ماضی قریب کے ایک فرنگی محل عالم، مفتی محمد رضا، انصاری، فرنگی محلی (متوفی ۱۹۹۰ء)
 سابق استاذ شعبہ دینیات، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ اپنی کتاب ”بانی درس نظامی“
 مطبوعہ لکھنؤ، ۱۹۷۳ء میں لکھتے ہیں کہ:

”مولانا غلام نقشبند، مدرس بھی تھے اور رشد و ہدایت کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔
 ان کی خدمت میں علوم ظاہری کے علاوہ، علوم باطنی کے طلب گار بھی آتے تھے اور مسجد
 تعمیر کردہ، عالم گیر، یا فدائی خاں اور عمارات، تعمیر کردہ، مولانا غلام نقشبند میں، ان کا، رہنا ہوتا تھا۔
 مولانا غلام نقشبند کی وفات (۱۱۲۶ھ/ ۱۷۱۳ء) کے بعد، درس و تدریس کا سب سے بڑا مرکز
 مولانا نظام الدین محمد کا آستانہ تھا۔

خود، مولانا نقشبند کی اولاد بھی، مولانا نظام الدین محمد سے، شرف تلمذ رکھتی تھی۔
 مولانا صاحب کے پر دیسی طلبہ کی قیام گاہ، یہی ٹیلہ، شاہ محمد تھی۔ مرزا محمد حسن قنیل کا کہنا ہے کہ:
 ”پیشتر، برپشتہ شاہ پیر محمد کہ در لکھنؤ بہ کنار دریا مشہور است، برائے ہفت صد طالب علم
 مشاہرہ بقید ضرورت ماکول و مشروب و ملبوس از سر کار بادشاہ ہندوستان، معین بودہ۔“

(ص ۱۳۷۔ ہفت تماشا۔ مؤلفہ مرزا محمد حسن قنیل۔ مطبوعہ نولکشور، لکھنؤ)

”اب سے پہلے (زمانہ تصنیف یعنی ۱۲۲۷ھ/ ۱۸۱۲ء سے پہلے) شاہ پیر محمد صاحب کے ٹیلہ

پر، جو لکھنؤ میں، دریا (گومتی) کے کنارے، مشہور جگہ ہے، سات سو (۷۰۰) طلبہ کے رہنے، کھانے پینے اور پہننے کے اخراجات کے لئے بادشاہ ہندوستان کی طرف سے ضروری مشاہرہ، مقرر تھا۔“ اسی ٹیلہ شاہ پیر محمد پر، ایک تقریب دستار بندی طلبہ کے وقت، ہجوم کے ہاتھوں، بحر العلوم نے دھکے کھائے۔ کیوں کہ، یہاں، وہ، محض ”تماشاے دستار بندی“ دیکھنے آئے تھے۔

دھکے کھاتے ہوئے ہجوم سے، جب بحر العلوم نے اپنا تعارف کرایا کہ:

”میں، مثلاً، نظام الدین محمد کالڑکا ہوں۔“

تو، ہجوم کے ایک شخص نے جواب دیا کہ:

”سُبْحَنَ اللہ! تم، اگر، استاذ الحد، مثلاً نظام الدین محمد کے بیٹے ہوتے تو، مسند پر صدر نشین ہوتے، یا، یہاں، دھکے کھاتے ہوتے؟“

اس کے بعد کا واقعہ، بیان کرتے ہوئے مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی، لکھنؤی (ولادت ۱۳۰۶ھ/۱۸۸۸ء۔ وفات ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء) لکھتے ہیں کہ:

”بحر العلوم کی حُجَّت، جوش میں آگئی۔ کابک، وہیں، توڑ ڈالی اور بیڑی اڑادیں۔ اور گھر آ کر کتاب، بغل میں لیے پدر بزرگوار کے مزار پر حاضر ہو کر، دیر تک گریاں رہے۔ اس کے بعد، کتاب کھول کر، مطالعہ، شروع کیا۔

”جہاں، ذرا بھی، اشکال پاتے، پدر بزرگوار سے، مدد پاتے۔“

یہاں تک کہ، فاضل بے نظیر، جامع معقول و منقول، عالم ظاہر و باطن ہو گئے۔“

(ص ۱۳۸۔ ”تذکرہ علماء فرنگی محل“۔ مؤلفہ مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی۔ مطبوعہ اشاعت العلوم۔

فرنگی محل لکھنؤ۔ ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء)

مثلاً، ولی اللہ، فرنگی محلی (متولد ۱۱۸۲ھ/۱۷۶۸ء۔ متوفی ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۳ء) جنھوں نے علماء فرنگی محل کی دوسری پشت کا زمانہ پایا ہے۔ اور بحر العلوم، مثلاً، عبدالعلی، فرنگی محلی کی حیات کا، پینتالیس (۲۵) سال پایا ہے۔ مگر، بحر العلوم سے ان کی ملاقات، نہ ہو سکی تھی۔

کیوں کہ، جب، یہ پیدا ہوئے تو، بحر العلوم، فرنگی محل، لکھنؤ چھوڑ کر جا چکے تھے۔

شاہجہاں پور، رام پور، بوہڑ ضلع، مردوان، بنگال، اور مدراس (جنوبی ہند) میں، بحر العلوم کے پچپن (۵۵) سال گزرے اور مدراس ہی میں ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء میں بحر العلوم نے وصال فرمایا تھا۔ اپنی کتاب ”انحصار اربعہ“ میں، مثلاً، ولی اللہ، فرنگی محلی (متوفی ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۳ء) لکھتے ہیں کہ:

(ترجمہ از فارسی) مُلّا، نظام الدین محمد کی وفات کے بعد، ان کے فرزند ارجمند

کتاب معقول و منقول کے مطالعہ میں مشغول ہوئے۔ اور:

”ہر مشکل کے، دریں باب، بروئے رومی نمود، بروحانیت والدِ خودش، حل می گشت۔“

اور اس سلسلے میں جو بھی مشکل، ان کے سامنے آئی، اپنے والد ماجد کی روحانیت سے حل ہو گئی۔“

چنانچہ، میں نے معتبر حضرات سے سنا ہے کہ:

بحر العلوم، مولانا عبد العلی، فرنگی محلی فرمایا کرتے تھے کہ:

”والدِ مِ چناں کہ، در ترتیبِ دُر حیاتِ خود، مصروف بود، ہم چناں، بعدِ ممات نیز بہ تعلیم و تفہیم

و کشفِ معضلات و حلِ مشکلات ہم متوجہ ہست۔“

والدِ ماجد (ملّا، نظام الدین محمد، فرنگی محلی) جس طرح، اپنی حیات میں میری تربیت فرمایا

کرتے تھے، اُسی طرح، بعدِ وفات بھی مشکل مقامات اور دشوار علمی مسائل کے حل کے سلسلے میں

میری تعلیم و تفہیم کی طرف، متوجہ ہیں۔“

شروع شروع میں دشوار مسائل اور ان مباحث کے سلسلے میں، جہاں، علما کے قدم لڑکھڑاتے

ہیں، اپنے والدِ ماجد (ملّا، نظام الدین محمد، فرنگی محلی) کے خاص شاگرد اور بزرگ و سن رسیدہ

ملّا، کمال الدین، سہالوی مرحوم کی خدمت میں صحیح بات معلوم کرنے کے لئے اور درسی کتابوں

کے مباحث و مقامات کو سمجھنے کے لئے بحث و مباحثہ کیا کرتا تھا۔

اور وہ، میرے والد کی اور اپنی باریک فنی تحقیقات، مجھ سے بیان فرماتے تھے۔

اور کبھی، میری بحث و تکرار سے، بد مزہ اور تنگ دل، نہ ہوتے تھے۔“

(ترجمہ ص ۱۲۱۔ ”انحصارِ اربعہ“۔ مؤلفہ ملّا، محمد ولی اللہ، فرنگی محلی۔ مطبوعہ لکھنؤ ۱۲۹۸ھ/۱۹۰۳ء)

اپنے استاذ، ملّا، کمال الدین، سہالوی سے بحر العلوم، مولانا عبد العلی، فرنگی محلی کی

بحث و تکرار، بعض لوگوں کو، ناگوار گذرتی تھی۔

جس کی شکایت، انھوں نے ملّا، کمال الدین، سہالوی سے کی کہ:

بزرگوں کو چاہیے کہ تعلیم و تدریس میں طلبہ کو، مؤذّب رہنا سکھائیں۔

نہ، یہ کہ چھوٹوں کو اپنے برابر سمجھ کر، انھیں، بحث و تکرار کا موقع دیں۔“

ملّا، کمال الدین، سہالوی نے اس شکایت کا جس طرح، جواب دیا

اُس سے، درسِ نظامی کے اساتذہ و طلبہ کے درمیان، تعلق خاطر

اور، بالخصوص، استاذ زادہ کی دل جوئی کا قابل تقلید نمونہ، صفحاتِ تاریخ کی زینت بن چکا ہے۔
مُلاً، محمد ولی اللہ، فرنگی محلی، تحریر فرماتے ہیں کہ:

(اردو ترجمہ از فارسی) مُلاً، کمال الدین نے جواب دیا کہ:

پہلی بات تو، یہ ہے کہ: یہ لڑکا، میرا استاذ زادہ ہے۔

اس کے والد ماجد (مُلاً، نظام الدین محمد) کی خدمت میں، میں نے، یہ علوم، حاصل کیے ہیں۔
جو کچھ، میں، اس لڑکے کے ساتھ کر رہا ہوں، اس کے والد ماجد کے احسانات کو

دیکھتے ہوئے کوئی حیثیت، نہیں رکھتا۔

دوسری بات، یہ ہے کہ: اس عمر میں اپنی محنت اور مشقت سے اس لڑکے نے جو کچھ، حاصل کیا ہے، مجھے یقین ہے کہ، اس کے والد ماجد نے جب، وہ، اس عمر کے تھے، حاصل نہ کیا ہوگا۔
اگرچہ، آخر عمر میں وہ، اپنے عہد کے بڑے عالم ہو گئے تھے۔

تیسری بات، یہ ہے کہ: اس چھوٹی عمر میں، اس لڑکے نے متقدمین کی کتابوں اور متاخرین کی تصانیف پر جو عبور، حاصل کیا ہے، وہ، دوسرے علما کو، تمام عمر، حاصل نہیں ہوتا ہے۔“

(ترجمہ ص ۱۲۲۔ ”اغصانِ اربعہ“۔ مؤلفہ مُلاً، محمد ولی اللہ، فرنگی محلی۔ مطبوعہ لکھنؤ۔ ۱۹۰۳ء)

مُلاً، کمال الدین، سہالوی، یا۔ اپنا اخذ کردہ نتیجہ، مُلاً، محمد ولی اللہ، فرنگی محلی، بیان کرتے ہیں کہ:
”اس، محض، توجہ روح والدش کہ جامع علوم ظاہر و باطن بود، و ولایتش بحمد کمال رسیدہ
اور ا حاصل گشتہ۔ دریں صورت بحسب ظاہر، اگرچہ، صغرن وارد و لیکن در مقام بحث و تکرار
رُتبہ علما، صدر الدین، شیرازی و محقق دوانی وارد۔“ (ص ۱۲۲۔ ”اغصانِ اربعہ“۔ مطبوعہ لکھنؤ۔ ۱۹۰۳ء)

(ترجمہ) اور یہ سب کچھ، اس کے والد ماجد کی توجہ روحانی کا ثمرہ ہے۔

وہ، علوم ظاہر و باطن کے جامع تھے اور ان کی ولایت، حد کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔

ان حالات میں، گو، دیکھنے میں، وہ (مولانا عبد العلی، فرنگی محلی) ابھی، کم سن ہے

لیکن، بحث و مناظرہ میں، اس کا رُتبہ، علما، صدر الدین، شیرازی اور دوانی کے برابر ہے۔“

(ترجمہ ص ۱۲۲۔ ”اغصانِ اربعہ“۔ مطبوعہ لکھنؤ۔ ۱۹۰۳ء)

تکمیلِ تعلیم کے بعد، بحر العلوم، مولانا عبد العلی، فرنگی محلی نے متعدد نوابوں کی خواہش
اور دعوت کے مطابق، متعدد مقامات کو، رونق بخشی اور اپنے علوم و فنون کے گوہر لٹائے۔
بحر العلوم، فرنگی محلی، ایک حادثہ کے نتیجے میں لکھنؤ سے شاہجہاں پور تشریف لے گئے اور وہاں

مختلف مقامات میں فریضہ درس و تدریس انجام دیتے ہوئے آخر میں مدراس پہنچے اور وہیں آپ کا وصال بھی ہو گیا۔ لیکن، اس طویل عرصے میں کبھی لکھنؤ، واپس تشریف نہیں لائے۔

اس حادثہ کا ذکر آپ کے صاحبزادے، مولانا عبدالاعلیٰ، فرنگی مہلی (متوفی ۱۲۰۷ھ) نے اپنے ”رسالہ قطبیہ“ میں کیا ہے۔ جس کا خلاصہ، کچھ اس طرح ہے:

ایک شیعہ مجتہد، نور الحسن، بلگرامی، لکھنؤ آیا اور فرنگی محل (لکھنؤ) میں اس نے قیام کیا۔ دورانِ قیام، وہ، کسی ایسی بیماری میں مبتلا ہو گیا کہ اٹھنا بیٹھنا، مشکل ہو گیا۔

اسی اثنا میں، ماہِ محرم آیا۔ وہ، چوں کہ سخت بیمار تھا اس لئے محرم کی کوئی مجلس بلکہ کسی تعزیہ دیکھنے کے لئے بھی، نہ جاسکا۔ اور اس نے اپنے شیعہ متعلقین سے کہا کہ:

”تعزیہ، ہمیں لایا جائے، تاکہ میں اس کی زیارت کر سکوں۔“

چنانچہ، شیعہ متعلقین، ایک تعزیہ لے کر آنے لگے۔

راستے میں بحر العلوم، فرنگی مہلی کی درس گاہ تھی۔ جب اس کے قریب تعزیہ پہنچا، تو، حضرت بحر العلوم، فرنگی مہلی، اُس وقت تلاوتِ قرآن حکیم میں مصروف تھے۔ آپ نے یہ سمجھا کہ تعزیہ دار اپنا راستہ بھول کر ادھر آ گئے ہیں۔

اس لئے ہاتھ کے اشارے سے آپ نے اپنے اقارب و احباب سے فرمایا کہ:

”وہ، انھیں، ادھر نہیں، بلکہ اپنا راستہ، اختیار کرنے کو، کہیں۔“

ان اقارب و احباب نے ہاتھ کا اشارہ، صحیح طور پر نہیں سمجھا اور بجائے اس کے کہ تعزیہ کا رخ پھیر کر، اُسے، دوسرے راستے سے جانے دیں، اس تعزیہ ہی کو، توڑ پھوڑ ڈالا۔

جس کے نتیجے میں ایک شور و ہنگامہ، برپا ہو گیا۔

اس کے بعد، یہ مقدمہ، شیعہ قاضی، غلام مصطفیٰ، لکھنوی تک پہنچا۔

اور اس نے بحر العلوم، مولانا عبدالعلیٰ، فرنگی مہلی کے قتل کا حکم، صادر کر دیا۔

اس حکم کی آپ کے تلامذہ و اقارب و احباب نے شدت سے مزاحمت کی۔

شیعوں نے مقابلے کی تاب نہ لا کر، صلح و مصالحت کر لی۔

ساتھ ہی، یہ سازش بھی شروع کر دی کہ، اچانک حملہ کر کے، آپ کو شہید کر دیا جائے۔

آپ کے اعزہ و اقارب و متعلقین، یہ خطرہ بھانپ کر، سخت تشویش و اضطراب میں مبتلا ہوئے۔

کچھ کا خیال ہوا کہ ہر طرح کے حالات کا، پوری پامردی کے ساتھ مقابلہ کیا جائے۔

اور کچھ نے رائے دی کہ ایسے حالات میں کہیں اور چلا جانا ہی بہتر ہے۔
آپ نے سنگینی حالات کے پیش نظر لکھنؤ چھوڑ کر کہیں اور چلا جانا ہی بہتر سمجھا۔
اور لکھنؤ کو، اس طرح، اُلٹو داغ کہہ کر، شاہجہاں پور کے لئے روانہ ہوئے کہ:
زندگی بھر کبھی لکھنؤ میں قدم بھی نہیں رکھا۔

(ملخصاً۔ ”رسالہ قطبیہ“۔ از ملاً، عبدالاعلیٰ، فرنگی محلی، بن بحر العلوم، مولانا عبدالعلیٰ، فرنگی محلی)
مفتی محمد رضا، انصاری، فرنگی محلی لکھتے ہیں کہ:

”مولانا بحر العلوم، اپنے والد ماجد سے، سند فراغت حاصل کرنے کے بعد، درس و تدریس
میں، دو تین سال کے بعد مشغول ہوئے۔ جب کہ، ان کے نامور والد کا وصال ہو چکا تھا۔
تقریباً، دس (۱۰) سال بعد تک، والد ماجد کی مسندِ درس کو زینت بخشے کے بعد
وہ، حافظ رحمت خاں، سردار روہیلہ کے پاس، شاہجہاں پور چلے گئے۔

جہاں، کم و بیش، بیس (۲۰) سال تک، تصنیف و تالیف و درس و تدریس میں مصروف رہے۔
شاہجہاں پور میں، ان کے تلامذہ کے حلقے میں، فرزندِ انِ حافظ رحمت خاں شہید بھی تھے۔
جن میں، نواب محبت خاں، قابلِ ذکر ہیں۔ جو، دوسرے وجوہ سے تو، تاریخی شخصیت بن چکے تھے
لیکن، ان کی علمیت اور بحر العلوم سے تلمذ پر، مؤرخین کی خصوصی نظر، نہیں پڑی۔“

(ص ۱۰۹۔ ”بانی درس نظامی، ملاً نظام الدین محمد“۔ مجلسِ صحافت و نشریات، ندوۃ العلماء، لکھنؤ۔ ۱۳۹۳ء، ۱۹۷۳ء)

”ملاً بحر العلوم، شاہجہاں پور میں، غلغلہٴ درس، بلند کرنے کے بعد
نواب فیض اللہ خاں کی استدعا پر، ریاستِ رام پور تشریف لے گئے۔

جہاں، چار (۴) برس تک، سلسلہٴ درس و تدریس، جاری رکھا۔
نوابِ رام پور، بحر العلوم اور ان کے شاگردوں کے پوری طرح، کفیل رہے۔
لیکن، یہاں، شاگردوں کی تعداد، بہت بڑھ گئی اور ایسی کثرت ہوئی کہ:

اُس وقت کی ریاست کے بجٹ پر، ان سب کی کفالت، بار بننے لگی
اور ریاست کی طرف سے محدود رقم، مقرر ہونے کی بات آنے پر، مولانا بحر العلوم

دل برداشتہ ہوئے۔

اس کی اطلاع، بوہار ضلعِ بدواں (بنگال) کے علم پرورد رئیس، ششی صدر الدین (میرنشی گورنر
جنرل بہادر) کو ہوئی۔ انھوں نے درخواست کر کے اور انگریزی اثرات سے کام لے کر، ریاست

رام پور کو مجبور کر دیا کہ وہ، مُلّا بحر العلوم کو ”مدرسہ نشی صدر الدین“ میں، درس و تدریس کی رونق بڑھانے پر، بہر قیمت، آمادہ کر دے۔ اس طرح، مولانا بحر العلوم، بوہار تشریف لے گئے۔

”مدرسہ نشی صدر الدین“ (بوہار ضلع بردوان - بنگال) میں، مُلّا بحر العلوم کے طلبہ کا کس درجہ، پاس و لحاظ کیا جاتا تھا، اس کا اشارہ، لکھنؤ میں مدفون، وجودی بزرگ، صوفی، عبدالرحمن (وصال ۱۲۴۵ھ/۱۸۳۰ء) کے تذکرے میں ملتا ہے۔

صوفی صاحب کے تحصیل علم کے ذکر کے، دوران، مرقوم ہے:
ترجمہ از فارسی: (مختلف اساتذہ سے تعلیم، حاصل کرنے کے بعد، صوفی، شاہ عبدالرحمن، لکھنؤی (نے) مولانا عبدالعلی محمد (یعنی، بحر العلوم) قُدسِ سِرّہ کے علم و تبحر کا شہرہ، سنا۔

اور ان کی خدمت میں، بنگال، روانہ ہو گئے۔ مولانا بحر العلوم، اس زمانہ میں مملکت کے قریب، قصبہ بوہار میں، میرنشی کونسل، نشی، صدر الدین کے مدرسے میں، درس و تدریس کو رونق بخش رہے تھے۔

صوفی صاحب، صفر ۱۱۹۹ھ (مطابق دسمبر ۱۷۸۴ء) میں، مولانا عبدالعلی محمد (بحر العلوم) قُدسِ سِرّہ کی خدمتِ بابرکت میں پہنچے اور ایک سال، قیام کر کے مُسَلِّمُ الثبوت (اصول فقہ) حاشیہ قدیمہ (کلام) اور بیضاوی (تفسیر) کا درس لیا۔ یہی آخری کتابیں، صوفی صاحب کی، رہ گئی تھیں۔ ان کو پڑھ کر فارغ التحصیل ہو گئے۔ مولانا بحر العلوم نے چاہا کہ، جس طرح، دوسرے فارغ التحصیل طلبہ کو فراغت کی سند ایک خاص اہتمام سے دی جاتی ہے، صوفی صاحب کو بھی، دی جائے۔

صوفی صاحب کا بیان ہے کہ، میں نے انکار کر دیا۔ وجہ، یہ تھی کہ:
مدرسہ نشی صدر الدین سے جس کو بھی، سند فراغت دی جاتی اور دستار بندی کی جاتی اُس کو، نشی صدر الدین، ایک خلعت اور دو سو روپے، نقد دیتے تھے۔ نیز، انگریزی سرکار میں، اس فارغ التحصیل کو ملازم بھی کر دیتے تھے۔

میں نے کہا کہ: میں نے، اللہ کے لئے تحصیل علم کی ہے۔ مال، یا۔ خلعت کی لالچ میں یا۔ ملازمت کی ہوس میں، نہیں کی ہے، تو، رُکمی دستار بندی کی مجھے کیا حاجت رہ جاتی ہے؟“

(ص ۳۰۔ ”انوار الرحمن لتبویر الجنان“۔ مؤلفہ مولوی نور اللہ۔ مطبع نولکھور، لکھنؤ۔ ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۳ء)۔
بہر حال! اس شان و شوکت کے ساتھ ”مدرسہ نشی صدر الدین“، میرنشی گورنر جنرل میں

مذاً، بحر العلوم، درس و تدریس کی خدمت، انجام دیتے رہے۔

اور بالآخر، وہاں، تلامذہ کی کثرت اور دور دور سے طالبانِ علوم کی آمد، مثنیٰ صدر الدین کے ذرائع آمدنی کے لئے بھی، وجہ آزمائش بن گئی۔

اس صورتِ حال کی شہرت ہوتے ہی، نظام حیدر آباد، سلطان ٹیپو، اور نوابِ آرکاٹ (مدراس) تینوں نے، بیک وقت، درخواستیں اور عرضداشتیں

مولانا بحر العلوم کی خدمت میں اپنے یہاں، قدم رنجہ فرمانے کی، بھیجیں۔

مولانا بحر العلوم نے، نوابِ آرکاٹ (مدراس) کی عرضداشت کو، شرفِ قبولیت اس لئے بخشا کہ:

وہ، اصلاً، گویا مسموع (ضلع ہردوئی۔ اودھ) کے رہنے والے تھے اور ان کو حق جوار، حاصل تھا۔

مولانا کے اس فیصلے پر، نواب والا جاہ آرکاٹ (مدراس) کو، کتنی مسرت ہوئی؟

اس کا اندازہ، اس اندازِ پذیرائی سے کیا جاسکتا ہے

جو، بحر العلوم کے، وہاں (آرکاٹ) پہنچنے پر، نواب والا جاہ نے اختیار کیا۔

مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی بھلی (متوفی ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء) لکھتے ہیں کہ:

”مدراس پہنچے، تو، بیرونِ شہر، علما و اعیان نے استقبال کیا۔ آپ (بحر العلوم) پاکی پر

سوار اور تمام اعیانِ دولت، پایادہ ہمراہ، اس شان سے نواب کے دولت خانے پر پہنچے۔

نواب نے، دروازے تک مع شہزادوں کے، استقبال کیا۔

آپ نے پاکی سے اترنے کا ارادہ فرمایا۔ نواب نے کسی طرح، اترنے، نہ دیا۔

اور، خود، پاکی کو، کاغذِ حادے کر صدر مقام تک لے گیا۔

مولانا کو، صدر میں، بٹھایا اور خود، مؤذبانہ، سامنے بیٹھا۔“

(ص ۱۳۹۔ ”تذکرہ علماے فرنگی محل“۔ مؤلفہ مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی بھلی۔ مطبوعہ فرنگی محل، بکھنؤ)

یہ تو، نواب کے اندازِ استقبال کی شان تھی، جو، بیان ہوئی۔

اور بحر العلوم کی تشریف آوری کی کیا شان تھی؟

اس کے بارے میں، صاحبِ نزهة الخواطر لکھتے ہیں:

فسافرواَلیہا مع بستِ مائةِ نفسٍ مِنْ رِجالِ العِلْمِ۔

یعنی، نردوانِ ضلع کے قصبہ بوبار سے، جب مولانا بحر العلوم، مدراس کے لئے آمادہ سفر

ہوئے، تو ان کے ساتھ، طالبانِ علم کا ایک بڑا گروہ تھا۔ جس کے افراد کی تعداد، چھ سو (۶۰۰) تھی۔“
مولانا بحر العلوم، مدراس پہنچے، تو ان کے ہمراہ، چھ سو (۶۰۰) طلبہ پر مشتمل
پورا، ایک جامعہ (یونیورسٹی) تھا۔

عالی ظرف، نواب ارکاٹ نے جس شانِ انکسار سے بحر العلوم اور ان کے چھ سو (۶۰۰) تلامذہ
کا خیر مقدم کیا، ویسی ہی، عالی حوصلگی سے، اس نے بحر العلوم کے لئے ایک الگ مدرسہ تعمیر کرایا۔
بحر العلوم کے لئے گراں قدر مشاہرہ، ان کے دامادوں، مثلاً علاء الدین، فرنگی محلی اور مولانا
ازہار الحق، فرنگی محلی کے لئے جداگانہ وظیفہ تدریس اور جتنے طلبہ ہمراہ تھے
سب کے لئے وظیفہ تعلیم مقرر کیا۔

ایک جدید تصنیف ”خانوادہ قاضی بدرد اللہ“ کے مصنف، افضل العلماء، محمد یوسف کوکن
عمری (مدراس یونیورسٹی) نے، قدیم دستاویزی، تاریخی تحریروں، اور سرکاری ریکارڈوں سے
نواب والا جاہ، محمد علی، والی ارکاٹ (جنوبی ہند) کی دعوت پر، مثلاً، عبدالعلی بحر العلوم، فرنگی محلی کے
مدراس پہنچنے کی تاریخ، بیان کرتے ہوئے ایک اہم خط بھی، نقل کیا ہے۔ اور بحر العلوم کے
مشاہرے کا، ذکر بھی کیا ہے۔ محمد یوسف کوکن، عمری لکھتے ہیں:

”نواب، محمد علی والا جاہ نے اپنے مدرسہ کلاں کی صدر مدرس کے لئے مولانا عبدالعلی
بحر العلوم کو دعوت بھیجی۔ وہ ۲۴ ذوالحجہ ۱۲۰۵ھ کو، بوہار (ضلع بدوان) سے مدراس پہنچے۔ ان کے
ساتھ، ان کے فرزند، مولوی عبدالرب اور مولوی امام بخش اور دوسرے بہت سے لوگ تھے۔
مولانا بحر العلوم کی تنخواہ، ایک ہزار روپے، مقرر ہوئی۔

مدراس اور آس پاس کے طلبہ، ان کی خدمت میں استفادہ کرنے لگے۔
مولوی محمد غوث (مولوی محمد غوث، شرف الملک بہادر) نے، بھی تبرکاً کچھ پڑھنے کا ارادہ
کیا۔ مگر وہ، کسی وجہ سے ان کی درس گاہ میں، شریک ہونے پر، متردد تھے۔ آخر، انھوں نے اپنے دادا
قاضی، نظام الدین احمد اصغر کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق، استخارہ کیا۔

اس رات انھوں نے خواب میں، دیکھا، تو، انھیں، دلی مسرت ہوئی۔
وہ، خود، مولانا عبدالعلی بحر العلوم سے مل کر اپنا خواب، بیان کرنا چاہتے تھے۔
لیکن، حجاب، دامن گیر ہو گیا۔ انھوں نے، اپنے چچا، مولوی غلام عبد اللہ، فرزند مولوی
محمد صادق، فرزند محمد عبدالرشید شہید کے نام، حسب ذیل خط لکھا:

(ترجمہ از فارسی:) قبلہ من! خدا کی حمد اور اُس کا شکر ہے کہ:
آنجناب کے اجازت دادہ درود کی برکت سے، رات، عجیب نعمتِ عظمیٰ سے فائز ہوا۔
جس کی تفصیل، یہ ہے کہ:

میں نے، تہجد کی نماز کے بعد، اس طریقے سے استخارہ کیا جو کہ:
مجھ کو، دادا مرحوم (اللہ، ان کی خواب گاہ کو ٹھنڈک سے بھر دے) سے ملا تھا۔
اور نیت، یہ کی تھی کہ حضرت مولانا (عبدالعلی، فرنگی ملی) سے (اللہ، ان کی برکتوں سے
مجھے، فائدہ پہنچائے) استفادہ کرنا چاہیے، یا۔ نہیں؟ اور ان سے مجھے، کوئی فیض ہوگا، یا۔ نہیں؟
دیر تک، نیند نہیں آئی۔ اور آخر، جب مجھ پر، اُدگھ، غالب ہوئی
تو، اپنے آپ کو، جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں پایا۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مولانا مَدِّ ظِلُّہ کو، زیادہ مُشاب، پارہا تھا۔
امیر المومنین، حضرت ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہ عَنْہُ وَاَرْضَاهُ عَنَّا
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ سے ایک قرا بہ چرمی، یعنی، ڈوپٹی
زمزم سے بھری لائے۔

اور اپنے وسیع مبارک سے مجھے پلانا، شروع کیا۔
پینے کے درمیان، میں، ہر چند اشارہ کرتا رہا کہ بس کریں۔ مگر، انھوں نے اپنا ہاتھ نہیں کھینچا۔
یہاں تک کہ، میرا پیٹ، حلق تک بھر آیا۔
اُس وقت، آپ زمزم کی بدولت، علم سے بھر پور ہونے کی حدیث، یاد آئی۔
اور میری آنکھوں سے آنسو، جاری ہو گئے۔

اسی حالت میں، جب کہ آنکھوں سے آنسو جاری تھے، بیدار ہوا۔
زمزم کے پانی کی لذت، ابھی تک، منہ میں تھی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِک۔
وَصَلَّى اللہُ عَلٰی نَبِیِّنَا وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَتَابِعِہٖ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْن۔
میں، چاہتا تھا کہ، خود ہی پہنچ کر (حضرت مولانا عبدالعلی سے) عرض کروں۔ لیکن، چوں کہ
امیر مرحوم کی فاتحہ کے لئے امیر باغ گیا ہوا تھا، اس لئے آنے کی، سگت نہ رہی۔
حضرت مولانا عبدالعلی کی خدمت میں پہنچ کر، اس خواب کا بیان کرنا، ضروری ہے۔
لیکن، ظاہری ارتباط، نہ ہونے کی بنا پر، حجاب، محسوس ہو رہا ہے۔

اسی لئے آنجناب کو تکلیف دی جاتی ہے کہ:

مولانا وجیہ الدین سراپا اشتیاق سے، یہ ماجرا بیان کر کے، یا۔ کسی اور صورت سے جس کو آپ، مناسب سمجھتے ہوں، نواب صاحب کی اجازت لے کر آج ہی، مجھے، حضرت مولانا کی خدمت میں لے چلیں۔

یا۔ خود، تکلیف اٹھا کر، یہاں تشریف لے آئیں اور حضرت مولانا کی خدمت میں لے جائیں۔
اتفاق و اشتیاق، مجھ پر غالب ہے کہ، کل تک کا انتظار کرنا، عین قیامت ہے۔
اور زیادہ، کیا عرض کیا جائے۔“

اس خط پر لکھنے کی، تاریخ نہیں ہے۔ مگر، خط میں، امیر مرحوم کی فاتحہ کا، ذکر ہے۔
ان سے مراد، نواب امیرُ الأمراء، مرحوم ہیں۔ جو، نواب محمد علی، والا جاہ کے دوسرے فرزند تھے۔ اور جن کا ۲۴ محرم ۱۲۰۳ھ کو، انتقال ہوا تھا۔

چوں کہ، حضرت مولانا عبدالعلی ۲۴ رذوالحجہ ۱۲۰۵ھ کو، بدراس تشریف لائے تھے اس لئے قیاس کہتا ہے کہ ۲۴ محرم ۱۲۰۶ھ کا، واقعہ ہے۔

(ص ۱۵۰ تا ۱۵۱۔ ”خانوادہ قاضی بدر اللہ“۔ مؤلفہ ڈاکٹر یوسف کوکن، عمری۔ مطبوعہ ۱۹۶۳ء)

نواب، محمد علی، والا جاہ کا انتقال، ۱۲۱۲ھ ۱۳ اکتوبر ۱۷۹۵ء کو ہوا۔

اور ان کے بڑے بیٹے عُمَدَةُ الأمراء، جانشین ہوئے۔ اور چھ (۶) سال تک، حکمرانی کی۔

نواب، عُمَدَةُ الأمراء کا، ۱۲۱۶ھ میں انتقال ہوا۔ اور سلطان ٹپو سے، ساز باز کے الزام میں

انگریزوں نے ولی عہد نواب، تاجُ الأمراء، علی حسین خاں بہادر پر زور ڈالا کہ:

وہ، حکومت سے دست بردار ہو جائیں اور گراں قدر وظیفے پر قناعت کریں۔“

تاجُ الأمراء، کے انکار پر انگریزوں نے، نواب والا جاہ کے مرحوم بیٹے، امیرُ الأمراء کے

فرزند، عبدالعلی خاں کو گدی نشین کرنا چاہا

تو، مثلاً، بحر العلوم اور دوسرے علما نے فتویٰ جاری کیا کہ نواب عُمَدَةُ الدولہ کے حقیقی وارث

تاجُ الأمراء کے ہوتے ہوئے، کسی دوسرے کو گدی نشین کرنا، شرعاً اور قانوناً، ناجائز ہے۔

مگر، انگریزوں نے زور زبردستی کر کے، عبدالعلی خاں (فرزند نواب امیرُ الأمراء) کو

گدی نشین کر ہی دیا۔ اختیارات لے لیے اور تنخواہ، جاری کر دی۔

عبدالعلی خاں، نواب عظیم الدولہ کے لقب سے تخت نشین ہوئے اور مولوی محمد غوث

ان کے دیوان اور وزیر اعظم، مقرر ہوئے۔ اور شرف الدولہ کے لقب سے سرفراز ہوئے۔ ریاست کے ملازمین، بے روزگار ہو گئے۔ جنھوں نے، انگریزوں کے حکمران ادارہ ”ایسٹ انڈیا کمپنی“ کو، درخواستیں گزرنے، شروع کیں، مولوی محمد غوث شرف الملک، ان پر سفارشیں کرتے تھے۔ اکثر کی درخواستیں، منظور ہو گئیں۔ یہ سب تفصیل ”خانوادہ قاضی بدر اللہ“ کے مصنف (ڈاکٹر یوسف کوکن، عمری) نے بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:

”اس کے لئے ایک مستقل دفتر قائم ہوا۔ جس کا نام ”کرنٹک اسٹے پنڈس پے ماسٹر آفس“ تھا۔ اور یہ دفتر، آج تک، قائم ہے۔ یہ تمام اپیلیں، اب تک، اصلی صورت میں، حاجی ابوالاحمد محمد عبداللہ کے پاس، موجود ہیں۔ ان کے دیکھنے سے، پتہ چلتا ہے کہ: صرف، مثلاً، بحر العلوم ہی، ایک شخص تھے، جنھوں نے انگریز کے آگے، ہاتھ نہیں پھیلا یا۔“ (ص ۱۵۷۔ ”خانوادہ قاضی بدر اللہ“)

۱۲۱۶ھ سے لے کر ۱۲۲۵ھ تک، پورے دس سال تک مثلاً، بحر العلوم، فرنگی مہلی اس کے بعد، بقید حیات رہے۔ اور مدراس ہی میں، قیام بھی رہا۔ لیکن، انگریزوں کے سامنے، دست سوال، دراز نہیں کیا۔ حالاں کہ، ان کا مشاہرہ ایک ہزار روپیہ تھا اور دو گاؤں بھی، جاگیر میں، نواب، عُمَدَةُ الْأَمْرَا کے وقت میں، دیے گئے تھے۔ مثلاً، بحر العلوم کی وفات کے بعد، ان کے فرزند، مثلاً، عبدالرب، دوسرے مرحوم فرزند کے بیٹے مثلاً، عبدالواجد اور داماد و جانشین، ملک العلما، مثلاً، علاء الدین بن مثلاً، انوار الحق، فرنگی مہلی نے اپیلیں کیں اور مثلاً، بحر العلوم کی تنخواہ، کمپنی بہادر سے جاری ہو کر، ورثہ میں تقسیم ہونے لگیں۔“ (ص ۱۱۱ تا ص ۱۱۸۔ ”بانی درس نظامی، مثلاً نظام الدین محمد“۔ مؤلفہ مفتی محمد رضا، انصاری، فرنگی مہلی۔ مجلس صحافت و نشریات، ندوۃ العلما۔ لکھنؤ۔ ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء)

..... بحر العلوم، مولانا عبدالعلی، فرنگی مہلی کے وصال، رجب ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء کے بعد آپ کے داماد، مثلاً، علاء الدین، فرنگی مہلی، حفیدہ مثلاً، احمد عبدالحق، فرنگی مہلی بن مثلاً، محمد سعید، سہالوی بن مثلاً، قطب الدین شہید، سہالوی، آپ کے جانشین ہوئے۔ مفتی محمد رضا، انصاری، فرنگی مہلی لکھتے ہیں:

”مدراس میں مُلّا بحر العلوم کی جانشینی، مملکت العلماء، مُلّا، علاء الدین احمد بن مولانا انوار الحق فرنگی محلی نے کی۔ ان (مولانا علاء الدین) کے بھائی، مولانا نور الحق، فرنگی محل میں درس و تدریس کرتے رہے۔ یہ دونوں بھائی، مُلّا، علاء الدین احمد اور مولانا نور الحق، نیز، ان دونوں کے والد ماجد مولانا احمد انوار الحق بھی، بحر العلوم ہی کے شاگرد تھے۔

ان تینوں حضرات میں سے کسی نے شاہجہاں پور، کسی نے رام پور، اور بوبار (ضلع بدوان بنگال) جا کر، بحر العلوم سے اعلیٰ کتابیں پڑھ کر فراغت، حاصل کی تھی۔

مُلّا بحر العلوم کے صاحبزادوں میں

بڑے، مُلّا عبدُ الاغلی (مصنّف رسالہ قطبیہ) نے بھی اپنے والد ماجد (مُلّا بحر العلوم) سے ہی ساری تعلیم، حاصل کی تھی۔

لیکن، ان کی وفات، والد ماجد (بحر العلوم) سے اٹھارہ (۱۸) سال قبل ۱۲۰۷ھ میں ہو گئی تھی۔ دوسرے بیٹے، مُلّا محمد نافع بن بحر العلوم بھی، والد ماجد کی حیات میں انتقال کر گئے۔

مولانا عبد الرّب بن بحر العلوم نے، جن کو، نواب آرکاٹ (مدراس) نے ”سلطان العلماء“ کا خطاب دیا تھا، کچھ دنوں، والد ماجد کی وفات کے بعد، درس و تدریس کی۔

اس کے بعد، وطن (فرنگی محل، لکھنؤ) واپس آ کر، شغلِ تدریس، جاری رکھا۔

ان کی وفات ۱۲۵۳ھ میں ہوئی۔

ان کے بعد، ان کے نامور فرزند، مولانا عبد الحکیم، فرنگی محلی نے بحر العلوم کی جانشینی فرنگی محل میں، رہ کر کی۔ اور ان سے بھی بہت فیض، جاری ہوا۔“

(ص ۱۳۸، ۱۳۹۔ ”بانی درس نظامی! استاذ الہند مُلّا نظام الدین محمد“۔ مؤلفہ مفتی محمد رضا انصاری، فرنگی محلی

مجلس صحافت و نشریات، ہندوہ العلماء، لکھنؤ۔ ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء)

بحر العلوم، مولانا عبد العلی، فرنگی محلی، لکھنؤی (وصال ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء) اور سراج الہند، شاہ

عبد العزیز، محدث دہلوی (وصال ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۸ء) عَلَیْهِمَا الرَّحْمَةُ وَالرَّحْمَانُ۔

یہ دونوں حضرات، تیرہویں صدی، ہجری کے وہ جلیل القدر علمائے سوادِ اعظم اہل سنت و جماعت ہیں، جن کی دینی علمی درس گاہ و دانش گاہ کا فیض، اُن کے تلامذہ و مستفیدین کے ذریعہ

واسطہ، درواسطہ، متحدہ ہندوستان کے ہر خطے کو سیراب کرتا رہا۔

اور آج بھی ہندوپاک و بنگلہ دیش کے بیشتر علمائے مدرسین اور مدارس و جامعات کا سلسلہ تعلیم

انھیں دونوں مشاہیر سے کسی نہ کسی شکل میں منسلک اور انھیں تک، منتهی ہوتا ہے۔

اپنے سفر حج ۱۳۲۳ھ کے مبارک موقع پر، فقہ اسلام، امام اہل سنت، مولانا احمد رضا، قادری برکاتی، بریلوی (وصال ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) نے علماء محدثین و شیوخ مکہ مکرمہ و مدینہ طیبہ وغیرہ کی طلب پر جو سندیں، عطا فرمائیں، ان سب کے آخر میں اپنی حاصل شدہ اجازتیں بھی تحریر کی ہیں۔ جو "الْإِجَازَاتُ الْمَتِينَةُ لِلْعُلَمَاءِ بَكَّةَ وَالْمَدِينَةَ" (۱۳۲۳ھ) میں موجود و مطبوع ہیں۔ یہ مجموعہ اجازات و اسانید، عربی زبان میں ہے، جو، اردو ترجمہ کے ساتھ، ہندوپاک میں متعدد مرتبہ، شائع ہو چکا ہے۔

امام احمد رضا، قادری برکاتی، بریلوی قُدَس سِرُّہ کو، خانوادہ قادریہ برکاتیہ، مارہزہ مطہرہ کی طرح، خانوادہ ولی اللہی عزیزی (دہلی) و خانوادہ فرنگی محل (لکھنؤ) دونوں سے سلسلہ بہ سلسلہ اجازت، حاصل ہے۔

ایک اجازت نامہ، برائے علمائے مکہ المکرمہ کا خلاصہ، درج ذیل ہے:

”اُن تمام علوم کی اجازت دیتا ہوں، جنھیں، میں نے اپنے اساتذہ سے پڑھا ہے۔

اور اس اعلیٰ وجہ کی بنا پر، میرے لئے میرے اساتذہ سے

قرآن عظیم کی روایت اور نبی کریم عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ اَفْضَلُ الصَّلٰوۃِ وَالتَّسْلِیْمِ کی

احادیث کی روایت، صحیح اور ثابت ہے۔

اور کتب حدیث کی اُن تمام قسموں کی بھی، اجازت دیتا ہوں، جنھیں، صحاح، سنن، مسانید

جو امع، معاجم، آجز اکہا جاتا ہے۔ اور ان کی اجازت اور روایت، میرے لئے صحیح اور ثابت ہے۔

نیز، مسلک محدثین کے مطابق اور ہمارے جلیل القدر اماموں کے روشن طریقے کے موافق

جتنی کتب اصول فقہ ہیں، ان کی بھی روایت، میرے لئے صحیح اور ثابت ہے۔

اور فقہ حنفی کی روایت بھی۔ جو، سلسلہ بہ سلسلہ، سیدنا امام اعظم، ابو حنیفہ نعمان بن ثابت

رَضِیَ اللہُ عَنْہُ تک پہنچتی ہے۔ پھر، امام حماد بن سلیمان و امام ابراہیم نخعی سے ہوتے ہوئے علم کے

دور یا وِل یعنی سیدنا اُسود و سیدنا علقمہ رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا

اور ان کے ذریعہ، سیدنا عبد اللہ بن مسعود تک پہنچتی ہے۔

جو، براہِ راست، سید عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے فیض یاب و سیراب ہیں۔

علم قرآن، علم حدیث، اصول حدیث، فقہ حنفی کی طرح، درج ذیل علوم کی روایت بھی

میرے لئے صحیح اور ثابت ہے:

کتاب فقہ جملہ مذاہب، اصول فقہ، جدل مہذب، علم تفسیر، علم عقائد و کلام، علم نحو، علم صرف
علم معانی، علم بیان، علم بدیع، علم منطق، علم مناظرہ، علم فلسفہ، علم تفسیر، علم ہیئت، علم حساب، علم ہندسہ۔
یہ، ایکس (۲۱) علوم ہیں، جنہیں، میں نے اپنے والد محترم، حضرت مولانا تقی علی، بریلوی سے
حاصل کیا۔ اور باقی مشائخ نے بھی اجازت بخشی۔

تو، کتنے اچھے ہیں اجازت دینے والے اور کتنی اچھی ہے ان کی بخشی ہوئی اجازت۔

آپ حضرات کو، ان علوم کی بھی، اجازت دیتا ہوں
جنہیں، میں نے اساتذہ سے بالکل نہیں پڑھا ہے۔ لیکن، ماہر و کامل و نقاد علمائے کرام سے
مجھے، ان کی اجازت، حاصل ہے۔

مولیٰ تعالیٰ اپنے رسول مقبول عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ الصَّلٰوٰۃُ وَاٰلِہٖ السَّلَام کے صدقے
اس کا وافر حصہ، ہمیں، مرحمت فرمائے۔ آمین

جن علوم کو، میں نے کسی استاذ سے نہیں پڑھا، وہ، دس (۱۰) علوم ہیں:

قرأت، تجوید، تصوف، سلوک، اخلاق، اسماء الرجال، سیر، تواریخ، لغت، ادب، معجمہ فنون۔
میں، آپ سب کو، ان علوم جلیلہ کی دونوں قسموں کی اجازت دیتا ہوں۔

ان علوم میں جتنے متن، جتنی شرحیں، جتنے حواشی اور جتنے رسائل، علمائے متقدمین
اور متاخرین نے تصنیف کیے ہیں، ان سب کی اجازت ہے۔

میں، ان سب کو، اپنے ان مشائخ کرام سے روایت کرتا ہوں:

سیدی و سندی، مرشدی و مولائی، حضرت سید شاہ آل رسول، احمدی، قادری برکاتی، مارہروی
رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ۔

وہ، اپنے جلیل القدر مشائخ سے روایت کرتے ہیں۔ جن میں، شاہ عبدالعزیز، دہلوی بھی ہیں۔

جو، اپنے والد، شاہ ولی اللہ، محدث دہلوی سے روایت کرتے ہیں۔

اور میں، اپنے والد ماجد، حضرت مولانا تقی علی، قادری برکاتی، بریلوی سے روایت کرتا ہوں۔

اور وہ، اپنے والد، عارف ربّانی، حضرت مولانا محمد رضا علی، بریلوی سے روایت کرتے ہیں۔

وہ، مولانا ظلیل الرحمن، محمد آبادی سے۔ وہ، الفاضل محمد اعظم، سندیلوی سے۔

وہ، مملکت العلماء، بحر العلوم، حضرت مولانا عبدالعلی (فرنگی محلی) لکھنوی سے روایت کرتے ہیں۔

اور میں، شیخ العلماء، حضرت سید احمد بن زین بن دحلان مکی، مفتی شافعیہ مکہ مکرمہ سے
اور وہ، شیخ عثمان دمیاطی سے، روایت کرتے ہیں۔

اور میں، حضرت شیخ عبدالرحمن السراج، مفتی احناف مکہ مکرمہ، فرزند شیخ و مفتی عظیم، عبداللہ
السراج سے، اور وہ، حضرت شیخ جمال بن عبداللہ بن عمر مکی، مفتی احناف سے روایت کرتے ہیں۔
یہ دونوں، شیخ عابد، سندھی، مدنی سے روایت کرتے ہیں۔ جو، ایسے محدث ہوئے ہیں کہ
مستفیدین، دور دور سے چل کر، آپ کی خدمت میں آتے رہے ہیں۔

اور میں، حضرت سید ابوالحسین احمد، توری، مارہروی سے راوی ہوں۔

جو، میرے مُرشد، حضرت سید شاہ آل رسول، احمدی، مارہروی کے پوتے، آپ کے جانشین
اور آپ کے علم و سیادت کے وارث ہیں۔ اِلٰی اٰخِرِہ۔ (الْاِجَازَاتُ الْمَتْنَةُ لِلْعُلَمَاءِ بِمَكَّةَ
وَالْمَدِينَةِ۔ ۱۳۲۳ھ۔ مطبوعہ ہندوپاک)

حضرت بحر العلوم کے تعارف و تذکرہ میں مولانا رحمان علی (متوفی ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء)
رقم طراز ہیں:

(ترجمہ از فارسی) بحر العلوم، مُلّا، عبدالعلی بن مُلّا، نظام الدین بن مُلّا، قطب الدین، الشَّہید

السَّہَالَوِی:

اپنے والد ماجد کی آخری عمر میں پیدا ہوئے۔ سترہ سال کی عمر میں جملہ کتب درسیہ اور علوم متعارفہ
اپنے والد ماجد سے تحصیل کر کے، فارغ ہو گئے۔ اسی سال آپ کے والد ماجد کا انتقال بھی ہوا۔
والد ماجد کے انتقال کے بعد، کتب معقول و منقول کے مطالعہ میں مشغول ہو گئے
اور مُلّا، کمال الدین (سہالوی) کی خدمت میں، جو، ان کے والد کے خاص شاگرد تھے، حُلّ غَواض
کرتے تھے۔

صاحب ترجمہ (ملّا، عبدالعلی، فرنگی مکی) کے عملی زندگی کے آغاز میں، ان کے وطن بکھنویس
ایک خاص واقعہ پیش آیا، جس کی وجہ سے آپ، شاہجہاں پور چلے گئے۔

شاہجہاں پور کے رئیس، حافظ الملک، حافظ رحمت خاں، روہیلہ نے آپ کی تشریف آوری
کو غنیمت سمجھا اور آپ کا اعزاز و اکرام کرتے ہوئے معقول و وظیفہ، آپ کے گزارہ کے لئے
مقرر کر دیا۔

حافظ الملک کی زندگی بھر، آپ، شاہجہاں پوری ہی میں مقیم رہے اور طلبہ کو درس دیتے رہے۔

شہادتِ حافظ الملک کے بعد، نواب فیض اللہ خاں، رئیس رام پور کی دعوت پر آپ، ریاست رام پور تشریف لے گئے اور تعلیم و تدریس طلبہ میں مشغول ہو گئے۔ پھر، کچھ مشکلات کی وجہ سے منشی صدر الدین کی دعوت پر، رام پور سے بوہار (بردوان، بنگال) تشریف لے گئے۔

رائے بریلی میں مقیم، ملاً ازہار الحق، فرنگی مہلی کو بھی، اپنے ساتھ، بوہار لیتے گئے۔ منشی صدر الدین، اعزاز و اکرام سے پیش آئے اور مصارفِ طلبہ کے علاوہ خاص آپ کے لئے چار سو (۴۰۰) اور ملاً ازہار الحق کے لئے سو (۱۰۰) روپے، ماہانہ وظیفہ، مقرر کیا۔ یہاں، ایک مدت تک آپ، درس و تدریس میں مصروف رہے۔ کچھ مُفتر یوں کی سازش کے نتیجے میں، باہمی بے اعتمادی کا ماحول پیدا ہوا تو، آپ، نواب محمد علی خاں، والا جاہ کی دعوت پر، مدراس تشریف لے گئے، جہاں نواب والا جاہ نے اپنے اعیان و ارکانِ ریاست (ارکاٹ) کے ساتھ، آپ کا استقبال کیا اور آپ کے لئے ایک مدرسہ، قائم کیا جس میں آپ، تاحیات، مصروفِ درس و تدریس رہے (مُلخصاً) الٰہی آخرہ۔

(ص ۳۰۴، ۳۰۵۔ ”تذکرہ علمائے ہند“، مؤلفہ، مولانا رحمن علی، اردو ترجمہ از پروفیسر محمد ایوب، قادری۔ مطبوعہ پاکستان ہسٹوریکل سوسائٹی، کراچی۔ طبع اول ۱۹۶۱ء)

مذکورہ تعارف و تذکرہ کے آخر میں حضرت بحر العلوم، فرنگی مہلی کی تصانیف کے نام بھی ہیں۔ بحر العلوم، مولانا عبد العلی، فرنگی مہلی کے مختصر تعارف میں مولانا فقیر محمد جہلمی (متوفی ذوالحجہ ۱۳۳۵ھ / اکتوبر ۱۹۱۶ء) تحریر فرماتے ہیں:

... آپ کا قول ہے کہ:

مجھ کو، عالمِ رُویا میں حضرت ابو بکر صدیق کی زیارت ہوئی۔ اور انھوں نے ہاتھ پکڑ کر مجھ کو اپنی بیعت میں داخل کیا۔ اور تعلیم و ارشادِ بیعت کا حکم دیا۔ پس! میں، خالص، انھیں کا، مُرید ہوں۔ اور ان کے واسطے سے آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم، کا سلسلہ انتساب، بیعت کا پہنچتا ہے۔“ چنانچہ، جو شخص، اس سلسلے میں اُن سے بیعت کرتا تھا، اُس کو آپ، اسی ایک واسطے سے شجرہ لکھ کر دیتے تھے۔

دیگر سلاسل میں اپنے والد بزرگوار سے آپ کو اجازت، حاصل تھی۔
لیکن، آپ نے کثرت سے مرید نہیں کیے۔

چند آدمیوں کے سوا، آپ نے کسی کو بیعت میں نہیں لیا۔

آپ کی تصنیفات سے، شرحِ سُلَم، حاشیہ حواشی میرزاہد جلالی، حاشیہ میرزاہد، رسالہ حاشیہ
میرزاہد، شرحِ مواقف قدیمہ و جدیدہ، حاشیہ شرحِ ہدایت الحکمہ، شرحِ مسلّم الثبوت، تکملہ
شرحِ تحریر الاصول ابن ہمام مصنفہ مولانا نظام الدین، شرحِ فارسی منازل الانوار
رسالہ ارکانِ اربعہ در فقہ، شرحِ مشنوی مولانا روم، وغیرہ، یادگار زمانہ ہیں۔

وفات، آپ کی مدراں میں، بمابہ رجب ۱۲۲۵ھ ہوئی۔ ”فاضل قطب زمانہ“ تاریخِ وفات
ہے۔“ (ص ۳۸۵۔ ”حدائق الحنفیہ“ مؤلفہ فقیر محمد جہلمی۔ مطبوعہ ادبی، دنیا، نیاکل، دہلی)
حکیم عبدالحی، رائے بریلوی (متوفی ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳ء) آپ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

كَانَ مَعْدُومَ النَّظِيرِ فِي زَمَانِهِ، رَأْسًا فِي الْفَقْهِ وَالْأَصُولِ
إِمَامًا جَوَّالًا فِي الْمَنْطِقِ وَالْحِكْمَةِ وَالْكَلَامِ۔

وَكَانَ عَبْدَ الْعَلِيِّ بَحْرًا زَاخِرًا مِنْ بُحُورِ الْعِلْمِ، إِمَامًا جَوَّالًا فِي الْمَنْطِقِ وَالْأَصُولِ
وَالْكَلَامِ۔ مُجْتَهِدًا فِي الْفُرُوعِ، مَاهِرًا فِي التَّصَوُّفِ وَالْفَقْهِ، ذَانِجِدَةً وَجَرَاءَةً وَسَخَاءً
وَإِيثَارًا وَزُهْدًا وَاسْتِغْنَاءً۔

وَجُمْلَةُ الْقَوْلِ فِيهِ: أَنَّهُ كَانَ مِنْ عَجَائِبِ الزَّمَنِ وَمَحَاسِنِ الْهِنْدِ۔

يَرْجِعُ إِلَيْهِ أَهْلُ كُلِّ فَنٍّ فِي فَنِّهِمُ الَّذِي لَا يُحْسِنُونَ سِوَاهُ فَيَفِيدُهُمْ

ثُمَّ يَنْفَرُدُ عَنِ النَّاسِ بِفُنُونٍ لَا يَعْرِفُونَ أَسْمَاءَهَا فَضْلًا عَنْ زِيَادَةِ عَلَى ذَلِكَ۔

وَلَهُ فِي حُسْنِ التَّعْلِيمِ صِنَاعَةٌ لَا يَقْدِرُ عَلَيْهَا غَيْرُهُ

فَإِنَّهُ يَجْذِبُ إِلَى مَجْبَتِهِ إِلَى الْعَمَلِ بِالْأَدِلَّةِ مِنْ طَبْعِهِ۔

لَمْ تَرَ الْعُيُودَ مِثْلَهُ فِي كِمَالَتِهِ، وَمَا وَجَدَ النَّاسُ أَحَدًا يُسَاوِيهِ فِي مَجْمُوعِ عُلُومِهِ

وَلَمْ يَكُنْ فِي الدِّيَارِ الْهِنْدِيَةِ فِي آخِرِ مَدَّتِهِ لَهُ نَظِيرٌ۔

(۱۰۲۳۔ نزهة الخواطر، الجزء السابع۔ دار ابن حزم، بیروت)

”فوائد الزمخوت شرح مسلّم الثبوت“ اصول فقہ میں آپ کی شہرہ آفاق کتاب ہے۔

اسی طرح۔ ”الارکان الاربعہ“ علمِ اسرارِ دین میں آپ کی وہ عظیم تاریخی کتاب ہے

جس کا مطالعہ کر کے، سراج الہند، شاہ عبدالعزیز، محدث دہلوی نے اپنے تاثراتی مکتوب میں آپ کو ”بحر العلوم“ لکھا۔ اور اہل علم و فضل کے درمیان، اسے رواج و قبول عام، حاصل ہو گیا۔
رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی رَحْمَةً وَّاسِعَةً۔

شرح فقیر اکبر اور شرح منار بھی، حضرت بحر العلوم، فرنگی محلی کی نہایت اہم کتابیں ہیں۔
تلامذہ بحر العلوم کے کچھ اسماء جو مطالعہ کتب کے دوران، نظر سے گزرے، وہ، درج ذیل ہیں:
مُلاً، عبدالاعلیٰ، فرنگی محلی، خَلَفَ اکبر بحر العلوم، فرنگی محلی و مُلاً، محمد نافع، فرنگی محلی، خَلَفَ بحر العلوم و مُلاً، عبدالرب بن بحر العلوم و مُلاً، احمد انوار الحق، فرنگی محلی و مُلاً، نور الحق، فرنگی محلی و مُلاً، ازہار الحق، فرنگی محلی و مُلاً، ظہور الحق، فرنگی محلی و مُلاً، عبدالواحد، فرنگی محلی و مُلاً، عبدالواجد، فرنگی محلی و مُلاً، علاء الدین، فرنگی محلی و صوفی عبدالرحمن، لکھنوی و مولانا محمد علی، بھیروی۔

علمائے خانوادہ فرنگی محل

ص ۸۶ تا ص ۱۹۲

مُلاً، احمد عبدالحق، فرنگی محلی

مُلاً، احمد عبدالحق، فرنگی محلی (متولد ۱۹ رجب ۱۱۰۳ھ/۱۶۹۲ء - بمقام سہالی، اوڈھ - موجودہ ضلع بارہ بنکی - صوبہ اتر پردیش - وفات ۹ ذی الحجہ ۱۱۶۷ھ/۱۷۵۴ء - لکھنؤ) فرزند اکبر مُلاً، محمد سعید، سہالوی، فرزند مُلاً، قطب الدین شہید، سہالوی - اہل علم و فضل اور اہل شہر لکھنؤ کے درمیان، مُلاً، احمد عبدالحق، فرنگی محلی بڑے ہی معزز و محترم تھے۔

مُلاً، احمد عبدالحق بن مُلاً، محمد سعید، سہالوی اور آپ کے چھوٹے بھائی، مُلاً، عبدالعزیز (متوفی ۹ ذی قعدہ ۱۱۶۵ھ/۷ ستمبر ۱۷۵۲ء) یہ دونوں بھائی

استاذ الہند، مُلاً، نظام الدین محمد، سہالوی فرنگی محلی کے ابتدائی تلامذہ میں ہیں۔ مُلاً، نظام الدین محمد، فرنگی محلی کے بھتیجے، اور شاگرد، مُلاً، احمد عبدالحق، فرنگی محلی ذاتی و خاندانی اور ہر طرح کے پیش آمدہ مسائل میں آپ کے دست و بازو تھے۔ کبھی متعلقہ ذمہ داری نبھانے میں مُلاً، احمد عبدالحق، خصوصی دل چسپی لے کر، مُلاً، نظام الدین کو بے فکری کے ساتھ، مشاغل علمی میں مصروف رکھنے میں ایک بہت بڑے عملی معاون تھے۔

اس طرح، آپ کی خدمات دینی و علمی میں مُلاً، احمد عبدالحق، براہ راست، شریک و سہم تھے۔ یہ آپ کی بڑی سعادت مندی اور قابل تقلید فرض شناسی تھی۔

مفتی محمد رضا، انصاری، فرنگی محلی (متوفی ۱۴۱۰ھ/فروری ۱۹۹۰ء) کے بعض منتشر و نامکمل مجموعہ تحریرات بنام ”باقیات“ میں مُلاً، احمد عبدالحق، فرنگی محلی کے تعلق سے بھی ایک وقیع مضمون، شامل ہے جس کی روشنی میں بعض معلومات، اختصار و تلخیص کے ساتھ یہاں پیش کی جا رہی ہیں:

مُلاً، نظام الدین، فرنگی محلی اپنے سعادت مند برادر زادہ و تلمیذ، مُلاً، عبدالحق کی بے لوث خدمت گذاری و ذمہ داری کا، کھلے دل سے اعتراف اور تحسین فرمایا کرتے تھے کہ:

”میاں، احمد عبدالحق کی بدولت ہی، نظام الدین، نظام الدین بنے۔

دنیا کے تمام خرنشے اور ذمہ داری کی تمام الجھنیں، انھوں نے اپنے سر لے لیں۔

تاکہ میں پورے اطمینان سے درس و تدریس میں مصروف و مشغول رہوں۔“ (اغصان اربعہ)
اپنے غم محترم، مثلاً، نظام الدین محمد سے تکمیل تعلیم کے بعد، مثلاً، عبدالحق، آپ ہی کی طرح
درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ آپ کے تلامذہ کے نام، کتابوں میں نہیں ملتے۔
اس کی وجہ، یہی ہو سکتی ہے کہ مثلاً، نظام الدین سے تعلیم، حاصل کرنے والے طلبہ ہی کچھ
اسباق، آپ سے بھی پڑھتے تھے۔ ان میں سے جو معروف ہوئے
وہ، مثلاً، نظام الدین کے تلامذہ کہلائے۔

خاندانی تذکرہ میں، آپ بے بارے میں، یہ لکھا ہوا ملتا ہے کہ:
ذُو التَّصَانِيفِ الْكَثِيرَةِ فِي الْعُلُومِ الْعَقْلِيَةِ۔ (عمدةُ السَّائِلِ)
معقولات میں آپ، بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔“
ان کتب معقولات میں مندرجہ ذیل، چند ہی کتابوں کے نام ملتے ہیں:
(۱) شرح سَلَمِ الْعُلُومِ (۲) شرح تہذیب، مثلاً، جلال کے حواشی میرزا ہد پر حواشی
مندرجہ بالا دونوں تصانیف، فن منطق میں ہیں۔
(۳) میر سید شریف کی شرح مواقف کے امور عامہ پر حواشی میرزا ہد پر حواشی۔
یہ تصنیف فن کلام میں ہے۔

(۴) ”رَدُّ رَوَافِضُ“ جو، نایاب ہے۔
سَلَمِ الْعُلُومِ، مؤلفہ، مثلاً، محب اللہ، بہاری (متوفی ۱۱۱۹ھ/۱۷۰۸ء)
فن منطق کی ایسی بلند پایہ کتاب ہے، جسے متن کا درجہ، حاصل ہے۔
سَلَمِ الْعُلُومِ کی شرح لکھنا، گویا، ”ماہر معقولات“ کی سند، حاصل کرنا ہے۔
اور اس کی ہر شرح کو، اس کے شارح کی طرح، منسوب کیا جاتا ہے۔ مثلاً:
(۱) مثلاً، حَسَن۔ (مثلاً، محمد حسن، فرنگی محلی) (۲) حمد اللہ۔ (مثلاً، حمد اللہ، سندیلوی)
مثلاً، احمد عبدالحق کی شرح سَلَمِ الْعُلُومِ بھی، انھیں کی طرف، منسوب ہوتی ہے۔
جو، مکمل متن (تصورات و تصدیقات) کی شرح ہے۔ اور حاشیے پر، آپ کے پوتے
مثلاً، مبین کی شرح سَلَمِ بِنَامِ ”مِرَاةُ الشَّرْحِ“ (بحثِ تصورات) ہے۔
شرح مثلاً، احمد عبدالحق، ایک سو چوراسی (۱۸۴) صفحات پر مشتمل ہے
جو، مطبع یوسفی، واقع فرنگی محل لکھنؤ سے مطبوع ہو چکی ہے۔ یہ شرح، قسم اول، تصورات سے

متعلق ہے۔

مُلاً، احمد عبدالحق کی شرح سُلَم، قسم دوم، تصدیقات، دو سو پچانوے (۲۹۵) صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ شرح ۱۱۳۶ھ/۱۷۲۴ء میں مکمل ہوئی۔ جو، مطبع قومی، لکھنؤ سے ۱۸۹۷ء میں شائع ہو چکی ہے۔ اس کے حاشیے پر بھی، مُلاً، مبین کی شرح (بحث تصدیقات) ہے۔ شرح سُلَم العلوم (حصہ اول و حصہ دوم) کے مطالعے سے مُلاً، احمد عبدالحق کی مہارت فن، اچھی طرح، واضح ہو سکتی ہے۔

علاً، فضل امام، خیر آبادی (متوفی ۱۲۴۴ھ/۱۸۲۹ء) نے قاضی مبارک، گوپاموی (متوفی ۱۱۶۲ھ/۱۷۴۹ء) کے بارے میں لکھا ہے کہ: اوّل کے کہ حاشیہ بر میرزا ہد نوشت و سُلَم را شرح کرد، اُوبود۔“ (آدمنامہ۔ فارسی مخطوط، ملوک فرنگی محل۔ انگریزی ترجمہ، مع متن۔ مطبوعہ کراچی ۱۹۵۹ء)

(ترجمہ) قاضی مبارک گوپاموی، وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے ”میرزا ہد“ کا حاشیہ لکھا اور سُلَم کی شرح لکھی۔“ قاضی محمد مبارک، گوپاموی نے اپنی شرح سُلَم کے بارے میں لکھا ہے کہ: ربیع الاول ۱۱۴۳ھ میں شہر دہلی میں، اس کی تکمیل ہوئی۔

مُلاً، احمد عبدالحق کی شرح سُلَم ۱۱۳۶ھ میں، اور قاضی مبارک کی شرح سُلَم ۱۱۴۳ھ میں مکمل ہوئی۔ ان دونوں تاریخوں سے واضح ہے کہ:

مُلاً، احمد عبدالحق کی شرح کو، سات (۷) سال کا تقدّم، حاصل ہے۔ مُلاً، احمد عبدالحق نے پہلے تصدیقات کی، اس کے بعد، تصورات کی شرح لکھی۔ اور یہ دونوں شرحیں، حسب تصریح مذکور، مطبوع ہو چکی ہیں۔

ابوالحسنات، مولانا عبدالحق، فرنگی محلی، لکھنؤی (متوفی ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء) شرح سُلَم العلوم مُلاً، عبدالحق کے بارے میں لکھتے ہیں:

هُوَ شَرَحٌ كَامِلٌ فِي اِيضاحاتِ المغلفات كافِلٌ لِحَلِّ المشكلات۔

لَمْ يُوْجَدْ مِثْلُهُ فِي شُرُوحِ سُلَمِ الْعُلُومِ۔ (خیر العمل۔ مخطوط۔ فرنگی محل)

(ترجمہ) مُلاً، احمد عبدالحق کی شرح سُلَم العلوم، متن کے پیچیدہ مقامات کی توضیح اور مشکل مسائل کے حل میں، حاوی اور کامل ہے۔

سَلَّمَ العلوم کی شرحوں میں، اس جیسی کوئی شرح نہیں پائی جاتی۔“
تصنیفاتِ مُلّا، احمد عبدالحق کے بارے میں، مولانا عبدالحق، فرنگی محلی کا مجموعی طور پر تاثر و تجزیہ، یہ ہے کہ:

طَالَعْتُ كُتُبَهَا وَانْتَفَعْتُ بِهَا۔ (خیر العمل، مخطوطہ، فرنگی محلی، لکھنؤ)

میں نے، ان کی بھی کتابیں پڑھی ہیں، اور ان سے استفادہ کیا ہے۔“

مولّا، احمد عبدالحق اپنے عہد طفولیت ہی میں اپنے والد ماجد سے سلسلہ چشتیہ میں بیعت ہو چکے تھے۔ پھر، عہد شباب میں، حضرت سید شاہ عبدالرزاق، قادری، بانسوی (وصال ۱۱۳۶ھ/ ۱۸۲۴ء) سے سلسلہ قادریہ میں بیعت ہوئے اور اجازت و خلافتِ سلسلہ قادریہ رزاقیہ سے نوازے گئے۔ آپ نے کچھ لوگوں کو، سلسلہ قادریہ رزاقیہ میں مرید بھی کیا۔

خواب میں بشارت پا کر، مولّا، نظام الدین اور مولّا، احمد عبدالحق

دونوں ایک ساتھ ہی حضرت بانسوی سے مرید ہوئے۔

”حضرت مرشد بانسوی سے بیعت اور آپ کی صحبت کی برکت سے مولّا، احمد عبدالحق کے

قلبِ مصطفیٰ پر فتوحات (کشف اور بلندی درجات) جلوہ گر ہونے لگے۔

اور وہ، اشغال، اُذکار اور ریاضتِ شائقہ میں منہمک ہو گئے۔

چالیس، چالیس دن کی خلوت (جسے چلّہ اور اربعین کہتے ہیں) اختیار کر لی۔“ (الٰہی آخرہ۔

(عمدۃ الوسائل۔ مخطوطہ فارسی۔ فرنگی محلی۔ مؤلفہ: مولّا، ولی اللہ، فرنگی محلی)

مولّا، احمد عبدالحق کے کشف و کرامات کے بہت سے واقعات، مذکور و مشہور ہیں۔

آپ کے استاذ، چچا اور مربی، مولّا، نظام الدین نے ایک موقع پر آپ کو تنبیہ کی کہ اس طرح کے مخفی امور کا، برملا ذکر نہیں کرنا چاہیے۔

اور یہ اس وقت کی بات ہے جب مولّا، نظام الدین اور مولّا، احمد عبدالحق

دونوں، سہالی (موجودہ ضلع بارہ بنکی۔ یوپی) میں مولّا، قطب الدین شہید، سہالوی کے مزار

پر حاضر ہو کر، مراقبہ کر رہے تھے اور جب مولّا، نظام الدین نے اپنی پریشاں خاطر کی کا ذکر کیا

تو مولّا، احمد عبدالحق نے کہا کہ لکھنؤ میں آپ کی صاحبزادی کا انتقال ہو گیا ہے۔ اس لئے

مراقبہ میں اس وقت آپ کا دل نہیں لگ رہا ہے۔

آپ کے وصال کے بارے میں مولانا محمد رضا، انصاری، فرنگی محلی لکھتے ہیں:

مُلاً، احمد عبدالحق کا معمول تھا کہ آدھی رات کے قریب، جذبۂ الہیہ سے سرشار ہو کر گھر سے باہر، جانبِ حرا، نکل پڑتے تھے۔

اسی معمول کے مطابق ایک شب، اپنے کوٹھے سے اتر کر باہر جانا چاہا۔ انھیں، محسوس ہوا کہ زمین، ہموار ہے، کوئی نشیب و فراز نہیں ہے۔ اس طرح، وہ، چھت سے زمین پر گر پڑے اور پورا جسم، صدمے سے متاثر اور مجروح ہو گیا۔ گھر والوں نے اٹھا کر، انھیں پلنگ پر لٹایا

اُس وقت بھی، ان کے زبان سے ھُوَ اللّٰہُ، ھُوَ اللّٰہُ ہی کی صدا، بلند ہو رہی تھی۔

والدہ ماجدہ نے بصدِ اصرار جانا چاہا کہ، جسم میں کہاں کہاں، درد ہے؟

آپ نے جواب دیا کہ: کیا، آپ، پسند کریں گی کہ:

آخر وقت، میری زبان سے

اللہ کے رُؤا، کوئی اور کلمہ نکلے؟ اَلْحَمْدُ لِلّٰہُ، سب ٹھیک ہے۔

ہرچہ، از دوست می رسد، نیکو است

پانچ روز، بے حس و حرکت پڑے رہے۔

آپ کے چچا زاد بھائی، بحر العلوم، مولانا عبدالحق، فرنگی محلی کا بیان ہے کہ:

ایک رشتہ دار خاتون، جو، حضرت سید شاہ عبدالرزاق، قادری، بانسوی سے مرید تھیں

انھوں نے بتایا کہ:

میں، مُلاً، احمد عبدالحق کی عیادت کے لئے، ان کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں کہ:

دونہایت خوبصورت جوان، مُلاً، احمد عبدالحق کے پاس آئے اور ان کے کان میں کچھ کہا۔

اور انہیں میں سے ایک نے مہکتا ہوا پھول، آپ کے ہاتھ میں دیا۔ مُلاً صاحب نے ان سے فرمایا:

آج، نہیں، کل اِنْ شَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔

اس کے بعد، وہ دونوں، واپس چلے گئے۔ معلوم نہیں کہ فرشتے تھے، یا۔ خاصانِ خدا تھے۔“

بحر العلوم سے اس واقعہ کے تعلق سے یہ بھی منقول ہے کہ:

وہ، اُس وقت، وہاں موجود تھے۔ مگر، انھوں نے دونوں آدمیوں کو نہیں دیکھا۔

البتہ، مُلاً، عبدالحق نے انھیں، جو جواب دیا، اُسے انھوں نے بھی سنا کہ:

آج، نہیں، کل اِنْ شَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔

دوسرا دن، جمعہ کا تھا۔ مُلّا، احمد عبدالحق نے پوچھا: آج کون سا دن ہے؟
حاضرین نے کہا: جمعہ۔

انھوں نے پوچھا: نماز کا وقت آگیا؟ بتایا گیا کہ: نماز کا وقت ہو چکا ہے۔
آپ نے فرمایا: جائیے۔ نماز پڑھ کر آئیے۔“
حاضرین، نماز پڑھنے چلے گئے۔

نماز پڑھ کر واپس آئے، تو معلوم ہوا کہ آپ کی وفات ہو چکی ہے۔
إِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

(ملخصاً ”وفیات“، بقلم مولانا محمد رضا، انصاری، فرنگی محلی۔ ۹۔ فرنگی محل، لکھنؤ۔ ۲۰۰۹)
فرنگی محل کے تبحر و عظیم المرتبت عالم، عارف باللہ، مُرشد سلسلہ قادریہ، رُزاقیہ
مُلّا، احمد انوار الحق (متولد ۱۱۵۰ھ۔ متوفی ۲۶ شعبان ۱۲۳۵ھ/۱۸۲۱ء) آپ ہی کے
فرزند جلیل ہیں۔

مُلّا، احمد انوار الحق ایک زمانے تک مُلّا، احمد حسین بن مُلّا، محمد رضا بن مُلّا، قطب الدین
سہالوی اور مُلّا، محمد حسن بن مُلّا، غلام مصطفیٰ بن مُلّا، محمد اسعد بن مُلّا، قطب شہید، سہالوی کے
سایہ تعلیم و تربیت میں رہے۔

پھر، شاہجہاں پور گئے اور وہاں، بحر العلوم، مولانا عبدالحق، فرنگی محلی سے تکمیل درس کیا۔
اس کے بعد لکھنؤ واپس آئے۔

چوں کہ بچپن ہی سے اپنے ماموں کی صحبت و تربیت کے اثر سے روحانیت کا غلبہ تھا،
اس لئے معقولات سے کوئی دل چسپی نہیں تھی۔

دینی کتابوں ہی کے مطالعہ کی طرف، راغب رہتے تھے۔ سولہ سترہ سال کی عمر میں اپنے
والد مُلّا، احمد عبدالحق، فرنگی محلی سے بیعت ہوئے۔

اور سلسلہ قادریہ رُزاقیہ میں لوگوں کو، مرید بھی کرتے تھے۔

آپ کے بارے میں، حکیم عبدالحق، رائے بریلوی (متوفی ۱۳۴۱ھ/فروری ۱۹۲۳ء) لکھتے ہیں:
وَ كَانَ أَخَذَ الطَّرِيقَةَ عَنْ أَبِيهِ وَ بَايَعَهُ فِي السَّابِعِ عَشَرَ مِنْ سَنَةٍ۔

وَ كَانَ وَالِدُهُ مِنْ رِجَالِ الْعِلْمِ وَالْمَعْرِفَةِ۔

فَنَالَ حَظًّا وَافِرًا مِنَ الْمَقَامَاتِ الْعَالِيَةِ۔ وَفُتِحَتْ عَلَيْهِ أَبْوَابُ الْحَقَائِقِ۔ فَافُتِحَ

الطَّرِيقَةُ وَاسْتِقَامَ عَلَيْهَا مَدَّةَ حَيَاتِهِ مَعَ التَّوَكُّلِ وَ التَّبَتُّلِ۔

وَنَذَرَ لَهُ كَشُوفَ وَكَرَامَاتِ وَوَقَائِعِ غَرِيبَةٍ۔

بَسَطَ الْقَوْلَ بِذِكْرِهَا الشَّيْخُ وَلِيَ اللَّهُ اللَّكْنَوِي فِي "الْأَغْصَانِ الْارْبَعَةِ"۔

(ص ۹۲۹۔ نَزْهَةُ الْخَوَاطِرِ۔ جلد سابع۔ دار ابن حزم، بیروت)

مولانا رحمن علی (متوفی ۱۳۳۵ھ/۱۹۰۷ء) لکھتے ہیں:

”چوں کہ ازل سے ان کے دل میں اللہ کی محبت، ودیعت ہوئی تھی

اس لئے بچپن میں اپنے ماموں کی خدمت میں بیٹھتے تھے اور ان کے آنفاسِ طیبہ کے برکات سے استفادہ کرتے۔

..... اپنے اوقاتِ عزیز، عبادتِ الہی میں بسر کرتے تھے۔ ایک سانس بھی، ذکر و شغل کے

بغیر، نہیں گزارتے تھے۔ ان کی خوارقِ عادات کا مفصل ذکر ”اغصانِ اربعہ“ میں مذکور ہے۔

..... کسی شاعر نے ان کے انتقال کا باذکار تاریخ، اس مصرع سے نکلا ہے:

رحمتِ حق بروحِ انور، باد

(ص ۹۴۔ تذکرہ علمائے ہند (فارسی)۔ مؤلفہ رحمن علی۔ اردو ترجمہ: پروفیسر محمد ایوب، قادری۔

مطبوعہ: سنسکریٹ سوسائٹی، کراچی۔ طبع اول ۱۹۶۱ء)

حضرت مولانا احمد رضا، قادری برکاتی، یوپی (متوفی ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) کے پردادا

حافظ کاظم علی خاں بریلوی، حضرت مولانا احمد انوار الحق، فرنگی محلی کے ہی، فیض یافتہ مرید ہیں۔

مُلاً، احمد حسین، فرنگی محلی

مُلاً، محمد رضا بن مُلاً، قطب الدین شہید، سہالوی کے فرزند سعید اور مُلاً، نظام الدین محمد، سہالوی فرنگی محلی کے تلمیذ رشید، مُلاً، احمد حسین، فرنگی محلی (وفات محرم ۱۱۸۴ھ/ ۱۷۷۰ء) تھے۔
مولانا محمد عنایت اللہ، انصاری، فرنگی محلی (متوفی ۱۳۶۰ھ/ ۱۹۴۱ء) آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

”مولوی احمد حسین بن مُلاً، رضا بن قطب شہید، اکابر علما اور اعظم رجال میں سے تھے۔ تحصیل علم، اپنے چچا، مُلاً، نظام الدین بن قطب شہید سے کی۔ مدۃ العمر، درس و تدریس و احیائے مراسم دین میں مشغول رہے۔ ایک صاحبزادے، مُلاً، اسعد الدین اور تین صاحبزادیاں چھوڑ کر وفات پائی۔ تیسری صاحبزادی کی شادی، حضرت مولانا نواز الحق سے ہوئی۔ جو، مولانا نواز الحق و مُلاً، علاء الدین و مُلاً، اسرار الحق کی والدہ تھیں۔ شیخ عبدالوہاب (بن شیخ حسام الدین) کی لڑکی، مُلاً اسرار الحق کو، بیاہی گئیں۔ شیخ عبدالوہاب، مُلاً، احمد حسین کے، شیرزادہ تھے۔ اور قطب شہید کے بنی اعمام میں سے تھے۔ مُلاً، احمد حسین، گو، فارغ التحصیل عالم جید تھے، مگر، میری نظر سے آپ کی تالیفات کا تذکرہ، کسی کتاب میں نہیں گذرا۔“

(ص ۴۲)۔ ”تذکرہ علمائے فرنگی محل“۔ مؤلفہ مولانا محمد عنایت اللہ، انصاری، فرنگی محلی۔ مطبوعہ فرنگی محل۔

لکھنؤ۔ ۱۳۴۹ھ/ ۱۹۳۰ء)

مُلاً، احمد حسین، فرنگی محلی کی مجلس درس و تدریس، مُلاً، نظام الدین محمد کے معیارِ درس کا نمونہ اور اپنے عہد و عصر میں وقارِ فرنگی محل تھی۔

زندگی آپ کی، درس و تدریس اور عبادت و ریاضت میں گذری۔

آپ کے کمال و تبحر علمی کا ذکر، ابوالحسنات، مولانا محمد عبدالحی، فرنگی محلی (وصال ۱۳۰۴ھ)

اس طرح فرماتے ہیں:

كَانَ مِنْ أَكْبَارِ الْعُلَمَاءِ وَأَعَظَمِ الْأَذْكَيَاءِ وَلَمْ يَزَلْ مُشْتَغِلًا بِالْإِفَادَةِ وَإِشَاعَةِ

مَرَّاسِمِ الدِّينِ إِلَى أَنْ تُؤْفَى - (خَيْرُ الْعَمَلِ) (مخطوط) منقول از آثار الاول من علماء
فرنجنی محل۔ لمولانا عبدالباری الفرنجنی (محلّی)

بایں ہمہ علم و فضل و ذکاوت و افادہ و افاضہ، مثل دیگر مشاہیر فرنگی محل کے، آپ کی عدم شہرت
کاسبب بیان کرتے ہوئے مولانا محمد نعیم، فرنگی محلّی (متوفی ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء)
اپنی قلمی یادداشت میں تحریر فرماتے ہیں:

ترجمہ از فارسی:۔ مولوی نعیم اللہ، فرنگی محلّی (برادرزادہ و شاعر و مُلّا، محمد حسین، فرنگی محلّی) کی
زبانی، میں نے سنا ہے کہ:

مُلّا، محمد حسین، فرنگی محلّی، مُلّا، احمد حسین، فرنگی محلّی کے شاگرد تھے (مُلّا، حسن، فرنگی محلّی کے
شاگرد تو، تھے ہی) اور ان کی بے حد تعریف و توصیف کیا کرتے تھے۔ کہتے تھے کہ:
جہاں تک، تجربہ علمی کا تعلق ہے، مُلّا، احمد حسین میں، مُلّا، محمد حسن (مُلّا، حسن) سے زیادہ تھا۔
لیکن، مُلّا، احمد حسین کی کوئی تصنیف، نہیں ہے۔ اس لئے اس زمانے میں
مُلّا، احمد حسین عالم گیر شہرت نہیں رکھتے۔ اپنے زمانے میں بہت مشہور تھے۔“ اِلٰی آخرِ وہ۔
قلمی یادداشت: مولانا محمد نعیم، فرنگی محلّی۔

(”تذکرہ علماء فرنگی محل“۔ مؤلفہ: مولانا نعمت اللہ، انصاری، فرنگی محلّی۔ مطبوعہ فرنگی محل، لکھنؤ)
مفتی محمد رضا، انصاری، فرنگی محلّی (متوفی ۱۳۱۰ھ/فروری ۱۹۹۰ء) مُلّا، احمد حسین، فرنگی محلّی
کے تعارف و تذکرہ میں لکھتے ہیں:

مُلّا، احمد حسین (مُلّا، محمد رضا بن مُلّا، قطب الدین، شہید کے چھوٹے بیٹے)
نے درسیات کی تکمیل اپنے حقیقی چچا، استاذ الہند، مُلّا، نظام الدین محمد سے کی
اور انھیں کے ظُلّ عافیت میں پلے بڑھے اور پروان چڑھے۔
استاذ الہند کی پچاس برس کے سن تک کوئی اولاد، نہیں ہوئی تھی۔
انھوں نے اپنے حقیقی بھائیوں کی اولاد میں سب سے چھوٹے بھتیجے، احمد حسین کو متبنی
بنالیا تھا۔ جس طرح، استاذ الہند کے والد ماجد، مُلّا، قطب الدین، شہید نے
قاضی، محمد دولت سہالوی کو متبنی بنالیا تھا۔ (رسالہ قطبیہ)

مُلّا، احمد حسین کے والد ماجد، مُلّا، محمد رضا، سہالوی
اپنے مرشد، حضرت، سید عبدالرزاق، قادری، بانسوی (متوفی ۱۱۳۶ھ/۱۷۲۳ء) کی حیات میں

اپنے اہل و عیال کی کفالت کی فکر سے بے نیاز ہو کر حرمین شریفین چلے گئے تھے۔ پھر مفقود الخمر ہو گئے۔ ان کے کنبے کی کفالت، استاذ الہند ہی نے کی۔

مُلّا، احمد حسین، فرنگی محلی کی ولادت ۱۱۳۶ھ/۱۷۲۳ء سے پہلے ہوئی۔

اور آپ کی تعلیم کے بارے میں آپ کے شاگرد، مولوی محمد اسلم، انصاری، پسروری اپنی کتاب ”فَرَحَةُ النَّاطِرِينَ“ میں لکھتے ہیں:

”مُلّا، احمد حسین نے، اکثر کتابیں، اپنے عم محترم، مُلّا، نظام الدین سے پڑھیں۔

چند کتابیں، استاذ الہند (مُلّا، نظام الدین) کے شاگرد، مُلّا، حمد اللہ، سندیلوی سے بھی پڑھیں۔

(فَرَحَةُ النَّاطِرِينَ۔ بحوالہ اِغْتِصَامُ الْمُسْتَرَشِدِينَ)

فارغ التحصیل ہونے کے بعد، مُلّا، احمد حسین نے اپنے اساتذہ کی حیات ہی میں درس و تدریس کا شغل، اختیار کر لیا اور سوائے درس و تدریس کے، کسی اور کام سے کوئی سروکار، نہ رکھا۔ مولانا عبدالحی، فرنگی محلی کے الفاظ میں:

”وہ، اکابر علمائے اور عظیم دانشوروں میں تھے۔ پوری زندگی، درس و تدریس اور مراسمِ دینی کی ترویج میں گذری۔“ (خیر العمل)

مراسمِ دینی کی قدرے تفصیل، مولانا محمد نعیم، فرنگی محلی نے اپنے والد ماجد سے یوں، روایت کی ہے:

”روزانہ بعد نماز عصر، بطور وعظ، حاضرین کے سامنے، احادیثِ صحیحہ، بیان کرتے تھے۔ خلائق، خاص کر، افغانی (مقیم لکھنؤ) ان کے بہت معتقد تھے۔ (اِغْتِصَامُ الْمُسْتَرَشِدِينَ)

مولوی محمد اسلم، انصاری، پسروری، تلمیذ مُلّا، احمد حسین، فرنگی محلی لکھتے ہیں:

مُلّا، احمد حسین، فرنگی محلی، ممتاز عالم اور معقول و منقول کے جامع تھے۔

خاص کرفنونِ عربیہ میں اپنے معاصرین سے بہت آگے تھے۔

راقم نے مُطَوَّل (معانی و بدیع) ہدایہ (فقہ) اور شرح عقائد، مُلّا، جلال (عقائد و کلام)

ان سے پڑھی ہے۔

تعلیم و تدریس کا طریقہ، وہ، خوب جانتے تھے۔ ان کی درسی گفتگو، مختصر ہوئی تھی۔

(فَرَحَةُ النَّاطِرِينَ۔ بحوالہ اِغْتِصَامُ الْمُسْتَرَشِدِينَ)

مُلّا، احمد حسین، فرنگی محلی کے خاندان ہی میں، متعدد معاصر مدرسین تھے۔

جو، ”ہم استاذ“ بھی تھے۔ مثلاً:

بحر العلوم، مُلّا، عبد العلی، مُلّا، احمد عبد الحق، مُلّا، محمد حسن، معروف بہ مُلّا، حسن
 مُلّا، محمد یعقوب اور مُلّا، محمد ولی۔

یہ سبھی حضرات، فرنگی محل ہی میں مسندِ تدریس بچھائے ہوئے تھے۔

اور اپنے عہد کے نامور اساتذہ و مدرّسین تھے۔

انہیں کے درمیان، مُلّا، احمد حسین بھی تھے، جنہوں نے تدریس کے سوا، کسی اور کام سے
 کوئی سروکار نہ رکھا، پھر بھی، ناموری اور شہرت کے اُس درجہ تک، نہیں پہنچے۔

جو، ان کے معاصرین کے حصے میں آیا۔

ملّا، محمد مبین، فرنگی محلی جو، ملّا، حسن سے تلمذ کی نسبت سے یاد کیے جاتے ہیں۔ مگر، ملّا
 احمد حسین کے بھی شاگرد تھے۔ انہوں نے اپنے استاذ، ملّا، احمد حسین کے بارے میں اپنے شاگرد
 اور حقیقی بھتیجے، ملّا، محمد نعیم اللہ سے، اسی طرح، اظہارِ خیال کیا تھا۔

جو، ملّا، نعیم اللہ سے سن کر مولانا محمد نعیم نے لکھ لیا تھا۔ ملّا، نعیم اللہ نے کہا:

”میرے حقیقی چچا اور استاذ، ملّا، محمد مبین، ملّا، احمد حسین کے بھی شاگرد تھے۔

اور ان کی بے حد تعریف و توصیف کیا کرتے تھے۔

ان کا فرمانا تھا کہ: جہاں تک تجربہ علمی کا تعلق ہے۔

ملّا، احمد حسین میں، ملّا، حسن سے بھی زیادہ تھا۔

انہوں نے چوں کہ کوئی تصنیف نہیں چھوڑی۔

اس لئے ان کی وفات کے بعد ان کی وہ شہرت نہیں رہی، جو، ان کے عہد میں تھی۔

اُس زمانے میں بڑے بڑے فضلاء، ملّا احمد حسین کے سلسلہ تلمذ میں شامل ہونا

باعثِ فخر سمجھتے تھے۔ مثلاً:

علّامہ، تفضل حسین خاں بھی، ملّا، احمد حسین کے شاگرد تھے۔“ (بیاض مولانا محمد نعیم، فرنگی محلی)

ملّا احمد حسین کے تدریسی کمال کا ایک دوسرے عنوان سے بھی، بیان ہوا ہے۔

مولانا محمد نعیم (وفات ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء) نے مفتی محمد یوسف، فرنگی محلی (وفات ۱۲۸۷ھ/

۱۸۶۹ء) سے سُن کر، لکھا ہے کہ:

ملّا، حسن، اپنے (قیام فرنگی محل) زمانے میں کہا کرتے تھے:

”ان دولڑکوں (مُلاً، احمد حسین اور مُلاً، بحر العلوم) کی وجہ سے میرا فرنگی محل میں ٹھہرنا، دشوار ہو گیا ہے۔“ (اِعْتِصَامُ الْمُسْتَرِشِدِیْنَ)
وجہ، بظاہر، یہی، سمجھ میں آتی ہے کہ:

”مُلاً، حَسَن، جیسا ذکی اور ذہین، نیز عمر میں بڑا، اپنے درس کی گرم بازاری میں ان دونوں ”لڑکوں“ کی محفلِ درس کی بدولت، کچھ خلل، محسوس کرتا ہوگا۔
یا۔ پھر ”خوردوں“ کی کچھ شوخیوں سے کبیدہ خاطر، رہتا ہوگا۔“

جس عالم (مُلاً، احمد حسین) نے مدۃ العمر، صرف تدریس میں مشغول رکھا، اُس کے شاگردوں کی تعداد، بہت زیادہ ہونی چاہیے۔ مگر، مُلاً، احمد حسین کی ”بسبب بے تصنیفی“
وفات کے بعد، جب، شہرت کم ہوگئی، تو، ان سے تلمذ کے حوالے بھی کم تر آنے لگے۔
مندرجہ ذیل، چند ہی تلامذہ کے نام ملتے ہیں:

(اہلِ خاندان) مُلاً، محمد مبین، مولانا احمد انوار الحق، مُلاً، حبیب اللہ، مُلاً، سعد الدین (فرزند)
مولانا محمد آزار الحق، مولانا عبد الاعلیٰ اور مُلاً، نور الحق۔

(دیگر تلامذہ) علامہ تفضل حسین خاں، مولوی مطیع الدین، مرزا ہجو (پسر کلاں، حکیم محمد شفیع لکھنوی) مولوی ذوالفقار علی، اعظمی، دیوی، انشاء اللہ خاں شاعر لکھنوی، میر باقر قلعہ دار لکھنوی
اور مولوی محمد اسلم، انصاری، پسروری (مصنفِ فَرْحَةُ النَّاظِرِیْنَ، معروف بہ سیرِ الْاَخْبَارِ)
درس و تدریس سے، تاحیاتِ اشتغال و انہماک رہا۔ کوئی ذریعہ، معاش نہ تھا۔

اس کے باوجود، امیروں اور رئیسوں کے میل جول سے بھی پرہیز کرتے تھے۔
پوری زندگی، قناعت اور توکل کے ساتھ، بسر کر دی۔ (فَرْحَةُ السَّائِرِیْنَ۔ بحوالہ اِعْتِصَامُ الْمُسْتَرِشِدِیْنَ)
ایک سفر فیض آباد سے لکھنؤ واپسی کے وقت، لکھنؤ کے قریب، شبِ عاشورہ محرم ۱۱۸۴ھ
۱۷۷۰ء میں، آپ کا وصال ہوا۔ قبرستانِ مُلاً، نظام الدین لکھنؤ میں آپ کی تدفین ہوئی۔

حضرت میر سید اسماعیل، بلگرامی، ثم مَسْئُومِی (وصال ۱۱۶۳ھ/۱۷۵۱ء) خلیفہ حضرت سید شاہ
عبدالرزاق، قادری، بانسوی (وصال ۱۱۳۶ھ/۱۷۲۳ء) سے مُلاً، احمد حسین کو، بیعت و اِرات
تھی۔ (اُخْذُو اِقْتِبَاسَ اَزْ ”بَاقِیَاتِ“، بقلم مفتی محمد رضا، انصاری، فرنگی محلی۔ ۹۔ فرنگی محل، لکھنؤ، ۲۰۰۹ء)

مُلا، محمد ولی، فرنگی محلی

مُلا، محمد ولی، فرنگی محلی بن قاضی غلام مصطفیٰ بن مُلا، محمد اسعد بن مُلا، قطب الدین شہید، سہالوی نے اپنے برادر اکبر، مُلا، محمد حسن، معروف بہ مُلا، حسن، فرنگی محلی کی طرح اپنے ماموں، مُلا، کمال الدین سہالوی اور اپنے دادا، بانی درس نظامی، استاذ الہند، مُلا، نظام الدین محمد، سہالوی، فرنگی محلی سے تعلیم پائی اور تکمیل درس کیا۔

مُلا، محمد ولی، فرنگی محلی (متوفی ۱۱۹۸ھ) بلند پایہ عالم و فاضل اور نکتہ رس مدرس و مصنف تھے۔ آپ کے تینوں بیٹے، مولوی عزیز اللہ مفتی ظہور اللہ و مولوی نور اللہ، آپ کے شاگرد تھے۔ جن میں مفتی ظہور اللہ، فرنگی محلی، کثیر التلامذہ مدرس ہوئے۔

”شرح سلم“ (مخطوطہ) مُلا، محمد ولی، فرنگی محلی کی یادگار علمی وقتی تصنیف ہے۔ جس کے بارے میں علامہ فضل امام، خیر آبادی تلمیذ مولانا سید عبدالواجد، کرمانی، خیر آبادی تلمیذ مُلا، محمد ولی، فرنگی محلی و مُلا، محمد اعلم، سندیلوی، تلامذہ مُلا، نظام الدین محمد، فرنگی محلی لکھتے ہیں کہ:

شرح، خوب است۔ گویند کہ، اس شرح، بہ نظر مُلا، نظام الدین محمد، درآمد و مُلا، اصلاح، در آں فرمودہ۔“ (آمد نامہ، از علامہ فضل امام، خیر آبادی۔ مخطوطہ۔ فرنگی محل لکھنؤ)

مُلا، محمد ولی، فرنگی محلی اپنے والد، مُلا، غلام مصطفیٰ بن مُلا، محمد اسعد بن مُلا، قطب الدین شہید سہالوی کی جگہ ”ملانواں“ کے قاضی، مقرر ہوئے تھے۔ مگر، حکومت وقت کی جانب سے معاملہ قضائیں کچھ بے جا مداخلت کی وجہ سے آپ، مستعفی ہو گئے۔ اور فرنگی محل، واپس آ کر، درس و تدریس کا مشغلہ، شروع کر دیا۔

شرح سلم کے علاوہ ”حواشی زاہد یہ علی الجلالیہ“ اور ”حواشی زاہد یہ علی شرح المواقف“ آپ کے مستقل حواشی سے، مؤرخین ہیں۔

مولانا سید عبدالواجد، خیر آبادی، مُلا، محمد ولی، فرنگی محلی اور مُلا، محمد اعلم سندیلوی تلامذہ مُلا، نظام الدین محمد، فرنگی محلی کے نامور شاگرد ہیں۔

اور امام الحکمتہ والکلام، قائد جنگ آزادی، علامہ فضل حق، خیر آبادی (وصال ۱۲۷۸ھ / ۱۸۶۱ء۔ درجزیرہ انڈمان) کے والد ماجد، علامہ فضل امام، خیر آبادی (متوفی ۱۲۳۳ھ / ۱۸۲۹ء)

مولانا سید عبدالواجد، خیر آبادی، مُلاً، محمد ولی، فرنگی محلی، نیز مُلاً، محمد اَلم، سندیلوی کے نامور شاگردِ رشید ہیں۔ اور علامہ فضلِ امام، خیر آبادی، مُلاً، محمد ولی، فرنگی محلی کے بھی شاگرد ہیں۔

مولانا رحمن علی، مؤلف ”تذکرہ علمائے ہند“ مُلاً، عبدالواجد، خیر آبادی کے بارے میں لکھتے ہیں: ”مولوی عبدالواجد، خیر آبادی، مولوی محمد اَلم، سندیلوی کے ہم شیر زادے اور شاگرد تھے۔

ان کے شاگردوں میں، مولوی فضلِ امام، صدر الصُّدوردہلی، بہت مشہور ہوئے۔

مولوی امامِ العالم، خیر آبادی، شارحِ قصیدہٴ مددہ، ان کے پوتوں میں تھے۔

جو، مؤلفِ اوراق (رحمن علی) کے ہم سبق تھے۔

اور طبع و ذہن کے اعتبار سے، مُشاوَرِ اَلیہ (مولوی عبدالواجد، خیر آبادی) کے مثل تھے۔

(ص ۳۳۱۔ تذکرہ علمائے ہند۔ مؤلفہ مولانا رحمن علی)

مترجم، پروفیسر محمد ایوب، قادری (کراچی) لکھتے ہیں:

”مولوی عبدالواجد، خیر آبادی، اپنے زمانہ کے نامور فاضل تھے۔

مولوی وہاب الدین، گویا مٹوی، مولوی احمد اللہ، خیر آبادی، مولوی محمد اَلم، سندیلوی

سے تحصیلِ علم کی۔ ۱۲۱۸ھ/۱۸۰۳ء میں انتقال ہوا۔“

(حاشیہ ص ۳۳۱۔ ”تذکرہ علمائے ہند“۔ مطبوعہ کراچی ۱۹۶۱ء)

مولانا محمد عنایت اللہ، انصاری، فرنگی محلی (متوفی ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء) لکھتے ہیں:

”مولوی محمد ولی بن قاضی غلام مصطفیٰ بن مُلاً، اسعد بن قطب شہید نے

کتبِ درسیہ اپنے حقیقی ماموں، مُلاً، کمال الدین، فتح پوری، تلمیذِ استاذِ الہند

(مُلاً نظام الدین محمد) سے پڑھ کر فراغتِ علمی، حاصل فرمائی۔

حضرتِ الاستاذ (مولانا عبدالباری، فرنگی محلی) رَحْمَةُ اللہِ عَلَیْہِ نے تحریر فرمایا ہے کہ

استاذِ الہند سے بھی پڑھا تھا۔ وَاللّٰهُ تَعَالٰی اَعْلَم۔

علمائے گرامی اور فضلاء نے نامداری میں سے تھے۔ سلسلہٴ تدریس و تالیف آخر تک، جاری رہا۔

بہت سے علمائے روزگار، آپ کی درس گاہ سے فارغ التحصیل ہو کر، مشہور زمانہ ہوئے۔

آپ کے تینوں صاحبزادوں کے علاوہ، مولانا عبدالنافع بن بحر العلوم، مولوی فضلِ امام

خیر آبادی (مولانا فضلِ حق، خیر آبادی کے والد ماجد) قاضی سراج الدین، موبانی، مولوی احسان اللہ

انامی، مولوی نظام الدین، دیوی، مولوی شاہ نعیم اللہ، بہرائچی، قاضی رکن الدین، فتح پوری، انشاء اللہ

خان، مشہور شاعر، مولوی عبدالواجد، خیر آبادی، مولوی لطیف اللہ، بنگالی، سید شاہ، شاکر اللہ آپ کے تلامذہ ہیں۔

ایک امر، مجھ کو، آخری نام کے متعلق، بیان کرنا ضرور ہے۔

اگر، یہ حضرت سید شاہ شاکر اللہ، سندولوی کا اسم گرامی ہے تو، بظن غالب، صحیح نہیں ہے۔

کیوں کہ حضرت شاہ صاحب نے کتب درسیہ، مثلاً نظام الدین ہی سے ختم کر لیے تھے۔

اور انھیں کی حیات میں ختم کتب فرما کر، حضرت میر سید اسماعیل (بلگرامی ثم مسولوی)

رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ سے حضرت استاذ الہند کے حکم سے بیعت کی تھی۔

الغرض! مولانا محمد ولی کا شہرہ علم و سلسلہ درس، دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔

اپنے والد ماجد (قاضی غلام مصطفیٰ) کی شہادت کے بعد، بادشاہ دہلی کی طرف سے اپنے

والد ماجد کی جگہ پر قاضی پرگنہ ملا نواں، مقرر ہوئے۔ اور جب تک کہ قضا کے احکام شرعیہ میں

حکام وقت کی جانب سے، بے جا مداخلت، شروع نہیں ہوئی، آپ، قاضی رہے۔

اس کے بعد، استعفا، داخل فرما کر وطن میں قیام، اختیار فرمایا

اور تالیف و تدریس میں مصروف ہوئے۔

آپ کی تالیفات میں سے سُنَم کی شرح اور حواشی زاہد یہ علی الجلالیہ اور حواشی زاہد یہ

علی شرح المواقف پر، آپ کے حواشی مستقلہ ہیں۔ دیگر درسی کتب پر، حواشی ہیں۔

میں نے شرح سُنَم سے استفادہ کیا ہے۔

عقد آپ کا، آپ کی ماموں زاد بہن یعنی مثلاً کمال الدین کی دختر سے ہوا۔

جن سے تین صاحبزادے، مولوی عزیز اللہ، مولوی ظہور اللہ، مولوی نور اللہ، تولد ہوئے۔

(ص ۱۹۶ و ۱۹۷)۔ ”تذکرہ علمائے فرنگی محل“۔ مؤلفہ مولانا محمد عنایت اللہ فرنگی محلی۔ مطبوعہ فرنگی محل۔

لکھنؤ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء)

مُلا، محمد حَسَن، فرنگی محلی

مُلا، محمد حَسَن، فرنگی محلی (بن قاضی غلام مصطفیٰ بن مُلا، محمد اسعد بن مُلا، قطب الدین شہید سہالوی) معروف بہ، مُلا، حَسَن، فرنگی محلی (متوفی ۱۲۰۹ھ/۱۷۹۴ء) نے، مُلا، کمال الدین سہالوی (وصال ۱۲۱۴ھ/۱۷۶۱ء) شاگردِ استاذِ الہند، مُلا، نظام الدین محمد، سہالوی، فرنگی محلی (وصال ۱۱۶۱ھ) سے متعدد علوم فنون کی تحصیل کی۔

اور اکثر کتبِ درسیہ کی تحصیل و تکمیل، استاذِ الہند، مُلا، نظام الدین محمد سے کرنے اور آپ ہی کی خدمت میں تکمیلِ تعلیم کرنے کے بعد، آپ ہی سے فاتحۃُ الفراغ کی نعمت بھی پائی۔

مُلا، حَسَن، فرنگی محلی، نہایت ذہین وزیرِک اور قویٰ الحافظ تھے۔ ایک بار کسی منطقی مسئلہ میں، استاذِ الہند سے بحث کرنے لگے، تو، آپ نے فرمایا کہ:

”شیخ ابن سینا نے شفا میں، یہی لکھا ہے، جس سے تم، اختلاف کر رہے ہو۔“

مُلا حَسَن نے ادب کے ساتھ، عرض کیا کہ:

معقولات میں تقلید نہیں ہوتی۔ ابن سینا نے جو بھی کہا ہو۔

مگر، میں جو صحیح سمجھ رہا ہوں، اُسے عرض کر رہا ہوں۔“

بہر حال! مُلا، حَسَن، فرنگی محلی کی شخصیت اور آپ کی درس گاہ

بحر العلوم، مولانا عبدالعلی فرنگی محلی کے ترکِ وطن کے بعد، ایک اہم مرکز اور مرجعِ طلبہ بن گئی تھی۔

باجو دے کہ ایک طرف، آپ کے بھائی، مُلا، محمد ولی، فرنگی محلی بن قاضی غلام مصطفیٰ

بن مُلا، محمد اسعد، سہالوی بن مُلا قطب الدین، سہالوی۔

اور دوسری طرف، آپ کے چچا، مُلا، احمد حسین بن مُلا، محمد رضا بن مُلا، قطب الدین، سہالوی

کی درس گاہیں، اپنی شانِ جامعیت و افادیت میں درجہ کمال کو پہنچی ہوئی

لیکن، مُلا، عبدالاعلیٰ، فرنگی محلی کے میان کے مطابق:

(ترجمہ) مولانا ے کامل (بحر العلوم، مولانا عبدالعلی، فرنگی محلی) کے ترکِ وطن فرمانے کے

بعد، مُلا، حَسَن، فرنگی محلی کے بڑا، کوئی دوسرا نہ تھا، جو، سرداری کرتا۔

مُلا، حَسَن نے سرداری، قبول کی اور خُدا ام و عقیدت مند ان فرنگی محل کے مرجع و تآب بن گئے۔“

(اردو ترجمہ ص ۳۴۔ رسالہ قطبیہ (مخطوط)۔ مؤلفہً، مولانا عبد الاعلیٰ، فرنگی محلی)

مولانا، حسن، فرنگی محلی، تقریباً بیس (۲۰) سال تک، فرنگی محل میں درس دیتے رہے اور علما و طلبہ نیز، دیگر خواص و عوام کے درمیان آپ کا بڑا احترام کیا جانے لگا۔

یہاں تک کہ لوگ، آپ کو مولانا عارف (مولانا، نظام الدین محمد، سہالوی فرنگی محلی) کا جانشین سمجھنے لگے۔

لوگ، آپ سے استفتاء کر کے، اسی طرح، جواب لکھوانے لگے جیسے مولانا، نظام الدین محمد سے لکھوایا کرتے تھے اور مولانا، نظام الدین محمد کے انتقال کے بعد

مولانا کے کامل (بحر العلوم، مولانا عبد الاعلیٰ، فرنگی محلی) سے لکھوایا کرتے تھے۔“

(اردو ترجمہ ص ۳۵۔ رسالہ قطبیہ (مخطوط)۔ مؤلفہً، مولانا عبد الاعلیٰ، فرنگی محلی)

مولانا، حسن، فرنگی محلی بھی، بحر العلوم، مولانا عبد الاعلیٰ، فرنگی محلی کی طرح لکھنؤ کے ایک سنی شیعہ تنازعہ سے عاجز آ کر، علم پرورد شجاع، حافظ رحمت خاں روہیلہ (وفات ۱۱۸۸ھ) کے پاس، شاہجہاں پور پہنچ گئے۔

جہاں، آپ سے پہلے ہی، بحر العلوم، مولانا عبد الاعلیٰ، فرنگی محلی بھی، رونق افروز تھے۔

مولانا، حسن، فرنگی محلی کے داماد (مولانا، عبد الاعلیٰ، فرنگی محلی) کے بیان کے مطابق:

مولانا، حسن، شاہجہاں پور پہنچنے کے بعد، شاہ، مدن (سید شاہ شرف الدین، قادری جیلانی شاگرد مولانا، کمال الدین، سہالوی) کے دولت کدہ پر قیام پذیر ہوئے۔

اور حافظ رحمت خاں، روہیلہ، مرہٹوں سے مسلسل برسرِ پیکار ہونے کی وجہ سے

مولانا، حسن کی وہ خدمت اور پذیرائی کرنے سے معذور رہے، جس کے آپ، مستحق تھے۔

کچھ دنوں بعد، نجیب الدولہ (وفات ۱۱۸۴ھ/۱۷۷۰ء) کے بیٹے، ضابطہ خاں نے

مولانا، حسن کو، اپنے یہاں، دارانگر (نزدِ امر وہم) بلا لیا اور بڑی خدمت و توقیر کی۔

مگر، یہاں بھی قسمت نے یاوری نہیں کی اور ایک جنگ میں، مرہٹوں کے مقابلے میں

ضابطہ خاں کو شکست ہو گئی۔ اور ریاست، ضابطہ خاں کے ہاتھ سے نکل گئی

تو، مولانا، حسن، شاہجہاں آباد (دہلی) پہنچ کر، شاہ عالم کے مہمان ہوئے۔

اور دوبارہ، جب ضابطہ خاں کو کامیابی ملی اور اس کی ریاست و مملکت پر، اس کا کنٹرول ہو گیا

تو، اس نے مولانا، حسن کو، دہلی سے اپنے یہاں بلا کر، اعزاز و اکرام کے ساتھ رکھا۔

مگر، مہربانوں اور فساد یوں کی شورش، ضابطہ خاں کے لئے درِ دوسری رہی اور ریاست بے امنی، بے چینی کا شکار ہوتی رہی۔ اس لئے مُلاً، حَسَن نے، ریاستِ رام پور کا رخ کیا۔

اور چند سال، درس و تدریس میں مصروف رہ کر، یہیں، آپ کا انتقال ہوا۔“
(ملخصاً۔ از ص: ۳۶۔ رسالہ قطبیہ (مخطوط) مؤلفہ مُلاً، عبدالاعلیٰ، فرنگی محلی)

مُلاً، حَسَن نے، بیس (۲۰) سال، فرنگی محل میں درس و تدریس کی خدمت، انجام دی۔ اس کے بعد کا وقت، مہاجرت میں گزرا۔ جس کی مدت ۱۱۸۲ھ تا ۱۱۸۸ھ ہے۔

آخری سفر، ریاستِ رام پور کا ہوا۔ جہاں، نواب فیض اللہ، والی رام پور نے مُلاً، حَسَن کا شایانِ شان استقبال کیا اور گراں قدر مشاہیر، مقرر کر کے، سرکاری مدرسہ، آپ کے حوالے کر دیا۔

ریاستِ رام پور ہی میں ۳ صفر ۱۲۰۹ھ (۱۷۹۴ء) کو، مُلاً، محمد حَسَن، فرنگی محلی کا انتقال ہوا۔ مُلاً، حَسَن، فرنگی محلی، تدریس کے ساتھ، تصنیف و تالیف سے بھی دل چسپی رکھتے تھے۔ ”شرح سُنْم“ آپ کی یادگار اور شاہکار تصنیف ہے۔

جو، ماضی قریب تک، درسِ نظامی کے نصاب میں داخل رہی۔

اس کے علاوہ، آپ کی تحریر کردہ چند کتابیں، یہ ہیں:

شرح مُسَلَّم الثُّبُوت، حاشیہ صدر، حواشی زواید ثلاثہ، معارج العلوم (منطق) مدارج العلوم (حکمت) حاشیہ شمس باز غد۔

مولانا محمد عنایت اللہ، انصاری، فرنگی محلی (متوفی ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء) لکھتے ہیں:

”مولوی محمد حَسَن، النمر وف بہ مُلاً حَسَن بن قاضی غلام مصطفیٰ بن مُلاً اسعد بن قطب شہید۔

بعض کتابیں، اپنے ماموں، مُلاً، کمال الدین اور اکثر کتابیں، استاذ الہند (مُلاً، نظام الدین

محمد) سے پڑھ کر، فارغِ تحصیل ہوئے۔

تمام علوم میں مہارت، حاصل فرمائی۔ یہاں تک کہ معتبر علما، اس کو بیان کرتے ہیں کہ:

”اگر، مُلاً، حَسَن، شیخ ابن سینا سے معقولات میں مقابلہ کرتے، تو، اُس پر غالب آجاتے۔“

ایک دن، اپنے نامور استاذ یعنی استاذ الہند (مُلاً، نظام الدین محمد) سے کسی مسئلہ پر

گفتگو فرما رہے تھے کہ، استاذ الہند نے فرمایا کہ:

شیخ نے شفا میں، یہ کہا ہے۔ تم، اس کے خلاف، گفتگو کر رہے ہو۔

مُلاً، حَسَن نے، بآداب عرض کیا کہ:

”معقولات میں تقلید نہیں کی جاسکتی۔ شیخ نے، یہ کہا ہے۔ میں، یہ کہتا ہوں۔“
 مُلّا، حُسن اپنے تمام بھائیوں سے ذکاوت و ذہانت میں سبقت لے گئے تھے۔
 کبھی، ان کو کتاب کی مُراجعت کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔
 قوتِ حافظہ، اس قدر زبردست تھا کہ:

”کتابِ درسیہ کی عبارتیں، ان کو، زبانی، یاد تھیں۔“

یہاں تک کہ اگر، ہدایہ وغیرہ کے مانند کسی کتاب کی عبارت، غلط ہوتی
 تو، اس کی عبارت اپنی یادداشت سے، درست فرمادیتے۔“

واقعہ، یہ ہے کہ خاندانِ فرنگی محل میں مُلّا، حُسن سے زائد
 قویٰ الحافظہ، ذہین ذکی اور منطقی طرز پر بحث کا ماہر، کوئی دوسرا نہیں گذرا ہے۔
 خاص کر، تحقیقِ شقوق سے اثباتِ مدعا کرنے میں مُلّا حُسن کو، ایسا میدِ طولی تھا کہ:
 ان کی نظیر ملنا، دشوار ہے۔

ملّا، حُسن نے ایک زمانہ تک، فرنگی محل میں، درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔
 ایک عالم، اس چشمہ فیض سے سیراب ہوا۔ دورِ دور سے طلبہ آپ کے پاس پڑھنے آتے تھے۔
 ایک مذہبی مناقشہ کی وجہ سے آپ کو، ترکِ وطن کرنا پڑا۔

اور بغیر کسی کے علم و خبر کے، پوشیدہ طور پر آپ نے شاہجہاں پور کی جانب، سفر فرمایا۔
 وہاں پہنچ کر حضرت سید مدن میاں (سید شاہ شرف الدین، قادری، جیلانی، تلمیذِ مُلّا کمال الدین
 سہالوی۔ مصباحی) کے دولت کدہ پر قیام فرمایا۔

مدن میاں، حضرت غوثِ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ وَرَحْمَةُ اللہِ وَبَرَکَاتُہُ کی اولاد میں سے تھے۔
 چوں کہ، اُس زمانے میں حافظِ رحمت خاں، والی شاہجہاں پور، مرہٹوں کے خلاف
 جہاد کرنے کے انتظامات میں، شب و روز متوجہ تھے، اس لئے، وہ، مُلّا، حُسن کی خدمت نہ کر سکے۔

اس درمیان میں، ضابطہ خاں، فرزندِ نجیب الدولہ نے آپ کو بلا بھیجا۔
 اور آپ کے تشریف لے جانے پر، آپ کا نہایت اعزاز و اکرام کیا۔

اور مشاہرہ معقول، مقرر کر کے آپ کے استاذ، مُلّا، کمال الدین کی جگہ، دارانگر کے
 مدرسہ میں مقرر کر دیا۔ مولوی برکت، الہ آبادی بھی، اس زمانے میں یہیں تھے۔

(کچھ دنوں بعد) ضابطہ خاں کو، مرہٹوں سے شکست ہوگئی اور انتظامِ سلطنت، درہم برہم

ہو گیا۔ مُلّا، حَسَن، دہلی چلے گئے اور کچھ زمانہ تک، شاہِ عالم کی رفاقت میں رہے۔
 اس کے بعد، ضابطہ خاں کا انتظامِ سلطنت، درست ہوا، تو، انھوں نے پھر، آپ کو بندو الیا۔
 اور بدستور، اعزاز و اکرام کے ساتھ، دارا نگر کا مدرسہ، آپ کے، پھر، سپرد کر دیا۔
 اس کے بعد، پھر، ضابطہ خاں کو، متعدد لڑائیوں میں متوجہ ہونا پڑا۔
 جس کی وجہ سے بہت گڑبڑ ہو گیا۔ اور کوئی انتظام، باقی نہ رہا۔
 آپ، مجبوراً، رام پور، واپس آئے اور وہاں، اقامت، اختیار فرمائی۔
 نواب فیض اللہ خاں، والی رام پور، نہایت اعزاز سے پیش آئے۔ اور تنخواہ گراں، مقرّر کر کے
 مدرسہ آپ کے سپرد کر دیا۔ آپ نے، وہیں ۳ صفر ۱۲۰۹ھ میں، بعہد بہادر شاہ، وفات پائی۔
 مُلّا، حَسَن کی تالیفات، حسب ذیل ہیں:

شرحِ مُسَلَّم، بحثِ موہبات تک۔ جو، متداول بین العلماء ہے۔ (اور داخلِ درس ہے)
 مُلّا، حَسَن کے کمالِ جوہرِ طبع پر، یہ شرح، شاید عادل ہے۔
 طرزِ معقولی میں، مُسَلَّم کی کوئی شرح، اس کے مقابل، نہیں ہو سکتی۔
 شرحِ مُسَلَّم الثبوت، حواشی صدر، حواشی زوایدِ ثلاثہ، معارجِ العلوم، متنِ منطق میں۔
 مدارجِ العلوم، متنِ حکمت میں۔ علاوہ، ان کے شمسِ بازغہ پر بھی، مُلّا، حَسَن کا حاشیہ ہے۔
 ان میں سے اکثر کتابوں سے، میں نے استفادہ کیا ہے۔
 مُسَلَّم الثبوت کی شرح، جو، بطورِ حاشیہ ہے، ختمِ مبادی کلامیہ تک ہے۔
 مدارجِ العلوم، صرف ختمِ بحثِ مابینِ الاجسام تک۔ شمسِ بازغہ کا حاشیہ، نا تمام ہے۔
 مُلّا، حَسَن کی اولادِ معنوی کا سلسلہ، بہت وسیع ہے۔

اور فرنگی محل کے علما کا سلسلہ علم مُلّا، حَسَن اور مُلّا، احمد حسین اور بحر العلوم تک، منتہی ہوتا ہے۔
 جو، تینوں، استاذِ الہند (ملّا، نظام الدین محمد، فرنگی محلی) کے شاگردانِ رشید تھے۔“

(ص ۳۶ تا ص ۳۹۔ ”تذکرہ علماے فرنگی محل“۔ مؤلفہ مولانا محمد عنایت اللہ، انصاری، فرنگی محلی

مطبوعہ فرنگی محل، لکھنؤ۔ ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء)

مُلاً، محمد مُبین، فرنگی محلی

مولانا محمد مُبین (ولادت ۱۱۵۷ھ/۱۷۴۴ء۔ وصال ۱۲۴۵ھ/۱۸۱۰ء) بن مولانا مُحبُ اللہ بن مولانا احمد عبدالحق بن مُلاً، محمد سعید، سہالوی بن مُلاً، قطب الدین شہید، سہالوی۔
 مُلاً، مُبین کے حقیقی بیٹے اور شاگرد، مُلاً، ولی اللہ، فرنگی محلی (ولادت ۱۱۸۲ھ/۱۷۶۸ء۔ وصال ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۳ء) کی تاریخی کتاب ”اغصانِ اربعہ“ کے حوالہ سے
 مُلاً، حُسن کے، فرنگی محل سے دوسرے مقامات کی طرف، کوچ کرنے اور فرنگی محل کا فیض
 باقی اور جاری رکھنے میں مُلاً مُبین کی پیش قدمی کے احوال پر مشتمل ایک تحریر،
 مفتی محمد رضا، انصاری فرنگی محلی (متوفی ۱۳۱۰ھ/فروری ۱۹۹۰ء) اس طرح نقل کرتے ہیں:
 مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی لکھتے ہیں:

”مولوی محمد مُبین بن مُلاً، مُحبُ اللہ بن مولانا احمد عبدالحق بن مُلاً، محمد سعید بن مُلاً، قطب الدین شہید، سہالوی، مولانا بحر العلوم کے بعد، سب سے زائد، کثیر التصانیف اور بے مثل خَلِ مطالب کرنے والے جامع منقول معقول، حاوی فروع و اصول، واعظ و محدث تھے۔
 کتبِ درسیہ، اوّل سے لے کر ختم تک، مُلاً، حُسن سے پڑھیں اور فاتحۃُ الفرائغ بھی انھیں سے پڑھا۔ زمانہ تحصیل ہی سے، آثارِ ذکاوت و جودِ طبع، نمایاں تھے۔
 استاذ اپنے لائق شاگرد کی قابلیت دیکھتے اور خوش ہوتے۔
 تحصیلِ علم سے فراغت کے بعد، تدریس و تالیف کا سلسلہ، شروع ہوا۔
 حلقہٴ درس، استاد کے سامنے، وسیع و مشہور ہو گیا۔

مُلاً، حُسن، جب، رام پور تشریف لے گئے، مُلاً حُسن کے تلامذہ اور اکناف و اطراف کے طلبہٴ علم نے آپ کی خدمت میں تحصیلِ علم، شروع کیا۔ اور آپ کا شہرہٴ علم، دور دور تک پہنچ گیا۔
 تلامذہ کی کثرت آپ کے حلقہٴ درس میں، سب ہم عصروں سے زائد ہو گئی۔
 عوام و خواص، سب کی نظروں میں آپ، محبوب اور معزز و محترم ہو گئے۔
 اُمرا، مال و دولت، قدموں پر نچا اور کرتے اور آپ اس کی جانب، توجہ بھی نہ فرماتے۔
 ہر جہہ کو، مسجد فرنگی محل (لکھنؤ) میں، منظرِ ماتے اور ایسا شیریں بیان اور پُر تاثیر وعظ ہوتا کہ

ہر وعظ میں سیکڑوں آدمی، موجود ہوتے۔

جیسے ہی وعظ شروع ہوتا، لوگ، زار و قطار، رونا شروع کر دیتے۔

میں نے معتبر ذریعہ سے سنا ہے کہ:

مولانا مبین کا وعظ، ایسا موثر ہوتا تھا کہ:

جیسے ہی، وہ فرماتے کہ: اَللّٰهُ جَلَّ شَانُهُ، فرماؤٹ ہے۔“

حاضرین، بے قرار ہونے لگتے۔

ہزار ہا احادیث اپنے وعظ میں بیان فرماتے

جس سے علم حدیث میں کمال و وسعت نظر، معلوم ہوتا تھا۔

خود بھی، نہایت رقیق القلب تھے۔ اکثر وعظ میں، خود بھی بہت روتے۔

اور حاضرین، روتے روتے، بے حال ہو جاتے۔

مزاج میں نخوت اور تکبر، نام کو، نہ تھا۔ اپنے زمانے کے علما کی عزت و احترام فرماتے۔

باوجود، بڑے معقولی ہونے کے، بزرگان دین سے، نہایت خوش عقیدہ تھے۔

مولانا شاہ حقانی رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْہِ سے بہت زائد اعتقاد تھا۔

حضرت شاہ کُر اللہ (تلمیذ ملاً، نظام الدین محمد، سہالوی، فرنگی مکی و مرید حضرت سید اسماعیل

بلگرامی ثمّ مَسُو لوی) رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْہِ کی خدمت میں بھی اکثر حاضر ہوتے۔

ملاً حَسَن، جب، رام پور گئے تو، ملاً مبین نے حضرت شاہ، شاہ کُر اللہ سے

ملاً حَسَن کے جانے کا حال، بیان کیا۔ شاہ صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْہِ نے فرمایا کہ:

”ملاً مبین! اب تو، تمہارا ہی نام، ہم نے، ملاً حَسَن رکھ دیا۔

جاؤ، خدمتِ علم کرو اور کچھ ترؤد، نہ کرو۔“

حضرت مولانا انوار الحق رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْہِ سے بہت زیادہ اعتقاد تھا۔

شاہ حقانی صاحب نے سب زعماء، عنایت کیا تھا۔

جس کے متعلق، آپ نے صاحبزادوں کو وصیت فرمائی تھی کہ:

قبر میں ساتھ، رکھ دیا جائے۔“ چنانچہ، ایسا ہی کیا گیا۔

ایک تاج شاہانہ بھی، شاہ صاحب نے عنایت کیا تھا۔

جو، اب تک محفوظ ہے اور ملاً مبین کے نبیرہ، مولانا عبد الہادی صاحب کے پاس ہے۔

مُلاً، مُبین کے تصانیف، بہت ہیں۔ اور سب میں طلبہ اور مدرسین کے لئے اس وضاحت سے حل مطالب کیا گیا ہے کہ، بے ساختہ زبان سے نکلتا ہے کہ لَا عِطْرَ بَعْدَ الْعُرُوسِ۔ (فارسی سے ترجمہ) جب، مُلاً، حَسَن نے، جو، مُلاً، مُبین کے استاذ تھے، فرنگی محل سے روہیل کھنڈ کی طرف، ہجرت کر لی، تو، مُلاً، مُبین نے شاہ شاکر اللہ (شاگردِ مُلاً، نظام الدین محمد، سہالوی و مرید حضرت سید اسماعیل، بلگرامی ثمّ منو لوی۔ مصباحی) کی خدمت میں حاضر ہو کر مُلاً، حَسَن کا فرنگی محل سے چلا جانا، بیان کیا۔

شاہ، شاکر اللہ نے مُلاً، مُبین سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا:
 ”میاں مُبین! محمد حَسَن ایک نام تھا۔ وہ نام، تمہیں دے دیا گیا۔
 جاؤ گھر، درس و تدریس کرو۔ مُلاً، حَسَن سے بھی زیادہ تمہارا اعتبار ہوگا۔“
 (چنانچہ، ایسا ہی ہوا بھی کہ)

اللہ جلّ شانہ نے اس زمانہ کے بیشتر معززین کے دلوں میں، یہ بیٹھا دیا کہ:
 اب، ہندوستان میں، مُلاً، مُبین کے درجے کا کوئی عالم نہیں ہے۔“

چنانچہ، ایک روز، وزیرِ اہم لک شجاع اللہ ولہ کی محفل میں سید شاہ، مدن (سید شاہ شرف الدین قادری، جیلانی، تلمیذِ مُلاً، کمال الدین، سہالوی۔ مصباحی) نے مُلاً، حَسَن کا ذکر کیا۔ (جو یقیناً، وہی زمانہ ہوگا، جب، مُلاً، حَسَن، ہجرت کر کے، ضابطہ خاں (فرزندِ نجیب اللہ ولہ) کے پاس جا چکے تھے) اور تفصیل سے بتایا کہ، علمیت میں، ان کا کیا، بلند مرتبہ تھا۔

ایک امیر نے شاہ، مدن کی بات کاٹتے ہوئے مُلاً، مُبین کی تعریف و توصیف، شروع کر دی اور مُلاً، مُبین کو، مُلاً، حَسَن سے بلند مرتبہ ٹھہرایا۔

شاہ، مدن نے جواب میں کہا: مُلاً، مُبین تو، عزیز بھی ہیں۔

اور شاگرد بھی مُلاً، حَسَن ہی کے ہیں۔

امیر نے کہا: بالکل، غلط! مُلاً، مُبین، کسی کے شاگرد نہیں۔“

بے چارے شاہ مدن، خاموش ہو کر، رہ گئے۔

ان امیر کا نام، لوگوں نے، امیر مرتضیٰ، بلوچی بتایا ہے۔“

(ص ۱۴۔ انصافِ اربعہ۔ مؤلفہ مُلاً، ولی اللہ، فرنگی محلی۔ مطبع کارخانہ، فرنگی محل، لکھنؤ۔)

مُلاً، مُبین، فرنگی محلی کا انتقال، عہدِ سعادت علی خاں میں ۱۲۲۵ھ میں فرنگی محل میں ہوا۔

وہ، مُلّا، نظام الدین محمد کے وصال (۱۱۶۱ھ) سے، چار سال قبل ۱۱۵۷ھ میں پیدا ہو چکے تھے۔ اور اسی ۱۲۲۵ھ میں، مُلّا، بحر العلوم (مولانا عبدالعلی، فرنگی محلی) کا انتقال، مدراس میں ہوا۔

مُلّا، حَسَن اور ان کے چھوٹے بھائی، مُلّا، محمد ولی، ایک سال کے فرق سے بارہویں صدی ہجری کے اختتام پر، عازمِ آخرت ہو چکے تھے۔

فرنگی محل میں، مُلّا، محمد ولی کے صاحبزادگان نے، جن میں مفتی ظہور اللہ، فرنگی محلی درس و تدریس میں سب سے نامور ہوئے، مشغلہ آبائی کو، جاری رکھا۔

اور مفتی محمد یعقوب کے فرزند، مُلّا، عبدالقدوس نے جو، مُلّا، حَسَن اور مُلّا، غلام یحییٰ بہاری کے شاگرد تھے، درس و تدریس کے شغل پر، ایسی توجہ کی کہ:

عہدِ سعادت علی خاں میں عہدہٴ افتا کو، قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

مدراس میں، مُلّا، بحر العلوم (مولانا عبدالعلی) فرنگی محلی کی جانشینی

ملک العلماء، مُلّا، علاء الدین احمد بن مولانا احمد انوار الحق، فرنگی محلی نے کی۔

ان کے بھائی، مولانا نور الحق، فرنگی محل لکھنؤ میں، درس و تدریس کرتے رہے۔

یہ دونوں بھائی، مُلّا، علاء الدین اور مولانا نور الحق، نیز، اُن دونوں کے والد ماجد مُلّا، احمد انوار الحق بھی، بحر العلوم ہی کے شاگرد تھے۔

ان تینوں حضرات میں سے کسی نے شاہجہاں پور، کسی نے رام پور، کسی نے بوہار (ضلع برہان، بنگال) جا کر، بحر العلوم، فرنگی محلی سے اعلیٰ کتابیں پڑھ کر، فراغت حاصل کی تھی۔

مُلّا، بحر العلوم کے صاحبزادوں میں بڑے، مُلّا، عبدالاعلیٰ (مصنّف رسالہ قطبیہ) نے بھی اپنے والد ماجد، بحر العلوم، ہی سے، ساری تعلیم، حاصل کی تھی۔

لیکن، ان کی وفات، والد ماجد سے اٹھارہ سال قبل (۱۲۰۷ھ میں) ہو گئی تھی۔

دوسرے بیٹے، مُلّا، محمد نافع بن بحر العلوم بھی، والد ماجد کی حیات میں انتقال کر گئے۔

مولانا عبدالرّب بن بحر العلوم نے، جن کو، نواب آرکاٹ (مدراس) نے ”ملک العلماء“ خطاب دیا تھا، کچھ دنوں، مدراس میں والد ماجد کی وفات کے بعد، درس و تدریس کی۔

اس کے بعد، وطن (فرنگی محل لکھنؤ) واپس آ کر، شغلِ تدریس جاری رکھا۔

ان کی وفات ۱۲۵۲ھ میں ہوئی۔

مولانا عبدالرّب کے بعد، ان کے نامور فرزند، مولانا عبدالحکیم، فرنگی محلی نے

بحر العلوم کی جانشینی، فرنگی محل میں رہ کر، کی۔ اور ان سے بھی فیض، بہت، جاری ہوا۔“

(ص ۱۳۶ تا ۱۳۹۔ ”بانی درس نظامی، مثلاً، نظام الدین محمد“۔ مؤلفہ مفتی محمد رضا، فرنگی محلی

مجلس صحافت و نشریات، مدوۃ العلماء، لکھنؤ۔ ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء)

مثلاً، مبین، فرنگی محلی، بڑے ہی شیریں بیان واعظ و خطیب بھی تھے۔

آیات و احادیث سے آپ کا خطاب، مدلل ہوتا۔ درجنوں احادیث سے آپ کے مواعظ و خطبات، مزیّن ہوا کرتے تھے۔ سیکڑوں احادیث، آپ کو، اُز بر تھیں۔

آپ کا خطاب بڑا ہی موثر ہوتا، جسے سن کر لوگ، اکثر زار و قطار، رونے لگتے۔

فرنگی محل کی مسجد میں آپ، ہر جمعہ کو، خطاب فرمایا کرتے تھے۔

آپ، اخلاقِ فاضلہ سے مُتصف تھے۔ علمائے کرام کا اعزاز و اکرام کیا کرتے تھے۔ مزاج میں، تو واضح تھا۔ بزرگانِ دین کے حد درجہ عقیدت مند تھے۔

آپ کی تصانیف کے بارے میں خانوادہ فرنگی محل کے نوجوان فاضل مولانا خالد رشید، فرنگی محلی لکھتے ہیں کہ:

”مولانا مبین کی متعدد تصانیف ہیں۔ اور تمام تصانیف میں طلبہ اور اساتذہ دونوں کے لئے نہایت وضاحت سے مطالب، حل کیے گئے ہیں۔

ہر درسی کتاب پر تعلیق کے علاوہ، مستقل تصنیفات، حسب ذیل ہیں:

(۱) شرح مُسلم العلوم، کامل (۲) شرح مُسلم الثبوت، تاختم مبادی کلامیہ (۳) حواشی زَوَاجِد

علاشہ (۴) علّٰی بحث مشائخ پانچویر، مذکورہ صدر (۵) کنز الحسان فی مسائل الزکوٰۃ (۶) شرح

اسماءِ حسنی (۷) ترجمہ حکایات الصالحین (۸) شرح تبصرہ، تصوف میں (۹) جواہر الفوائد

مسائل صوم میں (۱۰) وسیلۃ النجاة، ائمہ اثنا عشر کے حالات میں۔

(وسیلۃ النجاة میں بعض روایات، حدِ ضعف سے بھی، متجاوز ہیں)

(ص ۵۴۔ ”مشاہیر علمائے فرنگی محل! اور ان کے علمی حالات“۔ مؤلفہ مولانا خالد رشید، فرنگی محلی۔

مطبوعہ اسلامک سنٹر آف انڈیا۔ فرنگی محل، لکھنؤ۔ مئی ۲۰۱۱ء)

مولانا نور الحق، فرنگی محلی

حضرت مولانا نور الحق، فرنگی محلی (وصال، شب یک شنبہ مورخہ ۲۲ ربیع الاول ۱۲۳۸ھ

۱۸۲۲ء) بن مولانا احمد انوار الحق، فرنگی محلی (وصال، بروز سہ شنبہ ۲۶ شعبان ۱۲۳۶ھ/۱۸۲۱ء)

بن مثلاً، احمد عبد الحق، فرنگی محلی (وصال، بروز جمعہ ۹ رذوالحجہ ۱۱۶۷ھ/۱۷۵۴ء)

بن مثلاً، محمد سعید بن مثلاً، قطب الدین شہید، سہالوی، اپنے وقت کے متبحر، متوزع فرنگی محلی عالم دین و شیخ طریقت تھے۔ آپ کے تذکرہ میں ہے کہ:

”عالم ظاہر و باطن، اپنے والد کے خلیفہ خاص تھے۔ تدریس علوم اور یادِ الہی میں مصروف رہتے تھے۔ بندگانِ خدا کی پاسداری اور انکسارِ نفس میں مشہور تھے۔

۲۳ ربیع الاول، شب یک شنبہ ۱۲۳۸ھ/۱۸۲۲ء میں انتقال ہوا۔“

(ص ۵۳۵)۔ ”تذکرہ علمائے ہند“۔ مؤلفہ مولانا رحمن علی۔ اردو ترجمہ از پروفیسر محمد ایوب قادری۔

مطبوعہ پاکستان انسٹیٹیوٹ سوسائٹی۔ کراچی۔ ۱۹۶۱ء)

حاشیہ از مترجم، پروفیسر محمد ایوب قادری:

”مولانا نور الحق، فرنگی محلی کے تلامذہ میں مولوی فضل رسول، بدایونی، مولوی فضل رحمان

گنج مراد آبادی، مرزا حسن علی، محدث لکھنوی و مولانا حسین احمد، محدث، نہایت مشہور ہیں۔“

(حاشیہ ص ۵۳۶)۔ ”تذکرہ علمائے ہند“۔ مطبوعہ کراچی۔ ۱۹۶۱ء)

والد محترم، مولانا احمد انوار الحق، فرنگی محلی (وصال ۱۲۳۶ھ/۱۸۲۱ء) کے تذکرہ میں ہے:

”چوں کہ، ازل سے اُن (انوار الحق، فرنگی محلی) کے دل میں محبتِ الہی، ودیعت ہوئی تھی

اس لئے بچپن میں اپنے ماموں کی خدمت میں بیٹھتے تھے اور ان کے آنفاسِ طیبہ کے برکات سے

استفادہ کرتے۔ درسی کتب، مولوی احمد حسین اور مثلاً محمد حسن سے پڑھیں۔

علوم ظاہری کی تکمیل، مولوی عبدالعلی، بحر العلوم کی خدمت میں کی۔

سترہ (۱۷) سال کی عمر میں، اپنے والد سے بیعت ہوئے۔

ان کی طبیعت، معقولات کی طرف، راغب، نہ تھی۔

کتب معقولات کی طرف، البتہ توجہ کرتے تھے۔

غرض، اپنے اوقات عزیز، یادِ الہی میں بسر کرتے تھے۔

ایک سانس بھی، ذکر و شغل کے بغیر نہیں گزارتے تھے۔

ان کے خوارقِ عادات کا مفصل ذکر ”انحصارِ اربعہ“ میں مذکور ہے۔

۲۶ شعبان ۱۲۳۶ھ / ۱۸۲۱ء، بروز منگل، ایک پہر، باقی تھا کہ:

ان کی روح مبارکہ، حجرہٴ قالب سے نکل کر، رفیقِ اعلیٰ سے جا ملی۔ اپنے باغ، واقع لکھنؤ

میں، دفن ہوئے۔“ (ص ۹۴)۔ ”تذکرہٴ علمائے ہند“۔ مؤلفہ مولانا رحمن علی۔ مطبوعہ کراچی۔ ۱۹۶۱ء)

جدِ محترم، ملاً، احمد عبدالحق، فرنگی محلی (وصال ۹ رذوالحجہ ۱۱۶۷ھ / ۱۷۵۴ء) کے تذکرہ میں ہے:

”اپنے چچا، ملاً، نظام الدین محمد، سہالوی کی خدمت میں تحصیلِ علم کی

اور ان کے ساتھ ہی، تدریسِ علوم میں مشغول ہو گئے۔“

شہر لکھنؤ کے عمائدین و اراکین میں خوب اعتبار، پیدا کر لیا۔

امور خانہ کی تمام ذمہ داریوں سے اپنے چچا کو، سبک دوش کر دیا۔

ان کی تصانیف سے شرحِ سلم اور حواشی زوائدِ ثلاثہ، یادگار ہیں۔“

(ص ۹۳)۔ ”تذکرہٴ علمائے ہند“۔ مؤلفہ رحمن علی)

حاشیہ از مترجم، محمد ایوب قادری:۔ ملاً، احمد عبدالحق نے شاہ عبدالرزاق، بانسوی کے

دستِ مبارک پر، بیعت فرمائی۔ سخت ریاضتیں اور مجاہدے کیے۔ ان کی بہت سی کرامات مشہور ہیں۔

شرحِ سلم العلوم ۱۱۳۶ھ / ۲۴۷-۱۷۲۳ء میں، مکمل ہوئی۔

علومِ ظاہری کے ساتھ، علومِ باطنی میں بھی، ماہرِ کامل تھے۔

۹ رذوالحجہ ۱۱۶۷ھ / ۱۷۵۴ء، بروز جمعہ، انتقال ہوا۔

مولانا احمد عبدالحق کے دو عقد ہوئے۔ پہلی بیوی سے ملاً، محبت اللہ اور دو صاحبزادیاں

ہوئیں۔ اور دوسری بیوی سے مولانا نواز الحق اور مولانا زہار الحق، پیدا ہوئے۔“

(ص ۹۳)۔ ”تذکرہٴ علمائے ہند، مترجم“۔ مطبوعہ۔ کراچی ۱۹۶۱ء)

حضرت مولانا نور الحق، فرنگی محلی (وصال ۱۲۳۸ھ / ۱۸۲۲ء) کے بارے میں

مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی (متوفی ۱۳۶۰ھ / ۱۹۴۱ء) لکھتے ہیں:

”مولانا نور الحق اور آپ کے چھوٹے بھائی، مولانا علاء الدین، اپنے چچا کے ساتھ، سفر کر کے

رام پور اور بوبار (ضلع بدوان، بنگال) مولانا بحر العلوم کی خدمت میں گئے

اور تحصیل علم فرما کر، فاتحہ الفراغ، مولانا بحر العلوم سے پڑھا۔

وطن (فرنگی محل، لکھنؤ) واپس آ کر، مدۃ العمر، خدمتِ علم میں مصروف رہے۔

نہایت بڑے عالمِ جید اور فاضلِ کامل تھے۔

آپ کے تلامذہ، بڑے بڑے باکمال بزرگِ علما میں سے ہوئے ہیں۔

مشہور عالم و بزرگ، حضرت مولانا فضلِ رسول، بدایونی اور حضرت مولانا فضلِ رحمن گنج مراد آبادی، اسی چشمہٴ علم کے فیضِ یاب تھے۔

حضرت مرزا حسن علی، محدث اور مولانا حسین احمد، محدث، اسی خرمنِ کمال کے خوشہ چیں تھے۔
آپ کے بعد، اکثر علمائے فرنگی محل کا سلسلہ تلمذ، آپ تک پہنچتا ہے۔

حلقہٴ درس، بہت وسیع ہوتا تھا۔

باوجود معقولات و منقولات میں تبحر کے، نہایت متواضع، منکسر المزاج اور خوش خلق تھے۔

علمِ ظاہری کے علاوہ، علمِ باطنی، اپنے والد ماجد سے حاصل کیے تھے۔

اور والد ماجد سے بیعت کر کے، اُن سے اذکار و اشغال سیکھے تھے۔

اور اجازتِ ارشاد بھی والد ماجد سے حاصل تھی۔

علمِ باطنی میں ایسا کمال، حاصل کیا تھا کہ، خود آپ کے والد ماجد فرماتے کہ:

”میاں نور، نور ہی نور ہیں۔“

آپ کی وفات کی خبر سن کر، مولانا شاہ عبدالرحمن، لکھنوی، رَحْمَةُ اللهِ عَلَیْہِ نے فرمایا کہ:

”نور میاں، سر سے پاؤں تک، نور ہی نور تھے۔“

آپ کے کشف و کرامات، بہت زیادہ تھے۔ ایثار و توکل ایسا تھا کہ:

آپ کے زمانہ میں کوئی آپ کی نظیر، نہ تھی۔

جب، آپ کے والد ماجد کی وفات ہوئی

تو، باوجودے کہ، آپ، فرزندِ اکبر اور تمام صاحبزادوں میں سب سے زیادہ، ہر حیثیت سے

قابل و لائق، جانشینی کے مستحق تھے، مگر، آپ نے اپنے چھوٹے سوتیلے بھائی

مولانا محمد احمد، فرنگی محلکیو، جو، صرف انیس بیس سال کے تھے، اپنے والد ماجد کا سجادہ نشین کیا۔

اور دوسرے مریدوں کی طرح، خود بھی چھوٹے بھائی کو، نذر دی۔

باوجود عُسرت و تکلیف کے، ہمیشہ، اُمر کی صحبت سے پرہیز فرماتے، کسی امیر کے دروازے

پر جانے کا کیا ذکر۔ لیکن، اگر کوئی حاجت مند حاضر ہوتا اور کسی امیر سے سفارش کا طلب گار ہوتا یا۔ اس کے پاس، چل کر، سفارش کرنے کی خواہش کرتا تو، حاجت روائی میں، دریغ نہ فرماتے۔

گو، اس میں آپ کو کبھی ہی زحمت، کیوں نہ برداشت کرنی پڑے۔

مُریدین، آپ کے، بکثرت تھے۔ والد ماجد کی حیات ہی سے یہ سلسلہ، والد ماجد کے حکم سے شروع ہو گیا تھا۔

بوجہ کثرت تدریس و ریاضت، اکثر آپ کو، دردِ کمر کی شکایت رہنے لگی تھی۔ علاج سے کم ہو جاتا تھا، مگر، بالکل، دفع، نہ ہوتا تھا۔

والد ماجد کے انتقال سے، انیس (۱۹) ماہ کے بعد، اس مرض نے ایسا غلبہ کیا کہ:

آپ پر، بے ہوشی، طاری ہو گئی اور ۲۳ ربیع الاول، شب یک شنبہ ۱۲۳۸ھ (مطابق ۱۸۲۲ء) کو، آپ نے وفات پائی۔

مولانا نور الحق کی تصانیف میں سے سورہ فاتحہ کی تفسیر

مولانا محمد عبدالحی، فرنگی علی رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْہِ نے ملاحظہ فرمائی تھی، اور اس کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ:

طَالَعْتُهُ فَوَجَدْتُهُ نَفِيسًا حَسَنًا شَاهِدًا عَلٰی جَلَالَةِ مُؤَلِّفِهِ۔

اس کے علاوہ، کتبِ درسیہ پر، حواشی ہیں۔“

(ص ۱۹۱ و ۱۹۲)۔ ”تذکرہ علمائے فرنگی محل“۔ مؤلفہ مولانا محمد عنایت اللہ فرنگی محلی۔ مطبوعہ لکھنؤ)

مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی، مظفر پوری لکھتے ہیں:

”حضرت مولانا شاہ احمد انوار الحق، حضرت مولانا شاہ احمد عبدالحق التوینی ۱۱۶۷ھ کے بچھے فرزند، فرنگی محل میں پیدا ہوئے۔ پلے بڑھے۔

حضرت مولانا احمد حسین بن مولانا محمد رضا بن مُلّا قطب الدین شہید اور حضرت مولانا محمد حسن بن قاضی غلام مصطفیٰ بن مُلّا محمد اسعد بن حضرت مولانا قطب الدین شہید سے درسیات، پڑھیں۔ تکمیل، حضرت مولانا عبدالحی، بحر العلوم، فرنگی محلی سے کی۔

فقرو عرفان کی طرف، میلان کے باعث، تکمیل کے بعد، علوم عقلیہ سے کٹی احتراز فرمایا۔ مُرید و خلیفہ، اپنے والد کے تھے۔

فاضل بریلوی، مولانا شاہ احمد رضا قدس سرہ کے پردادا
حافظ شاہ، کاظم علی خاں (بریلوی) آپ ہی کے مرید و خلیفہ تھے۔

۶/ شعبان المعظم ۱۲۳۶ھ، بروز شنبہ، آپ کا وصال ہوا۔

رئیس العلماء، زبدۃ المشائخ، حضرت مولانا نور الحق

آپ کے بلند اقبال، صاحب علم و عرفان و مقام، صاحبزادے تھے۔ جن کے شاگرد

حضرت مولانا سید شاہ آل رسول، مآثر ہروی (پیر و مرشد مولانا شاہ احمد رضا، بریلوی)

اور سیف اللہ المسلمول، مولانا شاہ فضل رسول، بدایونی اور مولانا فضل رحمن، گنج مراد آبادی تھے۔“

(ص ۳۲)۔ ”تذکرہ علمائے اہل سنت“۔ مؤلفہ مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی، مظفر پوری۔

مطبوعہ کانپور۔ ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء)

حضرت مولانا نور الحق، فرنگی محلی اور آپ کے والد محترم، حضرت مولانا انوار الحق، فرنگی محلی

یہ دونوں حضرات، بحر العلوم، مولانا عبد العلی، فرنگی محلی کے خصوصی تلامذہ ہیں۔

مفتی، ظہور اللہ، فرنگی محلی

حضرت مفتی، ظہور اللہ، فرنگی محلی (ولادت ۱۱۷۷ھ/۱۷۶۰ء۔ وصال ۱۲۵۶ھ/۱۸۴۰ء) بن ملاً، محمد ولی بن قاضی غلام مصطفیٰ بن ملاً، محمد اسعد، سہالوی بن ملاً، قطب الدین شہید، سہالوی۔
 ”تذکرہ علمائے ہند“ میں، مفتی ظہور اللہ، فرنگی محلی کے بارے میں ہے:
 ”اپنے والد ماجد اور اپنے تایا، ملاً حسن، فرنگی محلی سے تحصیل علم کی۔

..... تعلیمات حاشیہ زاہد بر شرح تہذیب، منطق، حاشیہ دوحہ بخش بازغہ، ان کی تصنیفات سے ہیں۔ ہمیشہ درس دیتے رہتے تھے۔ اور اپنے زمانے میں خوب مشہور ہوئے۔ بہت سے لوگوں نے ان سے علم حاصل کیا۔ اور ایک جماعت، ان کے فیض سے مستفیض ہوئی۔“ (ص ۲۵۹)۔ ”تذکرہ علمائے ہند“۔ مؤلفہ رحمن علی۔ اردو ترجمہ از پروفیسر محمد ایوب قادری۔ مطبوعہ پاکستان ہسٹوریکل سوسائٹی۔ کراچی۔ ۱۹۶۱ء)

حاشیہ از مترجم، پروفیسر محمد ایوب قادری:۔ سلسلہ درس و تدریس، ہمیشہ جاری رہا۔ تمام علوم کے ماہر تھے۔ خاص کر علوم فقہیہ میں، ملکہ تام، حاصل تھا۔ صاحب ”تذکرہ علمائے فرنگی محل“ نے ارباب فرنگی محل کے علاوہ، ان کے تلامذہ میں اکٹھ (۶۱) بیرونی علمائے کرام کے نام لکھے ہیں:

جن میں، مولانا کفایت علی کافی مراد آبادی، مولانا عبدالجید، بدایونی، مولوی فضل رسول بدایونی، مولوی عبدالقادر لکھنوی، مولانا شاہ احمد سعید، مجددی، دہلوی، مولوی حیدر علی، فیض آبادی، مولوی مسیح الدین، کاکوروی، مفتی سعد اللہ، مراد آبادی، مولوی حسین احمد، محدث علیچ آبادی، مولوی حکیم غلام نجف اور مولوی ثابت علی، الد آبادی، مشہور و معروف ہیں۔“ (حاشیہ ص ۲۵۹)۔ ”تذکرہ علمائے ہند“۔ مطبوعہ کراچی۔ ۱۹۶۱ء)

مولانا عنایت اللہ، فرنگی محلی (متوفی ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء) لکھتے ہیں:
 ”مفتی ظہور اللہ بن ملاً، ولی بن قاضی غلام مصطفیٰ بن ملاً، اسعد بن قطب شہید۔ ولادت ۱۱۷۷ھ میں ہوئی۔ تحصیل کتب، اپنے والد اور چچا، ملاً حسن سے کی۔ نہایت زبردست اور قابل عالم ہوئے۔ سلسلہ قطبیہ کے چیدہ علمائے ہند سے تھے۔

صاحب ”خیر العمل“ نے مفصل، ان کے حالات لکھے ہیں۔

عہدہ افتا، سرکارِ اودھ کی طرف سے سپرد ہوا۔ جس کو، چالیس (۴۰) سال تک متواتر، انجام دیتے رہے۔ باوجود عدالتی کاموں کے، سلسلہ تدریس و تالیف، بند نہیں ہوا۔

زَوَاجِدِ ثلاثہ بر مطوّل حواشی اور شمسِ بازغہ کے رسالہ دوحہ کی شرح، آپ کی خاص تالیفات ہیں۔ تمام کتبِ درسیہ اور خاص کر کتبِ فقہیہ پر، متفرق حواشی ہیں۔

مولانا، تمام علوم کے ماہر تھے۔ لیکن، خاص کر علومِ فقہیہ میں بوجہ کاروبارِ عدالت ملکہ تام، حاصل تھا۔

میں نے مولانا کے حواشی میرزا ابد ملاً جلال سے استفادہ کیا ہے۔ حق، یہ ہے کہ:

یہی کتاب، اس بات کی شاہدِ قوی ہے کہ:

مولانا کو علومِ عقلیہ میں، علومِ فقہیہ سے کم مہارتِ تامہ نہیں تھی۔

مولانا کے کتب میں وہ فوائد ملتے ہیں جن سے بڑے بڑے مصنفین کی کتابیں، خالی ہیں۔

مولانا عبدالحی رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْہِ کے حاشیہ لکھنے کا طرز، بہت کچھ، مولانا کے طرز سے ملتا ہے۔

(ص ۷۵۷۔ ”تذکرہ علمائے فرنگی محل“۔ مؤلفہ مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی)

مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی نے، اس کے بعد، مولانا مفتی ظہور اللہ، فرنگی محلی کے تلامذہ کی

ایک طویل فہرست دی ہے۔ جن میں سے چند نام، درج ذیل ہیں:

مولانا نور کریم، دریابادی، مولوی عبدالرحیم، صفی پوری، مولوی جلال الدین، رام پوری

مولوی نجم الدین، رام پوری، قاضی امین الدین، فتح پوری، مولوی کفایت علی المتخلص بہ کاشی

مراد آبادی، مولوی احسان اللہ، اونامی، مولانا عبدالحجید، بدایونی، مولانا فاضل رسول، بدایونی، مولوی

عبدالقادر لکھنوی، مولوی محمد سعید، عظیم آبادی، شاہ احمد سعید، دہلوی، مولوی حیدر علی، فیض آبادی

مفتی عبدالواجد، رام پوری، مولوی مسیح الدین خاں، کاکوروی، مولوی سعید اللہ، مراد آبادی، مولوی

حسین احمد، محدث مینج آبادی، مولوی مختار علی، جائسی، مولوی صبیحہ اللہ، نگرانی، مولوی شکر اللہ

الہ آبادی، مولوی پیر بخش، کچھوچھو۔ وغیرہم۔

..... مولانا کی وفات ۱۷ ربیع الاول ۱۲۵۶ھ میں ہوئی۔

(ص ۷۶۷۔ ”تذکرہ علمائے فرنگی محل“۔ مؤلفہ مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی۔ مطبوعہ فرنگی محل لکھنؤ)

مُلاً، ولی اللہ، فرنگی محلی

مولانا، ولی اللہ، فرنگی محلی (ولادت ۱۱۸۲ھ/۱۷۶۸ء۔ وصال ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۳ء)
بن حبیب اللہ بن محب اللہ بن مُلاً، احمد عبدالحق بن مُلاً، محمد سعید سہالوی بن مُلاً، قطب الدین
شہید سہالوی۔

”تذکرہ علمائے ہند“ میں، مُلاً، ولی اللہ، فرنگی محلی کا تعارف، اس طرح تحریر کیا گیا ہے:
”مولوی ولی اللہ بن حبیب اللہ، فرنگی محلی نے ابتدائی کتب، اپنے والد ماجد سے
اور درمیانی کتب اپنے چچا، مُلاً محمد یوسف، فرنگی محلی سے پڑھیں۔
فارغ التحصیل ہونے کے بعد، علوم کی تحقیق و تکمیل میں بہت کوشش کی اور اپنی عمر عزیز
طلبہ کی تدریس میں، صرف کردی۔ ان سے ایک جہاں، مستفید ہوا۔
جامع علوم عقلی نقلی اور حاوی فنون فرعی و اصلی تھے۔

تصانیف کثیرہ، ان سے یادگار ہیں۔ صفر ۱۲۷۱ھ/۱۸۵۳ء میں، اٹھاسی (۸۸) سال کی
عمر میں، انتقال ہوا۔

حکیم ظہیر الدین المستخلص، بہ جواد نے، ان کی تاریخ وفات، اس طرح لکھی ہے:

کز و قاتش شد ندبے سر و پا
ورع و شرع و فضل و علم و عمل

(ص ۵۴۶ و ۵۴۷۔ ”تذکرہ علمائے ہند“۔ مؤلفہ رحمن علی۔ مطبوعہ کراچی۔ ۱۹۶۱ء)

مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی، مُلاً ولی اللہ، فرنگی محلی کے تعارف و تذکرہ میں لکھتے ہیں:
..... ”مولانا ولی اللہ بن مولانا حبیب اللہ، علمائے فرنگی محل میں جن چند بزرگوں پر
اللہ تعالیٰ نے باعتبار وجاہت و نیاوی اور خدمتِ علم، غیر معمولی فضل و عنایات فرمائے تھے
ان میں سے، مولانا ولی اللہ بھی تھے۔

”استاذ الہند“ اور ”بحر العلوم“ اور ”مُلاً مُبین“ کے بعد

یہ چوتھا شہسوار، میدانِ علم و تالیفات کا ہے، جو، کثرتِ تالیفات میں
اگلوں سے بھی، بازی لے گیا تھا۔

فرنگی محل میں آپ، پہلے عالم ہیں جس نے تفسیر قرآن مجید، تحریر فرمائی۔
آپ سے پہلے اور آپ کے بعد، کسی (فرنگی محلی عالم) نے خدمت قرآن
اس قدر نہیں کی جیسے آپ نے کی۔

اللہ، آخر زمانہ میں، حضرت استاذ (مولانا عبد الباری، فرنگی محلی) رَحْمَةُ اللہ عَلَیْہِ نے
تفسیر لکھنا، شروع فرمائی تھی۔ چند ہی پاروں کی تفسیر (بنام ”الطاف الرحمن“) ہوئی تھی کہ
حضرت استاذ کی وفات ہو گئی۔

غرض کہ، یہی، دو عالم، فرنگی محل میں سے، ایسے گذرے ہیں، جنہوں نے
قرآن شریف کی تفسیر لکھی ہے۔ کسی آیت، یا۔ چھوٹی سورت کی تفسیر کی یہاں، بحث نہیں ہے۔
مولانا ولی اللہ کی یہ تفسیر، بہت بڑی تقطیع کی، سات موٹی موٹی جلدوں میں
بزبان فارسی ہے۔“

(ص ۱۹۷۔ ”تذکرہ علمائے فرنگی محل“۔ مؤلفہ محمد عنایت اللہ، انصاری، فرنگی محلی)

مولانا عبدالحی (فرنگی محلی) رَحْمَةُ اللہ عَلَیْہِ نے، تحریر فرمایا ہے:

كَانَ مِنْ أَكْبَرِ الْعُلَمَاءِ الْوَاقِفِينَ عَلَى تَحْقِيقَاتِ الْمُتَقَدِّمِينَ
وَالْمُتَأَخِّرِينَ۔ نَالَ مِنَ الْبِرَاعَةِ وَالْمَهَارَةِ بِالْحِطِّ الْوَافِرِ۔

وَأَلَّفَ تَالِيفَاتٍ كَثِيرَةً تَذُلُّ عَلَى صُغُوذِهِ عَلَى مَعَارِجِ الْعُلُومِ الْعَقْلِيَّةِ وَالنَّقْلِيَّةِ۔
مولانا شاہ محمد سلیمان صاحب، پھلواروی فرماتے تھے کہ:

استاذِ معظم، یعنی، مولانا عبدالحی، رَحْمَةُ اللہ عَلَیْہِ، علمائے فرنگی محل میں

سب سے زیادہ، مولانا ولی اللہ صاحب کی کتابوں کا مطالعہ فرماتے تھے۔

اور سب سے زائد، ان کی تعریف میں کلمات، ارشاد فرماتے تھے۔ اِنْتَهَى كَلَامُهُ۔

مدۃ العمر، خدمتِ علم، تالیف و تدریس میں بسر فرمائی۔ حلقہ درس، نہایت وسیع ہوتا۔

اس کے ساتھ، اللہ تعالیٰ نے ثروت و وجاہت ظاہری بھی، عطا فرمائی تھی۔“

(ص ۱۹۸۔ ”تذکرہ علمائے فرنگی محل“۔ مؤلفہ مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی)

”بیعت، آپ کو، مولانا انوار الحق (فرنگی محلی) رَحْمَةُ اللہ عَلَیْہِ سے تھی۔

جیسا کہ ”انحصان“ سے ظاہر ہے۔ اور مجھ سے، خود، آپ کے فرزند، مولانا انعام اللہ

(فرنگی محلی) نے بھی، یہی، بیان کیا تھا۔

پیر و مرشد (مولانا نواز الحق، فرنگی محلی) سے آپ کو، غیر معمولی حسن عقیدت اور شغف محبت تھا۔ ”اغصان اربعہ“ کی تالیف، محض، حضرت کے حالات، ملفوظ لکھنے کی غرض سے کی تھی۔

اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ:

پیر و مرشد کی بھی کس قدر عنایت، مولانا کے حال پر، مبذول تھی۔“

مولانا (ولی اللہ، فرنگی محلی) کی تالیفات، حسب ذیل ہیں:

(۱) حاشیہ بر میرزا ہد رسالہ۔ جس کی تالیف سے ۱۲۱۰ھ میں فراغت ہوئی۔

(۲) حاشیہ بر میرزا ہد ملاً جلال۔

(۳) حاشیہ بر شرح ہدایۃ الحکمۃ للصدرا شیرازی۔

(۴) حاشیہ بر حاشیہ کمال علی شرح العقائد الجلالی۔

یہ آپ نے ملاً مبین کے ارشاد کے مطابق، تحریر فرمایا تھا۔ اور یہ ۱۲۱۵ھ میں ختم ہوا۔

(۵) رسالہ ایقانات۔ بحث علم میں۔

شروع تالیف، اس رسالہ کی پنج شنبہ ۱۹ شوال ۱۲۰۵ھ میں، اشارۃ الہامی سے ہوئی۔

اس کی شرح بھی، خود ہی تحریر فرمائی، جو، شوال ۱۲۰۶ھ کو ختم ہوئی۔

(۶) ایک رسالہ ”بحث تشکیک“ میں۔ ایک رسالہ ”بحث کلامی ہذا کاذب“۔

شرح ستم العلوم (۷) نفعائیس الملکوت شرح مسلم الثبوت، جو، دو بڑی جلدوں میں باریک قلم سے ہے۔

(۸) رسالہ عمدۃ الوسائل۔ یہ رسالہ، فارسی میں حضرت قطب الاقطاب (سید غلام عبدالرزاق

قادری، بانسوی، قدس سرہ) و حضرت قطب شہید (ملاً، قطب الدین، سہالوی) اور حضرت

قطب الاقطاب کے خلفاء، اور استاذ الہند (ملاً، نظام الدین محمد) کے بعض تلامذہ کے حالات میں

صاحب زادۃ والاخبار، حضرت سید شاہ غلام علی، بانسوی، نبیرۃ حضرت قطب الاقطاب کے

ارشاد پر لکھا گیا۔

(۹) حاشیہ، بر میرزا ہد شرح مواقف۔

(۱۰) رسالہ، مباحث سلطنت و ریاست، موسوم بہ آداب السلاطین۔

(۱۱) مِرَآةُ الْمُؤْمِنِينَ وَتَنْبِيْهُ الْغَافِلِيْنَ فِي مَنَاقِبِ آلِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ۔

(۱۲) شرح غایۃ العلوم (۱۳) شرح معارج العلوم (۱۴) کشف الأسرار فی خصائص

سید الأبرار (۱۵) حاشیہ ہدایہ۔ چار ضخیم جلدوں میں عبادات و معاملات پر (غالباً چاروں

جلدوں پر) (۱۶) تذکرۃ المیزان (۱۷) تکملہ شرح سلّم، مولانا احمد عبدالحق۔

(۱۸) تکملہ شرح سلّم، مثلاً حسن (۱۹) تفسیر معدن الجواهر۔ سات جلدوں میں۔

جس کا ذکر، اوپر ہو چکا ہے۔

(۲۰) انحصان اربعہ۔ اس میں مولانا انوار الحق کی کرامات کا ذکر ہے۔

اور قطب شہید کی تمام اولاد کا، جملہ، ذکر ہے۔

اسی تذکرہ پر، بعد کے، تمام تذکرہ نویسان کا اعتماد ہے۔

میں نے، ان میں سے، شرح مُسَلَّم الثبوت اور حاشیہ صدر

اور عمدۃ الوسائل اور انحصان اربعہ، دیکھی ہیں۔“

(ص ۱۹۷-۱۹۹۔ تذکرہ علماے فرنگی محل۔ مؤلفہ محمد عنایت اللہ، انصاری، فرنگی محلی)

”مولانا عبدالحق رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْہِ نے تحریر فرمایا ہے کہ:

مولانا ولی اللہ کے ان تصانیف کے علاوہ، بہت سے دیگر تالیفات، صاف شدہ اور مسوّدات

نہایت نفیس، معقولات اور منقولات میں تھے۔

مگر، ان کے چھوٹے صاحبزادے نے اپنی غفلت سے، ان کو، ضائع فرمادیا۔“

(ص ۱۹۹۔ ”تذکرہ علماے فرنگی محل“۔ مؤلفہ محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی۔ مطبوعہ اشاعت العلوم۔ فرنگی محل، لکھنؤ

مُلاً جمال الدین، فرنگی محلی

مولانا جمال الدین، فرنگی محلی (متوفی ربیع الآخر ۱۲۷۶ھ/۱۸۶۰ء۔ مدفون، مقبرہ والا جاہی، ریاست ارکاٹ۔ جنوب ہند) بن مُلاً، علاء الدین، فرنگی محلی بن مُلاً، احمد انوار الحق فرنگی محلی کی لکھنؤ میں ولادت و پرورش ہوئی۔

اپنے عم محترم، مُلاً، نور الحق، فرنگی محلی بن مُلاً، احمد انوار الحق، فرنگی محلی سے لکھنؤ میں تعلیم و تربیت حاصل کی۔

لکھنؤ میں اچھی تعلیم مکمل کر کے، ریاست ارکاٹ، مدراس (جنوبی ہند) گئے۔ جہاں، آپ کے والد محترم، مُلاً، علاء الدین، فرنگی محلی، درس و تدریس کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ مدرسہ والا جاہی (ریاست ارکاٹ) میں اپنے والد کے ساتھ منصب تدریس پہ فائز ہوئے اور درس و تدریس ہی اپنی پوری زندگی، بسر کر دی۔ اپنے والد مُلاً، علاء الدین، فرنگی محلی سے ہی آپ کی بیعت و ارادت و خلافت تھی۔

مُلاً، علاء الدین، فرنگی محلی (متوفی ۱۲۴۲ھ/۱۸۲۷ء۔ مدفون، مقبرہ والا جاہی، ریاست ارکاٹ) نے مُلاً، محمد مبین، فرنگی محلی سے اور پھر اپنے چچا، مُلاً، آزاد الحق، فرنگی محلی، بن مُلاً، احمد عبد الحق، فرنگی محلی سے تعلیم، حاصل کرنے کے بعد، بوہر، (برہدوان، بنگال) جاکر بحر العلوم، مُلاً، عبدالعلی، فرنگی محلی سے تکمیل درس کیا۔

اور جب بحر العلوم، ارکاٹ، تشریف لے گئے تو آپ بھی ان کے ساتھ ہی، ارکاٹ گئے اور بحر العلوم کے داماد ہونے کی وجہ سے وفات بحر العلوم کے بعد آپ کی جگہ، مدرسہ والا جاہی ارکاٹ کے صدر مدرس ہوئے۔ ”ملک العلماء“ کے خطاب سے سرفراز ہوئے۔ آپ کی تصنیف، شرح فصول اکبری ہے۔

مدراس ہی میں ۱۲۴۲ھ/۱۸۲۷ء میں آپ کا انتقال ہوا۔

مولانا رحمن علی (متوفی ۱۳۳۵ھ/۱۹۰۷ء) مولانا جمال الدین، فرنگی محلی کے بارے میں لکھتے ہیں:

”مولوی جمال الدین بن مُلاً، علاء الدین، فصول اکبری کے شارح ہیں۔

کتب درسیہ سے فراغت، حاصل کر کے، مدراس پہنچے اور نواب غلام غوث خاں، رئیس

کرناتک کی تعلیم پر، ڈھائی سو روپے ماہانہ مشاہرہ پر، مدرس ہو گئے۔

وہیں، ۸، رجب الآخر ۱۲۷۶ھ/ ۶۰-۱۸۵۹ء میں انتقال ہوا۔ اور وہیں، مدفون ہوئے۔

(ص ۱۵۱۔ تذکرہ علمائے ہند۔ مؤلفہ رحمن علی۔ اردو ترجمہ: پروفیسر محمد ایوب قادری۔ مطبوعہ پاکستان

سٹوریکل سوسائٹی، کراچی۔ طبع اول ۱۹۶۲ء)

مترجم پروفیسر محمد ایوب، قادری لکھتے ہیں:

”کتاب درسیہ اپنے چچا، مثلاً، نوزالحق سے ختم فرما کر، اکابر علماء میں شمار ہوئے۔

تھوڑے زمانہ تک وطن (لکھنؤ) میں قیام فرمایا۔ مزاج، خُرقانہ، تھا۔ ایک مذہبی مناقشہ کی وجہ سے قیام وطن ترک فرما کر، والد ماجد کے پاس، مدراس چلے گئے۔

اور سلسلہ درس و تدریس، جاری فرمایا۔

اپنے والد کی وفات کے بعد، اپنے والد کے قائم مقام ہوئے۔

اور حسب معمول آپ کے نانا، بحر العلوم کا مدرسہ آپ کے سپرد کر دیا گیا۔ اور وہاں آپ

نے درس دینا، شروع فرمایا۔

خارج از مدرسہ، نواب محمد غوث خاں بالقابہ جو، اُس وقت، ولی عہد تھے اور بعد میں

نواب ہو گئے تھے، انھیں آپ، درس دیتے تھے۔

مولانا جمال الدین، فرنگی محلی، نہایت نخی اور ذی استعداد عالم تھے۔

ہر جمعہ کو مسجد شاہی میں وعظ فرماتے۔

طریقہ باطنی میں آپ کو اپنے والد ماجد سے اجازت و خلافت، حاصل تھی۔

حسب معمولی مشائخ، آپ گہرے رنگ کی چادر و عمامہ، استعمال فرماتے۔

کتاب درسیہ پر آپ، کے مختلف حواشی ہیں۔ کوئی مستقل تالیف، نظر سے نہیں گذری۔“

(حاشیہ ص ۱۵۱ و ص ۱۵۲۔ تذکرہ علمائے ہند۔ مطبوعہ کراچی۔ ۱۹۶۶ء)

مثلاً، علاء الدین، فرنگی محلی کے فرزند، مثلاً، جمال الدین، فرنگی محلی نے، درس و تدریس

و وعظ و افتاء اور مناظرہ، وغیرہ میں، نمایاں مقام، حاصل کیا۔

مفتی محمد رضا، انصاری، فرنگی محلی لکھتے ہیں:

”ملک العلماء، مثلاً، علاء الدین احمدی، مدراس میں آخر عمر تک مقیم رہے۔

اور مثلاً بحر العلوم کی جانشینی کے فرائض، انجام دیتے رہے۔

ان کے انتقال کے بعد، ان کے اکلوتے بیٹے، مُلّا، جمال الدین احمد، فرنگی مہلی مدراس میں آخر عمر تک، قیام پذیر رہے۔ اور ”برّو وہابیت“ کے معرکہ عظیم میں جو، وہاں، تقویۃ الایمان (مصنفہ مولوی محمد اسماعیل شہید، دہلوی) کے سلسلے میں ہوا تھا بہت، پیش پیش رہے۔

مولوی محمد علی، واعظ، رام پوری نے سید احمد شہید، بریلوی، مولوی محمد اسماعیل شہید، دہلوی اور اس گروہ کے دیگر علما کے عقائد کی بہت ترویج کی تھی۔ جس نے مدراس میں، دو گروہ پیدا کر دیے تھے۔ یہ قاضی بدر اللہ و لاہ کا زمانہ تھا، سخت نزاع پھیل گئی، جس میں نواب ارکاٹ اور انگریزوں کو دخل دینا پڑا۔ مُلّا، جمال الدین احمد (نواسہ مُلّا بحر العلوم، فرنگی مہلی) نے اس میں یہاں تک دل چسپی لی کہ، میر محمد علی سے (مسئلہ) شفاعت پر مناظرہ کیا اور ان کو مجبور کیا کہ:

وہ، تقویۃ الایمان کی قابل اعتراض عبارتوں سے اپنی براءت، ظاہر کریں۔

میر محمد علی صاحب نے مسجد والا جاہی (ارکاٹ) میں، بعد نماز جمعہ، براءت نامہ تحریری پیش کیا جو، حاضرین کو سنایا گیا۔ مگر، اس مجمل براءت نامہ سے مُلّا، جمال الدین احمد، فرنگی مہلی اور ان کے ہم خیال، مطمئن نہیں ہوئے۔ دوسرا براءت نامہ، میر صاحب نے پیش کیا۔

ایک طرف، براءت، دوسری طرف ایسی تقریریں، جن سے مولانا اسماعیل شہید وغیرہ کی تعریف و توصیف نکلتی ہو، میر صاحب کرتے رہے۔

آخر کار، مُلّا جمال الدین احمد اور ان کے ہم خیال علما نے میر محمد علی، واعظ رام پوری کے کفر کا فتویٰ دے دیا۔ اور انہیں، واجب القتل قرار دے دیا۔

قتل کا اختیار، نواب ارکاٹ کو، نہ تھا، اس لئے مُلّا، جمال الدین احمد فرنگی مہلی نے ایک اور اشتہار تیار کر کے مسجد والا جاہی، ارکاٹ میں سنایا۔ اور معاملہ، اس حد تک پہنچ گیا کہ:

شمیر مدراس کے چیف مجسٹریٹ نے میر صاحب کو

بحفاظت تمام، بذریعہ بحری جہاز، مدراس سے کلکتہ، روانہ کر دیا۔

ملّا، جمال الدین احمد، فرنگی مہلی نے اس کے بعد میر صاحب کے ایک ایک مُرید سے فردا فردا، توبہ کرانا شروع کر دیا، اور اصرار کیا کہ:

یہ لوگ اپنے گھروں میں نہیں، مسجد والا جاہی (ارکاٹ) میں، عام لوگوں کے سامنے توبہ کریں۔

نواب، محمد علی والا جاہ مرحوم کی ایک بیوہ بھی میر صاحب کے مُریدوں میں تھیں۔ ان کو بھی

مجبور کر کے توبہ کرائی گئی۔ مثلاً، جمال الدین احمد، کسی طرح، ان کو متشی کرنے پر، راضی نہیں ہوئے۔“
(ص ۱۲۱ و ۱۲۲۔ ”بانی درس نظامی، مثلاً نظام الدین محمد۔“ مؤلفہ محمد رضا انصاری فرنگی محلی)

”بہر حال! ۱۲۷۶ھ/۱۸۶۰ء میں، مثلاً، جمال الدین، فرنگی محلی کے انتقال کے بعد مدراس میں، مثلاً، بحر العلوم کی مسند تدریس، ان کے گھرانے کے افراد سے خالی ہو گئی۔ لیکن، مثلاً، بحر العلوم کے ذریعہ، بانی درس نظامی، مثلاً، نظام الدین محمد، فرنگی محلی کا دریاے فیض جو، رواں ہوا تھا، وہ، جنوبی ہند میں، شاگردوں اور ان کے شاگردوں کے ذریعہ پھیلتا رہا۔“
(ص ۱۲۳۔ ”بانی درس نظامی۔“ مؤلفہ مفتی محمد رضا، انصاری، فرنگی محلی۔ مطبوعہ لکھنؤ ۱۹۷۳ء)

مثلاً، جمال الدین احمد، فرنگی محلی (وصال ۱۲۷۶ھ/۱۸۶۰ء) کو حکیم عبدالحی، رائے بریلوی (متوفی ۱۳۳۱ھ/۱۹۲۳ء) ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے مدراس کی وہابی مخالف سرگرمی کی پاداش میں، اس طرح، مطعون کرنے اور آپ کی ”کردار کشی، کرنے کی کوشش کی ہے:

وَكَانَ شَدِيدَ الرُّغْبَةِ فِي الْمُبَاحَثَةِ، شَدِيدَ التَّعَصُّبِ عَلَى مَنْ خَالَفَهُ طَوِيلَ اللِّسَانِ بِالْكَفْرِ وَالتَّضْلِيلِ۔“ (نُزْهَةُ الْخَوَاطِرِ، جلد سابع۔ مؤلفہ: حکیم، عبدالحی رائے بریلوی۔ مطبوعہ دائرۃ المعارف۔ حیدرآباد، دکن)

كَانَ يُكْفِرُ الشَّيْخَ اسْمَعِيلَ بْنَ عَبْدِ الْغَنِيِّ الدَّهْلَوِيَّ عَلَى مَا نُسِبَ إِلَيْهِ مِنْ عِبَارَةٍ فِي كِتَابِهِ ”تَقْوِيَةُ الْإِيمَانِ“ يَسْتَدِلُّونَ لَهَا عَلَى إِسَاءَةٍ آدَبِهِ فِي مَقَامِ النُّبُوَّةِ۔ أَعَاذَنَا اللَّهُ مِنْهَا۔ وَالْحَقُّ أَنَّ الشَّيْخَ سَمَّاهُ بِرَبِيَّةٍ مِنْ هَذَا الْقَبِيحِ۔

وَقَدْ أَفْرَطَ الْجَمَالُ فِي ذَالِكَ۔ فَكَانَ يُكْفِرُ مَنْ يَسْتَحْسِنُ تَقْوِيَةَ الْإِيمَانِ۔ فَضْلًا عَنْ مُصَنِّفِهَا۔ حَتَّى نَالَ مِنْهُ السَّيِّدُ مُحَمَّدٌ عَلَى الْوَاعِظِ أَحَدُ أَصْحَابِ سَيِّدِنَا أَحْمَدَ بْنَ عَرْفَانَ الشَّهِيدِ الْبَرِيلَوِيِّ أَذَى كَثِيرًا بِبِلْدَةِ مَدْرَاسِ۔“
(نُزْهَةُ الْخَوَاطِرِ۔ جلد سابع۔ مؤلفہ: حکیم، عبدالحی، رائے بریلوی۔ مطبوعہ حیدرآباد، دکن)

مدراس میں بحر العلوم، مولانا عبدالحی، فرنگی محلی کے درس و تدریس کی جانشینی مولانا علاء الدین احمد، فرنگی محلی نے اور فرنگی محل، لکھنؤ میں مولانا نور الحق، فرنگی محلی نے کی۔ یہ دونوں حضرات، فرزند تھے: مولانا انوار الحق بن مثلاً احمد عبدالحق بن مثلاً محمد سعید بن مثلاً، قطب الدین شہید، سہالوی کے۔

مولانا نور الحق، بڑے بھائی اور مولانا علاء الدین، ان کے چھوٹے بھائی تھے۔

مُلاً، عبدالوالی، فرنگی محلی

مولانا، عبدالوالی، فرنگی محلی (ولادت ۱۱۸۹ھ/۱۷۷۳ء۔ وصال ۱۲۷۹ھ/۱۸۶۳ء)
 بن ابوالکرم بن محمد یعقوب بن عبدالعزیز بن مُلاً، محمد سعید سہالوی بن مُلاً، قطب الدین شہید، سہالوی۔
 مولانا، عبدالوالی، فرنگی محلی کے تعارف و تذکرہ میں مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی لکھتے ہیں:
 ”حضرت والا، مولانا انوار الحق رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْہِ کے نواسہ اور آپ کے خلیفہ مجاز تھے۔
 علاوہ اس کے، دیگر سلاسل کی بھی اجازت آپ کو، اپنے والد ماجد اور دیگر بزرگان دین سے تھی۔
 بعد حفظ قرآن، تحصیل علم آپ نے اپنے ماموں، نور الحق بن مُلاً انوار الحق سے فرمائی۔
 اور بعد ختم کتب درسیہ، تدریس و تالیف کی جانب، توجہ فرمائی۔

متفرق کتب درسیہ پر، آپ کے حواشی ہیں۔
 ایک مدت تک، علم ظاہری کی خدمت میں مصروف رہے۔
 اس کے بعد، علم باطنی کا آپ پر غلبہ ہوا۔

اور اذکار و اوراد و اشغال اور علم تصوف اپنے پیرومرشد سے حاصل کیا
 اور تدریس کتب درسیہ، ترک فرما کر مثنوی شریف کا درس دینا شروع کیا۔
 یہ حلقہ درس، بہت وسیع ہوتا اور اس میں مثنوی شریف کے نکات عجیبہ و ذائقہ غریبہ
 بیان فرماتے۔

اول زماںہ میں، نہایت عُسرت و تنگ دستی سے بسر ہوئی۔
 مگر، کبھی آپ نے کسب معاش اور حصول دنیا کی طرف، توجہ نہ فرمائی۔
 بعض اوقات، متعدد فاقہ، گھر والوں پر ہو جاتے، مگر، کسی سے تذکرہ، نہ فرماتے۔
 ارباب دولت کے سامنے، کبھی اپنی حاجت لے کر نہیں گئے۔

عمر شریف، نوے (۹۰) سال کی ہوئی۔ آخر میں ضعف بصر، لاحق ہو گیا تھا۔
 جس قدر عمر میں زیادتی ہوتی جاتی، بصارت میں، کمی، اور بصیرت میں، زیادتی، ہوتی جاتی۔
 باوجود ضعف جسمانی اور آنکھوں سے معذوری کے
 مسجد فرنگی محل میں نماز باجماعت آخر زمانہ تک، ادا فرماتے رہے۔

مولوی عبدالغفار صاحب بن مولوی جامع صاحب، جو، آپ کے مُرید تھے۔

ان کے سپرد، یہ خدمت تھی کہ، حضرت کا ہاتھ پکڑ کر، مسجد لے جاتے۔
ایک دن، نمازِ عشا کے وقت، بارش، شدید ہو رہی تھی۔ مولوی عبدالغفار صاحب
حضرت کی زحمت کے خیال سے، حاضر خدمت نہ ہوئے اور خود مسجد میں، نماز ادا کر لی۔
حضرت نے انتظار فرمایا۔ جب، معلوم ہوا کہ نماز (جماعت) ہو گئی
تو، اس قدر تکلیف، قلبِ مبارک پر ہوئی کہ شب بھر، زار و قطار، گریاں رہے۔
جب، مولوی عبدالغفار صاحب نے معذرت کی تو، ارشاد فرمایا کہ:
”تمہارا قصور نہیں ہے۔ قصور تو، میرا ہے کہ:

میں نے تمہارا انتظار کیوں کیا؟ خود کیوں نہیں چلا گیا؟

زائد سے زائد گر پڑتا۔ چوٹ آتی، تھوڑے دن کے بعد، اچھا ہو جاتا۔“
حضرت سے سلسلہٴ رشد و ہدایت بہت وسیع ہوا۔

ہزار ہا آدمی، آپ کے سلسلے میں داخل ہوئے۔ فرنگی محل کے جلیل القدر علما کو
حضرت ہی سے بیعت تھی۔

سوائے مولانا عبدالحکیم، نبیرۃ بحر العلوم کے خاندان کے
فرنگی محل کے اکثر، آپ کے سلسلہٴ ارادت میں، داخل تھے۔
آپ کے نانائے اپنی حیات میں مسجد فرنگی محل، آپ ہی کے متعلق کر دی تھی۔
اور خود، آپ کی اقتدا فرماتے تھے۔

آخر عمر میں آپ نے اسی سُنّت پر عمل کرتے ہوئے اپنے بھانجے اور خلیفہ، حضرت مولانا
عبدالرزاق، رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ کو امامت، سپرد فرمائی تھی۔ اور خود، اقتدا میں نماز پڑھتے۔
چنانچہ، اس خاندان میں، یہی دستور ہے کہ:

جس کو پیر و مرشد اپنا خلیفہ و قائم مقام بنانا چاہتا ہے، اُس کے سپرد، جمعہ کی امامت کر دیتا ہے۔
حضرت کی وفات شریف، شب ۲۲ شعبان ۱۲۷۹ھ کو واقع ہوئی۔
دفن مبارک ۲۲ کی صبح کو، واقع ہوا۔

مولوی عبدالباسط بن مولانا عبدالرزاق نے تاریخِ انتقال ”کُنْتُ كُنْزاً مَخْفِياً“ سے
نکالی ہے۔

مزار شریف آپ کا، حضرت مولانا عبدالحق اور مولانا عبدالعزیز رَحْمَتُ اللهِ عَلَيْهِمَا کے

مزاروں کے درمیان ہے۔ پہلے، قبر شریف، خشتی تھی اور قبۃ، مزارِ مبارک پر، نہ تھا۔

حضرت کے خلیفہ، رُحِّق، حضرت مولانا عبدالرزاق رَحْمَةُ اللہ عَلَیْہِ نے

آپ کے مزارِ مبارک پر مع چار اور مزاروں کے، نہایت خوبصورت قبۃ بنوایا۔ ”إِلٰی آخِرِہ۔“

(ص ۱۲۷ و ۱۲۸۔ ”تذکرہ علماۓ فرنگی محل“، مؤلفہ محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی۔ مطبوعہ اشاعت العلوم

فرنگی محل، لکھنؤ۔ ۱۳۳۹ھ/۱۹۳۰ء)

”حضرت کا ملفوظ، حضرت کے مُریدِ مجاز، مولوی عبدالغفار صاحب بن مولوی جامع صاحب

نے تحریر کیا ہے۔ جس کا نام ”الْأَسْرَارُ الْعَالِیَۃُ فِی مَنَاقِبِ الْوَالِیَۃِ“ ہے۔“

(ص ۱۲۸۔ ”تذکرہ علماۓ فرنگی محل“۔ مؤلفہ مولانا عنایت اللہ، فرنگی محلی، لکھنؤ۔ مطبوعہ فرنگی محل، لکھنؤ)

مولانا عبدالحلیم، فرنگی محلی

مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی (ولادت ۲۱ شعبان ۱۲۳۹ھ - وصال ۲۹ شعبان ۱۲۸۵ھ / ۱۸۶۸ء) بن امین اللہ بن محمد اکبر بن احمد ابوالرحم بن محمد یعقوب بن مُلّا، عبدالعزیز بن مُلّا، محمد سعید بن مُلّا، قطب الدین شہید، سہالوی۔

مولانا رحمن علی (متوفی ۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء) نے آپ کے تعارف و تذکرہ کے ساتھ اپنی ایک ملاقات کا ذکر، اس طرح کیا ہے:

..... دس (۱۰) سال کی عمر میں حفظ قرآن مجید سے فارغ ہو گئے۔
اور درسی علوم کی تحصیل، شروع کر دی۔

اپنے والد ماجد، مولانا امین اللہ، نیز مفتی ظہور اللہ و مفتی محمد اصغر و مولوی نعمت اللہ اور مفتی محمد یوسف، فرنگی محلی کی خدمت میں تعلیم، حاصل کر کے

سولہ (۱۶) سال کی عمر میں مروّجہ نصاب (درس نظامی) سے فراغت، حاصل کر لی۔
فاضل تبصر، جامع علوم عقلی و نقلی اور حاوی فنون فرعی و اصلی ہوئے۔
اور درس و افادہ کی مسند کو سنبھالا۔

۱۲۶۰ھ / ۱۸۴۴ء میں، باندہ (بندیل کھنڈ) بلانے پر گئے۔ وہاں کے رئیس، نواب ذوالفقار اللہ ولہ جو، علما و فضلاء کے بڑے قدر داں تھے، بڑے اعزاز و اکرام سے پیش آئے۔
اور ان کو اپنے مدرسے کا مدرس، مقرر کر دیا۔ اور مدتوں اس کام پر، مقرر رہے۔

پھر، اپنے وطن، لکھنؤ، واپس آئے اور ایک سال، وطن میں رہ کر، جون پور چلے گئے۔
ایک شخص، حاجی امام بخش مرحوم، جو شہر کے نئے رئیس تھے، بڑی قدر دانی سے پیش آئے
اور مدرسہ امامیہ، حنفیہ (جون پور) کا ان کو، مدرس، مقرر کر دیا۔ جس کے وہ، خود بانی تھے۔

ایک جہاں نے ان کے علم سے وہاں، فیض حاصل کیا۔

اور نو (۹) سال تک وہ، اسی منصب پر سرفراز، رہے۔

۱۲۷۶ھ / ۱۸۵۹ء میں اپنے وطن (لکھنؤ) واپس آئے۔

اور مولوی عبدالولی، قادری، فرنگی محلی کے مرید ہوئے۔

۱۲۷۷ھ/۱۸۶۰ء میں حیدرآباد، دکن تشریف لے گئے۔

اس ریاست کے مدارالمحام، سید تراب علی خاں، سالار جنگ نے جو، اوصاف حمیدہ سے ایسے متصف تھے، جیسے ستاروں میں سورج نمایاں ہوتا ہے، ان کو مدرسہ نظامیہ کا مدرس مقرر کیا۔ اس سفر میں ”ریواں“ (در موجود مدھیہ پردیش) کے مقام پر، جو، دکن کے راستے میں واقع ہے، وہ خاندان قطبیہ کا چراغ (مولانا عبدالحلیم، فرنگی بھلی) جامع الادواق (رحمن علی) کے مکان پر ٹھہرا۔

اُس وقت، ان کے صاحب زادے، مولوی عبدالحی، صغیر السن تھے اور قطبی پڑھتے تھے۔ ۱۲۷۹ھ/۱۸۶۲ء میں حیدرآباد سے رخصت ہو کر عازم حرمین شریفین ہوئے۔ اور وہاں کے علماء و مشائخ کی صحبت بابرکت سے استفادہ فرمایا۔

مکہ مکرمہ میں مولانا محمد جمال خفی اور مولانا احمد بن زینی دحلان شافعی سے علم حدیث اور دیگر علوم معقول و منقول کی سند، حاصل کی۔

۱۲۸۰ھ/۱۸۶۳ء میں مدینہ منورہ میں حضرت نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

مولانا علی مدنی، شیخ الدلائل سے سند دلائل الخیرات، مولانا محمد بن محمد، عرف شافعی، مدرس مسجد نبوی سے حدیث و تفسیر و فقیہ وغیرہ کی سند، مولانا شاہ عبدالغنی بن مولانا شاہ ابوسعید، مجتہد دی دہلوی، نزہیل مدینہ منورہ سے اجازت حدیث و تفسیر و فقہ وغیرہ، اور مولوی عبدالرشید بن شاہ احمد سعید مجتہد دی، دہلوی سے قصیدہ ہمدردہ اور حزب البحر کی اجازت، حاصل کی۔ اور حجاز کے فیوض و برکات سے مالا مال ہوئے۔

۱۲۸۲ھ/۱۸۶۵ء میں حیدرآباد، واپس آ گئے اور عدالت نظامیہ کے کام سے منسلک ہو گئے۔ اس کے بعد، جمادی الثانیہ ۱۲۸۳ھ/۱۸۶۶ء میں رخصت پر، وطن لکھنؤ آئے اور اپنے صاحب زادے، مولوی عبدالحی کی شادی سے فراغت، حاصل کر کے ماہ جمادی الثانیہ ۱۲۸۳ھ/۱۸۶۷ء میں لکھنؤ سے حیدرآباد کا سفر کیا۔ جس کو حقیقت میں آخرت کا سفر، کہا جاسکتا ہے۔ الخ (ص ۲۸۳ و ص ۲۸۴۔ تذکرہ علماء ہند۔ مؤلف: رحمن علی۔ اردو ترجمہ از پروفیسر محمد ایوب، قادری)

مولانا عبدالحی، فرنگی بھلی (متوفی ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء) کے تلمیذ رشید مولانا عبدالحی آسی، مدراسی ثم لکھنوی (وصال ۱۳۲۷ھ) لکھتے ہیں:

(عربی سے ترجمہ) منبج فضل و کمال، مجسود اقران و امثال، علامہ مولانا شیخ محمد عبدالحلیم بن مولانا محمد امین اللہ بن مولانا محمد اکبر بن مولانا ابوالرحم، انصاری، فرنگی محلی، لکھنوی کی ولادت ۲۱ شعبان ۱۲۳۹ھ کو، لکھنؤ میں ہوئی۔

دس (۱۰) سال کی عمر میں، تکمیل حفظ قرآن حکیم کر کے، تحصیل علوم میں مصروف ہوئے۔ صرف و نحو کی کتابیں، اپنے والد، مولانا محمد امین اللہ، فرنگی محلی سے پڑھیں۔ اس کے بعد مفتی محمد ظہور اللہ، فرنگی محلی و مولانا محمد اصغر، فرنگی محلی و مولانا محمد نعمت اللہ، فرنگی محلی و مولانا محمد یوسف، فرنگی محلی رَحْمَتُہُمُ اللہُ تَعَالٰی سے بقیہ علوم کی تحصیل کی۔ تحصیل و تکمیل علوم کے بعد، مولانا محمد عبدالحلیم، فرنگی محلی نے اپنی ساری عمر، تدریس و تصنیف اور وعظ و بیان میں گزاری۔ علم فقہ میں تبحر، حاصل کر کے، اُس کے درجہ کمال کو پہنچے۔ اور مرجع ارباب فتویٰ و امام فتون حکمیہ و علوم منطقیہ ہوئے۔

۱۲۶۰ھ میں، باندہ تشریف لے گئے۔ جہاں، نواب باندہ، ذوالفقار اللہ ولد نے اعزاز و اکرام کے ساتھ، اپنے مدرسے کا مدرس بنایا۔ پھر، آپ، جون پور تشریف لے گئے، جہاں، نواب محمد امام بخش، بانی و صدر مدرسہ نے اپنے مدرسے کا مدرس بنایا۔

مدرسہ جون پور میں، نو (۹) سال، مدرس رہ کر، آپ نے درس کی خدمت، انجام دی۔ اور دور دراز سے تحصیل علم کے لئے آنے والے طلبہ کو، آپ نے فیض پہنچایا۔ جون پور سے آپ، لکھنؤ واپس تشریف لائے۔

یہاں، آپ نے مولانا محمد عبدالوالی، رزّاتی قادری، فرنگی محلی کے دست مبارک پر، بیعت کی۔ پھر آپ، لکھنؤ سے حیدرآباد، دکن تشریف لے گئے۔

وزیر ریاست حیدرآباد، دکن، مختار الملک، نواب ثراب علی خاں، سالار جنگ نے بڑی تعظیم و توقیر کے ساتھ، آپ کو، مدرسہ نظامیہ کا مدرس، مقرر کیا۔

۱۲۷۹ھ میں آپ، حج و زیارتِ حرمین شریفین سے مشرف ہوئے۔

یہاں، آپ، مولانا شیخ محمد جمال خفی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے ایک رسالہ، مُشتمل، برآؤ اہل کتب احادیث پڑھ کر آپ کی تحریری اجازتِ عامہ سے، سرفراز ہوئے۔

اسی طرح، شیخ احمد دحلان نے آپ کو تحریری اجازتِ عامہ سے نوازا۔

یہ ذوالقعدہ ۱۲۷۹ھ کا واقعہ ہے۔

اس کے بعد، آپ نے زیارتِ مدینہ منورہ کی سعادت، حاصل کی۔
یہاں، شیخ الدلائل، شیخ علی، مدنی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے دلائل الخیرات
پڑھی۔ اور شیخ الدلائل نے آپ کو، دلائل الخیرات کا اجازت نامہ، عطا فرمایا۔

اسی طرح، شیخ محمد عرب شافعی، مدرس مسجد نبوی، مدینہ طیبہ نے بھی اجازت، عطا فرمائی۔
شیخ ابوسعید، مجددی (رام پوری) دہلوی، نزہیل مدینہ طیبہ کی خدمت میں حاضر ہوئے
تو، آپ نے بھی اجازت، عطا فرمائی۔ شیخ عبدالرشید، مجددی، دہلوی نے بھی آپ کو
قصیدہ ہمدرد، حزب المحرمات، مشائخ نقشبند، و اعمال مظہریہ وغیرہ کی اجازتیں، عطا فرمائیں۔
مدینہ طیبہ سے، وطن (لکھنؤ) واپس آتے وقت، دورانِ سفر، خواب میں

نہی کون و مکاں، سید بنی عدنان، صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی زیارت سے مشرّف ہوئے۔
اور، اسی خواب میں آپ کو، مصافحہ کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔
سفر حج و زیارت سے بخیر و عافیت، آپ اپنے وطن، لکھنؤ پہنچے۔

اور یہاں ایک سال تک آپ نے قیام کیا۔ اسی قیام کے دوران، آپ اپنے فرزند رشید
علامہ وحید، ابوالحسنات، محمد عبدالحی، فرنگی محلی کی فریضہ نکاح سے بھی، بُک دوش ہوئے۔
ریاست حیدرآباد، دکن کے مدارِ المہام کی دعوت و طلب پر، آپ شعبان ۱۲۸۳ھ میں
حیدرآباد، دکن تشریف لے گئے۔ اور نہایت اہتمام کے ساتھ

انتظامِ عدالتِ نظامیہ کی خدمت کا فریضہ، انجام دینے میں مصروف ہوئے۔
لیکن، زمانے نے اس بار، زیادہ مہلت نہ دی اور مہلت، ہادیٰ اللذات کا وقت، سر پہ آ پہنچا۔
آپ کی وفات، عجیب و غریب طریقہ سے ہوئی۔ ماہ ذوالقعدہ ۱۲۸۳ھ میں
آپ نے دیکھا کہ آپ، بالکل صحیح و تندرست ہیں۔ اور مرض کا آپ پر کوئی اثر نہیں۔
گویا، آپ، دارِ العدالت میں بیٹھے ہوئے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ
ملک الموت، جلد ہی، میری روح قبض کر لیں گے۔“

صبح ہوئی اور آپ کو اپنا خواب، یاد آیا تو، کہا کہ:
شاید، میری وفات، قریب ہے جس کی خبر، اللہ تعالیٰ نے مجھے، عالمِ خواب میں دی ہے۔“
اس واقعہ کے بعد آپ کو مرضِ موت، لاحق ہوا

جو، صبح شام بڑھتا ہی گیا۔ جس کا انجام، طے شدہ تھا۔

اواخر جمادی الاولیٰ میں آپ کے ساتھ، یہ پیش آیا کہ:

گویا، کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے اور موت کی خبر دے رہا ہے کہ: کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ۔
ماہ شعبان میں آپ، وصیتیں کرنے اور کلماتِ وداع ارشاد فرمانے لگے کہ:

”خُن خاتمہ اور آخری فوز و فلاح کے لئے کچھ بھی، زادِ سفر نہیں ہے۔“

اپنے عزیزِ فرزند، مولانا محمد عبدالحی، فرنگی مہلی کے لئے آپ نے اجازت نامہ، تیار کیا
جس میں اُن تمام علوم و اعمال کی اجازتیں، آپ نے لکھیں

جو، آپ کو، اپنے مشائخِ کرام رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی سے حاصل ہوئی تھیں۔

یہ چہار شنبہ ۲۳ شعبان ۱۲۸۵ھ کی بات ہے۔

اسی روز، آپ نے سفرِ ارتحال کی تیاری اور مرکبِ انتقال کی سواری کی۔ رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی۔

اپنی وفات سے آٹھ روز پہلے، آپ نے بتلایا کہ: ملائکہ کرام، تشریف لائے ہوئے ہیں۔“

یہ مرض، کسی شقی القلب حاسد کے جادو سے شروع ہوا تھا۔ جو، آپ کے نصیب میں تھا۔

اپنی وفات سے، دو دوں پہلے، آپ نے خواب میں

اس جادو کرنے والے اور اس کام پر اُکسا کر، اسے بھیجنے والے کو دیکھا۔

لیکن، اپنے فرزندِ رشید، مولانا عبدالحی، فرنگی مہلی کو، اس کی سخت تاکید و ہدایت کی کہ:

”اس کی خبر کی کو، نہ ہونے پائے۔“

بعدِ طلوعِ شمس، بروزِ دو شنبہ ۲۹ شعبان (۱۲۸۵ھ) آپ کی روح، روضہٴ رضوان کی سیر کو نکل گئی۔

بعد نمازِ ظہر آپ کی نمازِ جنازہ پڑھی گئی اور آپ کی وصیت کے مطابق، صاحبِ کرامات

و فضائل، شاہِ یوسف، قادری (حیدر آباد کن) کے پہلو میں آپ کی تدفین ہوئی۔

مولانا محمد عبدالحی، فرنگی مہلی نے بارہا، خواب میں دیکھا کہ:

آپ، درس و تدریس اور وعظ و نصیحت فرما رہے ہیں۔

اور کہہ رہے ہیں کہ: بِحَمْدِ اللہ، ابرِ کرم کی طرح، رحمت و غفران کا، حِطّ وافر ملا۔

ایک دن آپ نے خواب میں دیکھا کہ:

والدِ مرحوم ایک کشادہ جگہ میں لیٹے ہوئے آرام فرما ہیں۔

آپ نے سکر اتِ موت اور اس کے بعد پیش آنے والے حالات کے بارے میں پوچھا

تو، والد مرحوم نے فرمایا:

”سکراتِ موت کے بعد، مجھے کسی طرح کی کوئی پریشانی، لاحق نہیں ہوئی۔

بلکہ جب مجھے موت آئی تو، فرشتوں نے مجھے، دُرُ السَّلام کی نعمتِ جاودانی کی بشارت دی۔

بِحَمْدِ اللّٰہ، میں، ایک نہایت کشادہ جگہ میں، بہت، ہشاش بشاش رہتا ہوں۔“

آپ کی بڑی سعادت و کرامت ہے کہ آپ کی موت، دوشنبہ کو ہوئی۔ اور دوشنبہ ہی، وہ دن

ہے، جس میں سیدِ اولادِ آدم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم، اس دنیا سے تشریف لے گئے۔

مولانا عبدالحلیم، فرنگی محلی، لکھنوی کی بہت سی تصنیفات و تالیفات ہیں

جن میں سے چند تصانیف کے نام، یہ ہیں:

(۱) التَّحْقِیْقَاتُ الْمَرْصِیَّةُ لِحَلِّ حَاشِیَةِ السَّیِّدِ الرَّاهِدِ الْهَرَوِیْ عَلَی الرِّسَالَةِ

الْقُطْبِیَّةِ (۲) الْقَوْلُ الْأَسْلَمُ لِحَلِّ شَرْحِ السَّلَامِ لِمُلَاحَسَنِ الْلُکْنَوِی (۳) کَشْفُ

الْمَكْتُومِ فِی حَاشِیَةِ بَحْرِ الْعُلُومِ - الْمُتَعَلِّقَةُ بِالْحَاشِیَةِ الزَّاهِدِیَةِ الْمُتَعَلِّقَةِ بِالرِّسَالَةِ

الْقُطْبِیَّةِ (۴) الْقَوْلُ الْمُحِیْطُ فِی مَایَتَعَلَّقُ بِالْجَعْلِ الْمُؤَلَّفِ وَالْبَسِیْطِ (۵) حَلُّ

الْمُعَاقِدِ فِی شَرْحِ الْمُعَاقِدِ الْعُضْدِیَّةِ الْجَلَالِی (۶) التَّعْلِیْقُ الْفَاضِلُ فِی مَسْئَلَةِ الطُّهْرِ

الْمُتَخَلَّلِ (۷) مُعِیْنُ الْغَیَائِصِ فِی رَدِّ الْمَغَالِطِیْنِ (۸) الْإِیْضَاحُ لِمَبْحَثِ

الْمُخْتَلَطَاتِ الْوَاقِعِ فِی شَرْحِ الشَّمْسِیَّةِ لِلْعَلَّامَةِ قُطْبِ الدِّیْنِ الرَّازِی (۹) کَشْفُ

الِإِشْتِبَاحِ فِی شَرْحِ السَّلَامِ لِحَمْدِ اللّٰہ (۱۰) الْبَيَانُ الْعَجِیْبُ فِی شَرْحِ ضَابِطَةِ

التَّهْذِیْبِ (۱۱) کَاشِفُ الظُّلْمَةِ فِی بَيَانِ أَقْسَامِ الْحُكْمَةِ (۱۲) الْإِعْرَافُ - هُوَ مَتْنُ

مَتِیْنُ فِی الْمَنْطِقِ (۱۳) نَظْمُ الدَّرَرِ فِی سِلْکِ شِقِّ الْقَمَرِ (۱۴) التَّحْلِیْلَةُ شَرْحُ

التَّسْوِیَةِ - هُوَ رِسَالَةٌ فِی التَّصَوُّفِ لِمَوْلَانَا مُحِبُّ اللّٰہِ إِلَہِ آبَادِی (۱۵) نُورُ الْإِیْمَانِ

فِی آثَارِ حَبِیْبِ الرَّحْمَنِ (۱۶) بَرَکَاتُ الْحَرَمِیْنِ (۱۷) إِنْقَاذُ الْمَصَابِیْحِ فِی صَلَوةِ

النَّارِوِیْحِ (۱۸) الْإِمْلَاءُ فِی تَحْقِیْقِ الدُّعَاءِ (۱۹) غَايَةُ الْكَلَامِ فِی بَيَانِ الْحَلَالِ

وَالْحَرَامِ (۲۰) خَيْرُ الْكَلَامِ فِی مَسَائِلِ الصِّيَامِ (۲۱) الْقَوْلُ الْحَسَنُ فِی مَا يَتَعَلَّقُ

بِالنَّوَافِلِ وَالسُّنَنِ (۲۲) عُمْدَةُ التَّحْرِیرِ فِی مَسَائِلِ اللَّوْنِ وَاللِّبَاسِ وَالتَّحْرِیرِ

(۲۳) قَدَمُ الْأَقْمَارِ حَاشِیَةُ نُورِ الْأَنْوَارِ (۲۴) شَرْحُ الْمُوجِزِ الْنَفِیْسِ

فِی عِلْمِ الطَّبِّ - الْمُسَمَّى بِحَلِّ النِّفَیْسِ -

کچھ حصہ، باقی رہ گیا تھا جس کی تکمیل، مولانا عبدالحی، فرنگی محلی نے کی۔

یہ تصانیف، علما کے درمیان، متداول و رائج ہیں اور خواص و عوام کے درمیان، مقبول ہیں۔

مولانا عبدالحلیم، فرنگی محلی کی کچھ دیگر تصانیف بھی ہیں۔

جنہیں، اپنے انتقال سے پہلے، آپ نے شروع کیا تھا، مگر موت نے ان کی تکمیل کی مہلت نہ دی۔

اکثر درسی کتب پر بھی آپ کی تعلیقات ہیں۔

اسی طرح، عربی و فارسی میں کچھ تقریرات و مناظرات بھی ہیں۔

یہ، اُن تفصیلات کا خلاصہ ہے، جسے، مولانا عبدالحی، فرنگی محلی متوفی ۱۳۰۴ھ نے اپنی کتاب

”خُسْرَةُ الْعَالَمِ بِوَفَاةِ مَرْجِعِ الْعَالَمِ“ میں تحریر فرمایا ہے۔

اس کے بعد، مولانا عبدالحی، آسی، مدراسی (وصال ۱۳۲۷ھ) نے

مولانا عبدالحلیم، فرنگی محلی (وصال ۱۲۸۵ھ) کے بارے میں اپنی تعزیتی نظم (بزبان عربی)

کے سات (۷) اشعار، درج کیے ہیں۔

(ص ۲۰۱۹۔ درخاتمہ قَمَرُ الْأَقْمَارِ حَاشِيَةُ نُورِ الْأَنْوَارِ۔ مجلسِ برکات، الجامعة الاشرفیہ

مبارک پور ضلع اعظم گڑھ۔ ۱۳۲۲ھ/۱۴۰۱ء)

مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی (متوفی ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء) آپ کے تعارف و تذکرہ میں

رقم طراز ہیں:

”بعد حفظ قرآن، کتبِ درسیہ اپنے والد ماجد سے اور مفتی ظہور اللہ بن ملّا ولی اور مفتی محمد

یوسف بن مفتی محمد اصغر اور مفتی محمد اصغر اور مولوی نعمت اللہ بن مولوی نور اللہ سے پڑھیں۔

اور سولہ (۱۶) برس کے سن میں ختم کتب کیا۔

مرزا حسن علی، محدث اور مولانا حسین احمد، محدث سے حدیث، حاصل کی۔

عمر بھر، تدریس و تالیف کا سلسلہ، جاری رہا۔

پہلے، وطن میں رہے۔ پھر، ”باندہ“ میں نواب ذوالفقار اللہ ولہ کے مدرسہ میں مدرس ہو گئے

وہاں، نو (۹) سال قیام کے بعد، جون پور میں حاجی امام بخش کے مدرسہ میں چلے گئے۔

اور تقریباً دس (۱۰) سال، وہاں، مدرّسی میں مصروف رہے۔

اس کے بعد، حیدر آباد، دکن میں، مدرسہ سرکاری میں مدرس، مقرر ہوئے۔

۱۲۷۹ھ میں اہل و عیال کے ساتھ، حج و زیارت سے مشرف ہوئے۔

اور وہاں، شیوخِ حدیث سے اجازتِ حدیث، حاصل فرمائی۔
وہاں سے واپسی کے بعد، حیدر آباد، دکن میں عدالتِ عالیہ کے عہدہ پر تقرر ہوا۔ اور رؤسائے
حیدر آباد میں نہایت اعزاز و احترام سے بسر فرمائی۔ خواص و عوام آپ کے گرویدہ تھے۔
جمادی الآخرہ ۱۲۸۳ھ میں وطن، تشریف لائے۔

اور صاحبزادے (مولانا عبدالحی، فرنگی محلی) کے عقد سے فراغت، حاصل کی۔
اعترافِ وطن، مُصر ہوئے کہ اب، وطن میں قیام فرمائیے۔

اور مولوی حیدر بخش بن مولوی حاجی امام بخش، جون پوری کا اصرار تھا کہ:
آپ، جون پور تشریف لے چلیں۔

مگر، قضا و قدر نے کسی کی عرض معروض، قبول میں آنے، نہ دی۔

سال بھر کے بعد، حیدر آباد، دکن واپس ہوئے اور چند دنوں کے بعد، علالت، شروع ہوئی۔
.....! اپنے صاحبزادے کو، وصایا فرمائے اور اجازتِ حدیث، عطا فرمائی۔

اور بیعت لے کر داخلِ سلسلہ قادریہ رزاقیہ کیا۔ آخر ۲۹ شعبان ۱۲۸۵ھ یومِ دو شنبہ
کو، بوقتِ صبح، انتقال کیا۔ تاریخِ وفات ”عالم باعمل نمود قضا“ ہے۔

حیدر آباد، دکن ہی میں، شاہ یوسف کے مزار کے بائیں، دُفن، واقع ہوا۔

بیعت و اجازت آپ کو حضرت مولانا عبد الوالی، فرنگی محلی رَحْمَةُ اللہِ عَلَیْہ سے تھی۔
تلامذہ، اس کثرت سے تھے کہ سب کا شمار، دشوار ہے۔

جن میں سے اکثر خود، صاحبِ تالیف و تصنیف ہوئے۔

آپ کی تالیفات، کثرت سے ہیں جو نہایت مفید و نافع ہیں۔

جن کی تفصیل، حسبِ ذیل ہے۔ (منقول از عُمْدَةُ الرَّعَايَةِ)

(۱) رسالۃ فی الإشارة بِالسَّبَابَةِ فی التَّشْہُد (۲) حاشیۃ شرح الْعُقَاوِدِ

الْجَلَالِی۔ مَوْسُوم بہ حُلِّ الْمَعَاوِدِ (۳) نَظْمُ الدَّرَرِ فی سِلْکِ شَقِّ الْقَمَرِ (۴) اِمْعَانُ

النَّظَرِ لِبَصَارَةِ شَقِّ الْقَمَرِ (۵) التَّحْلِیۃ شرح التَّسْوِیۃ (۶) نُورُ الْاِیْمَانِ فی آثَارِ حَبِیبِ

الرَّحْمَنِ (۷) الْاِمْلَاءُ فی تَحْقِیقِ الدُّعَاءِ (۸) اِیْقَادُ الْمَصَابِیحِ فی التَّرَاوِیْحِ (۹) غَايَةُ

الْکَلَامِ فی بَيَانِ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ (۱۰) خَيْرُ الْکَلَامِ فی مَسَائِلِ الصِّيَامِ

(۱۱) الْقَوْلُ الْحَسَنُ فی مَا يَتَعَلَّقُ بِالنَّوَافِلِ وَالسُّنَنِ (۱۲) عُمْدَةُ التَّحْرِیرِ فی

مَسَائِلُ اللَّوْنِ وَاللِّبَاسِ وَالْجَرِيرِ (۱۳) السَّعَايَةِ شَرْحُ الْهَدَايَةِ (۱۴) قَمَرُ الْأَقْمَارِ
حَاشِيَةُ نُورِ الْأَنْوَارِ (۱۵) رسالہ فی احوالِ رَحْلَةِ الْحَرَمَيْنِ (۱۶) التَّغْلِيْقُ الْفَاضِلُ
فِي مَسْئَلَةِ الطُّهْرِ الْمُتَحَلَّلِ (۱۷) رِسَالَةٌ فِي تَرَاجِمِ عُلَمَاءِ الْهِنْدِ
(۱۸) رِسَالَةٌ فِي جَمْعِ الْفَتَاوَى۔ اِلٰی آخِرِہ۔

(ص ۱۲۹، ۱۳۰۔ ”تذکرہ علمائے فرنگی محل“۔ مؤلفہ مولانا محمد عنایت اللہ فرنگی محلی)

اس کے بعد، مزید کتابوں کے آسامیہں۔ جن کی مجموعی تعداد، چونتیس (۳۴) ہے۔
مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی، بحوالہ ”حَسْرَةُ الْعَالَمِ بِوَفَاةِ الْعَالِمِ“ رقم طراز ہیں کہ:
”۱۲۶۰ھ میں نواب ذوالفقار الدولہ کی دعوت وطلب پر ”باندہ“ تشریف لے گئے۔
ریاست کے مدرسہ میں مدرس، مقرر کیے گئے۔ اس کے بعد، نو (۹) برس، مدرسہ حنفیہ جون پور میں
صدر مدرس رہے۔ یہاں، حاشیہ قمر الاقمار، مولانا حکیم وکیل احمد، سکندر پوری کی استدعا پر، قلمبند کیا۔
۱۲۷۶ھ میں حضرت مولانا شاہ عبدالوالی، فرنگی محلی سے سلسلہ قادریہ رزاقیہ میں مُرید ہوئے۔
۱۲۷۷ھ میں حیدر آباد، دکن کا سفر کیا۔

سید ثراب علی خاں، مدار المہام نے مدرسہ نظامیہ کا، مدرس بنادیا۔
۱۲۷۹ھ میں حج و زیارت کے لئے گئے۔ مکہ معظمہ میں مولانا جمال احمد حنفی
اور شیخ احمد زینی دحلان سے علم حدیث اور دیگر علوم کی سند، حاصل کی۔
۱۲۸۰ھ میں مدینہ طیبہ میں حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی زیارت سے مشرف
ہوئے۔ مولانا شاہ عبدالغنی بن شاہ احمد سعید، مجتہد دی بن حضرت شاہ ابوسعید، دہلوی، مجتہد دی سے
حدیث و تفسیر اور مولانا شاہ عبدالرشید بن مولانا شاہ احمد سعید بن حضرت شاہ ابوسعید، دہلوی
مجتہد دی سے قصیدہ بُردہ اور حزب البحر کی اجازت و سند، حاصل کی۔

۱۲۸۵ھ میں، حیدر آباد، دکن، واپس ہوئے اور عدالت نظامیہ سے وابستہ ہو گئے۔
(ص ۱۱۴۔ ”تذکرہ علمائے اہل سنت“۔ مؤلفہ مولانا محمود احمد قادری رفاقتی۔ مطبوعہ کان پور۔ یو پی۔

مفتی محمد یوسف، فرنگی محلی

مفتی محمد یوسف، فرنگی محلی (ولادت ۱۲۲۳ھ/۱۸۰۸ء۔ وصال ۱۲۸۶ھ/۱۸۷۰ء)
بن مفتی ابوالرحم بن مفتی محمد اصغر بن مفتی محمد یعقوب بن مُلّا، عبدالعزیز بن مُلّا، محمد سعید
بن مُلّا، قطب الدین شہید، سہالوی۔

مفتی محمد یوسف، فرنگی محلی کے احوال، ذکر کرتے ہوئے
مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی (متوفی ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء) لکھتے ہیں:
”اکثر کتبِ درسیہ، آپ نے اپنے والد ماجد سے پڑھیں۔
رسالہ قوجیہ، مولانا نور اللہ بن مُلّا، محمد ولی سے پڑھا
اور کچھ کتابیں، مولانا مفتی ظہور اللہ فرنگی محلی سے پڑھ کر، فارغ التحصیل ہوئے۔
سیرت و صورت، دونوں میں یوسف ثانی تھے۔ نہایت خوبصورت، کسرتی بدن تھا۔
ورزش، آخر عمر تک، ترک نہیں فرمائی۔

ایک مدت تک، وطن میں تدریس و تالیف میں مصروف رہے۔
آپ کے والد ماجد کے انتقال کے بعد، عہدہ افتاء، آپ کے سپرد ہوا تھا۔
جس کو، غدر ۱۲۷۳ھ (۱۸۵۷ء) تک، انجام دیتے رہے۔
اس میں آپ کے مال و اسباب کے ساتھ، کتب خانہ بھی بہت کچھ، ضائع ہو گیا۔
۱۲۷۷ھ میں، جب، آپ کے شاگرد، مولانا عبدالحلیم بن مولانا امین اللہ
جون پور سے حیدرآباد، ذکر کن گئے، تو، آپ کو، اپنی جگہ پر، جون پور میں، مقرر کر گئے۔
۱۲۸۳ھ میں، جب، مولانا عبدالحلیم صاحب اپنے صاحبزادہ، مولانا عبدالحی کا نکاح کرنے
آئے تھے، جو، آپ کی پوتی سے ہونے والا تھا، تو آپ بھی اپنی پوتی کے عقد میں شرکت کے لئے
تشریف لائے تھے۔ اس اثنا میں آپ، سخت علیل ہو گئے۔
یہاں تک کہ سب کو، آپ کی زندگی سے مایوسی ہو گئی۔
اسی اثنا میں، آپ نے خواب دیکھا کہ کوئی شخص کہتا ہے کہ:
”آپ کی موت، سفر میں ہوگی۔“ چنانچہ، ایسا ہی ہوا۔

عقد سے فراغت کے بعد، جب، مولانا عبدالحلیم صاحب ۱۲۸۲ھ میں حیدرآباد، دکن واپس جانے لگے، تو، باصرار آپ کو حیدرآباد چلنے پر، راضی کیا۔

مگر، مولوی حیدر حسین صاحب وکیل بن حاجی امام بخش، جون پوری (والدِ نواب عبدالجید و جدِ نواب محمد یوسف، وزیرِ امورِ عامہ) نے کسی طرح آپ کو اپنے مدرسہ سے جانے، نہ دیا۔

مجبوراً، آپ نے جون پور میں تھوڑے دنوں، قیام فرمایا۔

اور شعبان ۱۲۸۵ھ میں وطن آکر، بمبئی بارادہ حج، روانہ ہوئے۔ اور مکہ معظمہ پہنچ کر، کچھ قیام فرمایا۔

آخرِ شوال میں، بارادہ زیارتِ روضہ مطہرہ، مدینہ منورہ علیٰ صَاحِبِهَا اَلْف تَعِیۃ وَ صَلَوةٌ وَ تَسْلِیْم، روانہ ہوئے۔ راستہ میں بخار و اسہال میں مبتلا ہوئے۔

مدینہ منورہ پہنچ کر ۱۹ رذوالقعدہ ۱۲۸۶ھ کو انتقال فرمایا اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

فُطُوْبٰی لَہٗ مِنْ حُسْنِ خَاتِمَۃٍ وَ فَضْلِ مَضْجِعٍ وَ مَذْفٰنٍ۔

آپ، نہایت عابد و زاہد شب زندہ دار تھے۔

جون پور میں حافظ قدرت اللہ سے میں نے سنا کہ:

”آپ کا معمول تھا کہ نصف شب کے بعد بیدار ہوتے اور عبادت اور ذکرِ کربِ الجہر

فرماتے۔ صبح ہونے پر نماز فجر کے بعد تلاوتِ قرآن مجید فرماتے۔ اس کے بعد، ورزش فرماتے۔

ورزش کے بعد، غذا نوش فرماتے۔ اور شب و روز میں صرف، اُسی وقت، غذا نوش فرماتے۔

اس کے بعد سے درس، شروع ہوتا۔

گیارہ (۱۱) بجے تک، درس ہوتا۔ اس کے بعد تھوڑی دیر، تالیف و تصنیف میں صرف فرما کر

آرام فرماتے۔ اُٹھ کر، نمازِ ظہر سے فراغت کے بعد پھر، تدریس فرماتے۔

مغرب کے بعد، پھر، تالیف و تصنیف میں مصروف رہتے۔ عشا کی نماز کے بعد، آرام فرماتے۔“

(ص ۲۰۶ و ۲۰۷۔ ”تذکرہ سلماتے فرنگی محل“۔ مؤلفہ محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی، مطبوعہ فرنگی محل، لکھنؤ)

تذکرہ نگار نے اس کے بعد، ایک واقعہ لکھا ہے کہ:

ایک انگریز افسر نے آپ کے معاشی حالات کی ابتری دیکھ کر

سرکاری ملازمت کی پیش کش کی۔ آپ نے انکار کیا کہ:

اس میں غیر شرعی کام کرنے پڑتے ہیں جس کی وجہ سے، میں، معذور ہوں۔

اس نے یقین دلایا کہ آپ کے کام میں ایسا کچھ نہیں ہوگا اور آپ کو دفتر جانے کی بھی

ضرورت نہیں، نہ آپ کو کچھ کام کرنا ہے۔

آپ اپنے گھر ہی رہیں اور جب، سرکاری اہل کار، کسی حساب وغیرہ پر دستخط کرانے آئیں، تو، اس پر دستخط کر دیا کریں۔

بدقت تمام آپ، بشرط طور پر تیار ہوئے، مگر، جب، ایک سرکاری اہل کار آیا اور اس نے دستخط کرانا چاہا، تو، آپ نے پوچھا کہ اس میں کیا ہے؟ تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ:

یہ ایک سودی معاملہ ہے۔ جس کے فائل پر، آپ کو دستخط کرنے ہیں۔

اس کے بعد جو کچھ ہوا، وہ، تذکرہ نگار کی زبان میں، اس طرح ہے:

”دیکھتے ہی غصہ سے چہرہ مبارک، سُرخ ہو گیا اور رجسٹر اٹھا کر، دور پھینک دیا۔ اور نشی سے کہا کہ: ابھی، یہاں سے نکل جاؤ۔“

(معاملہ، رفع دفع کرنے کے لئے وہ انگریز افسر، اس نشی کو لے کر حاضر خدمت ہوا، تو)

آپ نے صورت دیکھتے ہی، اس کو بھی ڈانٹنا، شروع کیا اور فرمایا کہ:

”کافر سے اس کے سوا، اور کیا امید کی جاسکتی تھی؟

میری ہی غلطی تھی، جو، کافر کے کہنے میں آگیا۔ اور زار و قطار، رونا شروع کیا۔“ الی آخر۔

(ص ۲۰۸ و ۲۰۹۔ ”تذکرہ علماء فرنگی محل“۔ مؤلفہ محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی)

”مفتی محمد یوسف صاحب کو بیعت، حضرت مولانا انوار الحق صاحب قدس سرہ سے تھی۔

اور تعلیم اذکار و اشغال، حضرت مولانا عبد الوالی، فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ سے پائی تھی۔

آپ کی تصانیف، حسب ذیل ہیں:

حاشیہ شرح سلم ملّا، حسن۔ حاشیہ شرح سلم، قاضی مبارک۔ حاشیہ شمس بازغہ۔

تکملہ خواش ملّا، حسن بر شمس بازغہ۔ حاشیہ بطبعیات شفا۔ حاشیہ شرح وقایہ۔

ان کے علاوہ، بخاری شریف اور بیضاوی شریف پر متفرق تعلیقات ہیں۔

آپ کے حالات، مولانا عبدالحی، رحمۃ اللہ علیہ نے

مقدمہ سعایہ اور مقدمہ عمڈۃ الرعیۃ میں بھی، ذکر کیے ہیں۔“

(ص ۲۰۹۔ ”تذکرہ علماء فرنگی محل“۔ مؤلفہ مولانا عنایت اللہ، فرنگی محلی۔ مطبوعہ اشاعت العلوم

مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی، مظفر پوری آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:
 ”حضرت مولانا مفتی محمد اصغر، فرنگی محلی قَدِ سَیِّدُہُ الْکَوْنِی ۹ رجب ۱۲۵۵ھ کے فرزند
 علمائے فرنگی محل سے تعلیم پائی۔

علوم و فنون میں امامت کا منصب رکھتے تھے۔
 اکثر علمائے فرنگی محل کا سلسلہ تلمذ، آپ سے وابستہ ہے۔
 اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد، عدالت دیوانی، لکھنؤ کے مفتی، مقرر ہوئے۔
 بعدہ، مدرسہ الحاج امام بخش مرحوم، جون پور میں مدرس، اختیار کی۔
 حضرت مولانا عبد العظیم آسی (غازی پوری) رَحْمَةُ اللہِ عَلَیْہِ جیسے بزرگ نے
 آپ سے تلمذ، اختیار کیا۔

خرمین شریفین کی زیارت کے شوق میں، حیدر آباد، دکن ہوتے ہوئے
 شعبان ۱۲۸۶ھ میں مدینہ طیبہ، حاضر ہوئے۔
 تصانیف: شرح سنن، حاشیہ شمس بازغہ، تعلیقات علی البیضاوی، حاشیہ شرح وقایہ
 تعلیق علی البخاری۔“ (ص ۲۶۴) ”تذکرہ علمائے اہل سنت“۔ مؤلفہ مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی

مولانا محمد عبدالحی، فرنگی محلی

ابوالحسنات، مولانا محمد عبدالحی، فرنگی محلی (ولادت ۲۶ رذوالقعدہ ۱۲۶۲ھ۔ وصال ربیع الاول ۱۳۰۴ھ/دسمبر ۱۸۸۶ء) بن مولانا عبدالحلیم بن امین اللہ بن محمد اکبر بن احمد ابوالرحم بن محمد یعقوب بن عبد العزیز بن محمد سعید بن ملّا، قطب الدین شہید، سہالوی۔

مولانا محمد عبدالحی، فرنگی محلی، بلند پایہ عالم و محقق اور فقیہ و مصنف تھے۔

آپ، زمانہ کے اعتبار سے دورِ آخر میں پیدا ہوئے، مگر، اپنے علم و فضل کے لحاظ سے آپ کے اندر، علمائے فرنگی محل کے دورِ ثانی کی شان پائی جاتی تھی۔

آپ کے ابتدائی حالات اور تعلیمی پیش رفت کے تعلق سے مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی (متوفی ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء) لکھتے ہیں کہ:

”حفظ قرآن کے بعد، فارسی و ابتدائی حساب کی تحصیل، مولوی خادم حسین سے کی، اور مجملہ کتبِ درسیہ، اپنے والد ماجد کے بڑا، کسی سے نہیں پڑھا۔ صرف علومِ ریاضیہ کی کتب، اپنے والد کے کاموں، مولانا نعمت اللہ بن مولانا نور اللہ، فرنگی محلی سے، والد کے انتقال کے بعد، پڑھے۔ جس کے متعلق آپ کے استاد کا خیال، یہ تھا کہ:

محض حصولِ تجربہ کے لئے پڑھ رہے ہیں، ورنہ، ضرورت کا سوال نہیں ہے۔“

والد ماجد، مولانا عبدالحلیم، فرنگی محلی کے انتقال کے بعد، حیدرآباد، دکن میں قیام رہا۔

بعد انتقالِ والد ماجد، اراکینِ سلطنت نے والد کا قائم مقام کرنا چاہا۔

آپ کے حیدرآبادی اعزّہ کا قبول پر، اصرار رہا۔

مگر، اس عالی حوصلہ ذات نے خدمتِ علم میں، خرچ کے خیال سے عُسرت سے بسر کرنا گوارا کیا، مگر، عہدہ کے قبول سے انکار کر دیا۔ اور وطن، واپس آکر، خدمتِ علم، شروع کی۔ دنیا جانتی ہے کہ کیا اور کس قدر اور کتنی اہم خدماتِ علمی، مولانا نے کیں۔

خود، مولانا نے جو، اپنا تذکرہ، مختلف کتب میں لکھا ہے، اُسی کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ:

کس قدر علمی روایات کی، یہ ذاتِ گرامی، حامل تھی۔

آپ کے بعد آپ کے تلمیذ، استاذی و استاذِ استاذی، مولانا عبدالباقی، فرنگی محلی نے

”خُسْرَةُ الْفُحُولِ بِوَفَاةِ نَائِبِ الرَّسُولِ“ کے نام سے آپ کا تذکرہ لکھا ہے۔

اور مولوی عبد الحمید بن مولوی عبد الحلیم، فرنگی محلی نے بھی آپ کا تذکرہ ”سراپاغم“ کے نام سے تحریر کیا ہے۔ جس کو مفصل حالات، اس بدر و شمس کمال کے دیکھنا ہو، ان کتابوں کو دیکھیے۔

وطن کی واپسی پر، بدستور، خدمتِ علمی میں نحو ہو گئے۔ کثرتِ محنت نے صحت، خراب کر دی۔
..... آخِرُ الْأُمُورِ ۲۹ ربیع الاول ۱۳۰۴ھ کو، ابتداے روز سے طبیعت، کچھ خراب تھی۔

مگر، میرے والد کے یہاں، تقریب ذکرِ ولادت شریف میں ہشاش و بشاش، شریک رہے۔
اور کشادہ پیشانی سے مہمان داری میں مصروف رہے۔

شب کو، اِعْزَہ سے حسبِ معمول، باتیں کرتے رہے۔

اس کے بعد آرام فرمانے، تشریف لے گئے۔

..... جس وقت، ڈاکٹروں اور حکیموں نے دیکھ کر، بتایا کہ ع- آفتاب آمد اندر زوال۔

اور جس وقت، یہ خبر، گھروں تک پہنچی، یہ معلوم ہوتا تھا کہ:

فرنگی محل کا ہر گھر، ماتم کدہ، بن گیا ہے۔

حضرت استاذ (مولانا عبد الباری، فرنگی محلی) رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ فرماتے تھے کہ:

جَدِّ امجد، حضرت مولانا عبد الرزاق، فرنگی محلی رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ کو

میں نے کبھی روتے ہوئے نہیں دیکھا، سوا اُس دن کے

جس کی شب کو، حضرت اخي معظم، مولانا عبد الحی، رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ کا انتقال ہوا۔

شہر (لکھنؤ) میں، جس وقت، خبر ہوئی، ہر مسلمان، اُفتاں و خیراں، تباہ حال، فرنگی محل پہنچا۔

اور اس خبر کی تصدیق سے خود، سکتے کے عالم میں ہو گیا۔

دو پہر کے قریب، جنازہ، تیار ہوا۔ اور بعدِ زوال، حضرت مولانا عبد الرزاق، فرنگی محلی

رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ نے اَوَّلًا، نمازِ جنازہ پڑھائی۔

دوسری نماز، مزارِ حضرت مخدوم شاہ مینا، رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ کے احاطے میں

مولانا عبد الوہاب بن حضرت مولانا عبد الرزاق، فرنگی محلی رَحْمَتُهُمَا اللَّهُ نے پڑھائی۔

اور تیسری نماز، باغ میں، مولوی عبد الحمید بن مولوی عبد الحلیم، فرنگی محلی نے ادا کی۔

کفن میں حضرت مولانا عبد الرزاق فرنگی محلی رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ نے

عمامہ، اپنے دستِ مبارک سے باندھا۔

مزار، احاطہ باغ مولانا انوار میں، مغربی دیوار سے متصل، خام ہے۔
اس کے گرد، حضرت استاذ (مولانا عبدالباری، فرنگی محلی) رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ نے
سنگ مرمر کی خوبصورت جالی لگوائی ہے۔

کثرتِ تلامذہ کی وجہ سے، اُن کا شمار، دشوار ہے۔

مولانا انوار اللہ (فاروقی، حیدر آبادی) استاذ اعلیٰ حضرت، حضور نظام خَلَدَ اللهُ مُلْكُهُ
وَسُلْطَتَهُ کو بھی، مولانا (عبدالحی، فرنگی محلی) رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ سے
اَوَّل سے لے کر ختم کتب تک، تلمذ رہا ہے۔“

(ص ۱۳۱ تا ۱۳۳۔ ”تذکرہ علماء فرنگی محل“۔ مؤلفہ مولانا عنایت اللہ، فرنگی محلی۔ مطبوعہ اشاعت العلوم

فرنگی محل۔ لکھنؤ۔ ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء)

اس کے بعد، مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی نے مولانا عبدالحی فرنگی محلی کی ایک سونو (۱۰۹)

کتب و رسائل کی ایک فہرست، دے کر لکھا ہے کہ:

”ان تالیفات کے بارے میں، صرف اس قدر لکھنا چاہتا ہوں کہ:

اگر، مولانا کی کوئی اور تصنیف نہ ہوتی اور صرف چار کتابیں، آپ کی مؤلفہ، ہمارے ہاتھ میں

ہوتیں، تب بھی، مولانا کی عظمتِ شان اور مرتبہ علمی جاننے کے لئے، کافی تھیں۔

یہ چار کتابیں، فنونِ مختلفہ کی ہیں۔“ (ص ۱۳۵۔ ”تذکرہ علماء فرنگی محل“)

پھر، ان چار کتابوں کے نام، درج کیے ہیں:

(۱) مِصْبَاحُ الدُّجَى۔ یعنی، حاشیہ غلام یحییٰ، بر میرزا ہد رسالہ کا مبسوط حاشیہ (۲) سعایہ۔

یعنی، شرح وقایہ کا حامل اہمّتن حاشیہ (۳) مُنَوِّظًا اِمَامِ مُحَمَّد کا مبسوط حاشیہ، التَّعْلِيقُ

الْمُمَجَّد (۴) ظَفَرُ الْاَمَانِی، در علم اصول حدیث۔ (ص ۱۳۵۔ ”تذکرہ علماء فرنگی محل“)

بعض اہل علم نے تحقیق کر کے، مولانا عبدالحی فرنگی محلی کی کتابوں کی تعداد، ایک سوئیس (۱۲۰)

لکھی ہے۔ جن میں، سب سے زیادہ کتابیں، علم فقہ میں ہیں۔ اور ان کی تعداد، پچاس (۵۰) ہے۔

ان کتابوں کا اسلوب تحقیق و تصنیف، بڑا ہی جامع و موثر اور معیاری ہے۔

آپ کا طریقہ و اسلوب، قدامت کے التزام کے ساتھ، جدّت کے اہتمام کا بہترین نمونہ ہے۔

مقامِ حیرت ہے کہ آپ نے صرف، بارہ (۱۲) سال کی عمر میں

علم صرف کی، یہ دو کتابیں لکھ ڈالیں:

(۱) امتحان الطلبة فی الصیغ المُشکلة (۲) التبیان فی شرح المیزان۔

صرف، اُنٹالیس (۳۹) سال، چار (۴) ماہ کی مختصر حیات، آپ نے پائی۔

اور اس مختصر مدت میں آپ نے، ایک سو بیس (۱۲۰) کتابیں لکھ کر، بڑے بڑے علما کی خدمت میں، گراں قدر نمونہ تحقیق و تصنیف و فکر و عمل، پیش کر کے ان کی بزم میں سُرخ روئی اور سرفرازی، حاصل کی۔

ابوالحسنات، مولانا محمد عبدالحی، فرنگی محلی، اہل سنت کے جلیل القدر عالم و فقیہ تھے۔ یہاں، آپ کے چند فتاویٰ، بطور نمونہ پیش کیے جا رہے ہیں، جن سے آپ کے اسلوب و طرزِ آحتاف اور آپ کے مسلک و موقف کی واضح نشان دہی ہو جاتی ہے۔

سوال: باری تعالیٰ اپنے شریک کے پیدا کرنے پر قادر ہے، یا نہیں؟

جواب: نہیں ہے۔ کیوں کہ تمام متکلمین، اس کی تصریح کرتے ہیں کہ:

کسی چیز کے، قدرت میں داخل ہونے کی علت، اس کا ممکن ہونا ہے۔

پس! شریک الباری کہ محال ہے، تحت قدرت، نہ ہوگا۔

اور اس بات پر، اجماع ہے کہ:

شریک باری، محال ہے اور قدرتِ الہی، ممتنع پر نہیں ہے۔

امام فخر الدین، رازی اور سعد الدین، تفتازانی لکھتے ہیں:

لَا شَيْءَ مِنَ الْوَاجِبِ وَالْمُمْتَنِعِ بِمَقْدُورَةِ تَعَالَى

لِزَوَالِ امْكَانِ التَّوَكُّلِ فِي الْأَوَّلِ وَالْفِعْلِ فِي الثَّانِي -

یعنی: واجب اور ممتنع میں سے کوئی بھی مقدوراتِ باری تعالیٰ میں سے نہیں ہے۔

کیوں کہ، واجب کا تَوَكُّل ممکن نہیں۔ اور ممتنع کا کرنا۔ (ممکن نہیں)

اور مقدور کا، کرنا، نہ کرنا۔ دونوں، ممکن ہوتے ہیں۔

اور مثلاً علی قاری ”شرح فقہ اکبر“ میں لکھتے ہیں:

قَدْ قِيلَ: كُلُّ عَامٍ يُخَصُّ كَمَا خَصَّ قَوْلُهُ تَعَالَى:

وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔

بِمَا شَاءَ - لِيَخْرُجَ ذَاتُهُ وَصِفَاتُهُ۔

وَمَا لَمْ يَشَأْ مِنْ مَخْلُوقَاتِهِ مِمَّا يَكُونُ مِنَ الْمَحَالِّ وَقَوْعُهُ فِي كَائِنَاتِهِ۔

وَالْحَاصِلُ، أَنَّ كُلَّ شَيْءٍ تَعَلَّقْتُ بِهِ مَشِيئَتُهُ تَعَلَّقْتُ بِهِ قُدْرَتُهُ۔

وَالْأَمْرُ، فَلَا يُقَالُ: هُوَ قَادِرٌ عَلَى الْمُحَالِّ۔ لِعَدَمِ وَقُوعِهِ وَلِزُومِ كُذِّبِهِ۔

یعنی: کہا گیا ہے کہ، ہر عام میں، تخصیص کر دی جائے گی۔

جیسا کہ آیت پاک: وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ میں، مَاشَاءُ ہ کی قید لگائی گئی ہے۔

تاکہ، ذاتِ وصفاتِ باری تعالیٰ اور وہ اشیاء جن کے خلق کو وہ، نہ چاہے

اور جن کا، کائنات میں ہونا محال ہو، خارج ہو جائیں۔

حاصل، یہ ہے کہ: جس سے مشیتِ باری تعالیٰ کا تعلق ہوگا، اُس سے اس کی قدرت کا بھی

تعلق ہوگا۔ اور جس سے اس کی مشیت کا تعلق، نہ ہوگا، اُس سے اُس کی قدرت بھی متعلق نہ ہوگی۔

پس، یہ نہ کہا جائے گا کہ:

باری تعالیٰ محال پر، قادر ہے۔

کیوں کہ وہ، واقع نہیں ہو سکتا ہے۔ اور اُس کا کذب، لازمی ہے۔

..... اگر، خیال پیدا ہو کہ، واجب تعالیٰ کا شریک باری کے پیدا کرنے پر قادر، نہ ہونا

اُس کا عجز ہے اور عجز، مستلزم نقصان ہے۔ تو، اس کا جواب، یہ ہے کہ:

جو امر، اس لائق نہ ہو کہ قدرت کا تعلق، اُس کے ساتھ ہو

تو، اُس کے ساتھ قدرت کا تعلق نہ ہونا، نقصان نہیں ہے۔ بلکہ، عینِ کمال ہے۔

علمِ کلام اور فقہ کی کتابوں میں، اس کی تصریح، موجود ہے۔“

..... الْحَاصِلُ: عبارات منقولہ، اس بات پر صراحت، دلالت کرتی ہیں کہ:

واجب تعالیٰ کو، خلقِ اُمورِ مستحیلہ (جیسے نقیضین کا جمع کرنا اور اونٹ کا سوئی کے ناکے میں

داخل ہونا، اور شریکِ باری تعالیٰ کا وجود، اور اتحادِ ولد وغیرہ) پر قدرت، نہیں ہے۔

اور، ان امور پر قدرت نہ ہونا، نقص کا سبب نہیں، بلکہ عینِ کمال ہے۔

اور اسی پر، علمائے متکلمین کا اتفاق اور علمائے شریعت کا اجماع ہے۔

اور اسی کی عقل اور نقل، شہادت دیتے ہیں۔“

(ص ۱۰۱ تا ۱۰۲) ”مجموعۃ الفتاویٰ، جلد اول“۔ از ابو الحسنات، محمد عبدالحی فرنگی محلی۔

ترجمہ: محمد عبدالحی نقوی اکیڈمی۔ اسلامک سنٹر آف انڈیا۔ فرنگی محل۔ لکھنؤ۔ ۱۳۶۱ھ/۲۰۰۱ء)۔

آئندہ سطور میں ابو الحسنات، مولانا محمد عبدالحی، فرنگی محلی کا ایک اہم فتویٰ نقل کیا جا رہا ہے۔

سوال اور فتویٰ کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے اس کا پس منظر، جان لینا
قارئین کے لئے ضروری اور بے حد مفید ہے۔

”وَرَمَثُور“ میں، حضرت ابن عباس رَضِيَ اللہ عَنْهُمَا کا ایک قول، منقول ہے:
إِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ سَبْعَ أَرْضِينَ - فِي كُلِّ أَرْضٍ آدَمُ كَأَدَمِكُمْ وَنُوحٌ كَنُوحِكُمْ
وَإِبْرَاهِيمُ كَأَبِرَاهِيمِكُمْ وَمُوسَىٰ كَمُوسِكُمْ وَعِيسَىٰ كَعِيسِكُمْ وَنَبِيُّ كَنَبِيِّكُمْ -
یعنی: اللہ تعالیٰ نے سات زمینوں کو پیدا کیا ہے۔

اور ہر زمین میں آدم ہیں، تمہارے آدم کی طرح اور نوح ہیں تمہارے نوح کی طرح
اور ابراہیم ہیں تمہارے ابراہیم کی طرح اور موسیٰ ہیں تمہارے موسیٰ کی طرح اور عیسیٰ ہیں تمہارے
عیسیٰ کی طرح اور نبی ہیں تمہارے نبی کی طرح۔“

اس اثر ابن عباس کی بنیاد پر، کچھ لوگوں نے مسئلہ شش مثل اور امکانِ نظیرِ محمدی کا
فتنہ کھڑا کر کے، علمائے ہند کے درمیان ایک بڑی خٹاس اور نازک بحث چھیڑ دی۔

شعبہ عربی و فارسی بریلی کالج کے صدر اور مطبع صدیقی، بریلی کے مالک، مولانا محمد احسن
نانوتوی (متوفی ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء) نے، قیام بریلی کے دور (۱۸۵۱ء تا ۱۸۷۷ء) میں

مولانا محمد قاسم، نانوتوی (متوفی ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء) سے ایک سوال کیا

جس کے جواب میں انھوں نے ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۴ء میں ایک کتاب، بنام
”تَحْذِيرُ النَّاسِ عَنْ انْكَارِ اثَرِ ابْنِ عَبَّاسٍ“ تحریر کی۔

کتاب ”تَحْذِيرُ النَّاسِ“ جس سوال کے بعد، معرض وجود میں آئی
اُس کا، یہ حصہ پڑھ لینے کے بعد، جواب کی حقیقت، قارئین پر
بخوبی، واضح اور ظاہر ہو جائے گی۔

”وَرَمَثُور“ قول ابن عباس، جو ”وَرَمَثُور“ وغیرہ میں ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ سَبْعَ أَرْضِينَ - فِي كُلِّ أَرْضٍ آدَمُ كَأَدَمِكُمْ وَنُوحٌ كَنُوحِكُمْ
وَإِبْرَاهِيمُ كَأَبِرَاهِيمِكُمْ وَمُوسَىٰ كَمُوسِكُمْ وَعِيسَىٰ كَعِيسِكُمْ وَنَبِيُّ كَنَبِيِّكُمْ -

یہ عبارت، تحریر کی کہ:

میرا عقیدہ ہے کہ، حدیث مذکور، صحیح اور معتبر ہے۔

اور زمین کے طبقات، جدا جدا ہیں۔ اور ہر طبقہ میں مخلوق الہی ہے۔

اور حدیث مذکور سے ہر طبقہ میں انبیاء کا ہونا معلوم ہوتا ہے۔ ”الٰہی آخرہ۔

(ص ۲۔ تَحْذِیْرُ النَّاسِ۔ مؤلفہ: مولانا محمد قاسم نانوتوی۔ کتب خانہ امدادیہ، دیوبند ضلع سہارن پور۔ یو پی)

مولانا محمد قاسم، نانوتوی کی کتاب ”تَحْذِیْرُ النَّاسِ“ میں

اُمّتِ مسلمہ کے اجماعی عقیدہ ختم نبوت کو متزلزل کرنے والی، یہ تین عبارتیں، ہیں:

(۱) بعد حمد و صلوة کے، قبل عرض جواب، یہ گزارش ہے کہ:

اوّل معنی خاتم النبیین معلوم کرنے چاہئیں، تاکہ فہم جواب میں، کچھ دقت نہ ہو۔

سو، عوام کے خیال میں تو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم ہونا، بایں معنی ہے کہ:

”آپ کا زمانہ، انبیاء سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ، سب میں آخر نبی ہیں۔“

مگر، اہل فہم پر، روشن ہے کہ:

تقدّم، یا تاخّر زمانی میں، بالذات کچھ فضیلت نہیں۔

پھر، مقام مدح میں وَلَیْکُنْ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَخَاتَمُ النَّبِیْنَ فرمانا، اس صورت میں

کیوں کر، صحیح ہو سکتا ہے؟

ہاں! اس وصف کو، اوصاف مدح میں نہ کہیے اور اس مقام کو مقام مدح میں نہ قرار دیجئے

تو، البتہ ”خاتمیت“ باعتبار تاخّر زمانی، صحیح ہو سکتی ہے۔

مگر، میں، جانتا ہوں کہ اہل اسلام میں سے کسی کو، یہ بات، گوارا نہ ہوگی۔ ”الخ

(ص ۲۔ تَحْذِیْرُ النَّاسِ از مولانا محمد قاسم، نانوتوی۔ کتب خانہ امدادیہ۔ دیوبند)

(۲) غرض، اختتام، اگر، بایں معنی، تجویز کیا جاوے، جو، میں نے عرض کیا

تو، آپ کا خاتم ہونا، انبیاء گذشتہ ہی کی نسبت، خاص نہ ہوگا۔

بلکہ بالفرض، آپ کے بعد بھی، کہیں اور کوئی نبی ہو

جب بھی، آپ کا خاتم ہونا، بدستور، باقی رہتا ہے۔ ”الخ

(ص ۱۳۔ تَحْذِیْرُ النَّاسِ از مولانا محمد قاسم، نانوتوی۔ کتب خانہ امدادیہ۔ دیوبند)

(۳) ہاں! اگر ”خاتمیت“، بمعنی اِتِّصاف ذاتی بوصف نبوت لیجئے، جیسا کہ

اس بیچ مند اں نے عرض کیا ہے، تو، پھر، سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اور کسی کو

افراد مقصود یا مخلوق میں سے، مماثل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، نہیں کہہ سکتے۔

بلکہ، اس صورت میں، فقط انبیاء کے افراد خارجی ہی پر، آپ کی فضیلت ثابت، نہ ہوگی

انفرادِ مقتدرہ پر بھی آپ کی فضیلت، ثابت ہو جائے گی۔

بلکہ، اگر بالفرض! بعد زمانہ نبوی صلعم بھی، کوئی نبی، پیدا ہو

تو، پھر بھی ”خاتمیتِ محمدی“ میں، کچھ فرق، نہ آئے گا۔

چہ جائے کہ آپ کے معاصر کسی اور زمین، یا۔ فرض کیجیے، اسی زمین میں کوئی اور نبی، تجویز

کیا جائے۔“ الخ۔ (ص ۶۴۔ تَحْذِيرُ النَّاسِ از مَوْلَانَا مُحَمَّد قاسم، نانوتوی۔ کتب خانہ امدادیہ۔ دیوبند)

نبوت و رسالت میں، ذاتی و عرضی کی تقسیم، باطل ہے۔

اس لئے وصفِ نبوت پالذات کو، بنائے خاتمیت قرار دینا بھی، ضَرارِئِہ و بدائِئِہ، باطل ہے۔

رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ بمعنی آخِرُ النَّبِیِّیْنَ ہونے کا خیال

عوام ہی کا نہیں، اہل علم کا بھی ہے۔

صحابہ و تابعین و ائمہ مجتہدین و محدثین و فقہائے اسلام اور ساری اُمت کا ہے۔

ہیں لئے خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ، بمعنی آخِرُ النَّبِیِّیْنَ کا انکار، کتاب و سنت اور اجماع اُمت کا انکار ہے۔

آیت کریمہ میں، خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ بمعنی آخِرُ النَّبِیِّیْنَ، مدح کے لئے ہی ہے۔

اور مقامِ مدح ہی، میں ہے۔

عہدِ رسالت سے آج تک ساری اُمت نے یہی سمجھا اور مانا ہے۔

اور یہی، ساری امت کا عقیدہ ہے۔

مقام و منزلت کے اعتبار سے مرتبہ نبوت میں آپ، اُس وقت بھی نبی تھے

جب، حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَام، آب و گل کے درمیان تھے۔

اور عہدِ زمان کے اعتبار سے مرتبہ ظہور میں

عمرِ مبارک کے چالیس (۴۰) سال، مکمل ہونے پر آپ کی بعثت کا اعلان ہوا۔

مرتبہ نبوت و ظہور، ہر حال میں، آپ خَاتَمُ الْأَنْبِیَاءِ، بمعنی آخِرُ الْأَنْبِیَاءِ ہیں۔

خاتمیتِ محمدی سے متعلق، تَحْذِيرُ النَّاسِ میں

جو نکتہ آفرینی کی گئی ہے، وہ، تیرہ سو سالہ اسلامی تاریخ کا پہلا حادثہ ہے۔

جس کا واضح احساس و ادراک، خود، مولانا محمد قاسم، نانوتوی مؤلفِ تَحْذِيرُ النَّاسِ کو بھی

تھا۔ چنانچہ، وہ، لکھتے ہیں کہ:

”اگر، بیچہ کم التفاتی، بڑوں کا فہم، کسی مضمون تک نہ پہنچا، تو، اُن کی شان میں کیا فرق آ گیا؟

اور اگر کسی طفل نادان نے ٹھکانے کی بات کہہ دی، تو اتنی سی بات سے، وہ عظیم الشان ہو گیا؟

(ص ۲۶۔ تَحْذِيرُ النَّاسِ از مولانا محمد قاسم، نانوتوی۔ کتب خانہ ادبیہ۔ دیوبند)

جماعتِ دیوبند کے معروف عالم، مولانا اشرف علی، تھانوی (متوفی ۱۹۴۳ء) کہتے ہیں کہ:

”جس وقت، مولانا نانوتوی صاحب نے تَحْذِيرُ النَّاسِ لکھی ہے

کسی نے ہندوستان بھر میں، مولانا کے ساتھ، موافقت نہیں کی، بجز مولانا عبدالحی کے۔“

(ص ۵۸۰۔ ملفوظ ۹۲۔ اَلْاَفَاضَاتُ الْيَوْمِيَّة، جلد چہارم۔ مطبوعہ دیوبند)

یہ بات، غلط اور بالکل غلط ہے کہ حضرت مولانا عبدالحی، فرنگی محلی نے

تَحْذِيرُ النَّاسِ کی خلافِ اجماع اُمت، نکتہ آفرینی کی موافقت کی ہے۔

تفصیل آگے، ملاحظہ فرمائیں۔

تَحْذِيرُ النَّاسِ کے ذریعہ، پیدا ہونے والے جدید ”مسلک نانوتوی“ کے خلاف

شیخ محمد، تھانوی نے ”الْقِسْطُ اسْ فِي مُوَازَنَةِ اثْرِ ابْنِ عَبَّاسٍ“ لکھا۔

مزید متعدد رسائل لکھے جانے کے ساتھ، اس کے خلاف، فتاویٰ بھی جاری ہوئے۔

ابوالحسنات، مولانا محمد عبدالحی، فرنگی محلی، ہرگز اس کے قائل نہیں ہیں کہ:

ظاہری حیاتِ نبوی میں، یا بعدِ وصالِ نبوی، کوئی نبی و رسول، صفحہ گیتی پر مبعوث ہو سکتا ہے۔

کیوں کہ ہمارے پیغمبر عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام، خَاتَمُ الْأَنْبِيَاءِ وَالرُّسُلِ ہیں۔

اور آپ کے بعد، کسی نبی و رسول کا، بنی نوع انسان میں مبعوث ہونا، ممکن نہیں ہے۔

یہی، اسلامی عقیدہ ہے اور سلف و خلف کا، اسی پر، اجماع ہے۔

”اثر ابن عباس“ کو، جمہور محدثین، ضعیف، یا، شاذ، یا، موضوع، قرار دیتے ہیں۔

اس لئے اسے حجت و دلیل کے طور پر پیش نہیں کیا جاسکتا ہے۔

چہ جائے کہ اس سے کسی عقیدہ کا اثبات ہو۔

ابوالحسنات، مولانا محمد عبدالحی، فرنگی محلی، اس اثر ابن عباس کے صحیح الاسناد ہونے کے

قائل ہیں۔ مگر، تَحْذِيرُ النَّاسِ کے اخذ کردہ نتیجہ سے، ہرگز، متفق نہیں۔

چنانچہ، اس سلسلے میں آپ تحریر کرتے ہیں کہ:

..... قَالَ السُّبْكِيُّ فِي تَفْسِيرِهِ:

مَا مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا أَخَذَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْمِيثَاقَ أَنَّهُ إِنْ بَعَثَ مُحَمَّدٌ فِي زَمَانِهِ لِيُؤْمِنَ بِهِ

وَلْيَضُرَّتهُ وَيُؤْصِي أُمَّتهُ بِذَلِكَ - وَفِيهِ مِنَ النُّبُوَّةِ وَتَعْظِيمِ قَدْرِهِ مِمَّا لَا يَحْفَى -
 وَفِيهِ مَعَ ذَلِكَ أَنَّهُ عَلَى تَقْدِيرِ مَجِيئِهِ فِي زَمَانِهِمْ يَكُونُ مُرْسَلًا إِلَيْهِمْ
 وَيَكُونُ نَبُوَّتُهُ وَرِسَالَتُهُ عَامَّةً لِجَمِيعِ الْخَلْقِ مِنْ زَمَنِ آدَمَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ -
 وَيَكُونُ الْأَنْبِيَاءُ وَأُمَمُهُمْ كُلُّهُمْ مِنْ أُمَّتِهِ - فَالْنَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيُّ الْأَنْبِيَاءِ -
 وَلَوْ اتَّفَقَ بَعْثُهُ فِي زَمَنِ آدَمَ وَنُوحَ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى
 وَجَبَ عَلَيْهِمْ وَعَلَى أُمَمِهِمُ الْإِيمَانُ بِهِ وَنُصْرَتُهُ -
 وَلِهَذَا يَأْتِي عِيسَى فِي آخِرِ الزَّمَانِ عَلَى شَرِيعَتِهِ -
 وَلَوْ بُعِثَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِي زَمَانِ مُوسَى وَإِبْرَاهِيمَ وَنُوحٍ
 وَآدَمَ، كَانُوا مُسْتَوْرِينَ عَلَى نَبُوَّتِهِمْ وَرِسَالَتِهِمْ إِلَى أُمَمِهِمْ -
 وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيُّ إِلَيْهِمْ وَرَسُولُ إِلَى جَمِيعِهِمْ -
 یعنی جسکی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ:
 ہر نبی سے، اللہ نے عہد لیا ہے کہ:

اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اُس کے زمانے میں بھیجے جائیں
 تو، وہ، ان پر ایمان لائے گا اور ان کی مدد کرے گا۔ اور اپنی امت کو، اسی کی وصیت کرے گا۔
 اس میں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور مرتبہ کی جس قدر عظمت
 اور بڑائی کی طرف، اشارہ ہے، وہ، پوشیدہ نہیں ہے۔

اور اس میں اس بات کی جانب بھی، اشارہ ہے کہ:

اگر، حضور صلی اللہ علیہ وسلم، انبیاء سابق کے زمانے میں تشریف لاتے
 تو، ان کی جانب، رسول ہوتے اور آپ کی نبوت و رسالت، حضرت آدم کے زمانے سے قیامت
 تک کی مخلوقات کو، شامل ہوتی اور تمام انبیاء، مع اپنی امتوں کے، آپ کی امت میں داخل ہوتے۔
 پس! حضرت، نَبِيُّ الْأَنْبِيَاءِ ہیں۔

اور اگر، حضور کی بعثت، حضرت آدم اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ علیہم السلام کے
 زمانوں میں ہوتی، تو، ان پر اور ان کی امتوں پر، آپ کی مدد کرنا اور آپ پر ایمان لانا، فرض ہوتا۔
 اور اسی واسطے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، آخر زمانے میں
 آپ ہی کی شریعت پر، تشریف لائیں گے۔

اور اگر آپ، حضرت موسیٰ و ابراہیم و نوح اور آدم علیہم السلام کے زمانے میں بھیجے جاتے، تو سب کی نبوت اور رسالت، اپنی اپنی امتوں کی جانب، باقی رہتی۔
اور آپ، سب انبیاء کے نبی اور رسول ہوتے۔

اور بحر العلوم، مولانا عبد العلی (فرنگی محلی) اپنے رسالہ ”فَتْحُ الرَّحْمَنِ“ میں لکھتے ہیں:
مقتضائے ختم رسالت، دو چیز است:

یکے، آل کہ بعد وے رسول، نہ باشد۔ و دیگر آل کہ شرع وے، عام باشد۔
دہر کے کہ موجود باشد، وقت نزول شرع وے، اتباع شرع وے برو واجب و فرض است۔ و سرش ایں کہ، ہمد رسل، در اخذ شرع، مستند از خاتم الزمانند۔
و چون کہ شرع او، عام باشد، پس، دیگرے، صاحب شرع، نہ باشد۔
یعنی: ختم رسالت، دو چیزوں کو، چاہتی ہے:

ایک، یہ کہ اس کے بعد کوئی رسول، نہ ہو۔ اور دوسرے، یہ کہ اُس کی شرع، عام ہو۔
اور، اس نزول شرع کے وقت، جو لوگ، موجود ہوں
اُن پر، اُس شرع کی پیروی، واجب اور فرض ہے۔

اور اس میں، بھید، یہ ہے کہ: تمام رسول، شریعت لینے میں حضرت خاتم الزمان سے مدد چاہنے والے ہیں۔ اور جب، آپ کی شرع، عام ہوئی، تو، دوسرا کوئی، صاحب شرع، نہ ہوگا۔“
(ص ۱۰۶ و ۱۰۵۔ فتاویٰ عبدالحی، بنام مجموعۃ الفتاویٰ، جلد اول مطبوعہ لکھنؤ ۱۲۳۱ھ/۲۰۱۰ء)

اشرف المخلوقات، بنی نوع انسان جیسی، نہ کوئی مخلوق، نہ ہی ہماری، اس زمین کے علاوہ
کسی طبقہ ارض کا کوئی نبی، یا۔ اس کا کوئی خاتم

ہمارے خاتم الانبیاء والمرسلین صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم، جیسا ہوا ہے، نہ ہو سکتا ہے۔
اپنا مذکورہ خیال، مولانا فرنگی محلی، مندرجہ ذیل سطور میں، ظاہر کرتے ہیں:

..... اور تمام کتب عقائد میں، یہ امر، مصرح ہوتا ہے کہ:

اولادِ آدم، اس عالم کی تمام مخلوقات سے، حتیٰ کہ ملائکہ سے بھی، افضل ہے۔

اور آیت کریمہ وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنی آدَمَ سے، یہ امر، مفہوم ہوتا ہے۔

کیوں کہ، تمام مفسرین اور علما کا اتفاق ہے، اس امر پر کہ:

مرا، آدم سے اس آیت میں ہمارے آدم ہیں۔ نہ آدم طبقات باقیہ۔ بلکہ، تمام انبیاء کہ

قرآن پاک میں اُن کا ذکر ہے، اُن سے مراد انبیاء، اسی طبقے کے ہیں۔ نہ انبیاء، طبقات باقیہ کے۔

اور حدیث صحیح میں، وارد ہے: اَنَّا سَيِّدُ وَلَدِ آدَمَ وَلَا فَخْرَ۔

میں، اولادِ آدم کا سردار ہوں۔ اور کوئی فخر نہیں۔“

اور دوسری حدیث میں، وارد ہے:

اَنَّا اَكْرَمُ الْاَوَّلَيْنِ وَالْآخِرَيْنِ۔ میں، اگلوں اور پچھلوں میں، سب سے بزرگ ہوں۔“

اب، یہاں سے، دو مقدمے، مُحمَّد ہوئے۔

اول، یہ کہ ہمارے خاتم الانبیاء، تمام اولادِ آدم سے افضل ہیں۔

دوسرے، یہ کہ اولادِ آدم، اس عالم کی، تمام مخلوقات سے افضل ہے۔

بعد ترکیب، ان دو مقدموں کے، نتیجہ نکلا کہ:

ہمارے خاتم الانبیاء، افضل ہیں، تمام مخلوقات سے۔

پس مماثلت، خاتم الانبیاء، طبقات باقیہ کے ساتھ

ہمارے خاتم الانبیاء، کی، کیسے ثابت ہوگی؟

اس کے علاوہ، یہ ہے کہ:

مماثلت میں، اتحادِ ملائیت و اتحادِ قسم، ضرور ہے۔

اسی واسطے، انسان، انسان کے مماثل کہلاتا ہے۔

اور انسان، جن، یا۔ فرشتہ کے مماثل نہیں کہلاتا ہے۔“

اور عبارت ”بَدَائِعُ الدُّهُور“ وغیرہ سے، جو، سابق میں منقول ہوئی، معلوم ہوتا ہے کہ

مخلوقاتِ طبقہ باقیہ، اس صنف سے نہیں۔“ الیٰ آخِرہ۔ (ص ۹۱ و ۹۲۔ مجموعۃ الفتاویٰ، جلد اول)

اس کے بعد، اسی اثر ابن عباس سے عدمِ مماثلت، بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

”مقامِ افسوس و تعجب ہے کہ نبی کریم عَلَیْہِ السَّلَام کے زمانہ وجود سے اب تک۔

مدت، قریب تیرہ سو برس کے گذری اور اس مدت میں

صد ہاتھمیا اور محدثین اور ہزار ہا علما اور صحابہ اور تابعین کی نظر سے حدیث مذکور گذری

کسی کے خیال مبارک میں موجود ہونا، امثال نبی صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا، نہ آیا۔

آیا، تو، اس صاحبِ عقیدہ کی خاطر میں آیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔“

(چند سطور کے بعد) اگر، شیوعِ تھیل کی یہی کیفیت رہی

تو، دیکھنا چاہیے کہ کیسے کیسے عقائدِ فاسدہ، احادیثِ صحیحہ سے افہامِ ناقصہ، مستنبط کریں گے؟
اور کیا کیا فساد، اس عالم میں، برپا کریں گے؟
اللہ تعالیٰ ہی سے، اس کی شکایت ہے اور اُسی کی طرف، رجوع۔

یہ جواب، میرے دل میں آیا اور حقیقتِ حال، اللہ تعالیٰ، خوب جانتا ہے۔“
(ص ۹۲۔ مجموعۃ الفتاویٰ، جلد اول۔ مطبوعہ ۱۴۳۰ھ/۲۰۱۰ء۔ ناشر: علامہ عبدالحی فرنگی محلی فقہ اکیڈمی۔
اسلامک سنٹر آف انڈیا۔ فرنگی محل۔ لکھنؤ)

”نَحْذِيرُ النَّاسَ“ مؤلفہ مولانا محمد قاسم، نانوتوی، اور امکانِ نظیر خاتم الانبیاء
والمُرسلین عَلَیْہِ وَ عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَ التَّلَامِیْمُ کے خلاف
ایک تاریخی رسالہ ہے ”ابطالِ اغلاطِ قاسمیہ“ مؤلفہ مولانا عبد الغفار۔
مطبوعہ بمبئی ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۲ء۔

اس کا پہلا صفحہ، اس طرح شروع ہوتا ہے:
”بعد حمد و صلوٰۃ کے، واضح ہو کہ:

مدتِ دراز ہوئی جو مولوی اسماعیل صاحب دہلوی اور مولوی فضل حق صاحب خیر آبادی کے
درمیان، بمقامِ دہلی، تنازع، واقع ہوا تھا۔

مولوی فضل حق صاحب، کذبِ حقِ مُبْحَنَہ کو، ممتنع کہتے تھے۔
اور مولوی اسماعیل صاحب، ممکن ٹھہراتے تھے۔

اور نیز، مولوی فضل حق صاحب، مثل جناب خاتم النبیین صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم
کو، ممتنع ٹھہراتے تھے۔

اور مولوی اسماعیل صاحب، ممکن، بتلاتے تھے۔

لیکن عدمِ وجود، مثل مذکور کے، تمام عالم میں، قائل تھے۔

ایک مدت کے بعد، مولوی امیر حسن صاحب، سہوانی نے فرمایا کہ:

امکان میں بحث کرنا، بے کار ہے کہ:

چنگِ مثل جناب خاتم النبیین صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے، دیگر زمینوں میں، موجود ہیں۔

پس آیتِ خاتم النبیین، مقید بقید دریں زمین ہے۔ فقط۔

اب، چند روز سے مشہور ہوا کہ مولوی قاسم صاحب، نانوتوی فرماتے ہیں کہ:

خَاتَمُ النَّبِيِّنَ کے معنی، آخِرُ الْأَنْبِيَاءِ کے نہیں ہیں، بلکہ أَصْلُ النَّبِيِّنَ کے ہیں۔

پس، اگر سیکڑوں، ہزاروں انبیاء، مانند آپ کے

اس زمین میں بھی، قیامت تک پیدا ہوں

تو مخالف، آیت خَاتَمُ النَّبِيِّنَ کے نہیں ہے۔

کہ اصل، سب انبیاء کے، آپ رہیں گے۔

بلکہ اس میں، زیادہ فضیلت، آپ کی ہے۔

اور آخِرُ الْأَنْبِيَاءِ کے معنی، خَاتَمُ النَّبِيِّنَ سے نکالنا

موجب تہقیر فیض، جناب سید المرسلین صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا ہے۔ فقط

جب، یہ عقیدہ، تحریرِ اوتقریراً، مشہور ہوا، بمقامِ دہلی، مولوی قاسم صاحب سے

اور مولوی محمد شاہ صاحب، پنجابی سے مناظرہ ہوا۔ لیکن، باوجود طولِ بحث کے

آخر کو، اتباع، مولوی قاسم صاحب کے، فرمانے لگے کہ: مولوی قاسم صاحب، غالب رہے۔

اور اتباع، مولوی محمد شاہ صاحب کے، فرمانے لگے کہ: مولوی محمد شاہ صاحب، غالب رہے۔

اس سبب سے، ناواقفوں کو، اور بھی زیادہ خلجان، واقع ہوا۔

لہذا، بندہ گنہگار، عبدالغفار نے ایک استفتاء، دونوں صاحبوں کے اقوال سے بنایا۔

اور مولوی قاسم صاحب کے اقوال کو، قَالَ عَمْرُو سے تعبیر کیا

اور مولوی محمد شاہ صاحب کے اقوال کو، قَالَ زَيْد سے تعبیر کیا۔

اکابرِ علمائے دہلی، رام پور اور لکھنؤ اور بمبئی وغیرہ بلاد نے اقوالِ عمر و کو

یعنی مولوی قاسم صاحب کے اقوال کو، باطل اور قبیح فرمایا۔

اور اقوالِ زید، یعنی مولوی محمد شاہ صاحب کے اقوال کو، حق و صحیح ٹھہرایا۔

لہذا، واسطے، رفعِ خلجانِ عوام کے، وہ فتویٰ، مشہور کر دیا گیا۔“

(ص ۱۔ ”ابطالِ اَعْلَامِ قَاسِمِیہ“۔ مؤلفہ مولانا عبدالغفار۔ مطبوعہ بمبئی ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۲ء)

مولانا عبدالغفار کے استفتاء کے جواب میں، علمائے اہل سنت نے

تصدیقِ اقوالِ مولانا محمد شاہ، پنجابی، و تردیدِ اقوالِ مولانا محمد قاسم، نانوتوی میں

فتویٰ دیتے ہوئے اپنے اپنے تصدیقی دستخط، ثبت کیے۔

ابوالحسنات، مولانا محمد عبدالحی، فرنگی بھلی نے تحریر فرمایا:

”اقوال زید، صحیح و معتبر ہیں۔ واللہ اعلم۔

حَرَّرَهُ الرَّاجِي غُفُورَ رَبِّهِ الْقَوِيُّ أَبُو الْحَسَنَات، محمد عبد الحنی۔ تَجَاوَزَ اللَّهُ عَنْ ذَنْبِهِ الْخَفِيِّ وَالْجَلِيِّ۔ (مہر)۔ (”ابطال اغلاط قاسمہ“۔ مطبوعہ بمبئی۔ ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۲ء)
مولانا محمد عبدالحی، فرنگی محلی کے علاوہ، بعض دیگر تصدیق کرنے والے علمائے اہل سنت کے چند اسمائے گرامی، درج ذیل ہیں:

مولانا عبد القادر، بدایونی و مفتی ارشاد حسین، مجددی، رام پوری و مولانا محبت احمد، بدایونی و مولانا فصیح الدین، بدایونی و مولانا عبید اللہ، امام جامع مسجد بمبئی، وغیرہم۔
خاتم الانبیاء والمرسلین، شفیع المذنبین صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی شفاعت سے متعلق ایک سوال اور مولانا عبدالحی، فرنگی محلی کا جواب، درج ذیل ہے:

سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین! اس مسئلے میں کہ:
ایک شخص، حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی اُمت کی شفاعت کے لئے
ماذون ہونے کا انکار کرتا ہے۔

اور آیت مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ کو، دلیل میں پیش کر کے
مسلمانوں کے ایک بڑے گروہ کو، آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے
شفیع المذنبین ہونے کے متعلق، شک میں ڈالتا ہے۔

ایسے شخص کو، کیا کہنا چاہیے؟ اور دنیا، یا۔ عقیلی میں، حضرت نبی کریم عَلَیْہِ السَّلَام کی اُمت کی شفاعت کے لئے ماذون ہونا، قرآن اور حدیث سے ثابت ہے، یا۔ نہیں؟

جواب:- ایسا شخص، یا معاند اور ملحد ہے، یا زندیق۔ اور آیات کثیرہ (مثل وَاسْتَغْفِرُكَ لِدُنْيِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ۔ اور آیت: عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا۔ اور آیت: وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ۔ وغیرہ) کا، اور احادیث مشہورہ کا، جو صحاح شریفہ وغیرہ میں ہیں، اور ان سے شفاعت محمدیہ کا ثبوت کامل ہوتا ہے، منکر ہے۔

اور حضور سرور انبیاء عَلَیْہِ السَّلَام کی اُمت کی شفاعت ہونے میں کثرت سے صحیح روایتیں، وارد ہوئی ہیں۔

(ابن حجر مکی کی کتاب ”الترغیب والترہیب“ اقتراہ الکبائر سے

متعدد روایتیں بسلسلہ اذن شفاعت، نقل کرنے کے بعد) ان روایتوں سے ثابت ہوا کہ:

اللہ نے آپ کو شفاعت کی اجازت دی اور مقام محمود کا وعدہ فرمایا ہے۔

اور، یہ ظاہر ہے کہ اللہ کا اذن اور وعدہ، جھوٹا نہیں ہوتا۔

اور آیت مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ

یا۔ ایسی ہی اور دوسری آیتیں، ان حدیثوں کے موافق ہیں۔ کیوں کہ:

ان آیتوں سے اتنا ہی معلوم ہوتا ہے کہ:

کوئی شخص، بغیر، اللہ کی اجازت کے، شفاعت نہ کر سکے گا۔

یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اذن، اُسی روز دیا جائے گا، پہلے سے، نہ ہوگا۔“

(ص ۱۱۱۱-۱۱۱۲ مجموعۃ الفتاویٰ، جلد اول۔ علامہ عبدالحی فقہ اکیڈمی - فرنگی محل، لکھنؤ-۲۰۱۰ء)

مولانا محمد عبدالحی، فرنگی محلی نے اپنے عہد و عصر میں ہندوستان کو، دارالاسلام قرار دیا ہے۔

چنانچہ، ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

جواب:- ہندو ہند، جو، نصاریٰ کے قبضے میں ہیں، دارالاسلام ہیں۔

اور، دارالاسلام کے دارالحرب ہو جانے کے شروط، ان میں موجود، نہیں ہیں۔

کیوں کہ گو، ان میں کفار کا قانون، جاری ہے، مگر، اصول و ارکان اسلام بھی جاری ہیں۔

اور حکام، بعض امور میں، علما کی رائے پر فیصلہ کرتے ہیں۔“ الیٰ آخرہ۔

(ص ۳۷۱-۳۷۲ مجموعۃ الفتاویٰ، جلد اول۔ مطبوعہ علامہ عبدالحی فرنگی محلی فقہ اکیڈمی، فرنگی محل، لکھنؤ-۲۰۱۰ء)

اسی طرح کے، ایک دوسرے سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

جواب:- ہندوستان، دارالحرب نہیں، بلکہ، دارالاسلام ہے۔

چنانچہ، ان عبارات فقہیہ سے واضح ہوتا ہے۔ ”خزائے المفتین“ میں ہے:

دَارُالْاِسْلَام لَا تَصِيرُ دَارُ الْحَرْبِ اِلَّا بِاجْرَاءِ احْكَامِ الشَّرْكِ فِيْهَا

وَأَنْ يَكُوْنَ مُتَّصِلًا بِدَارِ الْحَرْبِ لَا يَكُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ دَارِ الْحَرْبِ مِصْرٌ اَوْ اٰخَرٌ لِّلْمُسْلِمِيْنَ

وَأَنْ لَا يَبْقَىٰ فِيْهَا مُسْلِمٌ اَوْ ذِمِّيٌّ اَمِنًا بِاِلَامَانِ الْاَوَّلِ۔

فَمَا لَمْ يُوْجَدْ هٰذِهِ الشَّرُوْطُ، لَا تَصِيرُ دَارُ الْحَرْبِ۔ اِلٰی اٰخِرِہ۔

یعنی:- دارالاسلام، دارالحرب نہیں ہوتا ہے۔ مگر، احکام شرک کے جاری ہونے

اور دارالحرب کے اس قدر متصل ہونے سے کہ:

اس کے اور دارالحرب کے بیچ میں کوئی دوسرا شہر، مسلمانوں کا، باقی نہ رہے۔

اور مسلمان اور کسی امان یافتہ ذمی کے باقی، نہ رہنے سے
پس، جب تک کہ، یہ شرائط نہ پائی جائیں، وہ، دَارُ الْحَرْبِ، نہ ہوگا۔ "الیٰ آخِرہ۔
..... اور عثمٰنی نے "شرح زیادات" میں لکھا ہے:

دَارُ الْاِسْلَامِ اِنَّمَا تَصِيْرُ دَارَ الْحَرْبِ بِثَلَاثِ شُرَاطٍ:

اَحَدُهَا: - اِجْرَاءُ اَحْكَامِ الْكُفَّارِ عَلٰی سَبِيلِ الْاِشْتِهَارِ -

وَالثَّانِي: - اَنْ تَكُوْنَ مَنَاخِمَةٌ بِدَارِ الْحَرْبِ -

اَيُّ مُتَّصِلَةٌ لَا يَتَخَلَّلُ بَيْنَهُمَا بِلَدَةٌ مِنْ بِلَادِ الْمُسْلِمِيْنَ -

وَالثَّالِثُ: - اَنْ لَا يَبْقَى فِيْهَا مُسْلِمٌ اَوْ ذِمِّيٌّ اَمِنًا بِالْاَمَانِ الْاَوَّلِ -

فَشَرَطَ هَذِهِ الشَّرَاطِ لِیَكُوْنَ عَلَمًا عَلٰی تَمَامِ الْقَهْرِ وَ الْاِسْتِیْلَاءِ -

اِذْ، دَارُ الْاِسْلَامِ یَحْتَاطُ لِاثْبَاتِهِ لَهَا -

وَ عِنْدَهُمَا: تَصِيْرُ دَارِ الْاِسْلَامِ دَارَ الْحَرْبِ بِاِجْرَاءِ اَحْكَامِ الْكُفْرِ، فِيْهَا -

یعنی، دَارُ الْاِسْلَامِ، تین شرطوں سے، دَارُ الْحَرْبِ ہو جاتا ہے:

اول: - اِجْرَاءُ اَحْكَامِ كُفَّارٍ، بِاِشْتِهَارِ -

دوم: - اِتِّصَالُ دَارِ الْحَرْبِ - اِسْ طَرَحِ پر کہ، بیچ میں مسلمانوں کا کوئی شہر، نہ واقع ہو۔

سوم: - کسی مسلمان، یا، امان یافتہ ذمی کا، امانِ اول، باقی نہ رہنا۔

پس، ان شرائط کی شرط لگائی گئی، تاکہ پورے ظلم اور استیلا کی علامتیں، پائی جائیں۔

کیوں کہ دَارُ الْاِسْلَامِ کے لئے دَارُ الْحَرْبِ کا حکم، ثابت کرنے میں، احتیاط برتی جاتی ہے۔

اور صاحبین کے نزدیک، دَارُ الْاِسْلَامِ، اِجْرَاءِ اَحْكَامِ كُفْرِ سے، دَارُ الْحَرْبِ ہو جاتا ہے۔

اور طحاوی، حاشیہ دُرِّ مختار میں ہے:

قَوْلُهُ بِاِجْرَاءِ اَحْكَامِ الشِّرْكِ، اَيُّ عَلٰی الْاِشْتِهَارِ -

وَأَنَّ لَا يَحْكُمُ فِيْهَا بِحُكْمِ اَهْلِ الْاِسْلَامِ - هِنْدِيَّة -

وَزَاهِرُهُ، اَنَّهُ لَوْ اُجْرِيَتْ اَحْكَامُ الْمُسْلِمِيْنَ وَ اَحْكَامُ اَهْلِ الشِّرْكِ

لَا تَكُوْنُ دَارَ حَرْبٍ -

یعنی: قول مصنف کا، بِاِجْرَاءِ اَحْكَامِ الشِّرْكِ

یعنی، بِاِشْتِهَارِ، اَحْكَامِ شُرْكَ کے اجرا اور اہل اسلام کے کسی حکم کے، نہ جاری ہونے سے

(دارُ الاسلام، دارُ الحرب ہو جاتا ہے)

اور اس سے ظاہراً سمجھا جاتا ہے کہ:

اگر، احکامِ مسلمین اور احکامِ اہلِ شرک، دونوں، جاری ہوں، تو، وہ، دارُ الحرب، نہ ہوگا۔

ان عبارات اور ان کے امثال سے، واضح ہے کہ:

دارُ الاسلام کے دارُ الحرب ہونے میں، یہ شرط ہے کہ:

احکامِ کفر، علانیہ، جاری ہوں اور احکامِ اہلِ اسلام، بالکلیہ، موقوف کر دیے جائیں۔

اور شعائرِ اسلام اور ضروریاتِ دین میں کفار، مداخلت کرنے لگیں۔ اور یہ شرط اتفاقی ہے۔

اور امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللہ نے اس کے سوا بھی، دو شرطیں، زائد کی ہیں۔

ایک، یہ کہ اس بلدہ اور دارُ الحرب میں کوئی بلدہ، مملکتِ اہلِ اسلام کا، باقی نہ رہے۔

دوسرے یہ، کہ امانِ اوّل اُٹھ جائے اور بامانِ کفار، اقامت کی نوبت آئی ہو۔

اور ظاہر ہے کہ بلادِ ہندوستان میں، یہ مفقود ہے۔

اس لئے کہ شعائرِ اسلام میں، ہنوز حکام کی طرف سے مداخلت اور ممانعت، نہیں ہے۔

اگرچہ، اکثر قضاۃ، کفار ہیں اور خلافِ اسلام، احکام جاری کرتے ہیں۔

مگر، بہت سے اُمور میں فتاویٰ اہلِ اسلام، اور شرع کے موافق بھی، فیصلہ کرتے ہیں۔

پس، ہندوستان، امام ابوحنیفہ اور صاحبین رَحِمَہُمُ اللہ کسی کے نزدیک، دارُ الحرب نہیں

ہے۔ واللہ اعلم۔ حررہ الرَّاجِی عَفْوَرَبْہ الْقَوِی۔ ابوالحسنات محمد عبدالحنی۔

(ص ۲۱۳ تا ۲۰۹ مجموعۃ الفتاویٰ، جلد اول، مطبوعہ فرنگی محل، لکھنؤ)

سہولت و مصلحت کے تحت کسی وقت و یوم کی تعیین کہ:

اس میں مجلس وعظ، برائے بیانِ مسائلِ دینیہ، یا۔ اسی طرح، کوئی کارِ خیر، انجام دیا جائے۔

اور حاضرین کے درمیان، بلائیتِ رسم و رواج، شیرینی تقسیم کرنا

یا۔ انھیں کھانا کھلانا، وغیرہ جائز ہے، یا۔ نہیں؟

اس طرح کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے ابوالحسنات، مولانا محمد عبدالحی، فرنگی محلی

تحریر فرماتے ہیں۔

جواب: یہ سب، جائز ہیں۔ اور اس کی اصل، یہ حدیث ہے:

جو صحیح بخاری کی کتابُ الْاِغْتِصَام میں، ابوسعید خدری سے مروی ہے:

قَالَ: جَاءَتْ أُمِّي رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ ذَهَبَ الرَّجُلُ بِحَدِيثِكَ فَأَجْعَلْ لَنَا مِنْ نَفْسِكَ يَوْمًا
نَأْتِيكَ فِيهِ تَعْلِمُنَا مِمَّا عَلَّمَكَ اللَّهُ۔

فَقَالَ: اجْتَمِعْنَ فِي يَوْمٍ كَذَا وَفِي مَكَانٍ كَذَا۔
فَاجْتَمَعْنَ فَأَتَاهُنَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَلَّمَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَهُ اللَّهُ۔
یعنی: حضور سرورِ عالم، صَلَّی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک عورت آئی
اور اس نے کہا: یا رسول اللہ صَلَّی اللہ علیہ وسلم!
مرد، آپ سے حدیث، حاصل کر لیتے ہیں۔ پس، آپ، ہمارے لئے ایک دن، مقرر فرمادیں۔
جس میں مخصوص ہم کو، اُس کی تعلیم دیں جو، اللہ نے آپ کو بتایا ہے۔
پس، حضور سرورِ انبیاء عَلَیْہِ التَّحِیَّۃُ وَالتَّنَآءُ نے فرمایا کہ:
جمع ہو، اس دن اور اس دن۔ اس جگہ اور اس جگہ۔

پس، عورتیں، جمع ہوئیں اور آپ نے تشریف لا کر، اُن کو، وہ، سکھایا جو، اللہ نے آپ کو سکھایا تھا۔
اور صحیح بخاری کی کتاب الدعوات میں، عکرمہ سے مروی ہے:

عَنْ أَبِي وَائِلٍ۔ قَالَ: كَانَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ
يُذَكِّرُ النَّاسَ فِي كُلِّ خَمِيسٍ۔

فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ، يَا عَبْدَ الرَّحْمَنِ! إِنَّكَ ذَكَّرْتَنَا كُلَّ يَوْمٍ۔

قَالَ: أَمَّا أَنَا فَيَمْنَعُنِي مِنْ ذَلِكَ أَنِّي أَكْرَهُ أَنْ أَمْلِكُمْ
وَأَنِّي أَتَخَوَّلُكُمْ بِالْمَوْعِظَةِ كَمَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
يَتَخَوَّلُنَا بِهَا مَخَافَةَ السَّامَةِ عَلَيْنَا۔

یعنی: ابو وائل سے روایت ہے کہ:

حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللہ عنہ، ہر روز پنجشنبہ کو، وعظ کہتے تھے۔
پس، اُن سے ایک شخص نے کہا کہ: تم، ہم سے ہر روز، وعظ کہا کرو۔

انہوں نے کہا کہ: مجھ کو، اس سے، یہ بات روکتی ہے کہ:

میں، تم کو ملال میں ڈالوں۔ (یعنی، میں، ہر روز اس لئے وعظ نہیں کہتا کہ، کہیں سننے والوں

کے لئے دشوار نہ ہو جائے)

اور میں، ناغہ کر کے، وعظ اس لئے کہتا ہوں کہ:

حضور سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم، ہمارے سامنے اسی طرح، ناغہ کر کے، وعظ کہتے تھے۔ ہمارے تنگ دل ہونے کے خوف سے۔“

ان اخبار سے انعقادِ مجلس وعظ کے لئے تعیینِ مکان و زمان، ثابت ہے۔

اور حفّارِ مجلس، جب، وہ، ایک مکان میں جمع ہو جائیں

رمضان میں مجلس ختم میں، یا۔ غیر رمضان میں مجلس وعظ میں، بلا لحاظِ رسم و رواج

والتزامِ ضروری و اہتمامِ غیر شرعی، کوئی چیز کھانا پلانا، یا۔ تقسیم کر دینا بھی، درست ہے۔

اصل اس کی، یہ حدیث ہے، جو صحیح بخاری میں، کتابُ الجہاد میں

بَابُ الطَّعَامِ عِنْدَ الْقُدُومِ میں، مروی ہے:

إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا قَدِمَ الْمَدِينَةَ نَحَرَ جُزْرًا وَبَقَرَةً۔

یعنی: جب، حضور سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم، مدینہ میں تشریف لائے

تو، اونٹ اور گائے کی قربانی کی۔

اور کتابُ الْأَطْعَمَةِ میں، قصۂ عتبّان بن مالک میں، مروی ہے:

قَالَ عَتَبَانُ: فَغَدَا عَلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبُو بَكْرٍ

حِينَ ارْتَفَعَ النَّهَارُ۔ فَلَمْ يَجْلِسْ حَتَّى دَخَلَ الْبَيْتَ۔

فَقَالَ: أَيْنَ تُحِبُّ أَنْ أُصَلِّيَ مِنْ بَيْتِكَ۔ فَأَشْرَفْتُ إِلَى نَاحِيَةٍ۔

فَقَامَ فَكَبَّرَ فَصَفَّفْنَا وَصَلَّى رَكَعَتَيْنِ۔ ثُمَّ سَلَّمَ۔

فَجَلَسْنَا عَلَى خَزِيرَةٍ صَنَعْنَا هَالَةً۔

یعنی: عتبّان نے کہا کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

اور حضرت ابو بکر، میرے یہاں آئے۔ جب کہ آفتاب، بلند ہو چکا تھا۔

پس، نہ بیٹھے، یہاں تک کہ گھر میں تشریف لے گئے۔

اور پوچھا کہ: تم، کہاں پسند کرتے ہو کہ میں، تمہارے گھر میں نماز پڑھوں؟

میں نے، ایک گوشہ کی طرف، اشارہ کیا۔

آپ نے، وہاں کھڑے ہو کر، تکبیر کہی۔

پس، ہم نے صف باندھی اور دو رکعتیں پڑھیں۔ پھر، آپ نے سلام پھیرا۔

اور ہم نے آپ کو ایک کھانے کے لئے جو خاص آپ کے لئے تیار ہوا تھا، روک لیا۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔“ (ص ۲۱۴ و ۲۱۵۔ مجموعۃ الفتاویٰ، جلد اول۔ مطبوعہ فرنگی محل، لکھنؤ)

دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کے سنت ہونے اور اسی پر صحابہ و تابعین کے عمل اور فقہائے اسلام کے حکم شرعی کی تصریح کرتے ہوئے ایک سوال کے جواب میں ابوالحسنات، مولانا محمد عبدالحی، فرنگی محلی تحریر فرماتے ہیں:

سوال:- مصافحہ، جو ملاقات کے وقت، مسنون ہے، زید کہتا ہے کہ:

ایک ہاتھ سے مسنون ہے۔ اور جامع ترمذی والی اس حدیث کو سند میں لاتا ہے:
فَيَاخُذُهُ بِيَدِهِ وَيُصَافِحُهُ۔ فَقَالَ: نَعَمْ۔

یعنی: پس! کیا، اس کا ہاتھ لیتے اور اس سے مصافحہ کرتے تھے؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔“
پس، کیا، اس کا قول صحیح ہے؟ اور مصافحہ، دونوں ہاتھ سے کرنا، حدیث سے ثابت ہے، یا نہیں؟

جواب: جمہور فقہاء کے نزدیک، دونوں ہاتھوں سے کرنا چاہیے۔
”مَجَالِسُ الْأَبْرَارِ“ میں ہے: وَالسُّنَّةُ أَنْ تَكُونَ بِكِلْتَا يَدَيْهِ۔
یعنی: اور سنت، یہ ہے کہ مصافحہ، دونوں ہاتھوں سے ہو۔“

ایسا ہی، دُرِّ مختار اور جامع الرُّموز، وغیرہ میں ہے۔
اور معجم طبرانی میں، بروایت ابوامامہ، جو، یہ حدیث، مذکور ہے:

قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔
إِذَا تَصَافَحَ الْمُسْلِمَانِ لَمْ تَفْرُقْ أَكْفُهُمَا حَتَّى يُغْفَرَ لَهُمَا۔

یعنی: حضور سرور عالم صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا ہے کہ:
جب، دو مسلمان، مصافحہ کرتے ہیں، تو، اُن کے ہاتھ، جدا نہیں ہوتے۔
مگر، اُس وقت کہ، ان کے گناہ، بخش دیے جاتے ہیں۔“

اس بات پر، دلالت کرتی ہے کہ، مصافحہ، دونوں ہاتھوں سے کرنا چاہیے۔ کیوں کہ:
اگر، ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا، سنت ہوتا تو اُكْفُهُمَا کی جگہ پر، جو كَفُّ کی جمع ہے

كَفَاهُمَا، تشنہ کا لفظ لایا جاتا۔

صحیح بخاری میں ہے: وَصَافَحَهُ حَمَادُ بْنُ زَيْدٍ ابْنُ الْمُبَارَكِ بِيَدَيْهِ۔
یعنی، حماد بن زید بن مبارک نے، اپنے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تابعین کے زمانے میں بھی، دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا، جاری تھا۔ اور صحیح بخاری میں، جو یہ حدیث، حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللہ عَنْہُمَا سے مروی ہے:

عَلَّمَنِي رَسُولُ اللَّهِ وَكَفَى بَيْنَ كَفْيِهِ التَّشَهُدُ

كَمَا عَلَّمَنِي السُّورَةُ مِنَ الْقُرْآنِ - التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ -

یعنی: مجھے، رسول اللہ عَلَیْہِ التَّحِيَّاتُ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ تَشَهُدُ سکھایا

حال آں کہ میرا ہاتھ، آپ کے دونوں ہاتھوں کے بیچ تھا۔ جیسا کہ سکھائی مجھے سورہ قرآن -

التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ -

اس بات پر، دلالت کرتی ہے کہ:

وہ مصافحہ، جو، ملاقات کے وقت کیا جاتا ہے، مُرَاوہ نہیں ہے۔

بلکہ، یہ ہاتھ میں ہاتھ لینا، ویسا ہے

جیسا کہ بزرگ، چھوٹوں کو کوئی چیز، تعلیم کرنے کے وقت، ہاتھ میں لے لیتے ہیں۔

اور اگر، مان بھی لیا جائے کہ اس سے وہی مصافحہ مسنون، مراد ہے

تو، بھی، اس حدیث سے، یہ بات، صاف طور پر ظاہر ہے کہ:

حضور سرورِ عالم صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے، دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا۔

اور حضرت ابن مسعود کے ایک ہاتھ کا ذکر، اس بات کا قطعی ثبوت نہیں ہے کہ:

دوسرا ہاتھ، شامل نہیں تھا۔ کیوں کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ:

كَفٌّ بِمَعْنَى جَنْسٍ، مستعمل ہوا ہے۔ اور كَفٌّ سے، دونوں ہاتھ، مراد لیے گئے ہیں۔

استعمالِ عرب اور آیاتِ قرآن و احادیث میں، یہ بات، بکثرت پائی گئی ہے کہ:

يَدٌ كَالِاسْتِعْمَالِ جَنْسٍ يَدٌ پڑتا ہے۔ جو، ایک ہاتھ اور دونوں ہاتھوں کو، شامل ہے۔

اور اکثر مقامات پر، دو، يد کی جگہ، ایک يد کا استعمال ہوا ہے۔ 'إِلَى آخِرِهِ۔

(ص ۲۰۳-۲۰۴۔ مجموعۃ الفتاویٰ، جلد اول)

سوال: حضور سرورِ کائنات صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا نام

اذان، یا۔ غیر اذان میں سُن کر، انگوٹھے چومنا، کیسا ہے؟

جواب: بعض فقہاء کے نزدیک، مستحب ہے۔ جامعُ الرُّمُوز میں ہے:

إِعْلَمَنَّ أَنَّهُ يَسْتَحَبُّ أَنْ يُقَالَ عِنْدَ سَمَاعِ الْأَوَّلِ مِنَ الشَّهَادَةِ:

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ -

وَعِنْدَ سَمَاعِ الثَّانِيَةِ: قُرْءَةُ عَيْنِي بِكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ -

ثُمَّ يُقَالُ: اَللّٰهُمَّ مَتَّعْنِي بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ -

وَبَعْدَهُ يُوَضَّعُ ظُفْرُ الْيَدَيْنِ عَلَى الْعَيْنَيْنِ -

فَإِنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكُونُ قَائِدًا إِلَى الْجَنَّةِ - كَذَافِي كَنْزِ الْعِبَادِ -

یعنی: جانا چاہیے کہ اذان میں پہلی شہادت سن کر: صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ اور دوسری شہادت سن کر، قُرْءَةُ عَيْنِي بِكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ -

اور پھر، اَللّٰهُمَّ مَتَّعْنِي بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ، کہنا، مستحب ہے۔

اس کے بعد، دونوں ہاتھوں کے، دونوں ناخنوں کو آنکھوں پر، رکھے۔

پس، آنحضرت صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، اُس شخص کو جنت میں لے جائیں گے۔

ایسا ہی ”کنز العباد“ میں ہے۔“

(ص ۳۰۲۔ مجموعۃ الفتاویٰ، جلد اول۔ علامہ عبدالحیٰ فرنگی محلی فقہ اکیڈمی، فرنگی محل، لکھنؤ ۱۴۳۱ھ/۲۰۱۰ء)

سوال: کھانا، یا پکڑا، یا۔ اور کوئی چیز، خدا کی راہ میں کسی کو دی

یا۔ نفل نماز پڑھی اور نفل حج ادا کر کے کسی کو، اس کا ثواب بخشا، تو، وہ، پہنچتا ہے، یا۔ نہیں؟

جواب: عبادت، مالی ہو، یا بدنی، خواہ، دونوں سے مرگب ہو۔

اگر، اس کا ثواب کسی کو بخشا جائے، تو، پہنچتا ہے۔

سوال: حضرت شاہ بوعلی قلندر کے فاتحہ کے لئے سوئوں کا کھانا، مقرر کرنا

یا۔ اسی طرح، کسی اور کے فاتحہ کے لئے کسی دوسری خاص چیز کو مقرر کرنا، جائز ہے، یا۔ نہیں؟

پس، ثواب پہنچنے میں کسی معین کھانے کی تخصیص ہے کہ بغیر، اس کے ثواب، نہ پہنچے؟

یا۔ کچھ تخصیص، نہیں؟

جواب: ایصالِ ثواب میں، طعام معین کی تخصیص، نہیں ہے۔ بلکہ جو، لِلّٰہ دیا جائے

اس کا ثواب پہنچتا ہے اور جس کو، اس کا ثواب بخشے، پہنچتا ہے۔“ (ص ۱۵۸، ۱۵۹۔ مجموعۃ الفتاویٰ، جلد اول)

مولانا عبدالحیٰ فرنگی محلی کے عقد کا ذکر کرتے ہوئے مولانا محمد عنایت اللہ فرنگی محلی لکھتے ہیں کہ:

”مولانا کا عقد، حسبِ بیان مولوی فصیح اللہ، ۱۲۸۳ھ میں، مولوی مہدی بن مفتی یوسف

فرنگی محلی کی بڑی صاحبزادی سے ہوا۔ جن سے کوئی اولاد، نہیں ہوئی۔

آپ کی والدہ ماجدہ نے تنہاے اولاد میں، آپ کو ”بانسہ شریف“ حاضر ہونے کی تاکید کی۔ آپ، حضرت سید السادات (سید عبدالرزاق، قادری، بانسوی) کے مزار پاک پر حاضر ہوئے اور چلہ باندھ کر، وطن، واپس آئے۔

خدا نے متعدد اولاد دیں دیں۔ مگر، زندہ، صرف ایک صاحبزادی، رہیں۔“
(ص ۱۳۵۔ تذکرہ علمائے فرنگی محل۔ مؤلفہ مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی۔ مطبوعہ اشاعت العلوم۔

فرنگی محل، لکھنؤ۔ ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۰ء)

مولانا عبدالحی، فرنگی محلی کا وصال ۲۸ ربیع الاول ۱۳۰۴ھ کو ہوا۔

خاندانی قبرستان (لکھنؤ) میں آپ کی تدفین ہوئی۔

آپ کی قبر پر، سفید سنگ مرمر لگا ہوا ہے، جس پر آپ کے شاگرد، مولانا عبدالعلی، آسی، مدراسی (وصال ۱۳۲۷ھ) کے لکھے ہوئے مرثیہ (عربی) کے چند اشعار، کندہ ہیں۔ آخری مصرع، یہ ہے:

مَا تَ “عَبْدُ الْحَيِّ” وَالْقَيُّومُ حَتَّى لَا يَمُوتَ (۱۳۰۴ء)

مولانا فقیر محمد، جہلمی (متوفی ذوالحجہ ۱۳۳۲ھ/اکتوبر ۱۹۱۶ء) آپ کے والد ماجد، مولانا عبدالحلیم، فرنگی محلی (متوفی شعبان ۱۲۸۵ھ/۱۸۶۸ء) کے تعارف و تذکرہ کے آخر میں لکھتے ہیں:

”آپ کے خَلْفُ الصَّدَق، نَفِیْہ، مَحْدُث، عالم بے عدیل، فاضل بے تمثیل، جامع معقول و منقول، حاوی فروع و اصول، قُدْوۃ الْمُتَحَقِّقِیْنَ، زُبْدۃُ الْمُتَدَقِّقِیْنَ، مصَنَّفِ کُتُبِ کَثِیْرَہ

ابوالحسنات مولانا مولوی محمد عبدالحی، لکھنوی، زندہ موجود ہیں۔

جو، بدء تحصیل علوم سے تصنیف کتب اور تشریح علوم میں، یہاں تک مصروف ہیں کہ:

باوجودے کہ آپ کی عمر، ابھی، پورے چالیس (۴۰) برس کی نہیں ہوئی ہے

مگر، چشم بد دور، آپ، ستر (۷۰) کتب و رسائل سے زیادہ، تصنیف کر چکے ہیں۔

جن میں سے اکثر، معرض وجود میں آکر، شہرت پا چکی ہیں۔

اور ان کے سوا، بڑی بڑی علمی اور فضیلت کی کتابوں پر آپ کے حواشی اور تعلیقات، موجود

ہیں۔ الخ۔“ (ص ۵۰۳۔ حدائق الحنفیہ۔ مؤلفہ فقیر محمد، جہلمی۔ ادبی دنیا۔ نیما، جامع مسجد، دہلی)

مولانا محمود احمد، قادری، رفاقی، مظفر پوری لکھتے ہیں:

”ابوالحسنات، کنیت، برہمقام باندہ، ذوالقعدہ ۱۲۶۳ھ میں ولادت ہوئی۔

گیارہ (۱۱) برس کی عمر میں حافظ قرآن پاک اور سترہ (۱۷) برس کی عمر میں علوم متعارفہ کی

تکمیل کی۔ والد بزرگوار، مولانا عبدالحلیم، فرنگی محلی قدس سرہ سے تحصیل علم کر کے، فارغ ہوئے۔
دربارِ حرمین معظمین کی حاضری و زیارت سے شاد کام ہوئے۔

پہلی مرتبہ ۱۲۷۹ھ میں اور دوسری مرتبہ ۱۲۹۶ھ میں۔

آپ کو، شیخ الاسلام، سید احمد دحلان مکی قدس سرہ سے سندِ حدیث، حاصل تھی۔
ایک عالم، آپ کے فیضانِ علم سے مستفید ہوا۔ درجنوں علوم و فنون کی کتابیں، تصنیف کیں۔
نواب صدیق حسن، بھوپالی کی غیر مقلدیت کی تردید میں رسالے لکھے۔

اڑتیس (۳۸) برس کی عمر میں کارہائے نمایاں، انجام دیے۔

حضرت مولانا شاہ محمد حسین، الہ آبادی، حضرت مولانا سید عین القضاۃ لکھنوی وغیرہ
جیسے، بڑے بڑے نامور علما، آپ کے شاگردوں میں تھے۔

(ص ۱۴۴)۔ ”تذکرہ ہلمائے اہل سنت“۔ مؤلفہ مولانا محمود احمد، قادری، برہانپوری۔ مطبوعہ کانپور ۱۳۹۱ھ (۱۹۷۱ء)۔

مولانا عبدالرزاق، فرنگی محلی

مولانا عبدالرزاق (ولادت ۲۳ رذوالحجہ ۱۲۳۶ھ/۱۸۲۱ء۔ وصال ۲۵ صفر ۱۳۰۷ھ/۱۸۸۹ء) بن مولانا جمال الدین بن مولانا علاء الدین بن مولانا انوار الحق

بن مُلّا، احمد عبدالحق بن مُلّا، محمد سعید سہالوی بن مُلّا، قطب الدین شہید سہالوی۔

مولانا محمد عنایت اللہ فرنگی محلی (متوفی ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء) آپ کے تعارف و تذکرہ میں لکھتے ہیں:

”اسم گرامی، حضرت مولانا انوار الحق بن مولانا انوار الحق، فرنگی محلی نے ”محمد“ رکھا۔

مولانا نور کریم، دریابادی، مُرید حضرت مولانا انوار الحق، فرنگی محلی نے حضرت سید السادات (سید عبدالرزاق، قادری، بانسوی) قَدِسَ سِرُّہ کو، خواب میں دیکھا کہ ارشاد فرماتے ہیں:

”میاں جمال کے لڑکا ہوا ہے۔ تم، جا کرو ہاں کہو کہ: اس کا نام، میرے نام پر، رکھیں۔“

اُس وقت سے اسم گرامی ”عبدالرزاق“ قرار پایا۔

ابتدائی کتب، مولانا محمد حامد بن مولانا محمد احمد اور مولانا نور کریم، دریابادی سے پڑھیں۔

پھر، متوسطات تک، کتبِ درسیہ اپنے پھوپھا، مفتی محمد اصغر بن مفتی ابوالرحم سے پڑھیں۔

فاتیحہ الفراغ، پھوپھا زاد بھائی، مفتی محمد یوسف بن مفتی محمد اصغر سے کیا۔

آپ اور مولانا عبدالحق صاحب کے والد ماجد (مولانا عبدالحلیم، فرنگی محلی) ہم درس تھے۔

بعد تکمیل آپ کو اپنے والد ماجد، مولانا جمال الدین کے پاس، مدراس جانا پڑا۔

اور وہاں (ارکاٹ، مدراس) عرصہ، چار سال تک قیام کیا۔

اور اپنے والد (مولانا جمال الدین، فرنگی محلی) اور شاہ محمد نضر، مدراسی رَحْمَةُ اللہ عَلَیْہ

سے سلاسلِ چشتیہ اور سلاسلِ بحر العلوم کی اجازت، حاصل ہوئی۔

یہ اجازت آپ کے بلا طلب کے، شاہ محمد نضر، مدراسی نے حضرت بحر العلوم کے

رُویا میں حکم کی وجہ سے، عطا کی۔

وطن (لکھنؤ) واپسی پر، آپ نے اپنے ناموں، حضرت مولانا عبدالوالی بن مولانا ابوالکرم

نواسہ و خلیفہ حضرت مولانا انوار الحق کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔ اور اجازت

و خلافت، مُرشد سے مرحمت ہوئی۔ اور کتبِ تصوف و سلوک، پیر و مُرشد ہی سے پڑھیں۔

علمِ حدیث، مرزا حسن علی، محدث اور مولانا حسین احمد، ملیح آبادی
شاگردانِ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز، محدث دہلوی و شاگردِ مفتی ظہور اللہ
اور شیخِ ملاً، محسن بن بدر، مدنی سے حاصل کیا۔

بعد تکمیل، سلسلہ تدریس و تالیف میں مصروف ہوئے۔

بعد بیعت، زیادہ تر علومِ شرعیہ کا درس فرماتے اور خاص کر، فقہ و حدیث کی طرف، توجہ عالی تھی۔
حفظ، بہت زیادہ تھا۔ آپ کے تصانیف، اکثر و بیشتر، بغیر مراجعتِ کتاب
صرف یاد و حفظ پر ہوتے۔

اور سوائے شاذ و نادر سہو کے، کہیں پر سہو نہ ہوتا۔

حضرت مولانا عبدالحی رَحْمَةُ اللہِ عَلَیْہِ نے مقدمہ عُمْدَةُ الرَّعَايَةِ میں
مولانا کا حال تحریر فرمایا ہے:

مولانا رَحْمَةُ اللہِ عَلَیْہِ کے بچپن سے، تقویٰ و طہارت و زہد و عبادت کے
اس قدر واقعات، خود میں نے ثقات کی زبانی سنے ہیں کہ ان کا قدرِ مشترک، متواتر ہے۔
ان میں سے وہ لوگ بھی تھے، جو، حضرت مولانا کے سلسلہ ارادت میں، نہ تھے۔
بلکہ، بعض تو، ایسے تھے، جو، مولانا سے، رنجش رکھتے تھے۔

میرے بڑے بھائی، جو، مولانا سے بیعت رکھتے تھے
بہت کثرت سے، حضرت کا ذکر فرماتے تھے۔

میرے والدین میں سے کوئی بھی، حضرت کے سلسلہ ارادت میں داخل، نہ تھے۔

اور میری دادی، جو، اپنے جدِ اجد کی مرید تھیں اور حضرت مولانا سے عمر میں بڑی تھیں
یہ، سب کے سب، حضرت مولانا کے مَدَّاح اور ان کے زہد و تقویٰ کے بے حد معترف تھے۔

میں، یہاں پر، وہ چند واقعات، مولانا کے حالات سے متعلق لکھتا ہوں
جو، خود میں نے معتبر لوگوں سے سنا ہے۔ اور جن کی صحت کا مجھ کو یقین ہے۔

اور غالباً، ان میں سے اکثر، ملفوظات میں ہوں گے۔

میری دادی صاحبہ، بیان کرتی تھیں کہ:

بھتیجا عبدالرزاق، بچپن سے اتنے بزرگ تھے کہ:

ہم لوگوں کو جمع کرتے اور کہتے کہ:

ہم، وعظ کہیں گے۔ تم سب، سنو۔“

اور کوئی چیز، میز کی طرح، لا کر، اُس پر کپڑا بچھاتے اور فرماتے کہ:
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ، نماز پڑھو۔“ وغیرہ وغیرہ۔

کبھی، میں نے ان کو، ایسے کھیلوں کے سوا، کسی دوسرے کھیل میں مصروف، نہ دیکھا۔
فرماتی تھیں کہ: اکثر اوقات، جمال چچا (مولانا جمال الدین، فرنگی مہلی) کے یہاں
(ریاست اراکٹ۔ جنوبی ہند) سے خرچ، نہ آتا اور کھانے پینے کی سخت تکلیف ہوتی۔
مگر، بھائی عبدالرزاق، باوجود صغر سنی کے، کبھی، خرچ کے لئے ضد، نہ کرتے۔

اور باوجود فاقہ، ہم لوگوں سے چھپاتے۔

میری والدہ، جو، فتح پور کی تھیں اور حضرت حافظ شاہ محمد اسلم، خیر آبادی رَحْمَةُ اللہ عَلَیْہِ
سے بیعت رکھتی تھیں، حضرت مولانا سے، اس قدر، اعتقاد رکھتی تھیں کہ:

جب کبھی، مشکلات میں مبتلا ہوتیں، حضرت سے حلِ مشکل کی التجا کرتیں۔
اور مشکل حل ہو جاتی۔“ (ص ۹۳، ۹۴۔ ”تذکرہ ہنگامی فرنگی محل“۔ مؤلفہ مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی مہلی)

”میرے والد، اکثر، مولانا کے واقعات، جن میں کرامات، نہیں ہوتے تھے

بیان فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ:

میں، ممانی صاحبہ (حضرت کی زوجہ) کے پاس، بیٹھا ہوا تھا کہ:

اس اثنا میں حضرت، کوٹھے سے نیچے تشریف لائے۔

ممانی صاحبہ نے مجھ سے فرمایا کہ: اپنے ماموں سے کہو کہ:

”خرچ، بالکل نہیں ہے۔ یکے کا پانچ روپیہ، قرض ہو گیا ہے۔

اب آئندہ شاید وہ، جنس، نہ دیوے۔ اور میرے پاس، دوپٹے بھی نہیں ہے۔

دس روپے ہوں تو، قرض ادا ہو اور جنس آئے۔ اور میرے کپڑے بن جائیں۔“

حضرت مولانا سے جب میں نے عرض کیا، تو، ارشاد فرمایا کہ:

”میرے پاس، کہاں ہے؟ خدا سے کہو۔“

ممانی صاحبہ نے فرمایا کہ:

”نہیں، کیوں کہوں؟ خدا نے تو، مجھ کو، تمہارے حوالے کیا ہے۔ تم، کہو۔“

حضرت مولانا، سن کر، ساکت ہو گئے۔

باہر تشریف لے گئے۔

میں، نماز کی غرض سے پیچھے پیچھے، ہولیا۔
کمرہ حضرت مولانا انوار الحق تک گیا تھا کہ:

ناگاہ، ایک صاحب، سامنے آئے

اور حضرت مولانا سے سلام کر کے مصافحہ کیا اور کچھ، روپیہ نذر کیا۔

اور بغیر کوئی بات کیے ہوئے اُلٹے پیر، واپس ہوئے۔

حضرت مولانا نے مجھ سے فرمایا کہ:

”یہ روپیہ لو، اور اپنی ممانی کو، دے دو۔

اور کہو کہ: دیکھو! میرے خدا نے بھیج دیے۔“

میں نے گئے تو، پورے دس روپے تھے۔

دینے والے صاحب کو، میں، بالکل، نہیں پہچانتا تھا۔

اور مجھ کو یقین تھا کہ، مولانا سے بھی، ان سے سابق کا تعارف، نہ تھا۔“

(ص ۹۲ و ۹۵۔ تذکرہ علمائے فرنگی محل۔ مؤلفہ مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی)

”مولوی احمد اللہ صاحب بن مولانا نعمت اللہ صاحب سے

ایک مرتبہ، جب کہ، میری عمر، بیس (۲۰) سال کی تھی۔ میں نے دریافت کیا کہ:

آپ نے مولانا عبدالرزاق رَحْمَةُ اللہ عَلَیْہ کو دیکھا ہے۔

وہ، ولی اللہ تھے، یا نہیں؟

مولوی احمد اللہ صاحب، کچھ خوش فرما رہے تھے۔

میرے استفسار پر گردن نیچے کر لی اور تھوڑی دیر، ساکت رہے۔

اس کے بعد، سر اٹھا کر مجھ سے فرمایا کہ:

”میں، غوث اور قطب تو، جانتا نہیں۔ البتہ، اتنی بات جانتا ہوں کہ:

”اُس شخص (مولانا کی طرف، اشارہ کر کے) نے، باوجود ابتلا اور آزمائش کے

بچپن سے لے کر، مرتے دم تک، کبھی، کسی حرام امر کا، ارتکاب نہیں کیا۔“

(۹۶۔ تذکرہ علمائے فرنگی محل۔ مؤلفہ مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی)

”مولانا (عبدالرزاق، فرنگی محلی) کے ملفوظات، بزبان فارسی، مولوی انعام اللہ

بن مولوی ولی اللہ صاحب نے تحریر کیے ہیں۔ جس کا نام ”سَفِیْنَةُ النِّجَاةِ“ ہے۔
اور محبِ مکرم، مولانا الطاف الرحمن صاحب، قدوائی نے حضرت استاذ (مولانا عبدالباری
فرنگی محلی) رَحْمَةُ اللہِ عَلَیْہِ کی ہدایت کے مطابق، اردو میں، ملفوظ لکھا ہے۔
جس کا نام ”انوارِ رزاقیہ“ ہے۔ جو طبع ہو چکا ہے۔

(ص ۹۶۔ تذکرہ حکماء فرنگی محل۔ مؤلف مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی)
مولانا (عبدالرزاق) کو مختلف سلاسل میں اجازت، مختلف بزرگانِ سلسلہ سے تھی۔
جن کا مفصل ذکر، حضرت کی مصنفہ کتاب ”عُمْدَةُ السُّؤَالِ“
اور ”اَحْسَنُ الْخَصَائِلِ“ میں ہے۔

”حضرت کی وفات شریف بھی، عجیب طرح، واقع ہوئی۔ اکثر، پہلی باری کے بعد فرمایا کرتے
تھے کہ: اب، تمام شدائد، نزعِ روح کے، گذر گئے۔ صرف، موت، باقی ہے۔“
ایک دن تشریف فرما تھے اور ردولی شریف کے ایک صاحبزادے سے ”حِیَاۃُ النَّبِیِّ“ کے
مسلکہ پر، بحث فرما رہے تھے۔ وہ صاحبزادے، کسی طرح، قائل نہ ہوتے تھے کہ:
”وَفَعْلٌ“ حضرت نے فرمایا کہ: اب، تشریف لے جائیں۔“

(تھوڑی دیر بعد) ”وصال ۲۵/ صفر ۱۳۰۷ھ کو، دوشنبہ کو، دوپہر کے قبل، واقع ہوا۔
دفن، مغرب کے بعد، اپنے دونوں اجداد، مولانا انوار و مولانا عبدالحق کے
مزاروں کے درمیان، واقع ہوا۔

آپ کی بڑی یادگار، علاوہ تصنیف کے، اور اولاد کے، اذکارِ میلاد شریف ہیں۔
مولانا (عبدالرزاق، فرنگی محلی) کے قبل، بہت کم جگہ، محافلِ میلاد شریف ہوتے تھے۔
آپ کے فیض و برکت و غضبِ محبتِ نبوی نے اس قدر، ان محافل کو ترقی دی کہ:
اب تقریباً (لکھنؤ) ہر محلے میں محفلِ میلاد شریف، منعقد ہوتی ہے۔
مولانا جب تک معذور نہ ہوئے۔ ربیع الاول میں شنبہ دروز، خود، بیانِ ولادت شریف
کرتے۔ بارہ (۱۲) ربیع الاول کو، خاص سرور، اور مسرت ہوتی۔

نئے کپڑے پہننے کی، کبھی فرمائش، نہ کرتے۔
مگر، ربیع الاول کے لئے مکان کی صفائی کراتے
اور بارہ (۱۲) ربیع الاول کے لئے خاص اہتمام سے نئے کپڑے سلواتے۔

اور بارہ (۱۲) کو، فجر کے وقت، غسل کر کے پہنتے۔

مولانا کی اتباع میں، ان کے مکان میں، اب تک، ربیع الاول کے مہینے بھر، میلاد شریف اور ربیع الثانی کے گیارہ (۱۱) دن، ذکر حضور غوثیت اور محرم کے دس (۱۰) دن، اذکارِ خلفاء و سبطین۔

اور ایامِ وفاتِ خلفاء، اذکارِ خلفاء ہوتے ہیں۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَجْمَعِينَ۔

(ص ۹۶ و ۹۷۔ ”تذکرہ علماء فرنگی محل“۔ مولانا محمد عنایت اللہ فرنگی محلی)

اس کے بعد، مولانا عنایت اللہ فرنگی محلی نے ”حَدِيثُ الشَّهَدَاء“ کے حوالے سے

حادثہ ہنومان گڑھی، اچودھیا اور شہادتِ مولانا امیر علی، ایٹھوی (در ۱۴۷۲ھ) اور حضرت مولانا عبدالرزاق فرنگی محلی کا عالمانہ و مجاہدانہ کردار، بیان کیا ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ:

”ایک مرتبہ، چیف کمشنر آودھ نے ملنے کی خواہش کی۔

مولانا کے انکار پر، جب، اصرار شدید ہوا، تو، مولانا نے ارشاد فرمایا کہ:

”میں نے، غدر (۱۸۵۷ء) کے بعد سے کسی کافرِ حربی کی صورت، نہیں دیکھی ہے۔

اگر وہ، یہاں آیا تو، میں قبو سے اس کا، سر توڑ دوں گا۔“

مولانا کے ایک مخلص مرید کی کوشش سے ”شمس العلماء“ کا خطاب، گورنمنٹ سے ملا تھا۔

جس دن، اس کی اطلاع آپ کو ملی، نہایت غضب و غصہ تھا۔

یہ معلوم ہو کر کہ، فلاں مرید کی وجہ سے ایسا ہوا، اُن پر شدید عتاب ہوا۔

اور فرمایا کہ:

”مجھ کو، ہمنہ نہ دکھائے، میں نے اس کو، بیعت سے، خارج کیا۔“

بعد کو، ان صاحب نے آکر معذرت کی

اور حضرت نے دوبارہ، بیعت میں داخل کیا۔

اُس وقت کا دستور تھا کہ، خطاب یافتہ کو، تمغہ کے علاوہ، عبا بھی ملتی تھی۔

مولانا کے واسطے، جب، یہ چیزیں آئیں

تو، صاحبزادے کو حکم دیا کہ: اسے، ابھی واپس کراؤ۔

اُس وقت کے لوگوں نے کہا کہ:

گورنمنٹ، اس کو، اپنی اہانت سمجھے گی۔ آپ، چھپا کر، اس کو رکھ لیجیے۔

ہم، مولانا کو، حاضری دربار سے مُستثنیٰ کرا لیں گے۔“
اس وقت تک، وہ تمغہ موجود ہے۔

مولانا (عبدالرزاق) کو، اس کی اطلاع ہونے، نہیں پائی تھی۔
مدۃ العمر، کسی انگریز سے ملاقات، نہیں کی۔

مولانا (عبدالرزاق، فرنگی محلی) کی تصانیف، حسب ذیل ہیں:

- (۱) حاشیہ شرح وقایہ (نا تمام) (۲) مَنَهْجُ الرِّضْوَانِ فِي قِيَامِ رَمَضَانَ (۳) كَشْفُ
الْقَنَاتِ عَنْ أُمُورِ الْأَمْوَاتِ (۴) رسالہ مقاماتِ صوفیہ کے بیان میں
(۵) انوارِ غیبیہ (۶) رسالہ سعد و نحس (۷) رسالہ آدابِ مطالعہ۔
(۸) غُمْدَةُ الْوَسَائِلِ۔ تصوف میں، اور اس کی شرح (۹) أَحْسَنُ الْخَصَائِلِ۔
(۱۰) بارہ رسائل ”ذکرِ ولادت حضرت رسالت“ میں۔
(۱۱) ایک رسالہ، میلادِ نبی کا۔

(۱۲) تَنْشِيطُ الْعُشَّاقِ فِي أَحْوَالِ النَّبِيِّ الْمُشْتَاقِ۔

(۱۳) گیارہ رسائل، احوال و سیرِ حضرت غوثیت میں۔

(۱۴) ایک علیحدہ رسالہ، حضرت کے ذکر میں۔

(۱۵) چھ رسائل، اذکارِ خُلفاءِ سبطین میں۔

(۱۶) دورِ سالے، اوقاتِ نماز میں۔ بحسابِ اصولِ جدیدِ ریاضی۔

(۱۷) مقدمۃ التفسیر (۱۸) دورِ سالے، شرحِ اسمائے حسنیٰ میں۔

ان کے علاوہ اور بھی رسالے ہیں، جو، مرتب نہیں ہیں۔

ان کے علاوہ، مولانا کا ایک رسالہ ”حکمِ طعامِ نصاریٰ“ میں نے کتب خانہ میں، مرتب دیکھا ہے۔

مولانا (عبدالرزاق، فرنگی محلی) کا سلسلہٴ ارادت، بہت وسیع ہوا۔

ہزاروں آدمی، سلسلہٴ ارادت میں داخل ہوئے۔

فرنگی محل کے اکثر حضرات کو، آپ سے بیعت تھی۔

فرنگی محل کے حضرات میں سے، اپنی اولاد کے ہوا

مولوی ابراہیم صاحب اور مولوی عبدالباقی صاحب، ابنائے مولوی علی محمد صاحب اور مولوی

عبدالعزیز صاحب بن مولوی عبدالرحیم صاحب کو اجازت و خلافت بھی مرحمت ہوئی۔

اور ملبوس خاص بھی عنایت فرمایا۔ اور مولوی صمصام الحق کو بھی اجازت، عطا فرمائی تھی۔“

(ص ۹۹ و ۱۰۰۔ ”تذکرہ علماء فرنگی محل“۔ مؤلفہ مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی۔ مطبوعہ لکھنؤ ۱۹۳۰ء)

مولانا عبدالرزاق، فرنگی محلی کی اولاد، آپ کی حیات ہی میں فوت ہو گئی تھی۔

صرف، مولانا عبدالوہاب، فرنگی محلی (صاحبزادہ۔ جو، مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے والد

ہوئے) آپ کے بعد، بقید حیات رہے۔

حضرت مولانا شاہ عبدالرزاق، فرنگی محلی کے تعارف و تذکرہ میں مولانا محمود احمد قادری

رفاقتی، مظفر پوری لکھتے ہیں:

”حضرت کے والد کا نام، مولانا جمال الدین، فرنگی محلی۔ ۱۲۳۷ھ سال ولادت باسعادت۔

مولانا جمال الدین، فرنگی محلی کا قیام، بسلسلہ تدریس، مدراس تھا۔

آپ، فطری رجحان کی بنیاد پر تحصیل علم میں لگ گئے۔

پہلے کچھ کتابیں، مولانا نور کریم دریابادی اور مولانا مفتی محمد اصغر اور مولانا مفتی محمد یوسف

فرنگی محلی سے اکثر درسیات پڑھی۔

حدیث و تفسیر، مولانا حسین احمد، ملیح آبادی اور مولانا مرزا حسن علی، لکھنوی سے پڑھی۔

مولانا شاہ محمد عبدالوالی، فرنگی محلی کے مرید تھے۔ کتب تصوف کی تحصیل، انھیں سے کی۔

۱۲۵۴ھ میں تکمیل علوم سے فارغ ہوئے۔

پیر و مرشد اور والد ماجد سے اجازت و خلافت تھی۔

آپ نے آخری عمر میں، تدریس کا کام ختم کر دیا۔

مولانا شاہ عبدالرزاق اپنے زمانے میں فرنگی محل کے نامور صاحب ارشاد بزرگ

و مرجع خاص وعام تھے۔

۲۵ صفر، مظفر، بروز شنبہ، بوقت نصف النہار ۱۳۰۷ھ میں فوت ہوئے۔

آپ کا مزار، باغ مولانا انوار صاحب میں ہے۔“

(ص ۱۱۵۔ ”تذکرہ علماء اہل سنت“۔ مؤلفہ مولانا محمود احمد قادری، رفاقتی۔ مطبوعہ کان پور۔

مولانا محمد نعیم، فرنگی محلی

مولانا محمد نعیم، فرنگی محلی (وصال ۲۲ ربیع الآخر ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء) بن مولانا عبدالکیم بن مولانا عبدالرب بن بحر العلوم، مولانا عبدالعلی، فرنگی محلی۔

”کتاب درسیہ، از اوّل تا آخر، اپنے والد ماجد سے تحصیل فرمائے۔ ریاضی، مولوی کمال الدین موہانی، تلمیذ مولانا نعمت اللہ سے پڑھ کر فراغت پائی۔ اور زلدیگانہ و عالم زمانہ ہوئے۔ آخر عمر تک، سلسلہ تدریس و تالیف، بند نہیں ہوا۔

خاص کر علوم فقہیہ میں کمال و وسعت نظر، حاصل فرمائی تھی۔ آپ کے زمانے میں آپ کا کوئی نظیر، باقی نہیں رہا تھا۔ زہد و اتقا و احتیاط میں، درجہ اعلیٰ، حاصل تھا۔ باوجود وسعت نظر و کمال علم، معمولی استفتوں کا جواب بھی بغیر مکڑ کتاب پر نظر کیے ہوئے نہیں، تحریر فرماتے تھے۔

باوجودے کہ نہایت عسرت سے بسر ہوتی تھی مگر، کبھی، دنیا کی جانب، رغبت نہ فرمائی۔ اور نہ کبھی، امر او حکام سے خلا و ملا رکھا۔ گورنمنٹ کی جانب سے۔ آپ کے علم کے بغیر۔ غیروں کی کوشش سے ”شمس العلماء“ کا خطاب ملا تھا، مگر، نہ کبھی، اس سے ذرا بھی عزت و جاہت کا فائدہ حاصل فرمایا نہ کبھی، دربار میں تشریف لے گئے اور نہ کبھی، کسی سرکاری حاکم کی ملاقات کی تکلیف فرمائی۔ ہر جمعہ کو، مولوی حیدر علی کی مسجد میں وعظ فرماتے تھے۔ نہایت آہستہ گفتگو فرماتے۔ شکل، نہایت نورانی اور پاکیزہ، واقع ہوئی تھی۔

آپ کی صحبت میں حاضرین کو، دنیاوی اشغال سے غفلت اور یاد خدا کی جانب رغبت، پیدا ہوتی تھی۔

باوجود، ارباب دنیا سے قطع تعلق کے، جو، حاضر ہوتا، اُس سے اخلاق کریمانہ سے پیش آتے۔“ (ص ۱۹۴۔ ”تذکرہ علماء فرنگی محل“۔ مؤلفہ مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی)

”میر نے، جن، بزرگوں کو دیکھا ہے

اُن میں، مولانا کے پایہ کو، باعتبار علم و عمل، باعتبار صورت و سیرت، اکثر سے بڑھا ہوا پایا۔

اگلے بزرگوں کے بعد مولانا کی ذات، فرنگی محل کی اگلی روایوں کی حامل اور اگلے بزرگوں کا نمونہ تھی۔

بیعت و اجازت و ارشاد، آپ کو، اپنے والد ماجد سے تھی۔
”تَكْمِلَةُ خَيْرِ الْعَمَلِ“ میں ہے کہ:

حضرت حاجی شاہ، اِمْدَاؤُ اللہ رَحْمَةُ اللہ عَلَیْہِ سے بھی، آپ کو مکہ مکرمہ میں سلسلہ چشتیہ میں اجازت، حاصل ہوئی تھی۔

مولانا اسلم صاحب فرماتے ہیں کہ:

حاجی صاحب موصوف رَحْمَةُ اللہ عَلَیْہِ نے بھی، آپ سے اجازت، حاصل کی تھی۔“

جب، مولانا، حج و زیارت سے مشرف ہوئے

تو، مدینہ منورہ کے مشہور عالم، سید امین رضوان نے مولانا سے سند حدیث، حاصل کی تھی۔“

آپ کے سلسلہ ارشاد میں، ہزاروں اشخاص، داخل تھے۔

خاص کر، جوار کے بہت حضرات کو، آپ سے بیعت تھی۔

ایک کتاب ”تَنْقِیْذُ الْکَلَامِ“ آپ کی مؤلفہ، مطبوعہ ہے۔

مگر، افسوس کہ میں، اس کتاب کی بھی، زیارت سے محروم رہا۔“

(ص ۱۹۵۔ ”تذکرہ علماء فرنگی محل“۔ مؤلفہ مولانا عنایت اللہ، فرنگی محلی)

حضرت حاجی اِمْدَاؤُ اللہ مہاجر کی نے حضرت مولانا محمد نعیم، فرنگی محلی کو

اپنی اجازت، جس طرح، عطا فرمائی

اُسی طرح، حضرت مولانا محمد نعیم، فرنگی محلی نے، حاجی صاحب کو اپنی اجازت سے نوازا تھا۔

حضرت مولانا محمد نعیم، فرنگی محلی، اپنے دور میں

خانوادہ فرنگی محل کے نہایت محتاط و متقی اور عابد و زاہد عالم دین تھے۔

مولانا عبدالوہاب، فرنگی محلی

حضرت مولانا عبدالباری، فرنگی محلی (وصال ۱۳۳۲ھ/۱۹۲۶ء) کے والد ماجد
حضرت مولانا عبدالوہاب، فرنگی محلی (وصال ۲ محرم الحرام ۱۳۲۱ھ) بن مولانا عبدالرزاق
فرنگی محلی، بن مولانا جمال الدین، فرنگی محلی، نہایت جلیل القدر عالم دین اور شیخ طریقت تھے۔
آپ کے بارے میں، مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی لکھتے ہیں:

”حفظ قرآن کے بعد، کتب درسیہ آپ نے مِنْ أَوْلِهِ إِلَى آخِرِهِ اپنے والد ماجد سے
تمام کیے۔ اور اودو اشغال اور تصوف کی تعلیم بھی اپنے والد ماجد (مولانا عبدالرزاق، فرنگی محلی
بن مولانا جمال الدین، فرنگی محلی) سے پائی۔

والد ماجد ہی کی حیات میں، باعتبار زہد و اتقا و فراست، تمام لوگوں میں خاص عزت
حاصل کر لی تھی۔

سلسلہ تدریس و تالیف بھی جاری رکھا۔ فرنگی محل کے لوگوں کے علاوہ، دوسرے تلامذہ بھی
تھے۔ مولانا ریاست علی خاں صاحب، شاہجہاں پوری، اس وقت تک، بقیہ حیات ہیں۔
والد ماجد کے انتقال کے بعد، ان کے جانشین ہوئے۔ سلسلہ تدریس، اس کے بعد
موقوف کر دیا۔ سلسلہ رشد و ہدایت، آخر تک جاری رہا۔ مُریدین، اب تک، کثرت سے زندہ ہیں۔
حضرت مولانا عبدالحی، رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ اور میرے والد ماجد سے علاوہ قرابت
تعلقات محبت اور دوستی، بہت زائد تھی۔

میں نے بزرگان فرنگی محل میں اس قدر سمجھ دار اور اصلاح ذات البین کرنے والا
اور اعزّہ و اقربا کے ساتھ، خفیہ احسانات کرنے والا، آپ کے زمانے میں کسی کو نہیں دیکھا۔
نہایت متواضع اور منکسر المزاج تھے۔ ہر ایک کے ساتھ، تعظیم و توقیر سے پیش آتے۔
باوجود کثرتِ خلق کے، رُعب اور ہیبت ایسی تھی کہ میرے بڑے بھائی کہتے تھے کہ:
میں، اپنے پیر و مُرشد سے بے تکلف تھا اور اس قدر ڈرتا، نہ تھا کہ:

جس قدر، چچا صاحب (مولانا عبدالوہاب) سے ڈرتا تھا۔

جہاں، ہم میں سے کسی کو آواز دی، بس، یہ معلوم ہوا کہ شیر کے سامنے جانا ہے۔

میں نے خود بھی، اس قدر ہیبت و رعب والا، کسی کو نہیں دیکھا۔

آپ کی تصانیف، حسب ذیل ہیں:

(۱) رسالہ جوازِ فاتحہ میں (۲) رسالہ ذکرِ حضرت غوثیت میں (۳) حواشی میرِ قطبی

(۴) حواشی توضیحِ مکتوح (۵) حواشی مثنوی شریف

(۶) هِدَايَةُ الْمُؤْمِنِينَ اور اَزَاحَةُ الضَّالِّينَ (ہر دو، ساتھ ہیں)

بیعت اور اجازت آپ کو، حضرت مولانا عبد الوالی، فرنگی محلی، رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ سے تھی۔

پھر، اپنے والد ماجد کے ہاتھ پر تجدیدِ بیعت فرمائی اور اجازت و خلافت، حاصل کی۔

اپنے والد ماجد کے انتقال کے بعد، حج و زیارت سے مشرف ہوئے

اور حرمین شریفین کے شیوخ سے اجازتِ حدیث، حاصل فرمائی۔

انتقال آپ کا، ۲ محرم ۱۳۲۱ھ یومِ چہار شنبہ کو بوقتِ پونے چار بجے، بعدِ ظہر، واقع ہوا۔

عرس آپ کا، آپ کے والد ماجد کے عرس کے ساتھ ۲۶ صفر کو ہوتا ہے۔

یومِ انتقال میں گھر پر فاتحہ ہوتا ہے۔“

(ص ۱۰۲ و ۱۰۳۔ ”تذکرہ علمائے فرنگی محل“۔ مؤلفہ مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی)

حضرت مولانا عبد الباری، فرنگی محلی، آپ کے نامور فرزند ہیں۔

آپ نے اپنے جلیل القدر والدِ ماجد، حضرت مولانا عبد الوہاب، فرنگی محلی کے احوال

پر مشتمل ایک کتاب، تحریر کی ہے۔ جس کا نام ہے: حَسْرَةُ الْمُسْتَرْشِدِ بِوَفَاةِ الْمُرْشِدِ“

مولانا عبدالباری، فرنگی محلی

حضرت مولانا قیام الدین محمد عبدالباری، فرنگی محلی (ولادت ۱۰ ربیع الآخر ۱۲۹۵ھ / ۱۲ اپریل ۱۸۷۸ء۔ وصال ۴ رجب ۱۳۴۲ھ / ۱۹ جنوری ۱۹۲۶ء، بروز شنبہ)

بن مولانا عبدالوہاب، فرنگی محلی بن عبدالرزاق بن جمال الدین بن علاء الدین احمد بن انوار الحق بن احمد عبدالحق بن ملاً، محمد سعید، سہالوی بن ملاً، قطب الدین شہید، سہالوی۔

حضرت مولانا قیام الدین محمد عبدالباری، فرنگی محلی، چودہویں صدی ہجری کے نصف اول کی وہ مقتدر شخصیت ہے، جس کے محور پر، عہد جدید کی ہندوستانی مسلم تاریخ، بلکہ ہندوستانی سیاست کی جدید تاریخ، بڑی حد تک، گردش کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔

آپ کے ابتدائی احوال اور تعلیم و تربیت کے بارے میں، آپ کے تذکرہ نگار، بیان کرتے ہیں کہ: ”اس آفتابِ عزّت و اقبال کا طلوع ۱۰ ربیع الثانی ۱۲۹۵ھ یوم یک شنبہ مطابق ۱۲ اپریل ۱۸۷۸ء کو، ملک العلماء، ملاً حیدر کی محل سرائے کے، ڈیرہ سے ہوا۔

حب معمول، ساتویں دن، عقیقہ ہوا۔ اور جدِ امجد نے ”قیام الدین محمد عبدالباری“ اسم گرامی، تجویز کیا۔

سچ ہے کہ: اِنَّ الْأَسْمَاءَ تَنْزُلُ مِنَ السَّمَاءِ۔

خدا نے، اس نام کی برکت سے مولانا کو، واقعی، قِیَامُ الْمِلَّةِ وَالِدِیْنِ بنا دیا۔ جب، عمر مبارک، پانچ (۵) سال کی ہوئی، جدِ امجد (حضرت مولانا عبدالرزاق، فرنگی محلی بن مولانا جمال الدین، فرنگی محلی) کی خدمت میں، رسمِ تسمیہ خوانی ہوئی۔

اور قرآن شریف، حافظ حاتم علی صاحب اور بعد کو، حافظ عبدالوہاب صاحب، نبیرہ نواب ظہیر الدّولہ مرحوم سے حفظ کیا اور فارسی اور حساب وغیرہ کی تعلیم، متفرق اساتذہ سے حاصل کی۔ اس کے بعد کتبِ درسیہ کی تحصیل، شروع فرمائی۔ ۱۳۱۸ھ میں ختم درس فرمایا۔ جس وقت، کتبِ درسیہ کی تحصیل، شروع کی، ایک دن بھی، ناغہ نہیں ہوا۔

ہمیشہ، درس میں قاری ہوتے۔ پابندی کا، یہ عالم تھا کہ:

جس دن، آپ کی پہلی بیوی کا انتقال ہوا، اُس دن بھی دفن کے بعد، حضرت استاذ الوقت

(مولانا سید عین القضاۃ، لکھنوی) کی خدمت میں، درس کے لئے حاضر ہوئے۔

مگر، حضرت استاذ، فضائل و اہر صبر، بیان فرماتے رہے۔ اور سبق، موقوف نہیں رکھا۔
میزان سے لے کر متوسطات تک، اکثر کتب، حضرت مولانا عبدالباقی (فرنگی محلی) سے پڑھیں۔ اس زمانے میں، جب کہ:

حضرت مولانا عبدالباقی صاحب حج کو تشریف لے گئے تھے، قطبی مع حاشیہ سید
میمنی، خلاصۃ الحساب، اقلیدس، تفسیر جلالین، اور فقہ الیمین، مولانا غلام احمد، پنجابی سے پڑھیں۔
مطولات میں اکثر کتب، مثلاً: شرح سلم ملاً حمد اللہ سندیلوی، قاضی مبارک، حواشی میرزا ہد
بر ملاً جلالی و بر امور عامہ، شرح مواقف، شرح ہدایہ الحکمۃ للشریازی، شمس بازغہ، شرح ملخص
للعلامة الآچینی، بست باب اصطرلاب، حاشیہ خیالی بر شرح عقائد نفی

اور اصول فقہ میں مُسَلَّم الثبوت، مولانا عین القضاۃ رَحْمَةُ اللہ عَلَیْہ سے پڑھیں۔
اور میرزا ہد رسالہ مع حاشیہ ملاً غلام یحییٰ و دیگر منقولات مطولات، مولانا عبدالباقی صاحب
سے پڑھیں، اور ہدایہ صحیح بخاری، باوجودے کہ مولانا عبدالباقی سے پڑھی تھیں، استاذ الوقت
(مولانا سید عین القضاۃ لکھنوی) کے فرمانے کے مطابق، دوبارہ، استاذ الوقت سے پڑھیں۔

ختم کتب کے بعد، مولانا عبدالباقی صاحب نے اپنے مریات کی
مع مسلمات وغیرہ کے، اپنے سامنے پڑھوا کر، اجازت، عنایت فرمائی۔
مولانا (عبدالباری، فرنگی محلی) جب، اپنے والدین کے ہمراہ ۱۳۰۹ھ میں
مدینہ منورہ، حاضر ہوئے تھے، تو، سید علی بن سید طاہر وتری رَحْمَةُ اللہ عَلَیْہ نے
مولانا کے والد ماجد (مولانا عبدالوہاب، فرنگی محلی) کو، جو اجازۃ حدیث، عطا فرمایا تھا
اُس میں، مولانا اور آپ کے بڑے بھائی کو بھی، اجازت حدیث، مرحمت فرمائی تھی۔
مولانا کے والد ماجد نے، سید علی وتری رَحْمَةُ اللہ عَلَیْہ سے فرمایا کہ:

میرے اس بچے نے تو، ابھی تک، عربی، شروع بھی نہیں کی ہے۔“

محدث موصوف نے جواباً فرمایا کہ:

”میں نے ان کو، تقاضا، اُسی طرح، سند دی ہے، جس طرح، حافظ ابن حجر عسقلانی نے
حافظ سیوطی رَحْمَہُمَا اللہُ تَعَالٰی کو، اجازت، مرحمت فرمائی تھی۔“

اس سفر میں مولانا کو، سید امین رضوان اور سید محمد باشلی حریری سے بھی اجازت کتب حدیث

اور دلائل الخیرات، حاصل ہوئی تھی۔

ختم کتب کے بعد مولانا کو اپنے نانا، مولانا نور الحسن بن ملک العلماء، مولانا حیدر سے اجازت بسلسلہ سید عابد سندھی اور سید احمد دحلان (شافعی، مکی) حاصل ہوئی۔ زمانہ تحصیل ہی سے، مولانا نے تدریس کا سلسلہ جاری فرما دیا تھا۔

ہم لوگوں کے اسباق اُس زمانے میں ہوتے تھے

جب مولانا، حمد اللہ اور شمس باز غہ پڑھتے تھے۔

اُسی زمانے میں ملا حسن اور دیگر کتب مطوٰلہ کا بھی مولانا، درس دیتے تھے۔“

(ص ۱۰۶ تا ۱۰۸۔ تذکرہ علمائے فرنگی محل۔ مؤلفہ مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی)

”تکمیل کے بعد، اسباق کی بہت کثرت ہو گئی تھی۔ نماز فجر سے لے کر، دس (۱۰) بجے تک

اور ظہر کے بعد سے عصر تک، اور اکثر اوقات، شب کو بھی، تدریس کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔

بعض بعض زمانے میں، پندرہ (۱۵) اسباق، روزانہ کی نوبت آ جاتی تھی۔

مولانا (عبدالباری، فرنگی محلی) کی عادت تھی کہ:

شب کو، تدریس کی کتابوں کا مطالعہ، ضرور فرماتے تھے۔

کتابیں، مطالعہ کرنے میں، اس درجہ، مستغرق ہو جاتے کہ:

بعض اوقات، دو اور تین بھی، رات کے، بچ جاتے تھے۔ اور مولانا، کتاب دیکھا کرتے تھے۔

ایک پلنگ، لکڑی کا بنوایا تھا۔ اس پر چڑے کا نہایت سخت تکیہ رکھ کر، بلا بچھونے کے

لیٹے اور سرہانے، روشنی رکھ کر، کتاب دیکھنا شروع کرتے۔ اکثر فرماتے کہ:

”اس طریقہ سے نیند، کم آتی ہے۔ اور اگر، آنکھ لگ جاتی ہے، تو، جلد کھل جاتی ہے۔“

اُس زمانے میں قیلولہ، کبھی نہیں، فرماتے تھے۔

بلکہ مطالعہ کتب میں مصروف رہتے اور استقوں کے جواب، تحریر فرماتے۔

والد ماجد کی تاکید تھی کہ بغیر کتاب دیکھے ہوئے، معمولی سے معمولی فتوے بھی تحریر نہ کرو۔

مولانا فرماتے تھے کہ: میری عادت تھی کہ:

جواب لکھتے وقت، کتابوں کے مقامات، بالاسٹیاب دیکھتا تھا۔

اور خشی الامکان، اس باب کے سب مسائل پر، نظر ڈال جاتا تھا۔“

والد ماجد (مولانا عبد الوہاب، فرنگی محلی) کے انتقال محرم ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء کے بعد

مولانا نے اپنی والدہ اور بھائی اور استاذ کے ہمراہ، عراق اور حرمین کا سفر کیا۔

۲۳ ربیع الثانی ۱۳۲۱ھ کو، وطن (لکھنؤ) سے مع اہل و عیال کے، روانہ ہوئے۔

پاسپورٹ، نہ ملنے کی وجہ سے بمبئی میں ایک ماہ، قیام فرمایا۔ اور آخر شعبان میں بمبئی سے بصرہ کے لئے روانہ ہوئے۔ اور رمضان شریف میں بغداد پہنچے۔

بصرہ اور بغداد کے تمام متبرک مقامات کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

بغداد کے صاحبزادے، بے حد عزت و احترام اور اخلاق سے پیش آئے۔

اور حضرت نقیب الاشراف، سید عبدالرحمن گیلانی زادہ، رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ نے سلاسل کے علاوہ، سند حدیث بھی، مرحمت فرمائی۔

..... شروع ذی الحجہ میں مکہ شریف پہنچے اور یثرب سے مدینہ منورہ، وسطِ حرم میں پہنچے۔ پورے سات (۷) ماہ، وہاں، حاضری رہی۔

اسی اثنا میں، سید علی دہلوی، رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ سے کتب حدیث اور ادب، پورے طور پر پڑھے اور ان سے اور دیگر علما سے اجازت اور اسناد، حاصل کیے۔

نیز، دورانِ حاضری، مدینہ شریف میں بعض اہل مدینہ کو سبق بھی پڑھاتے رہے۔

شعبان ۱۳۲۲ھ کے وسط میں، بعد شبِ براءت کے، مدینہ شریف سے روانہ ہو کر یکم رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ کو، وطن (لکھنؤ) واپس ہوئے۔

چوں کہ مولانا کے بڑے بھائی کی علالت کا سلسلہ، شروع ہو چکا تھا

اس سلسلے میں، مولانا موصوف کے انتقال تک ”بانسہ شریف“ میں مقیم رہے۔

بھائی کے انتقال کے بعد مولانا کی ذمہ داریاں، بہت بڑھ گئی تھیں۔“

(ص ۱۰۹۔ تذکرہ علمائے فرنگی محل۔ مؤلفہ مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی۔ مطبوعہ لکھنؤ۔ ۱۹۳۰ء)

”مولانا نے فرنگی محل کے اطفال کے لئے خاص کر اور نیز عائمہ اہل اسلام کی تعلیم کے لئے

”مدرسہ نظامیہ“ ۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۳ھ (یوم وفات استاذ الہند، مولانا نظام الدین محمد، سہالوی) کو، جاری فرمایا۔ اور اس میں جدید طریقہ تعلیم کو، رائج فرمایا۔“

..... مولانا کا، ایک زمانہ تک، مرکزِ توجہ، صرف مدرسہ ہی رہا۔

جب، مولانا کو مدرسہ کی جانب سے بڑی حد تک، اطمینان ہو گیا۔

اور اتفاق سے، جب بلقان (۱۹۱۲ء)، اس کے بعد، مسجد کان پور کا واقعہ (۱۹۱۳ء)

پھر ترکوں کے ساتھ، لائنڈ چارج کے شرمناک ظلم کے پے درپے، ایسے واقعات پیش آئے جنہوں نے عالم اسلام میں تلاطم پیدا کر دیا۔
اور، یہ صاف نظر آنے لگا کہ:

یورپ کے اقتدار پسند اور اسلام کے دشمن، مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے پر تلے ہوئے ہیں۔ تب، مولانا، علمائے حقانی کے طور پر، دلیرانہ اور مجاہدانہ طور پر سیاسیات مذہبی میں کمال سرگرمی اور جانفشانی سے منہمک ہو گئے۔
اور خدا ام کہہ، خلافت کمیٹی اور جمعۃ العلماء کا، بالترتیب، سنگ بنیاد رکھا۔
..... بہر حال! ان تمام تحریکات میں مولانا نے دامنِ درے قدے نخنے جو، جو کوششیں کی ہیں، وہ، اخبار میں حضرات، خوب جانتے ہیں۔

جس قدر، ذاتی روپیہ، مولانا نے ان تحریکات پر صرف کیا ہے، اُس کی مجموعی مقدار کسی طرح، چالیس (۴۰) پچاس (۵۰) ہزار روپیہ سے کم نہیں۔
..... جب، ابن سعود نے حرمین پر قبضہ کر کے اپنے بدعات و اہیہ کو رائج کیا۔
اور خدا، اور اس کے رسول کے مقرّر رکھے ہوئے حرم اور جائے امن کو، قتل گاہِ اہل اسلام بنالیا تو، مولانا سے، اور ساتھی لیڈروں سے اختلاف پیدا ہو گیا۔ جس نے بہت طول پکڑا۔
مولانا نے اُس وقت کوششِ تبلیغ سے ”حُدُودِ الْحَرَمَین“ کی بنیاد ڈالی، جو آج تک، قائم ہے۔
ان کاموں میں مولانا کو، اس قدر انہماک شدید تھا کہ:

اکثر، دن بھر اور رات کے دو ٹکٹ حصوں میں انھیں امور پر عملی توجہ، مبذول رہتی۔
خلافت کمیٹی کی امداد کے سلسلے میں مولانا نے اپنے ذاتی مصارف سے تمام ہندوستان کا یا۔ تو، سفر فرمایا، یا۔ اپنے بھائیوں، بھتیجیوں کو بھیجا۔ خود تقریباً، ہر دوسرے مہینے، بمبئی کا سفر فرماتے۔
بہر حال! عمر کا آخری حصہ، مولانا نے اسی جہاد میں بسر فرمایا۔“

(ص ۱۱۰ و ۱۱۱۔ تذکرہ علمائے فرنگی محل۔ مؤلفہ مولانا محمد عنایت اللہ فرنگی محلی۔ مطبوعہ اشاعت العلوم۔

فرنگی محل لکھنؤ۔ ۱۳۴۹ھ تا ۱۹۳۰ء)

تذکرہ نگار نے آخر کی جن سرگرمیوں کا ذکر کیا ہے، اُن کا تعلق ۱۹۱۹ء تا ۱۹۲۲ء سے زیادہ ہے۔ اسی زمانے میں تحریکِ خلافت و تحریکِ ترکِ موالات و تحریکِ ہجرت کا آغاز اور عروج ہوا۔
ان ہنگامہ خیز تحریکات نے مسلمانانِ ہند کو جھجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔

ان تحریکات کا ”نقطہ پر کار“ حضرت مولانا عبدالباری، فرنگی محلی کی ذات گرامی تھی۔ مگر، افسوسناک حقیقت، یہ بھی ہے کہ ان تحریکات کی بعض سنگین بے اعتدالیوں نے شرعی مواخذات کے ساتھ، تاریخی نقصانات کے واضح امکانات بھی پیدا کر دیے تھے۔ تفصیل و تحقیق کے لئے ملاحظہ فرمائیں: ”علمائے اہل سنت کی بصیرت و قیادت“ بقلم، یسّٰ اختر مصباحی۔ دار القلم، قادری مسجد روڈ، ڈاکرنگر۔ نئی دہلی ۲۵۔

حضرت مولانا عبدالباری، فرنگی محلی، جید اور جلیل القدر عالم اہل سنت تھے۔ مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی (متوفی ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء) لکھتے ہیں کہ: ”باوجود، ان مشاغل کے، عبادت و ریاضت اور خدمتِ علم میں کبھی، کوتاہی، نہیں فرمائی۔ مدۃ العمر، سفر و حضر میں، کبھی بھی جماعت کے ساتھ، نماز، ناغہ نہیں ہوئی۔

ہمیشہ، سفر میں، محض ضرورت جماعت کے لئے، دو آدمی، ہمراہ لے جاتے۔ رمضان المبارک میں شب و روز میں کبھی، دو اور کبھی کچھ کم و بیش، قرآن ختم کرتے اور سوائے دو تین گھنٹوں کے، بالکل آرام، نہ فرماتے۔

وفات سے چند سال پیشتر، مولانا کو، زہر، استعمال کرا دیا گیا۔ جس کا اثر فوراً، معلوم ہونے پر، مددوا کیا گیا، مگر، افاقہ، نہیں ہوا۔

..... تقریباً، سوا گیارہ بجے شب کو، ۴/رجب ۱۳۴۳ھ/مطابق ۱۹ جنوری ۱۹۲۶ء روزہ شنبہ، شب چہار شنبہ کو، حضرت نے رحلت فرمائی۔

شہر بھر میں، ایک تہلکہ اور کہرام تھا۔ صبح کو، بعد نماز فجر، غسل، شروع ہوا۔ اور دس بجے کے قریب، جنازہ، تیار ہو کر، اوّل مزارِ مبارک حضرت مخدوم شاہ مینا قدس سرہ پر، لے گئے۔ اور وہاں، حضرت قطب میاں صاحب نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ اس کے بعد، باغ حضرت مولانا انوار الحق کے متصل سڑک پر دوبارہ، جناب حکیم مولوی دہانج الحق صاحب نے نماز پڑھائی۔“

(ص ۱۲۲، ۱۲۳۔ ”تذکرہ علمائے فرنگی محل“۔ مؤلفہ مولانا محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی۔ مطبوعہ اشاعت العلوم

فرنگی محل۔ لکھنؤ۔ ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء)

حضرت مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی، مظفر پوری، حضرت مولانا عبدالباری، فرنگی محلی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ کے تعارف و تذکرہ میں، رقم طراز ہیں:

”قُدُوهُ اُخْلَفَ، بَقِيَّةُ السَّلَفِ، حضرت علامہ شاہ، محمد عبدالباری بن حضرت مولانا شاہ عبدالوہاب بن حضرت مولانا شاہ عبدالرزاق بن غیظ المناقین، مُضَلِّک الوُضَائِن، حضرت مولانا شاہ محمد جمال الدین فرنگی محلی، قَلْبَسْتُ اَسْرَارَهُمْ، ۱۲۹۵ھ میں فرنگی محل، لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ حضرت مولانا شاہ عبدالباقی، فرنگی محلی، مدنی عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ سے اکثر علوم کا درس لیا۔ چند کتابیں، حضرت مولانا عین القضاة، حیدر آبادی، لکھنوی، تلمیذ مولانا محمد عبدالحی، فرنگی محلی سے پڑھیں۔

۱۳۲۲ھ میں، خرین طہیین کا سفر کیا۔ اور حج کے بعد، مدینہ طیبہ میں حضرت علامہ سید علی بن ظاہر الوتری الممدنی اور شیخ الدلائل، علامہ سید امین بن رضوان اور علامہ شیخ سید احمد، برزنجی، مدنی اور حضرت شیخ المشائخ، سید عبدالرحمن، بغدادی، نقیب الاشرف قَدْ سَ اللہ اَسْرَارَهُمْ سے سند و اجازت حدیث و سلاسل طریقت، حاصل کی۔

آپ کو، تمام علوم میں، تبحر تام حاصل تھا۔

فاضل بریلوی، مولانا احمد رضا، آپ کو ”فاضل اکمل“ کہتے تھے۔

خرین طہیین سے واپسی کے بعد، مدرسہ نظامیہ (فرنگی محل) میں، درس و تدریس میں مشغول ہوئے۔ پوری قوت سے درس دیتے تھے۔ پہلے فنون سے دل چسپی تھی۔

آخر میں، صرف حدیث شریف پڑھاتے تھے۔

بڑے بڑے علما اور فضلاء نے آپ سے اخذِ علوم کیا۔

آپ کو سیاست سے بھی بڑی دل چسپی تھی۔ مسٹر گاندھی کو آپ ہی کی ذات سے شہرت نصیب ہوئی۔ مگر، اعلیٰ حضرت، امام اہل سنت، مولانا شاہ احمد رضا، بریلوی عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ کے توجہ دلانے پر، مسٹر گاندھی کا ساتھ، چھوڑ دیا۔

بقیع مبارک، مدینہ طیبہ اور حنفی المصلحین، مکہ معظمہ کے مزارات کے انہدام اور سعود اول کے مظالم و خفا کی آپ نے بھی، سخت مخالفت کی۔

..... آپ نے، مولانا تھانوی کو، حفظ الایمان کی کفری عبارت سے توبہ کے لئے بار بار، متوجہ کیا۔ مگر، ان کو توبہ کی توفیق، نصیب نہ ہو سکی۔

جو اودھنی تھے۔ مہمان کے اکرام میں کافی مبالغہ کرتے تھے۔ نماز باجماعت کے خیال سے ہر سفر میں، دو آدمیوں کو ساتھ، رکھتے تھے۔ ”الیٰ آخرہ۔“

(ص ۳۷۳ و ۳۷۴)۔ ”تذکرہ علمائے اہل سنت“۔ مؤلفہ مولانا محمود احمد قادری، رفاقتی، مظفر پوری

مطبوعہ کان پور۔ یو پی۔ ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء)

”جمعۃ العلماء کی تاسیس، فرنگی محل، لکھنؤ کے نامور عالم دین، حضرت مولانا شاہ عبدالباری فرنگی محلی رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْہِ نے کی تھی۔

ان کا سطح نظر، انگریزی راج میں مسلم مفادات کا حصول اور تحفظ تھا۔

..... اس کا پہلا اجلاس، حضرت رسولِ نما کی درگاہ شریف، دہلی میں ہوا تھا۔

جس میں، کسی دیوبندی مولوی کی شرکت، نہ تھی۔

..... امام اہل سنت، حضرت مولانا احمد رضا، بریلوی قُدَسَ سِرُّہُ نے

حضرت مولانا عبدالباری کو ایک خط میں مفید، مشورہ دیا کہ:

”جمعۃ العلماء کی صدارت، آپ اپنے ذمہ رکھیں تو، بہتر رہے گا۔

آپ، پھر بھی، ہم لوگوں سے قریب ہی رہیں گے۔“

امام اہل سنت کی مومنانہ فراست تھی، جس نے آندھی طوفان اٹھنے سے پہلے

اُس کے رُخ کو متعین کر دیا تھا۔

بالآخر، جمعیت کے کلیدی عہدوں پر، دیوبندیوں کا قبضہ ہو گیا۔

صدارت و نظامت پر، ان کا قبضہ ہو گیا۔“ الخ۔

(ص ۳۰۵ و ۳۰۶)۔ ”سوانحِ رفاقتی“۔ مؤلفہ مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی، مظفر پوری۔

کاروانِ رفاقت، اسلام پور۔ مظفر پور۔ بہار۔ ۱۴۳۱ھ (نومبر ۲۰۱۰ء)

”دارالعلم والعمل، فرنگی محل، لکھنؤ سے ماہنامہ ”النظامیہ“ جاری ہوا۔

اور امام العلماء، برہان العلم والعمل، مولانا شاہ محمد عبدالباری، فرنگی محلی قُدَسَ سِرُّہُ کی

اُسے زبردست سرپرستی، حاصل رہی۔

”النظامیہ“ نے مسلکِ اہل حق کی خوب خوب تائید کی۔ مولوی تھانوی کے ابطال کے

بطلان میں ”النظامیہ“ نے سرگرمی دکھائی۔ بدایوں و بریلی کے بزرگوں نے ان سے

اشتراکِ عمل کیا۔“ الخ (ص ۳۳۴)۔ ”سوانحِ رفاقتی“۔ مؤلفہ مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی۔ مطبوعہ ۲۰۱۰ء)

”دارالعلومِ معینیہ، عثمانیہ (احمد شریف) کے اہتمام و انصرام کے لئے میر مجلس، شیخ الاسلام

حضرت مولانا شاہ محمد انوار اللہ، فاروقی، حیدر آبادی، عَلَیْہِ الرِّحْمَةُ کی منظوری سے

”کمیٹی صدر“ ”کمیٹی منتظم“ کا قیام عمل میں آیا۔

”مجلس العلماء“ کے قیام کی تجویز، مرجع انام، حضرت مولانا شاہ محمد عبدالباری، فرنگی محلی
قُدس سیرۃ نے فرمائی۔

میر مجلس، حضرت شیخ الاسلام (حیدر آبادی) قُدس سیرۃ نے اس تجویز کو غایت پسندیدگی کی
نظر سے دیکھا اور منظوری، عطا فرمائی۔

ایسے عظیم الشان اور مرکز اسلامیان ہند کے تعلیمی انصرام کے لئے اکابرِ علم و معرفت
اور اعظم ہند اولیاء و علما میں سے منتخب افراد، منتخب کیے گئے، جن کی تعداد، تیرہ (۱۳) پر مشتمل تھی۔
”مجلس العلماء“ ۱۳۳۶ھ میں قائم ہوئی اور اسی برس کی روداد میں ان حضرات کے نام نامی
مندرج ہیں۔ بعد میں گئے چند دوسرے حضرات کے ناموں کی بھی شمولیت ہوئی۔

(۱) مولانا شاہ پیر، سید مہر علی شاہ، گرگڑہ شریف، پنجاب۔

(۲) حضرت مولانا حکیم، سید برکات احمد، ریاست ٹونک، راجستھان۔

(۳) رئیس المحکمین، حضرت مولانا سید محمد سلیمان اشرف، پروفیسر، مدرسۃ العلوم، علی گڑھ۔

(۴) حضرت مولانا شاہ، قیام الدین محمد عبدالباری، فرنگی محلی، مرکز علم و عمل، فرنگی محل، بکھنؤ۔

(۵) حضرت مولانا شاہ محمد سلیمان، قادری، چشتی، بھلواری، عظیم آباد، پٹنہ، بہار۔

(۶) حضرت مولانا سید، دیدار علی شاہ، محدث اٹوری، لاہور۔

(۷) حضرت مولانا شاہ، محمد حامد رضا خاں، بریلی شریف۔

(۸) صدر الافاضل، مولانا حکیم محمد نعیم الدین، مراد آبادی۔

(۹) استاذ العلماء، مولانا مفتی محمد عنایت اللہ، فرنگی محلی

صدر المدرسین، جامعہ نظامیہ فرنگی محل، بکھنؤ۔

(۱۰) مولانا مفتی محمد حفیظ اللہ، علی گڑھی، صدر المدرسین، مدرسہ لطیفہ، علی گڑھ۔

(۱۱) مولانا مفتی نثار احمد، کان پوری، مفتی آگرہ۔

(۱۲) مولانا شاہ، عبدالکریم، جوڑی۔

(۱۳) مولانا شاہ، غلام محی الدین، ویرگامی۔

جونصاب تعلیمی، مولانا محمد معین الدین، اجمیری نے اپنے قائم کردہ، مدرسہ معین الحق، ۱۳۲۷ھ
کے لئے مرتب کیا تھا، میر مجلس دارالعلوم، حضرت شیخ الاسلام، عارف باللہ، مولانا حافظ حاجی شاہ

محمد انوار اللہ، چشتی نے اُسی کو برقرار رکھا اور مرجعِ اُنام، مولانا محمد عبدالباری، فرنگی محلی نے بھی اُسے پسند فرمایا۔ چنانچہ، وہ نصاب، دارالعلوم، (معینیہ عثمانیہ) کا نظام تعلیمی، قرار پایا۔ الٰہی آخرہ۔
(ص ۸۲ ج ۱ و ص ۸۳۔ سوانحِ رفاقی۔ مؤلفہ مولانا محمود احمد، قادری، رفاقی، مظفر پوری۔
کاروانِ رفاقت، اسلام پور۔ مظفر پور، بہار۔ مطبوعہ ۱۳۳۱ھ/۲۰۱۰ء)

حضرت مولانا عبدالباری، فرنگی محلی کے وہ مذہبی خیالات و افکار، جو مذہبِ اہلِ سنت و جماعت کی تائید اور فرقیِ باطلہ کی تردید پر مشتمل ہیں، اُن کا ایک خلاصہ، ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

”اس وقت ”فتاویٰ قیامِ المِلَّةِ وَ الدِّینِ“ حصہ اول کا ایک پرانا نسخہ میرے پیش نظر ہے، جو فرنگی محلی کے اکابر علما کے فتاویٰ پر مشتمل ہے۔
اس کی جمع و ترتیب کا کام، خود، مولانا عبدالباری، فرنگی محلی نے انجام دیا ہے۔
مولانا فرنگی محلی نے اس میں ایک خاص رعایت، یہ برتی ہے کہ:
جہاں کہیں، آپ کو کچھ کی نظر آئی، یا۔ کچھ ترڈ و ہوا، اُس کے آگے ”جامع الفتاویٰ“ کا نوٹ لگا کر، تسلی بخش وضاحت فرمادی ہے۔

پیش ہے فتاویٰ قیامِ المِلَّةِ وَ الدِّینِ کی روشنی میں
مولانا عبدالباری، فرنگی محلی کے افکار و عقائد کی چند جھلکیاں:

(۱) جو شخص، اس بات کا قائل ہو کہ، خدا تعالیٰ کا جھوٹ بولنا، ممکن ہے، وہ، کافر ہے۔ ص ۲۷۳
(۲) جو شخص، نبی اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد کسی نبی کے آنے کو، ممکن قرار دے
وہ، کافر ہے۔ ص ۳۷۔

(۳) سرکارِ رسالت پناہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی طرف منسوب اور آپ سے متعلق
کسی چیز کی بھی، توہین و تحقیر، کفر ہے۔ ص ۱۶۷۔

(۴) نبی اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو، بھلائے الٰہی، علمِ غیب، حاصل تھا۔
بلکہ، جَمِیعِ مَکَان و مَایَکُون کا علم، آپ کو، دیا گیا ہے۔ ص ۶۹-۱۹۰۔
(۵) انبیاء اور اولیاء کو، علمِ غیب سے بالکل خالی سمجھنا، معاذ اللہ، کفر سے خالی نہیں۔
کیوں کہ، اس سے بعض آیاتِ قرآنی اور دُوسرے قدرت کا انکار، لازم آتا ہے۔ ص ۷۷۔
(۶) اہلِ سنت و جماعت کے نزدیک، صراحتہً، ثابت ہے کہ:

حق تعالیٰ نے، سرورِ کائنات صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو۔ اولین، آخرین، ماضی، مستقبل

بدِ خلق، تا قیامت، ہا کَانَ و مَا یَکُونُ، بلکہ، تمام جُز و کُل کا علم، عطا فرمایا ہے۔ ص ۴۷۔
(۷) حضور کے شفیع ہونے میں شک کرنے والا شخص، دشمنِ رسول ہے۔

یا۔ طُح و بے دین ہے۔ یا۔ پھر، زندیق ہے۔ ص ۷۸۔

(۸) میلاد شریف کو، کسی کے جسمِ دن وغیرہ سے تشبیہ دینا، کفر ہے۔ ص ۱۶۷۔

(۹) قیام، بوقتِ ذکرِ ولادتِ خیر الانام، جائز و مستحسن ہے۔ ص ۹۷۔

(۱۰) بزرگوں کے آثار و تبرکات کی تعظیم، جائز ہے۔ ص ۱۸۲۔

(۱۱) مصْطَفٰی ”تقویۃ الایمان“ نے، بلاشبہ، توہینِ رسول کی ہے۔ ص ۱۹۰۔

(۱۲) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے والدین کریمین، مؤمن تھے۔ ص ۱۹۲۔

(۱۳) انبیاءِ کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام اور ملائکہ کے رُؤا

کوئی بھی، معصوم عن الخطا، نہیں ہے۔ ص ۲۷۵۔

(۱۴) خلیفہ برحق، علی الترتیب، سیدنا صدیق اکبر، پھر، سیدنا عمر فاروق، پھر، سیدنا عثمان غنی

پھر، سیدنا علی مرتضیٰ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ، ہیں۔ ص ۲۰۳۔

(۱۵) حضرت امیر معاویہ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کے سلسلے میں بدظنی سے زبان اور دل کو بچانا

واجب ہے۔ ص ۲۵۸۔

(۱۶) جو شخص، یزید پلید کو، امام برحق اور سید الشہداء کو، باغی کہے، گمراہ و گناہ گار ہے۔

اُس پر توبہ، واجب ہے۔ ص ۲۱۲۔

(۱۷) نبی اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم، اللہ کے نور ہیں۔ یہی، صحیح عقیدہ ہے۔ ص ۳۰۔

(۱۸) حقِّ نبی، دعا میں کہنا، بمعنی وسیلہ کے، حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی

تعلیم سے ثابت ہے۔ ص ۳۰۔

(۱۹) عبدُ النبی، عبدُ الرسول نام رکھنا، جائز ہے۔ ص ۳۷۸۔

(۲۰) حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو، دَافِعُ الْبَلَاءِ وَالْوَبَاءِ وَالْفَحْطِ

وَالْمَرَضِ وَالْأَلَمِ کہنا، جائز ہے۔ اور ”دروِ تاج“ کے تمام مندرجات، درست ہیں۔ ص ۸۱۔

(۲۱) ذکرِ مولود شریف، ہرگز، بدعتِ سیئہ نہیں، بلکہ امرِ مندوب ہے۔ ص ۸۶۔

(۲۲) نام اقدس سُن کر، دونوں انگوٹھے چوم کر آنکھوں سے لگانا، مستحب ہے۔ ص ۱۰۷۔

(۲۳) جو شخص، میلاد کی توہین کرے، اُس سے مسلمانوں کو سخت پرہیز کرنا چاہیے۔ ص ۱۰۶۔

(۲۴) فرقہ وہابیہ، فرقہ مُفسدین ہے۔ اس کے پیچھے، نماز، درست نہیں۔

ان کے ساتھ، مجالست و مخالطت اور ان کو، اپنی مساجد میں آنے دینا

جائز نہیں۔ ص ۲۷۲ و ۲۷۳۔

(۲۵) بلا تحقیق، کسی پر لعن طعن کرنا، الزام لگانا، وہابی اور بے ایمان کہنا

ہر مسلمان کے حق میں، کبیرہ ہے۔ ص ۳۱۹۔

(ص ۱۵ تا ص ۱۷۔ مختصر تعارف مولانا عبد الباری، فرنگی بھلی۔ بقلم مولانا محمد احمد رضا اشرفی مصباحی

شُخْطِ اَلْهَدِیْثِ جامعہ چشتیہ، خانقاہ حضرت شُخْطِ الْعَالَم۔ ردولی شریف ضلع بارہ بنکی۔ یوپی۔ درآغازِ تَنْوِیْرُ الصَّبْحِیْفَةِ

فِی تَابِعِیَّةِ اَبِی حَنِیْفَةَ۔“ مؤلفہ حضرت مولانا عبد الباری، فرنگی بھلی۔ شائع کردہ: شعبہ نشر و اشاعت۔

جامعہ چشتیہ، خانقاہ حضرت شُخْطِ الْعَالَم۔ ردولی شریف۔ ۱۴۳۲ھ/۲۰۱۱ء)

مولانا عبدالباقی، فرنگی محلی، مہاجر مدنی

مولانا شاہ عبدالباقی، فرنگی محلی (ولادت ۱۲۸۶ھ لکھنؤ۔ وصال ۴ ربیع الآخر ۱۳۶۳ھ/

۱۹۴۵ء۔ مدفون جنت البقیع۔ مدینہ منورہ)

بن مولانا علی محمد، بن مولانا محمد معین، بن ملاً، محمد مبین فرنگی محلی۔ رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی۔

آپ کے بارے میں قطب مدینہ، حضرت مولانا الشیخ ضیاء الدین احمد، قادری، مدنی (ولادت ۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء ضلع سیالکوٹ، پنجاب۔ وصال ۴ ربیع الاول ۱۴۰۱ھ/۲ اکتوبر ۱۹۸۱ء۔ مدینہ منورہ۔ مدفون جنت البقیع) کے احوال پر مشتمل کتاب ”انوار قطب مدینہ“ کے مرتب خلیل احمد رانا لکھتے ہیں:

..... ”مولانا سید عبدالحی، چانگامی، ابوالحسنات، مولانا عبدالحی بن مولانا عبدالحلیم، فرنگی محلی مولانا سید عین القضاۃ بن محمد وزیر حیدر آبادی، مولانا فضل اللہ بن نعمت اللہ، فرنگی محلی اور مولانا محمد نعیم، فرنگی محلی بن مولانا محمد عبدالحکیم نظامی، فرنگی محلی رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی سے اخذِ علوم کیا۔ مولانا شاہ عبدالرزاق، فرنگی محلی بن مولانا جمال الدین، فرنگی محلی سے بیعت ہوئے۔ ایک مدت تک، فرنگی محل میں درس و تدریس میں مشغول رہے۔ پھر، حریم شریفین کا سفر کیا۔ حج کے بعد، مدینہ طیبہ میں سکونت، اختیار کی۔

ملاً، نظام الدین، فرنگی محلی کی یاد میں ”مدرسہ نظامیہ“ قائم کیا۔

اور پوری توجہ سے درس و تدریس میں مصروف رہے۔

نظام حیدر آباد، میر عثمان علی، مرحوم کی طرف سے مدرسے کا وظیفہ، مقرر تھا۔

سلطنت ہاشمی کے سقوط کے بعد، آپ، سخت آزمائش میں مبتلا ہو گئے۔ نجدی حکومت نے آپ پر سخت نظر رکھی، مگر، آپ نے اعتقادی امور میں کبھی، مداخلت، گوارا نہ کی۔

آپ کا ذاتی کتب خانہ، مدینہ منورہ میں موجود و محفوظ ہے۔

مولانا محمد رضا، انصاری، فرنگی محلی نے ۱۹۶۵ء میں اس کتب خانہ میں بیٹھ کر ”خیر العمل“

و تراجم علماء فرنگی محل“ تالیفات ابوالحسنات، مولانا عبدالحی، فرنگی محلی سے استفادہ کیا تھا۔“

(ص ۱۴)۔ ”بانی درس نظامی“ مؤلفہ مولانا محمد رضا، انصاری، فرنگی محلی۔ مطبوعہ لکھنؤ۔ ۱۹۷۳ء)

آپ (مولانا شاہ عبدالباقی، فرنگی محلی) کی تصنیفات میں ”حُسْرَةُ الْفُحُولِ بِوَفَاةِ نَائِبِ
الرَّسُولِ“ - الْمُنْحُ الْمَدْنِيَّةُ فِي مُخْتَارَاتِ الصُّوفِيَّةِ“ - رسالہ فی تحقیقِ علم الغیب“
قُرَّةُ الْاَبْصَارِ فِي نَسَبِ قُطْبِ الْاَنْصَارِ“ - اور دوسرے رسائل کے نام ملتے ہیں۔

۴ ربیع الآخر ۱۳۶۴ھ / ۱۹۴۵ء کو، مدینہ طیبہ میں وصال ہوا۔

اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ سُبْحَنَ اللّٰہ۔

حضرت مولانا الشیخ محمد علی حسین، خیر آبادی، مدنی رَحْمَةُ اللّٰہِ عَلَیْہِ (متوفی ۱۳۷۷ھ)

آپ کے ممتاز تلمیذ اور خلیفہ مجاز تھے۔

حضرت مولانا الشیخ ضیاء الدین، مہاجر مدنی قُدَسَ سِرُّہُ کو، آپ نے

سلسلہ طریقت کی اجازت، مرحمت فرمائی تھی۔“

(ص ۱۶۴ و ص ۱۶۵ - ”انوار قطب مدینہ“ مرتبہ: خلیل احمد رانا۔ مطبوعہ مرکزی مجلس رضا۔

اندرون نکسالی گیٹ، لاہور۔ طبع اول، ربیع الاول ۱۴۰۸ھ)

تلامذہ خانوادہ فرنگی محل

ص ۱۹۴ تا ص ۳۴۸

مُلاً، حمد اللہ، سند یلوی

مُلاً، حمد اللہ، سند یلوی (متوفی ۱۱۶۰ھ - ۱۷۴۷ء - مدفون دہلی) بن شکر اللہ بن دانیال بن پیر محمد، صدیقی سند یلوی، معروف ترین معقولی عالم ہیں۔ مُلاً، نظام الدین محمد، سہالوی، فرنگی محلی اور مُلاً، کمال الدین سہالوی کے تلامذہ میں نمایاں حیثیت کے حامل ہیں۔

”حمد اللہ“ کے نام سے ان کی ایک کتاب ماضی قریب تک، درسِ نظامی کے نصاب میں شامل تھی۔ جو، ”سَلَمُ العلوم“ کی بحثِ تصدیقات کی شرح ہے۔

مُلاً، حمد اللہ، سند یلوی، نَسَباً، صدیقی، مگر، مذہباً، شیعہ تھے۔

ان کے تعارف و تذکرہ میں رحمن علی (متوفی ۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء) ”تذکرہ علمائے ہند“ میں لکھتے ہیں:

”مولوی حمد اللہ، سند یلوی ولد حکیم شکر اللہ ولد شیخ دانیال ولد پیر محمد صدیقی

مُلاً، نظام الدین بن مُلاً، قطب الدین، سہالوی کے ممتاز تلامذہ میں تھے۔

عالم، عامل اور طبیب حاذق تھے۔

قصبہ سندیلہ (مضافات لکھنؤ) میں ایک بڑا مدرسہ، جاری کیا۔ مدرسے کے مصارف کے لئے چند بیگمہ آراضی، بادشاہِ وقت کی طرف سے معافی ملی۔

انھوں نے اپنی تمام عمر، طلبہ کے درس و افادہ میں صرف کیا۔

شاہِ دہلی کی طرف سے ”فہم اللہ خاں“ کا خطاب ملا۔ مشہور علمائے اُفق نے ان کے

سایہ دامن میں تربیت پائی۔ ان کے اُسامے گرامی، درج ذیل ہیں:

(۱) قاضی، احمد علی، سند یلوی۔ داماد مُلاً، حمد اللہ، سند یلوی (۲) مولوی احمد حسین، لکھنوی

(۳) مُلاً، باب اللہ، جون پوری (۴) مولوی محمد اعظم، قاضی زادہ، سندیلہ (۵) مولوی عبداللہ

بن مولوی زین العابدین، مخدوم زادہ سندیلہ۔

مولوی حمد اللہ کی مندرجہ ذیل تصانیف، مشہور ہیں:

شرح تصدیقات ”سَلَمُ العلوم“، معروف بہ ”حمد اللہ“۔ حاشیہ شمسِ بازغہ۔ حاشیہ صدر۔

شرح زُبْدۃ الاصول، عالمی۔

ان کی وفات، دہلی میں ۱۱۶۰ھ/۱۷۷۷ء میں ہوئی۔

حضرت قطب الدین، اوشی (بختیار کاکی) قدس سیرہ کے غرب و جنوب میں دفن ہوئے۔“
(ص ۱۶۹۔ تذکرہ علمائے ہند۔ مؤلفہ مولانا رحمن علی۔ اردو ترجمہ از پروفیسر محمد ایوب قادری۔

مطبوعہ پاکستان ہسٹوریکل سوسائٹی۔ کراچی۔ طبع اول ۱۹۶۱ء)

حکیم عبدالحئی، رائے بریلوی (متوفی ۱۳۳۱ھ/۱۹۲۳ء) نے مثلاً، حمد اللہ، سندیلوی کے بارے میں لکھا ہے: الصَّدِيقِي نَسَبًا وَ الشَّيْعِي مَذْهَبًا۔

اور اس کے آگے لکھا ہے: كَانَ مِنَ الْأَسَاتِذَةِ الْمَشْهُورِينَ فِي أَرْضِ الْهِنْدِ۔

وُلِدَ وَ نَشَأَ بِسُنْدِيلِهِ۔ وَقَرَأَ الْعِلْمَ عَلَى الشَّيْخِ الْعَلَامَةِ كَمَالِ الدِّينِ الْفَتْحِ بُورِي وَ الشَّيْخِ الْأَجَلِّ نِظَامِ الدِّينِ بْنِ قُطُبِ الدِّينِ الْأَنْصَارِيِّ السَّهَالَوِيِّ۔

.... وَلَهُ مَصْنُفَاتٌ عَدِيدَةٌ۔ أَشْهُرُهَا: تَعْلِيْقَاتُهُ عَلَى "الشَّمْسِ الْبَاغِغَةِ" لِلْحَجَوْنِ بُورِي وَ تَعْلِيْقَاتُهُ عَلَى "شرح هِدَايَةِ الْحِكْمَةِ" لِلشَّيْرَازِيِّ وَ لَهُ شَرْحٌ عَلَى "زُبْدَةِ الْأَصُولِ"

لِلْعَامِلِيِّ وَ شَرْحٌ بَسِيطٌ عَلَى "سَلَمِ الْعُلُومِ" لِلْفَاضِلِ الْبَهَارِيِّ وَ هُوَ أَشْهُرُ مَوْفَاتِهِ تَلَقَّاهُ

الْعُلَمَاءُ بِالْقَبُولِ وَ أَدْخَلُوهُ فِي بَرَامِجِ الدَّرْسِ۔ (ص ۱۶۷۔ نَزْهَةُ الْخَوَاطِرِ۔ ج ۶۔ دارالمن حزم، بیروت)

حضرت شیخ صفی عبدالصمد بن مولانا عالم الدین، معروف بہ حضرت مخدوم شاہ صفی (وصال محرم ۹۴۵ھ/جون ۱۵۳۸ء۔ صفی پور شریف، ضلع اناؤ۔ اتر پردیش) تمیز و مرید و خلیفہ حضرت مخدوم شیخ

سعد الدین خیر آبادی (وصال ربیع الاول ۹۴۲ھ/۱۵۱۶ء) مرید و خلیفہ قطب اودھ، حضرت شیخ محمد بن قطب، معروف بہ حضرت شاہ مینا، لکھنؤی (وصال صفر ۸۸۴ھ/۱۴۷۹ء) سے منسوب

”سلسلہ صفویہ“ کے ساتویں سجادہ نشین

حضرت شاہ عبداللہ، صفوی (وصال ۱۱۶۳ھ) کے ایک مرید و خلیفہ، حضرت شاہ قدرت اللہ

صفوی (وصال رجب ۱۱۸۳ھ/۱۷۶۹ء) بن شیخ ہدایت اللہ، قدوائی (مسولی، ضلع بارہ بنکی۔

اتر پردیش) کے تذکرہ میں ملتا ہے کہ، انھوں نے سترہ (۱۷) حضرات کو اپنی اجازت و خلافت سے

نوازا تھا۔ جن میں سے دو نام، مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) حضرت مولانا شاہ اکبر علی، سندیلوی (متوفی ۱۲۲۰ھ) خلیفہ اکبر، مثلاً، حمد اللہ، سندیلوی۔

(۲) حضرت مولانا شاہ حیدر علی، سندیلوی (متوفی ۱۲۲۵ھ) خلیفہ اصغر، مثلاً، حمد اللہ، سندیلوی۔

مندرجہ بالا معلومات کے مطابق، یہ کہا جاسکتا ہے کہ مثلاً، حمد اللہ، سندیلوی

غالباً اپنے آخری دورِ حیات میں شیعیت سے تائب ہو گئے تھے۔

اور اگر انھیں، توفیقِ توبہ، نہ ملی ہو، تو بھی، ان کے مذکورہ دونوں اخلاف، سنی تھے۔ ورنہ، انھیں ایک سنی، چشتی، صفوی بزرگ کی طرف سے اجازت و خلافت ملتی اور نہ ہی اس کا کہیں کوئی تذکرہ ہوتا۔
وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ وَهُوَ تَعَالٰی اَعْلَم۔

مُلاً، محمد اَعلَم، سندیلوی

مُلاً، محمد اَعلَم، فاروقی، حنفی، سندیلوی (متوفی محرم الحرام ۱۱۹۸ھ) فرزند محمد شاکر، سندیلوی معروف معقولی عالم تھے۔ انھوں نے مُلاً، کمال الدین، سہالوی اور مُلاً، حمد اللہ، سندیلوی سے بڑی محنت و کد و کاوش کے ساتھ تعلیم، حاصل کی۔

تکمیل تعلیم کے بعد، دہلی پہنچ کر مختلف حکام و اُمراء سے مل کر اپنے علمی کمالات کے جوہر دکھانے کی کوشش کی، جس میں باوقار کامیابی کی کوئی صورت اور کوئی امید نظر نہیں آئی تو، وہاں سے واپس اپنے وطن چلے گئے اور خیر آباد، اُودھ (ضلع سیتاپور۔ اتر پردیش) میں مُتو کلاً عَلٰی اللہ اپنی مجلس درس و تدریس، قائم کی اور ایک طویل عرصے تک، یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ ایک مدت بعد، سندیلہ، اُودھ (ضلع ہردوئی۔ اتر پردیش) کو اپنا گوشہ عافیت بنایا۔ اور بزم تعلیم و تعلّم، آراستہ کی۔

آپ کے بہت سے شاگردوں میں مُلاً، عبدالواحد، خیر آبادی کو، زیادہ شہرت ملی۔ آپ نے کئی ایک کتابیں لکھیں، مگر نہ جانے کیا بات ہوئی کہ: اپنے آخری دور میں اپنی کئی تصانیف، انھوں نے خود ہی ضائع کر دیں۔ جن کتابوں کے نسخے، دوسرے اہل علم کے پاس بھی تھے، وہی، محفوظ رہ سکے۔ مثلاً: حافیہ سرح المہدایہ للشمس ازی، حافیہ دائر الاصول، رسالہ بحث تشکیک۔ مُلاً، اَعلَم، سندیلوی کی ایک کتاب ”قسط اللیب و حظ الادیب“ کا ایک مخطوطہ رضا لاہوری، رام پور (روہیل کھنڈ) میں محفوظ و موجود ہے۔ مولانا حُسن علی (متوفی ۱۳۳۵ھ/۱۹۰۷ء) ”تذکرہ علمائے ہند“ میں آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

”مولوی محمد اَعلَم، سندیلوی، قصبہ سندیلہ کے قاضی زادے، حضرت عمر فاروق رَضِیَ اللہ عَنْہُ کی اولاد میں تھے۔ مُلاً، کمال الدین، سہالوی کے شاگرد تھے۔ فاتحۃ الفرائغ، مولوی حمد اللہ سندیلوی کی خدمت میں پڑھا۔ اور تدریس و تصنیف میں مشغول ہو گئے۔

ان کے مشہور شاگردوں میں سید عبدالواحد، خیر آبادی (ہمشیر زادہ) اور مولوی محمد مستعان

کا کوروی ہیں۔

حاشیہ دائر، شرح منار، صدر کے تین حاشیے، صغیر، کبیر، اکبر، اور رسالہ تشکیک ان کی مشہور تصانیف ہیں۔

بارہویں صدی کے آخر میں فوت ہوئے۔ محلہ مکانہ، قصبہ سندیلہ میں، دفن ہوئے۔

(ص ۴۱۶) تذکرہ علمائے ہند۔ مؤلفہ رحمن علی۔ اردو ترجمہ پروفیسر محمد ایوب، قادری۔ مطبوعہ پاکستان

ہسٹوریکل سوسائٹی۔ کراچی۔ طبع اول ۱۹۶۱ء)

مترجم، پروفیسر محمد ایوب، قادری لکھتے ہیں:

مولوی محمد اعلم بن محمد شاکر، سندیلہ میں پیدا ہوئے۔ تحصیل علم کے بعد، مدتوں، دہلی میں

رہے۔

پھر، وہاں سے آخر خیر آباد میں درس دیا۔

آخر میں اپنے وطن، سندیلہ میں گوشہ نشین ہو گئے۔

تمام عمر، درس و افادہ میں بسر کی۔ ان کی تصنیفات میں حاشیہ شرح الہدایہ شیرازی، اور

قسط اللیب و حظ الأدیب بھی ہیں۔ آخری رسالہ، ریاست رام پور کے کتب خانہ میں موجود

ہے۔ ۱۱۹۸ھ/۱۷۷۵ء میں انتقال ہوا۔“ (ص ۴۱۶) تذکرہ علمائے ہند۔ مطبوعہ کراچی۔ ۱۹۶۱ء)

مولانا سید عبدالواجد، خیر آبادی

مولانا سید عبدالواجد، کرمانی، خیر آبادی (متوفی ۱۲۱۸ھ/۱۸۰۴ء)
 مُلّا، محمد، علم، سندیلوی (متوفی ۱۱۹۸ھ/۱۷۸۵ء) کے بھانجے اور شاگرد تھے۔
 مُلّا، محمد، علم، سندیلوی، فاروقی القُلب تھے۔

مولّا، کمال الدین محمد، سہالوی (متوفی محرم ۱۱۷۵ھ/۱۷۶۲ء) اور مولّا، جمال اللہ، سندیلوی (متوفی ۱۱۶۰ھ/۱۷۴۷ء۔ مدفون: مہرولی شریف، دہلی)
 تلامذہ مُلّا، نظام الدین محمد، سہالوی، فرنگی محلی (متوفی ۹ جمادی الاولیٰ ۱۱۱۶ھ) کے
 مایہ ناز شاگرد تھے۔

مولانا سید عبدالواجد، کرمانی، خیر آبادی کے ایک ممتاز شاگرد، علّامہ فضل امام، خیر آبادی
 (متوفی ۱۲۳۳ھ/۱۸۲۹ء) خیر آبادی ہیں۔

جو، امام الحکمتہ والکلام، علّامہ فضل حق، خیر آبادی (متوفی ۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ء) کے والد محترم ہیں۔
 مولانا سید عبدالواجد، خیر آبادی، تلمیذ مُلّا، محمد، علم، سندیلوی کے واسطے سے، علّامہ فضل امام
 خیر آبادی، مُلّا، نظام الدین، سہالوی، فرنگی محلی کے پڑپوتا شاگرد ہیں۔

مولانا سید عبدالواجد، خیر آبادی اور علّامہ فضل امام خیر آبادی
 یہ دونوں حضرات، مُلّا، محمد ولی فرنگی محلی (متوفی ۱۱۹۸ھ) تلمیذ مُلّا، کمال الدین محمد، سہالوی
 و مُلّا، نظام الدین، سہالوی، فرنگی محلی کے شاگرد ہیں۔

مولّا، محمد ولی، فرنگی محلی کی تالیفات میں شرح سنن العلوم، حافیہ میرزا ہد رسالہ وحاشیہ میرزا ہد
 مُلّا جلال ہیں۔

مولّا، محمد ولی، فرنگی محلی بن مُلّا، غلام مصطفیٰ، فرنگی محلی، بن مُلّا، محمد اسعد، سہالوی بن مُلّا
 قطب الدین، شہید، سہالوی کے براہ راست شاگرد کی حیثیت سے
 مولانا عبدالواجد، خیر آبادی اور علّامہ فضل امام، خیر آبادی، یہ دونوں حضرات
 مُلّا، نظام الدین، سہالوی، فرنگی محلی کے پوتا شاگرد ہیں۔

مولانا نازمن علی (متوفی ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء) آپ کے مختصر ترین تذکرہ میں لکھتے ہیں:

مولوی عبدالواجد، خیر آبادی، مولوی محمد اعلم، سندیلوی کے ہم شیر زادے اور شاگرد تھے۔
ان کے شاگردوں میں، مولوی فضل امام خیر آبادی، صدر الصد وردہلی، بہت مشہور ہوئے۔
مولوی امام العالم، خیر آبادی، شارح قصیدہ مددہ، ان کے پوتوں میں تھے۔
جو، مؤلف اور ان (رحمن علی) کے ہم سبق تھے۔ اور طبع و ذہن کے اعتبار سے
مُشارِ الیہ (مولانا عبدالواجد، خیر آبادی) کے مثل تھے۔

(ص ۳۳۱۔ ”تذکرہ علمائے ہند“۔ مؤلفہ رحمٰن علی۔ اردو ترجمہ: پروفیسر محمد ایوب، قادری۔
مطبوعہ، سٹوریکل سوسائٹی، کراچی۔ طبع اول ۱۹۶۱ء)

مولانا عبدالواجد، کرمانی، خیر آبادی، اعلیٰ درجہ کے مدرس تھے۔
مگر، آپ کی کسی تصنیف کا کوئی سراغ نہ مل سکا۔

مولانا عبدالشاہد، شیروانی، علی گڑھی (متوفی جمادی الاولیٰ ۱۴۰۴ھ فروری ۱۹۸۴ء لکھتے ہیں:
”علمائے پچھلے دور میں (خیر آباد کے اندر) سب سے بڑی شخصیت

مولانا حاجی صفی اللہ، محدث خیر آبادی شاگر، مُلا، قطب الدین، شمس آبادی
(تلمیذ مُلا، قطب الدین، سہالوی کی گذری ہے۔

آپ کے صاحب زادے، مولانا احمد اللہ، ان کے شاگرد، مُلا، عبدالواجد، کرمانی، خیر آبادی
صاحب فضل و کمال اور دروزد یک، مشہور تھے۔“

(ص ۱۴۲۔ ”باقی ہندوستان“۔ مطبوعہ مجمع الاسلامی، مبارک پور)

مُلا، عبدالواجد، خیر آبادی کے بارے میں، اسی صفحہ کے حاشیہ میں ہے کہ:
”موصوف (مُلا، عبدالواجد، خیر آبادی) نے جوش تقریر فاضل تھے۔

آپ کا ہر شاگرد، درجہ کمال کو پہنچا ہوا تھا۔

تقریر ایسی فرماتے کہ عامی اور بازاری انسان بھی سمجھ لیتا تھا۔

مولوی محمد اعلم، سندیلوی سے تلمذ، حاصل تھا۔ استاد، شاگرد پر، بے انتہا شفقت کرتے تھے۔
بعض کتابیں، مُلا، وہاج الدین بن مولوی قطب الدین گوپاموی سے پڑھیں۔

صدر اکے کچھ اسباق، مولوی غلام طیب کی معیت میں مولانا احمد اللہ بن حاجی صفی اللہ

محدث سے بھی پڑھے۔ ۱۲۱۸ھ میں رحلت ہوئی۔ (حاشیہ صفحہ ۱۴۲۔ باقی ہندوستان)

مولانا سید عبدالواجد، کرمانی، خیر آبادی کا حزار، خیر آباد میں ہے۔

مولانا شیروانی، علی گڑھی، تذکرہ علماءِ فضلِ امام، خیر آبادی میں لکھتے ہیں:
 ”احاطہ درگاہِ مخدوم، شیخ سعد الدین، خیر آبادی میں اپنے استاذ، مُلّا، عبدالواجد، کرمانی سے
 کچھ فاصلے پر، شمالی حصے کی جانب آخر میں مدفون ہوئے۔

اس حصے کے آغاز میں مولانا عبدالحق، خیر آبادی کی قبر ہے۔
 اب، یہ قبریں، شکستہ ہیں۔ ممکن ہے کچھ دن بعد، آثار بھی باقی نہ رہیں۔
 اس وقت بھی، ان کے جاننے والے، خال خال ہیں۔
 کاش! کوئی قدردانِ علم بزرگ، ان کے نام کے پتھر لگا کر
 ان فضلاء کے آثارِ قبور کو، مٹنے سے بچا لیتے۔

(ص ۱۴۲۔ باغی ہندوستان۔ مطبوعہ مجمع الاسلامی، مبارک پور)

مولّا، عبدالواجد، کرمانی، خیر آبادی اور علماءِ فضلِ امام، خیر آبادی
 یہ دونوں مشاہیر خیر آباد، مولّا، محمد ولی فرنگی محلی تلمیذِ مولّا، کمال الدین، سہالوی مولّا، نظام الدین
 سہالوی، فرنگی محلی کے شاگرد اور دونوں، ”ہم استاذ“ ہیں۔

مولانا نعمت اللہ، فرنگی محلی (نبیرہ مولّا، محمد ولی، فرنگی محلی) کے ایک مخطوطہ (مملوکہ فرنگی محلی)
 میں، تلامذہ مولّا، محمد ولی، فرنگی محلی میں، دونوں کے نام، درج ہیں۔

اس کا ذکر ”تذکرہ علماء فرنگی محلی“ اور ”احوالِ علماء فرنگی محلی“ میں بھی مطبوع و موجود ہے۔
 جیسا کہ ”تذکرہ علماء ہند“ مؤلفہ رحمن علی کے حاشیہ میں
 بقلم، مترجم، پروفیسر محمد ایوب، قادری اس کی صراحت ہے۔

(حاشیہ ص ۴۸۲۔ تذکرہ علماء ہند۔ مطبوعہ کراچی۔ ۱۹۶۱ء)

”خیر آبادی سلسلہ علم و حکمت“ مولّا، فضل حق، خیر آبادی کے والدِ محترم
 مولّا، فضلِ امام خیر آبادی کی طرف، منسوب ہے۔

مولانا صوفی عبدالرحمن، لکھنوی

مولانا صوفی عبدالرحمن، وجودی، لکھنوی (متولد ۱۱۶۲ھ/۱۷۷۸ء۔ متوفی ۱۲۳۵ھ/۱۸۲۹ء)
بن سید محمد حسن، متوطن کوٹ خمدوم عبدالکیم، تعلقہ مبارک پور، (شکار پور، سندھ)
جلیل القدر عالم اور صوفی کامل تھے۔

آپ ہی کو، صوفی عبدالرحمن، مؤجد لکھنوی بھی کہا جاتا ہے۔
انیس (۱۹) سال کی عمر تک اپنے والد، سید محمد حسن سے تعلیم، حاصل کی۔
پھر، چار سال تک، خیر پور (سندھ) میں مولوی محمد فاضل سے متوسّطات تک کی تعلیم
حاصل کی۔ قصبہ مہاروں میں بھی، مولوی اسد اللہ سے تحصیل علم کیا۔
اس کے بعد، دہلی پہنچے۔ یہاں سے کچھ دنوں بعد، رام پور کا سفر کیا۔
اور بحر العلوم، مولانا عبدالعلی، فرنگی محلی، لکھنوی (متوفی ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء) کی
خدمت میں ایک سال، رہ کر ۱۱۹۹ھ/۱۷۸۳ء میں تکمیل علوم کیا۔

۱۲۰۵ھ/۱۷۹۰ء میں، حج و زیارت حرمین طہیین کی سعادت سے سرفراز ہوئے۔
واپسی کے بعد لکھنؤ پہنچے اور مسجد پنڈواری میں قیام کیا۔
مسئلہ ”وحدۃ الوجود“ کے شائق و نکات کے عارف تھے۔ مطبع سنّت و شریعت تھے۔
تبصر عالم ہونے کے ساتھ، خوش بیان و اعظ تھے۔ سماع کے شائق تھے۔
رسالہ ”کلمۃ الحق“ اور ”کاسرۃ الاسنان“ در بیان توحید، آپ کی تصنیفات ہیں۔
سلسلہ چشتیہ میں، شاہ عظیم چشتی، خلیفہ حضرت شاہ فخر الدین، چشتی، دہلوی سے بیعت تھے۔
اجازت و خلافت بھی حاصل تھی۔

احترام سادات اور قناعت و توکل و عزت نشینی، آپ کے خصوصی اوصاف تھے۔
ایک مشہور تاریخی واقعہ، باعثِ عبرت ہے کہ:

شاہ محمد اسماعیل، دہلوی (متوفی ۱۲۳۶ھ/۱۸۳۱ء) جب سکھوں کے خلاف اپنی جہادی مہم
میں، عازم پنجاب و سرحد ہوئے تو، علمائے فرنگی محل، لکھنؤ اور صوفی عبدالرحمن، وجودی، لکھنوی کے
بارے میں ایسے نازیبا اور دل خراش تبصرے کیے، جن سے ان کی جارحانہ و ہابیت کے عزائم
آشکار، اور نمایاں ہو جاتے ہیں۔

لکھنؤ میں حضرت صوفی عبدالرحمن، وجودی سے ملاقات کے وقت
شاہ محمد اسماعیل دہلوی نے اپنا، یہ گستاخانہ ارادہ، ظاہر کیا کہ:

ابھی تو عزمِ جہاد اور سلسلہ سفر ہے۔ واپسی کے بعد آپ کی خبر لوں گا۔“

حضرت صوفی صاحب نے ارشاد فرمایا: پہلے تم، واپس تو آ جاؤ۔“

قلندر ہر چہ گوید، یدہ گوید کا مصداق، یہ جملہ ہوا کہ:

آپ کا کشف، غالب آیا اور شاہ محمد اسماعیل، دہلوی کو، دوبارہ لکھنؤ اور دہلی کا منہ دیکھنا بھی

نصیب، نہ ہوسکا۔ اور بالاکوٹ ہی، آپ کا مدفن بن گیا۔ فَاغْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْأَبْصَارِ۔

سچ ہے کہ: اتَّقُوا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِينَ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللَّهِ۔

مذکورہ بالا واقعہ، صدی ڈیڑھ صدی قدیم بعض کتابوں میں مسطور و مذکور ہے۔

اسی طرح، درگاہ حضرت محبوب الہی، نظام الدین اولیا، دہلی کے تعلق سے بھی

شاہ محمد اسماعیل، دہلوی کے جارحانہ و مفسدانہ خیالات و عزائم کا بعض قدیم تحریروں میں، ذکر ملتا ہے۔

مولانا محمود احمد، قادری، رفاقی، مظفر پوری لکھتے ہیں:

..... استاذ الہند، قطب الاقطاب، مولا، نظام الدین محمد، سہالوی قُدَس سیرۃ اور ان کے

فرزند، ملک العلما، بحر العلوم، مولا، امام، عبدالعلی محمد، فرنگی محلی قُدَس سیرۃ کے

اخلاف و جانشینان اور سلسلہ تلامذہ کے کبار علما و مشائخ نے تقویۃ الایمانی ایمان و عقیدہ

کا رُذِ بُلُغ فرمایا۔

مولوی اسماعیل، دہلوی، ملکتہ، بنگال جاتے ہوئے لکھنؤ پہنچے اور دائر العلم والعمل، فرنگی محل کے

علمائے اختیار سے ملے۔

ان حضرات کبار نے مولوی اسماعیل، دہلوی کے عقیدہ کو، مسترد کر دیا۔

اس وقت، فرنگی محل میں اسلاف کی مسندِ رشد و اہتدایہ حضرت امام، عارف باللہ

مولانا شاہ انوار الحق، ان کے فرزند، مرید لا فاضل، مولا، شاہ نور الحق

حضرت مولا، امام محمد مبین کے خلفِ اسعد، حضرت مولا، محمد حیدر، جلوس فرماتے۔

حضرت بحر العلوم، ملک العلما، قطبِ زمانہ، امام، عبدالعلی محمد، فرنگی محلی کے تلمیذِ اجل

مخزنِ اسرارِ توحید، حضرت مولانا شاہ، سید عبدالرحمن، صوفی سے بڑے دعاوی کے ساتھ

مولوی اسماعیل دہلوی ملنے گئے۔ مگر، ان کے سامنے، ان کی زبان، بند ہو گئی۔

واپس ہوتے ہوئے اپنے طرف داروں سے کہا:

”فرنگی محل کے مولوی، بہت گمراہ ہیں۔ بنگال سے واپسی پر، ان سے جہاد کروں گا۔“

(ص ۲۰۷ و ص ۲۰۸۔ ”سوانح رفاقتی“ مؤلفہ: مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی، مظفر پوری۔

کاروان رفاقت اسلام آباد، مظفر پور، بہار۔ ۱۳۳۱ھ نومبر ۲۰۱۰ء)

محمد حسین، رئیس قصبہ نہور ضلع بجنور لکھتے ہیں کہ:

جب، شاہ محمد اسماعیل، دہلوی اپنے متعلقین و معاونین کے ساتھ، دہلی سے روانہ ہو کر لکھنؤ پہنچے اور اپنے خیالات کی تبلیغ شروع کی۔

”اسی زمانہ میں، مولانا عبدالرحمن، ولایتی، صوفی لقب، شہر لکھنؤ میں، مقیم تھے۔

ان کے کشف و کرامات کی، اس زمانے میں، بڑی شہرت تھی۔

مولوی اسماعیل، بحث و مباحثہ کے ارادے سے ملنے گئے۔ مگر، کہتے ہیں کہ:

صوفی صاحب کا تصرف، غالب رہا۔ بحث، شروع کرنے سے باز رہے۔

رخصت ہونے کے وقت، مولوی اسماعیل، دہلوی نے، فرمایا کہ:

”فرنگی محل (لکھنؤ) کے مولوی، بہت گمراہ ہیں۔ میرا ارادہ ہے کہ:

جس وقت، ہلکتے سے واپس ہوں گا۔ ان گمراہوں سے، جہاد کروں گا۔“

مولوی عبدالرحمن صاحب نے کہا کہ:

”صاحب زاوے! جو، اس قسم کا ارادہ رکھتے ہیں، وہ ہندو گمراہیں آتے۔“

(فریاد المسلمین، مطبوعہ مطبع ریاض ہند، امرتسر۔ ۱۳۰۸ھ مطابق ۱۸۹۰ء۔ مؤلفہ محمد حسین بجنوری)

تاریخی شہرت کے حامل، مجاہد عالم دین، مولوی امیر علی، امیٹھوی (شہادت صفر ۱۲۷۲ھ/

۱۸۵۵ء) خانوادہ مثلاً جیون، امیٹھوی، استاذ سلطان اورنگ زیب عالم گیر کے ممتاز فرد

مولانا اسد اللہ (متوفی رمضان ۱۲۸۱ھ) فرزند و تلمیذ مولانا نور اللہ، فرنگی محلی و تلمیذ

مولانا ظہور اللہ فرنگی محلی، اور صوفی عبدالرحمن، لکھنؤی، تلمیذ بحر العلوم، علامہ عبدالعلی، فرنگی محلی کے

تلمیذ اور مرید و خلیفہ تھے، یہ مولانا امیر علی، امیٹھوی۔

”تذکرۂ ہندو“ ہند“ مؤلفہ رحمن علی میں، آپ کا تعارف، اس طرح ہے:

”نسب، کنہار ہند نے مسجد عالمگیری، واقع ہنومان گڑھی، متعلقہ آؤدھ

(ہنومان گڑھی ہندوؤں کی مشہور عبادت گاہ ہے) کو، شہید کر دیا

اور اس معرکہ میں، شاہ غلام حسین، مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ

۱۳/ ذی قعدہ ۱۲۷۱ھ/ ۱۸۵۵ء میں شہید ہو گئے

تو، مولوی امیر الدین علی، شاہ غلام حسین (اودھی اور مسلمانوں) کے خون کے انتقام کی

غرض سے، ہنومان گڑھی کے، پیر اگیوں کے مقابلے پر جہاد کے لئے تیار ہو گئے۔

اور جاں باز غازیوں کی ایک جماعت کثیر نے ان کے ہاتھ پر، جہاد کے لئے بیعت کی۔

سنی و شیعہ علما، پس و پیش میں پڑ گئے۔ کسی نے فرضیت جہاد کے مفقود ہونے کا بیان کیا تو، دوسرے نے شرط امامت کو، پیش نظر رکھا۔

واجد علی شاہ، فرماں روا لکھنؤ، اس جھگڑے کے تصفیہ کا وعدہ کرتا تھا

اور ریزیڈنٹ کی طرف سے لڑائی جھگڑے کے دفعیہ کے لئے بادشاہ اور وزیر پر، اصرار ہوتا رہا۔

اس قیل و قال میں کچھ وقت گزرا۔ جب، دولت مند ہندوؤں کے اثر سے (تصفیہ کی)

امید منقطع ہو گئی، تو، امیر المجاہدین، مولوی امیر الدین علی، غزم بالجزم کر کے

اپنے مقصود کی طرف روانہ ہو گئے۔

فرماں روا لکھنؤ (واجد علی شاہ) کی فوج کا افسر، بارلو، فرنگی، حاکم وقت (واجد علی شاہ)

کے حکم سے، سڈ راہ ہوا۔

اور شجاع گنج (اودھ) کے مقام پر ”بارلو“ کی فوج نے، غازیوں کا محاصرہ کر لیا۔

طرفین سے مقابلہ ہوا۔ ۲۶/ صفر، بروز بدھ، ۱۲۷۲ھ/ ۱۸۵۵ء کو، امیر المجاہدین (مولوی

امیر الدین علی) شہید ہو کر، راجی جنت ہوئے۔ اللہ، ان کی سعی، مشکور فرمائے۔ آمین۔

عین معرکہ میں، ان کے بعض ارادت مندوں نے عرض کیا کہ:

حالات، خراب ہو چکے ہیں۔ اگر، آپ فرمائیں تو، آپ کو کسی محفوظ مقام پر پہنچا دیا جائے؟

اس کے جواب میں (مولوی امیر علی نے) بے ساختہ، زبان حق ترجمان سے فرمایا:

سر میدان، کفن بردوش دارم (۱۲۷۲ھ)

طالبان تاریخ نے شہادت کے بعد غور کیا

تو، مصرع کے اُحد اد، سال شہادت کے مطابق نکلے۔ (یعنی ۱۲۷۲ھ)

منشی ظہیر الدین، خلف منشی مسعود، بلگرامی نے اس کو، اس طرح، تضمین کیا ہے:

قطعہ تاریخ شہادت مولوی امیر الدین علی، امیٹھوی

ارزشی ظہیر الدین، بیلگرای

بتاریخ شہیدان کفن پوش چہ حاجت تاسنش، من بزرگوارم

کہ خود فرمود آں، میر شہیداں سر میداں کفن بردوش دارم

(ص ۱۲۴ و ۱۲۵۔ ”تذکرہ علما ے ہند“۔ مؤلفہ رحمن علی۔ اردو ترجمہ از پروفیسر محمد ایوب، قادری

مطبوعہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی۔ کراچی۔ طبع اول ۱۹۶۱ء)

مترجم ”تذکرہ علما ے ہند“ پروفیسر محمد ایوب، قادری لکھتے ہیں:

”مولوی امیر الدین علی بن شیخ محمد بخش بن شیخ امام الدین بن شیخ محمد بن شیخ احمد

عرف ملا جیون، امیشی۔

مولوی امیر الدین علی نے لکھنؤ میں تحصیل علم کی۔ اٹھارہ (۱۸) سال کی عمر میں ۱۲۳۶ھ

(۲۱-۱۸۲۰ء) میں، مولانا عبدالرحمن، مؤجد لکھنوی کی خدمت میں پہنچے۔

سات (۷) سال، تین (۳) ماہ، سترہ (۱۷) دن، ان کی خدمت میں رہے۔

منشوی معنوی، رسالہ کلمۃ الحق، کتاب الملابدۃ منہ شیخ محی الدین ابن عربی مع شرح عبدالکریم

جیلی، اور، رُنج اول مشکوٰۃ شریف، باشرح شیخ عبدالحق، محدث دہلوی

مولانا عبدالرحمن، مؤجد لکھنوی سے پڑھیں۔

کتاب ”نورِ مطلق (شرح کلمۃ الحق) کو، سبقاً سبقاً، مولوی نور الدین، پچھراپوٹی سے پڑھا۔

اور سلوک و تصوف میں استفادہ کیا۔

۱۲۴۲ھ (۲۷-۱۸۲۶ء) بروز عید الاضحیٰ، مولوی عبدالرحمن، لکھنوی کے مرید ہوئے۔

تمام سلاسل میں اجازت و خلافت ملی۔

سیکڑوں اشخاص، ان کے مرید ہوئے اور راہ ہدایت پائی۔

زیارتِ حرمین شریفین سے مشرف ہوئے۔“

(حاشیہ ص ۱۲۵۔ تذکرہ علما ے ہند، مترجم، مطبوعہ کراچی ۱۹۶۱ء)

مولانا شاہ عین الحق، عبد المجید، بدایونی

حضرت مولانا شاہ عین الحق عبد المجید، عثمانی، قادری، برکاتی، بدایونی (ولادت رمضان المبارک ۱۱۷۷ھ/۱۷۶۳ء وصال ۱۲۶۳ھ/۱۸۴۶ء) شمس العارفین، سید شاہ آل احمد عرف اچھے میاں، قادری برکاتی، مارہروی (وصال ۱۲۳۵ھ/جنوری ۱۸۲۰ء) کے خلیفہ ارشد اور اہل سنت کے جلیل القدر عالم دین و عارف باللہ تھے۔

مولانا ٹمن علی (وصال ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء) مؤلف ”تذکرہ علمائے ہند“ حضرت مولانا شاہ عین الحق، عبد المجید، عثمانی، قادری برکاتی قدس سرہ کے تعارف و تذکرہ میں لکھتے ہیں:

”مولوی عبد المجید، بدایونی بن عبد الحمید بن مولوی محمد سعید بن مولوی محمد شریف بن مولوی محمد شفیع، بدایونی، ۲۹ رمضان المبارک ۱۱۷۷ھ/۱۷۶۳ء میں پیدا ہوئے۔

”ظہور اللہ“ ان کا تاریخی نام ہے۔

ابتداءً عمر سے مولوی محمد علی، بدایونی کی خدمت میں تربیت، حاصل کی۔
زہد و تقویٰ اور علم دین کی تعلیم میں مشغول رہے۔ اکثر کتب مروّجہ، ان کی خدمت میں پڑھیں۔
ان (مولوی محمد علی، بدایونی) کے انتقال کے بعد، بقیہ درسی کتابیں، مولوی ذوالفقار علی، ساکن قصبہ دیوہ (مضافات لکھنؤ) تلمیذ مولانا نظام الدین بن ملا قطب الدین، سہالوی سے پڑھیں۔
علم سے فراغ، حاصل کرنے کے بعد، مرشد کامل کا خیال پیدا ہوا۔
ہر طرف، شیخ کامل کی تلاش، شروع کی۔ چونکہ بہت سے مشائخ وقت (کامل طور سے) شریعت کا اتباع نہیں کرتے تھے، اس لئے اس گروہ سے نفرت، شروع ہو گئی۔ قسمت، یاورتھی۔
خواب میں دیکھا کہ:

حضرت ہادی النضلین، سید المرسلین صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی مجلس میں
جناب محبوب سبحانی، غوث صمدانی، شیخ عبدالقادر، جیلانی۔

مخدوم الانام، کاننک، گنج شکر، شیخ فرید الدین مسعود، نیز دوسرے اولیا، موجود ہیں۔

حضرت رسالت پناہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے اشارے سے
غوث اعظم نے مولوی عبد المجید، بدایونی کا ہاتھ، سید شاہ آل احمد، مارہروی کے ہاتھ میں دے دیا۔

جب وہ، بیدار ہوئے، تو، مارہرہ کا راستہ لیا۔ اور اپنے پیر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔
 زُہد و تقویٰ اور اتباعِ شریعت کو کامل طور سے پایا، ان کے مُرید ہوئے۔
 خلافت سے سرفراز ہوئے۔ اپنے مُرشد سے ”معین الحق“ کا لقب پایا۔
 اسی (۸۰) سال کی عمر میں حج و زیارت سے مشرف ہوئے۔“ الخ

(ص ۳۲۲ ”تذکرہ علمائے ہند“۔ مؤلفہ مولانا رحمن علی۔ ترجمہ اردو از پروفیسر محمد ایوب قادری۔

مطبوعہ پاکستان، سنٹوریکل سوسائٹی۔ کراچی۔ ۱۹۶۱ء)

مولانا محمد رضی الدین، صدیقی، بکّل بدایونی (وفات ۱۳۳۳ھ) اپنی سوانحی کتاب
 ”تذکرۃ الواصلین“ (تصنیف ۱۳۱۶ھ، ۱۳۱۷ھ/ ۱۸۹۹ء، ۱۹۰۰ء) میں لکھتے ہیں:

مولانا محمد علی، بدایونی سے تحصیلِ علم کی، جو، قاضی مبارک، گوپا موی اور قاضی مُستعد خاں
 دہلوی کے شاگرد تھے۔ بعد وفات جناب مولوی محمد علی صاحب کے، بمقام لکھنؤ
 تلامذہ مملکت العلماء، مولانا نظام الدین، سہالوی سے تکمیلِ علوم فرمائی۔

حضورِ اقدس، سید الواصلین، سید العارفین، ابوالفضل، حضرت سید شاہ آل احمد، اچھے میاں
 صاحب، قادری، مارہروی کے دستِ حق پرست پر، شرفِ بیعت سے مشرف ہوئے۔
 اور شرفِ اختصاص و خلافتِ خاص سے ممتاز ہو کر ”شاہِ معین الحق“ لقب، عطا ہوا۔

تیس (۳۰) سال کامل، حضرت مُرشد برحق کے خدمت میں کمالِ ریاضت و مجاہدات میں
 مشغول رہے۔

بعد وصالِ مُرشد کے، وطن (بدایوں) میں تشریف لا کر، دریائے فیضِ باطنی و ظاہری
 جاری فرما کر، ایک عالم کو سیراب کیا۔

اسی (۸۰) سال کی عمر میں باوجود، شدتِ ضعف و کثرتِ امراض، غلبہٴ شوق میں
 عزمِ سفر، حرمینِ طہیین کا فرمایا۔ اگرچہ، بظاہر، یہ سفر اُس وقت اور اس عمر میں نہایت مشکل تھا۔
 مگر، بہ تہمیدِ ربّانی، بہ کمالِ آسانی، طے ہوا۔

اس سفر میں آپ کے خُلف الصّدق و خلیفہٴ برحق، حضرت مولانا شاہ معین الحق فضلِ رسول
 قادری نے سعادتِ کاملہٴ خدمتِ خاص، حاصل فرمائی۔

اور دربارِ مُرشد سے ”شاہِ معین الحق“ کے لقب ہے، سرفروزی پائی۔

..... آپ کے تلامذہ میں سے، جناب مولانا افتخار الدین صاحب و مولانا شاہ سلامت اللہ

صاحب، بدایونی اور مولوی سعد الدین، عثمانی و مولوی عبدالوالی صاحب و حافظ علی حسن صاحب و جناب مولانا سید شاہ آل رسول صاحب، مارہروی، مجاہدہ نشین درگاہ مارہرہ شریف وغیرہم ہیں۔
مُجمَلہ آپ کی تصنیفات کے، فتح المُنان، شرح فارسی جو اہل الرحمن و شرح فارسی کتاب الصلوٰۃ و محافل الانوار و رسالہ ردّ و ہابیہ و رسالہ ردّ و افض اور دیگر، رسائل تصوف ہیں۔

..... آپ کے مُرید و خلیفہ، صد ہا آدمی ہوئے۔“

(”تذکرۃ الواصلین“۔ مؤلفہ محمد رضی الدین صدیقی، بکّل بدایونی۔ مطبوعہ رائے صاحب گلاب سنگھ

اینڈنس پریس۔ لکھنؤ۔ ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء)

مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی، مظفر پوری آپ کے تعارف و تذکرہ میں لکھتے ہیں:

”قد وہ العلماء، زبدۃ العرفاء، عروسِ مجلّہ تقدّیس، نوشاہِ خلوتِ توحید، حضرت مولانا شاہ عین الحق عبدالمجید، سرمستِ بادۃِ توحید، حضرت شاہ عبدالحمد، عثمانی، بدایونی التوتی ۱۲۳۳ھ کے بڑے صاحبزادے، ۲۹ رمضان المبارک ۱۱۷۷ھ کو پیدا ہوئے۔

”ظہور اللہ“ تاریخی نام، تجویز ہوا۔

بزرگِ خاندان اور والدِ ماجد کے پھوپھا، بحر العلوم، مولانا شاہ محمد علی، عثمانی، بدایونی اور اپنے ماموں، حضرت مولانا محمد عمران خطیب اور پھوپھا، حضرت مولانا شاہ عبدالغنی قدس سرہ اسرارہم سے پڑھنے کے بعد، لکھنؤ میں حضرت مولانا ذوالفقار علی، دیوبی (اُدھی) سے تکمیلِ علوم کی۔

بہ اشارۃ سرورِ کائنات، فخرِ موجدات صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

حضرت شاہ اچھے میاں، مارہروی کے دستِ حق پرست پر، مُرید ہوئے۔

مُرید ہونے کے بعد آپ نے شب و روز، شیخ کی خدمت میں حاضری کا التزام کیا۔

..... ”آثار احمدی“ میں حضرت اچھے میاں نے آپ کے بارے میں

نہایت بلند کلمات تحریر فرمائے ہیں۔

..... حضرت سید شاہ آل رسول، احمدی، مارہروی اور مولانا شاہ سلامت اللہ، کشتی، بدایونی

آپ کے نامور شاگرد تھے۔ اور حضرت مولانا فضل رسول، بدایونی آپ کے صاحبزادے

اور جانشین تھے۔ (”تذکرہ مہمّائے اہل سنت“۔ مؤلفہ مولانا محمود احمد قادری رفاقتی۔ مطبوعہ کانپور ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء)

مولانا ضیاء علی خاں، اشرفی آپ کے تعارف و تذکرہ میں لکھتے ہیں:

”مولانا شاہ عبدالمجید، قد وہ اہل دیں اور شہِ کاملین تھے۔

عبدالحمید نام اور ”شاہ عین الحق“ خطاب، پیر و مرشد کا عطا کیا ہوا تھا۔
 ”خاتم الاولیاء“ کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے۔

والد ماجد کا اسم گرامی، مولوی عبدالحمید تھا۔ حضرت عثمان غنی رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کی اولاد میں تھے۔ مورث اعلیٰ کا نام، دانیال قطری تھا۔

..... آپ کے پیر و مرشد (حضرت اچھے میاں، مارہروی) اپنے سرناموں میں آپ کو
 ”فصل الحمید، مولوی عبدالحمید“ لکھا کرتے تھے اور فرماتے تھے:
 ”مولوی عبدالحمید کی ظاہری حالت، مثل ابوحنیفہ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کے ہے۔
 اور باطن، ان کا مثل، منصور کے ہے۔“

..... مارہرہ شریف میں زیادہ رہتے تھے۔ پیر و مرشد نے آستانہ برکاتیہ کے مدرسہ کی
 نظامت آپ کے سپرد کر دی تھی۔ منتہی طلبہ کو درس بھی دیتے تھے۔
 پیر و مرشد کے وصال کے بعد، بدایوں چلے آئے تھے۔
 عمر کے آخری حصے میں مسجد خرماء (بدایوں) کے شمالی حجرے میں گوشہ نشینی، اختیار کر لی تھی۔
 آپ کی ذات بابرکات سے بے شمار خلائق نے راہ ہدایت پائی۔

..... مولانا شاہ عبدالحمید، قادری کے ارشد تلامذہ میں، حضرت سیدنا شاہ آل رسول
 مارہروی اور حضرت مولانا شاہ سلامت اللہ، کشتی، بدایونی، کانپوری، مشہور ہیں۔
 آپ کے خلفائے گرامی میں مولانا محمد مکی میاں و مستان شاہ کمل پوش، اجیمیری و مولانا شیخ
 مصلح الدین، فتح پوری اور مولانا شاہ فضل رسول، بدایونی، خاص طور پر، قابل ذکر ہیں۔
 ۱۷ محرم الحرام ۱۲۶۳ھ، شب سہ شنبہ کو، وصال ہوا۔

نماز جنازہ، مولانا شاہ فضل رسول صاحب، بدایونی نے پڑھائی۔“

(”مردان خدا“، مؤلفہ مولانا ضیاء علی خاں اشرفی۔ طبع چہارم، شوقین بکڈیو۔ بدایوں۔ ۱۹۹۸ء)

مولانا سید کفایت علی کافی، مراد آبادی

حضرت مولانا سید کفایت علی، کافی، مراد آبادی (شہادت ۲۲ رمضان ۱۲۷۴ھ مطابق ۶ مئی ۱۸۵۸ء۔ مراد آباد) سرزمین مراد آباد کے مشہور عالم و فاضل و طیب و شاعر نعت اور خطہ روئیل کھنڈ کے ایک اہم قائد جنگ آزادی ۱۸۵۷ء تھے۔

شاہ ابوسعید، مجددی، رام پوری، خلیفہ شاہ غلام علی، مجددی، دہلوی، و تلمیذ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے علم حدیث کا درس لیا۔

اور علوم منقول و معقول کی مولانا ظہور اللہ، فرنگی بھلی، لکھنوی سے تحصیل کی۔

مولانا رخصت علی مؤلف ”تذکرہ علمائے ہند“ کے والد، حکیم شیر علی سے علم طب اور شیخ مہدی علی خاں، ذکی، مراد آبادی سے فن شاعری سیکھا۔

مولانا کافی، مراد آبادی ۱۸۳۱ء میں حج و زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے۔

جس کی مقدس یادگار ”تجمل دربار رسالت“ ہے۔ جس میں آپ نے اپنے احساسات و تاثرات اور جذبات فراوان کا اظہار، بڑے والہانہ انداز میں کیا ہے۔

منشوی تجمل دربار رحمت باری کریم علیہ الصلوٰۃ و التسلیم۔

ہے سزاوار تمامی حمد وہ رب مجیب صاحبِ نولاک ہے جس رب اکبر کا حبیب
نور سے اپنے وہ نورِ اولیں پیدا کیا اور اُس محبوب کو لولاک کا رتبہ دیا
اور اُس اپنے نبی پر کی جو نازل اک کتاب رحمۃ للعالمیں کا اُس کو فرمایا خطاب
رحمتِ عالم کا وہ دربارِ عالی شان ہے جلوۂ دیدار پر، جس کے تصدق، جان ہے
ہو نہیں سکتے بیاں، اوصاف اُس درگاہ کے کیا ادب آداب ہیں، درگاہ شاہنشاہ کے
وہ تجمل شوکت و ہیبت کا عالم ہے کہ یاں ایک ذرہ سے بھی کم ہے، قدر شاہانِ جہاں
ہر در و دیوار پر، اک عالمِ تنویر ہے سرنگوں جس کے رقم سے خلمہ تحریر ہے
آستانِ انور و اقدس پہ خلقت کا جہوم ہر طرف صلوات خوانوں اور زواروں کی دھوم
پڑھ رہا ہے دست بستہ، باادب کوئی سلام ہے کوئی سرگرمِ تسلیمات باحُب تمام
کوئی اس دربار میں، ہے سرنگوں بیضا ہوا ہے کسی کا بہرِ مطلب، اٹھ رہا دستِ دُعا

جانبہ جا قرآن خواں، گرم تلاوت ہیں یہاں
صوفیانِ باطریقت عارفانِ باکمال
ہے ہجومِ درس جس جا، اور ہی واں دھوم ہے
ہے زیارت میں درِ دولت کی انبوہ کثیر
دست بستہ ہو کے پڑھتے ہیں وہ صلوات و سلام
ہے کسی کے ہاتھ میں جالی کا شبکہ آگیا
آستانے پر کوئی رکھتا ہے چشمِ اشک بار
اور اُسی حجرے کے اندر پالقیں
اور محرابِ تہجد کی طرف، صَلَّ عَلٰی
داخلِ روضہ ہے اور بیرونِ حجرہ وہ مقام
اُس مزارِ پاک پر ہے قبۂ چوہیں بنا
مستحیی اُس کے سب سے ہیں سب اطرافِ مزار
اور وکلانے سلاطین و امیرانِ جہاں
ہر وکیل اپنے موکل کی طرف سے صبح و شام
ایک جا، بالحرن خوش، بیٹھے ہوئے میلاد خواں
اور یہ میلاد خوانوں نے رکھا ہے التزام
بعد ازاں حالِ ولادت، سید ابرار کا
اور آجاتا ہے جب، ذکرِ ولادت، آپ کا
دیر تک رہتے ہیں قائم اور پڑھتے ہیں سلام
ہاتھ اٹھا، روضے کی جانب، حُرْمَتِ هَذَا النَّبِیِّ
غود اور صندل سے جو محفل میں اٹھتا ہے، بخور
پیش تر ہر روز ہے، یہ شغلِ میلاد شریف
ہے یہ آدابِ مؤذن، یاں کہ ہنگامِ نماز
اذن کرتا ہے طلب، پڑھ پڑھ کے صلوات و سلام

عابد و زُہاد، مشغولِ عبادت ہیں یہاں
ہیں بہ قدرِ رُتبہ، سرگرمِ بکا و وجد و حال
جو یہاں حاضر ہے اُس کا کیا، بڑا مقصود ہے
اہلِ روم و اہلِ ہند، اہلِ عرب بڑا نا پیر
کرتے ہیں پھر عرضِ مطلب، زائرانِ نیک نام
مل رہا ہے اُس سے آنکھیں اور کرتا ہے دُعا
لے کے خاکِ آستان، ملتا ہے منہ پر بار بار
ہے جہاں وہ خواب گاہِ رحمۃِ لِلْعَالَمِیْنَ
ہے مزارِ بنتِ ختمِ المرسلین خیر النسا
ہے جہاں وہ مرقدِ نختِ دلی خیر الانام
اس کے اوپر ہے فرو شستہ غلافِ پُر ضیا
ہے نصیبِ زائران وہ پردہٴ زَرِّینِ شعار
رہتے ہیں حاضر، بہ دربارِ شفیعِ عاصیاں
عرض کرتا ہے درِ دولت پہ تسلیم و سلام
مولدِ خیر الوریٰ کا، حال کرتے ہیں بیاں
پڑھتے ہیں آیاتِ قرآن، پیشِ صلوات و سلام
پھر سراپائے مبارک، احمدِ مختار کا
واسطے تعظیم کے، ہر شخص ہوتا ہے کھڑا
بیٹھ کر پھر حالِ مولد کو، وہ کرتے ہیں تمام
کہتے ہیں وقتِ دعا، سن کر ٹپ جاتا ہے جی
اس کی خوش بو ہے نصیبِ مجمعِ نزدیک و دور
ہے غرض، ہر طرح سے، اُس بزم میں یادِ شریف
آستانِ روضہٴ حضرت پہ باعز و نیاز
پھر وہ جاتا ہے اذان دینے منارے پر مدام

حَبَّ— اے طالع کائنات! یہ تیری رہبری
 کائنات عاصی جو حاضر تھا، شبِ اُسرئ میں واں
 عیدِ معراج رسول اللہ کی جلوہ گری
 بس رہی ہے دیدہ مشتاق میں، اب کیا کروں
 اور ہے وہ صاحبِ کوثر کی یاں جاری، سبیل
 وہ خنک پانی کہ ہو، پینے سے جس کے شاد دل
 جالبہ جانہریں، رواں پانی، کی، با صد آب و تاب
 اور وہ وسعت، حریمِ محترم کی حَبَّ— اے
 مسجدِ عالی کا عالم، عالمِ بالا پہ ہے
 عرض میں درجے ہیں اُس مسجد کے، دس تا انتہا
 استن مسجد کو میں، گنتی میں لایا جس گھڑی
 وہ ستونِ وقبہ و محراب، محمودِ جنات
 خاص محرابوں کی نقاشی و گل کاری کا حال
 وہ جو، اک محراب ہے، حضرت کے منبر کے قریب
 ایک جانب اُس کے، منبر ہے شبہ لَوْلَاک کا
 ہے جو وہ مابین منبر اور روضے کے مقام
 نور کا عالم ہے واں، چشمِ ظواہر سے عیاں
 اور وہ منبر کا عالم، عالمِ تصویر ہے
 ہے وہ منبر اُس جگہ، جس جا، وہ شاہِ کائنات
 کیوں نہ نورانی ہو وہ منبر شبہ لَوْلَاک کا
 اور روزِ جمعہ دو زَریں لوائے سرفراز
 احمدی دونوں علم سے، صاف ہوتا ہے عیاں
 اور محرابِ رسول اللہ سے سیدھی طرف
 پشتہ دیوار کی صورت، لُحْد اُس چوب کی
 مجھ کو دکھائی بہار ”عیدِ معراج نبی“
 اُس کو بھی احباب، دیتے تھے مبارک بادیاں
 وہ تجل اور اُس درگاہ کی جلوہ گری
 یاد کر کر روز و شب، اُس رات کو تڑپا کروں
 یاد آوے دیکھنے سے، جس کے کوثرِ سلسبیل
 پھر کبھی برفِ آب کو، ہرگز نہ لاوے یادِ دل
 جوشِ زنہ اُن میں عجب انداز سے ہے آبِ ناب
 دیکھنے سے جس کے، پاتی ہے بصر، نور و ضیا
 مسجدِ ختمِ رسالت، رتبہ اعلیٰ پہ ہے
 اور چودہ طول میں، محر ابہاے با صفا
 ایک سو تینتیس پائے، وہ ستونِ مسجدی
 اُن میں نقاشی کا عالم، رشکِ باغِ دگلستاں
 ہو سکے کس سے بیاں؟ ہے یاں زبانِ نطق، لال
 دید کے قابل ہے اس محراب کا حال عجیب
 دوسری جانب کو ہے، روضہ حبیبِ پاک کا
 روضہ جنت رکھا، حضرت نبی نے اُس کا نام
 وہ جگہ بے شبہ ہے، اک سطحِ باغِ جنات
 اُس کی وہ صلِ علی، کیا مشتعلِ تنویر ہے
 پڑھتے رہتے تھے وہیں، خطبہ کو ثبات ہے یہ بات
 سید کون و مکاں نے، اُس جگہ خطبہ پڑھا
 گردِ منبر کرتے ہیں، لا کر نصب، وقتِ نماز
 ہیں لوائے حمد کے، گویا کہ نائب، یہ نشان
 دُفن ہے وہ استنِ حثانہ، کیا پایا شرف
 بن رہی ہے اب تک، وہ زیرِ محرابِ نبی

وہ ستوں تھا عاشقِ صادق، رسول اللہ کا واہ! چوبِ خشک کو، کیا عشق میں رتبہ ملا
 وہ جو تڑپا تھا فراقِ صاحبِ لولاک میں حشر تک محراب کے، نیچے رہے گا خاک میں
 اور محرابوں میں آویزاں ہیں قدلیں تمام اور وہ جھاڑوں میں، ہر شب، روشنی کی دھوم دھام
 دیکھنے سے ہے تعلق، قابلِ انشا نہیں مثل جس کے عالمِ امکان میں، پیدا نہیں
 اور وہ جو ہے شباکِ روضۂ خیر الورا اُس کا عالم کیا کہوں؟ صَلِّ عَلٰی، صَلِّ عَلٰی
 جلوۂ قدسی ہے باہر سے وہ جالی کی بہار نور کے شعلے ہیں ہر شبکے سے اُس کے آشکار
 سبز گنبد کا وہ جلوہ، مایۂ نور وضیا جس نے دیکھا دور سے، تسلیم کر کے جھک گیا
 وہ نبی کا سبز گنبد، مطلعِ انوار ہے چرخِ اخضر ایک جس کا، سائبانِ بردار ہے
 چار جانبِ سقف کے اندر شباکِ پاک کے گرد ہے وہ جو مکانِ صاحبِ لولاک کے
 شمع داں ہیں فرش پر، اوپر ہیں قدلیں تمام اور واں کے عود سوزوں سے مہکتا ہے مشام
 علمِ حدیث سے آپ کا خُف و انہاک، بے پناہ تھا۔

اور عشقِ رسولِ مقبول کے جذبہِ صادق سے آپ کا دل، سرشار، رہا کرتا تھا۔
 جس کا اظہار آپ کے نعتیہ اشعار سے ہوتا ہے۔ چنانچہ، مولانا کافی، عرض کرتے ہیں:

بَس آرزو، یہی دلِ حسرت زدہ کی ہے
 سنتا رہے شائکلِ و احوالِ مصطفیٰ

☆☆☆

ہے سعیدِ دو جہاں، وہ جو، کوئی لیل و نہار

نعتِ اوصافِ رسول اللہ کا، شاغلِ ہوا

آپ کے اسی جذبہِ مسعود اور وصفِ محمود سے متاثر ہو کر، امام احمد رضا، قادری برکاتی
 بریلوی نے آپ کو ”سلطانِ نعتِ گویاں“ قرار دیتے ہوئے عرض کیا ہے کہ:

مہکا ہے مری بوے دہن سے عالمِ یوں، نغمۂ شیریں نہیں، تلخی سے بہم
 کافی ”سلطانِ نعتِ گویاں“ ہیں، رضا ان شاء اللہ ہمیں، وزیرِ اعظم
 پروفیسر محمد ایوب قادری (کراچی) لکھتے ہیں:

مولانا کفایت علی، کافی، مراد آبادی، ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں انگریزوں کے خلاف

سینہ سپر رہے۔ اور مراد آباد میں چلنے والی تحریک حریت کے ممتاز قائد تھے۔

جب مراد آباد میں نواب محمد الدین خاں، عرف مجو خاں کی آزاد حکومت، قائم ہوئی تو، آپ کو، مراد آباد کا ”صدر شریعت“ بنایا گیا۔

اور آپ، شرعی احکام کے مطابق، مقدمات کے فیصلے کیا کرتے تھے۔

مولانا کافی نے انگریزوں کے خلاف، جہاد کا فتویٰ، جاری کیا اور اُس کی نقلیں، دوسرے مقامات پر بھیجیں۔ اپنے ہم سبق ساتھی، حکیم سعد اللہ ولد حکیم عظیم اللہ کے یہاں آنولہ (روہیل کھنڈ) میں، اسی مقصد سے ایک ہفتے کا قیام کر کے، انگریز مخالف ماحول بنایا۔ حکیم سعد اللہ صاحب، خود، تحریک آزادی کے اہم رکن تھے۔

آنولہ سے مولانا کافی، بریلی پہنچے اور خان بہادر خاں، روہیلہ، نبیرہ حافظ رحمت خاں روہیلہ سے ملاقات و تبادلہ خیالات کر کے، جنرل بخت خاں کے ایک فوجی دستے کے ساتھ جو، دہلی جا رہا تھا، آپ، مراد آباد، واپس آئے۔

(ملخصاً جب آزادی نمبر۔ ماہنامہ ”العلم“ کراچی۔ شمارہ اپریل تا جون ۱۹۵۷ء)

مراد آباد کے حالات اور نواب رام پور کی سرگرمیوں سے آپ، ”خان بہادر خاں“ کو بذریعہ دستی خط، برابر مطلع کرتے رہتے تھے۔

سید محبوب حسین، سبزداری، مراد آبادی لکھتے ہیں:

”اسی دوران، نواب خان بہادر خاں کو، ایک خط، مولوی سید کفایت علی کافی کا مراد آباد کے متعلق ملا۔ جس میں نواب رام پور کی قوم دشمن سرگرمیوں کا تفصیل سے تذکرہ تھا۔ نواب خان بہادر نے، یہ خط، جنرل بخت خاں کو دکھایا اور نواب رام پور کی غذا رانہ حرکتوں سے آگاہ کیا اور مراد آباد میں رام پور کی فوجی مداخلت سے جو حالات پیدا ہو چکے تھے ان کے سد باب کی گفتگو کی۔

نواب، خان بہادر خاں نے جنرل بخت خاں کے مشورہ سے محمد شفیع رسالدار کو مع رسالہ کے مراد آباد جا کر، قیام کا مشورہ دیا۔ (اخبار الصنادید، از حکیم غم افغانی، رام پوری)

رسالدار محمد شفیع، آنولہ ہوتے ہوئے مراد آباد پہنچے اور خود اپنے مکان میں قیام کیا اور اپنے رسالہ کو، جہاں، اس وقت انٹر کالج، محلہ مغل پورہ میں واقع ہے، پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا۔ دورانِ قیام، مراد آباد کے کچھ جو شیلے نوجوانوں کو اپنے ساتھ، ملا کر کے اپنے رسالہ سے

تریت دلائی اور نمبر ۲۹ پلٹن مقیم مراد آباد، جو، باغی ہو گئی تھی، اُس کو بھی اپنے ساتھ، شامل کر لیا۔“ الخ
(ص ۲۰۳)۔ ”مراد آباد تاریخ جدوجہد آزادی“۔ مرتبہ سید محبوب حسین، ہندواری۔

مطبوعہ اسلامی بک ہاؤس مراد آباد۔ مارچ ۲۰۰۰ء)

۲۵ اپریل ۱۸۵۸ء کو، مراد آباد پر، جب انگریزوں کا دوبارہ قبضہ ہوا
تو، مولانا کاٹی ۱۶ رمضان ۱۲۷۴ھ/۱۳۰۱ اپریل ۱۸۵۸ء کو گرفتار کر لیے گئے۔

اور مختلف فرضی دفعات لگا کر آپ کے خلاف، مقدمہ چلایا گیا۔
سرسری اور نمائشی ضابطہ کی کارروائی کر کے پھانسی کا حکم، صادر کر دیا گیا۔
۴ مئی ۱۸۵۸ء کو مقدمہ، پیش ہوا، اور ۶ مئی کو پھانسی کا حکم ہوا۔

جس وقت، مولانا کاٹی کو قتل گاہ لے جایا جا رہا تھا، اُس وقت آپ اپنی ایک نعت شریف
پڑھتے ہوئے، خراماں خراماں، تشریف لے گئے۔“ (ص ۹۴۔ تذکرہ علمائے ہند۔ مؤلفہ رحمن علی)
کوئی گل باقی رہے گا نئے چمن رہ جائے پر، رسول اللہ کا، دینِ حسن رہ جائے گا
ہم صفیرو! باغ میں ہے کوئی دم کا چچھا بلبلیں، اڑ جائیں گی، سونا چمن رہ جائے گا
جو پڑھے گا صاحبِ لولاک کے اوپر درود آگ سے محفوظ اُس کا، تن بدن ہو جائے گا
سب فنا ہو جائیں گے کاٹی ولیکن حشر تک نعتِ حضرت کا زبانوں پر، سخن رہ جائے گا
(”۱۸۵۷ء کے مجاہد شعرا“۔ از امداد صابری۔ مطبوعہ دہلی)

مولانا کاٹی، مراد آبادی کی تدفین، رات کے اندھیرے میں مراد آباد کے نامعلوم مقام
پر کر دی گئی۔ تقریباً تیس (۳۰) سال کے بعد آپ کی قبر کے کھلنے اور جسم کے صحیح وسالم، محفوظ ہونے
کے دو واقعات مولانا امداد صابری، دہلوی نے اپنی کتاب ”شہیدانِ وطن مراد آباد“ میں، بیان
کیے ہیں۔ جس میں ایک روایت، مولانا محمد ظفر الدین، نعیمی، مراد آبادی، فرزندِ صدر الافاضل
مولانا محمد نعیم الدین، مراد آبادی، اس طرح ہے:

”ایک سڑک، اس مقام سے نکالی جا رہی تھی اور مولانا کاٹی کے مزار کا نشان، نمایاں نہیں تھا۔
مزدور کام کر رہے تھے کہ مولانا کاٹی کی قبر، کھل گئی اور مزدور کا پھاؤڑا، مولانا کاٹی شہید کی پندلی
پر لگا۔ جسمِ اطہر، ویسا ہی تھا، جیسا شہادت کے وقت تھا۔

بزرگ لوگوں نے چہرہ مبارکہ، دیکھ کر شناخت کر لیا اور بھاری تعداد میں لوگ، زیارت کرنے
دوڑ پڑے۔“ (”۱۸۵۷ء کے مجاہد شعرا“۔ از امداد صابری۔ ”شہیدانِ وطن، مراد آباد“۔ از امداد صابری)

مولانا کا قی شہید کی علمی قابلیت کے بارے میں مولانا عبدالغفور نساخ
مؤلف ”خُن شعرا“ فرماتے ہیں کہ:

مولانا کا قی، اپنے دور کے نعت گو شعرا میں جواب نہیں رکھتے تھے۔
وہ، مستند عالم دین تھے۔ ان کا زیادہ تر وقت، تصنیف و تالیف میں گذرتا تھا۔
مولوی عبدالغفور کے بیان کے مطابق:

مولانا کا قی شہید کی تصنیف میں احادیث کے تراجم، بہارِ غلد اور شاہ عبدالحق، محدث دہلوی
کے رسالہ ترغیب اہل سعادت کا ترجمہ ”خیابانِ فردوس“ ہے۔

(”۱۸۵۷ء کے مجاہد شعرا“۔ مؤلفہ امداد صابری، دہلوی۔ مطبوعہ دہلی)

ترجمہ شمائلِ ترمذی (منظوم) مجموعہ چہل حدیث (منظوم) مع تشریح۔ خیابانِ فردوس
بہارِ غلد، نعیم رحمت، مولود بہار، جذبہ عشق۔ تجمل دربارِ رحمت بار۔
دیوانِ کا قی کے علاوہ، صرف نحو پر بھی، آپ کی تصانیف ہیں۔
مولانا کا قی ایک مستند عالم، اعلیٰ درجہ کے نعت گو شاعر، عاشقِ رسول
اور ممتاز قائدِ جنگِ آزادی (۱۸۵۷ء) اور شہیدِ وطن تھے۔

شاہ احمد سعید، مجددی، دہلوی

حضرت شاہ، احمد سعید، مجددی، دہلوی (ولادت غزّہ ربیع الاول ۱۲۱۷ھ - رام پور - وصال ۲ ربیع الاول ۱۲۷۷ھ - مدینہ منورہ - مدفون جنت البقیع)

دہلی کے جلیل القدر عالم دین اور سلسلہ نقشبندیہ، مجددیہ کے بزرگ شیخ طریقت اور حضرت شاہ غلام علی، نقشبندی، مجددی، دہلوی کے خلیفہ و جانشین تھے۔

مولانا شرف الدین، رام پوری و مولانا فضل امام، خیر آبادی و مولانا نورالحق، فرنگی محلی و مولانا رشید الدین، خاں دہلوی و مولانا شاہ رفیع الدین، دہلوی و مولانا عبدالقادر، دہلوی اور شاہ عبدالعزیز، مجددی دہلوی جیسے عظیم المرتبت علمائے کرام کے تلمیذ رشید تھے۔

آپ کا مادہ تاریخ ولادت ”مظہر یزدان“ (۱۲۱۷ھ) ہے۔

حافظ احمد علی خاں شوق، رام پوری، آپ کے تعارف و تذکرہ میں لکھتے ہیں:

”آپ کا نام، شاہ محمد صدیقی نے جو نہایت عالم اور بزرگ صاحب باطن تھے

آپ کا مشرب باطنی، از روئے طریقہ درویشی، جان کر ”غلام غوث“ نام رکھا۔

بچپن میں بحالت حفظ قرآن شریف، شاہ درگاہی صاحب کی خدمت میں بھی حاضر ہوا کرتے تھے۔ شاہ صاحب آپ پر بہت عنایت فرماتے تھے۔

اور اپنے قریب بٹھا کر قرآن شریف، سنا کرتے تھے۔“

(ص ۱۲) ”تذکرہ کلامان رام پور“ - مؤلفہ حافظ احمد علی خاں شوق، رام پوری - ہمدرد پریس - کوچہ چیلان۔

دہلی، طبع اول ۱۹۲۹ء)

حضرت شاہ درگاہی، رام پوری (ولادت ۱۱۶۰ھ - قصبہ بھاول پور، ساحل دریاے چناب

صوبہ لاہور - وصال ۱۲/۱۵ یا ۱۵/۱ جمادی الآخرہ ۱۲۲۶ھ - رام پور، روہیل کھنڈ) خلیفہ حضرت

سید شاہ جمال اللہ، رام پوری (وصال ۳ صفر ۱۲۰۹ھ - رام پور) آپ کے مقرب و مشہور خلیفہ ہیں۔

حضرت سید شاہ جمال اللہ کا سلسلہ نسب، غوث اعظم، سیدنا شیخ عبدالقادر، جیلانی، بغدادی

رَضِیَ اللہ عَنْہُ سے منسلک ہے۔

آپ، قصبہ گجرات شاہ دولہ، مضافات لاہور میں پیدا ہوئے تھے۔

ایام طفلی میں، وزیر آباد (پنجاب) چلے گئے۔ وہاں، ایک بزرگ کی خدمت میں رہ کر

حفظ قرآن کیا۔ بزرگ نے فرمایا:

”جمال اللہ! تمہارا حصہ، ہندوستان میں امانت ہے۔

وہاں، جاؤ اور حصہ لو۔ تم سے ایک عالم کو فائدہ ہوگا۔“

وزیر آباد (پنجاب) سے چل کر دہلی پہنچے۔ ایک ویرانے کی مسجد میں قیام کیا اور علم فقہ پڑھنا شروع کیا۔ محنت و جانفشانی کر کے کسب حلال کرتے۔ ایک دوروز کے نانہ سے جو وغیرہ کھالیا کرتے تھے۔ یہاں، ایک بزرگ سے مرید ہوئے اور ان کی خلافت، حاصل ہوئی۔

انھوں نے حکم دیا کہ ”کٹھیر“ (روہیل کھنڈ) جا کر، افغانوں کی تربیت کرو۔

چنانچہ، آپ مصطفیٰ آباد، عرف رام پور پہنچے اور ریاست رام پور کے ملازم ہوئے۔

لباس سہ گری میں اپنی درویشی کو چھپایا۔

لیکن، ایک واقعہ نے آپ کی بزرگی کا شہرہ عام کر دیا۔ اور ہزاروں افراد

آپ کی تربیت و ہدایت کے اثر سے خدا پرست اور صلاح و تقویٰ کے پابند ہو گئے۔

آپ کے خلفاء میں حضرت شاہ درگا ہی رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْہِ مشہور بزرگ اور بانی فیض ولی ہیں۔

رام پور، آپ کی آخری آرام گاہ ہے۔

شاہ احمد سعید، مجددی، حضرت شاہ درگا ہی، رام پوری کے منظورِ نظر تھے۔

احمد علی خاں شوق، رام پوری لکھتے ہیں کہ:

جس وقت، شاہ احمد سعید، مجددی کے والد ماجد، شاہ ابوسعید، مجددی، رام پوری

آپ کو لے کر دہلی گئے، اُس وقت آپ کی عمر، محض دس (۱۰) سال تھی۔

دہلی پہنچ کر حضرت شاہ غلام علی، مجددی سے بیعت کی۔ شاہ صاحب فرمایا کرتے تھے:

”بہت سے لوگوں سے میں نے لڑکے مانگے۔ کسی نے نہیں دیا۔

البتہ، ابوسعید نے اپنا لڑکا، مجھے دے دیا ہے۔ میں نے اسے اپنا بیٹا کیا ہے۔“

شاہ غلام علی، مجددی نے شاہ احمد سعید، مجددی کو حکم دیا کہ:

”علمائے دہلی سے علم ظاہری پڑھو اور ہمارے حلقہ مراقبہ میں آ کر، شریک ہوا کرو۔“

”آگے کا حال، مولانا موصوف، اس طرح، بیان کرتے ہیں:

”اکثر ایسا ہوتا کہ کثرت مریدین کی وجہ سے جگہ، نہ ہوتی۔

شاہ صاحب، ان کو اپنے برابر، مسند کے اوپر بٹھالیا کرتے۔

اکثر تصوف کی کتابیں، جیسے کہ رسالہ قشیریہ، عوارف المعارف، احیاء العلوم، فحیات، رشحات مکتوبات امام ربانی، مثنوی مولانا روم، وغیرہ وغیرہ، شاہ صاحب سے پڑھیں۔

اور بعض کی سماعت کی۔ ترمذی شریف اور مشکوٰۃ المصابیح بھی، شاہ صاحب سے پڑھیں۔ باقی کتب معقول و منقول، علمائے دہلی سے مثل، مولوی فضل امام و مولوی رشید الدین خاں و مولانا شاہ عبدالعزیز و مولوی رفیع الدین و شاہ عبدالقادر، وغیرہ سے پڑھیں۔

رام پور میں مفتی شرف الدین اور اپنے والد کے خالو، مولوی سراج احمد بن حضرت محمد مرشد بن محمد ارشد بن حضرت فرخ شاہ بن حضرت محمد سعید بن حضرت مجدد دے کتابیں پڑھیں۔

لکھنؤ، میں مولوی محمد اشرف و مولوی نور صاحب سے بھی پڑھا۔

اور بیس (۲۰) سال کی عمر میں، دستارِ فضیلت، بندھ گئی۔

حضرت شاہ عبدالعزیز کی سند، مناقب احمدیہ و مقامات سعیدیہ میں موجود ہے۔

حضرت شاہ غلام علی صاحب کی آپ کے حال پر نہایت توجہ تھی۔

شاہ صاحب نے خلافت، عطا فرمائی۔ اور اپنی زندگی میں صاحب ارشاد ہو گئے۔

(ص ۱۴ اوص ۱۵۔ ”تذکرہ کالملائکرام پور“۔ مولفہ مولانا احمد علی خاں شوق، رام پوری۔ مطبوعہ دہلی ۱۹۲۹ء)

”جس زمانے میں، شاہ غلام علی صاحب کو، مرض موت، لاحق ہوا

اور شاہ ابوسعید صاحب کو لکھنؤ سے طلب فرمایا، تو، خط میں، یہ بھی لکھا تھا کہ:

”لکھنؤ میں، شاہ احمد سعید صاحب کو چھوڑ آئیے۔“

صاف ظاہر ہے کہ اس سے مراد، اجراے سلسلہ تھا۔

ایک روز، شاہ ابوسعید صاحب اور شاہ احمد سعید، دونوں باپ بیٹے

شاہ غلام علی صاحب کی خدمت میں حاضر تھے۔

حاضرین سے ارشاد ہوا۔ بتاؤ! دونوں میں کون بہتر ہے؟

سب، خاموش رہے۔ پھر، خود ہی، ارشاد فرمایا: بیٹا، باپ سے افضل ہے۔“

شاہ غلام علی صاحب کے انتقال سے، نو (۹) سال اور تین (۳) ماہ کے بعد

شاہ ابوسعید صاحب ۱۲۳۹ھ میں عازم کعبۃ اللہ ہوئے۔ اور شاہ احمد سعید صاحب کو قائم مقام

خانقاہ میں کر گئے۔ مریدین کا ہجوم ہو گیا۔ اور لوگوں کو بہت فائدہ پہنچا۔

مریدوں کے حال پر، نہایت شفقت تھی۔

جو مرید، عاشق صادق تھے

اُن کو، دنیوی عطیات سے کچھ نہیں دیتے تھے۔

البتہ، ضعیف طالبوں کی امداد فرماتے تھے۔

تا کہ شوقِ حق، غالب ہو جائے۔

ساتھ (۶۰) آدمی، دونوں وقت، آپ کے باورچی خانہ سے کھانا کھاتے تھے۔

نمازِ صبح، نمازِ ظہر اور نمازِ مغرب کے بعد، تین وقت، حلقہٴ مراقبہ ہوتا تھا۔

دیگر اوقات میں علومِ حدیث و تفسیر و فقہ وغیرہ کا درس بھی ہوتا تھا۔

رات کو پچھلی شب میں تہجد کو، نہایت اہتمام سے وضو کر کے، ادا کرتے تھے۔

اور نمازِ صبح قرأتِ طویل کے ساتھ، ادا فرماتے تھے۔

جب، آفتاب، خوب اونچا ہو جاتا تھا

تو نمازِ اشراق پڑھ کر جلسہٴ عام میں بیٹھ جاتے۔ حاجت مند آتے اور مقاصد اور مدعا، بیان کرتے۔

اس کے بعد درس، علومِ دینی کا، شروع فرماتے۔

کتابوں کے حواشی اور شروح بھی دیکھتے تھے۔ معقول میں قطبی میر تک پڑھاتے تھے۔

اگر، کسی کو زیادہ شوق ہوتا

تو، علمائے معقول کے پاس بھیج دیتے تھے۔

فرماتے تھے کہ معقول کے درس پر، گو، میں قادر ہوں، مگر، اس کی تعلیم، پسند نہیں ہے۔

علومِ تفسیر و حدیث و فقہ و اصول، نہایت وضاحت اور متانت سے تقریر فرماتے تھے۔

اسی طرح، کتبِ تصوف کے حقائق اور معارف بھی خوب حل فرماتے تھے۔

فتویٰ بھی لکھتے اور فرماتے تھے کہ فتویٰ نویسی، میرا کام نہیں ہے۔

مگر، مجبوری ہے کہ عوام نے جاہلوں کو عالم بنالیا ہے۔

(بہادر) شاہ ظفر، دہلوی کی کوئی حکومت، نہیں تھی۔

تاہم، مدت سے، وہ متمنی ملازمت (مشاقِ زیارت) تھے، لیکن، آپ، ملنے سے انکار کرتے تھے۔

اخیر میں چند بار تشریف لے گئے۔ اور پند و نصیحت، نہایت نختی سے کی۔

اور فرمایا: میں، اسی غرض سے گیا تھا۔“

پچیس (۲۵) سال، کامل، خانقاہ، دہلی میں، اسی طرح، زندگی بسر فرمائی۔

ستاؤن (۵۷) برس کی عمر میں، سولہویں رمضان المبارک، بارہ سو تہتر (۱۲۷۳ھ) میں دہلی میں غدر (۱۸۵۷ء) ہو گیا۔ چار مہینے تک، یہ ہنگامہ رہا۔

آخر، محرم، بارہ سو چوتہتر (۱۲۷۴ھ) میں، انگریز، دہلی میں داخل ہوئے۔ شہری مع اہل و عیال، بلا سامان کے، بھاگ نکلے۔

آپ نے بھی، اپنے اہل و عیال، شہر سے باہر بھیج دے اور خود، خانقاہ میں مقیم رہے۔ لوگوں نے چلنے کو کہا تو فرمایا: جب تک، مشائخ کرام، اجازت نہ دیں۔ کیوں کر جاؤں؟ ایک دن، تہجد کے وقت فرمایا کہ: یہاں سے نکلنے کی اجازت ہو گئی ہے۔ خانقاہ کا انتظام، حاجی دوست محمد، قندھاری کے سپرد کیا اور فرمایا: خود، رہیں، یا۔ کسی کو، اپنی طرف سے رکھیں۔“

حاجی دوست محمد، قندھاری نے خانقاہ، حاجی رحیم بخش کے سپرد کر دی تھی۔ نماز صبح کے وقت فرمایا: کوئی سواری لے آؤ۔“

وہ، واپس آیا اور کہا کہ: سواری کا پتہ نہیں ہے۔ سب زن و مرد، امیر غریب، پایادہ جارہے ہیں۔ فرمایا: میں، تو، پیدل جا نہیں سکتا۔“

پھر، حلقہ مراقبہ میں بیٹھ گئے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ:

دو گھوڑے، تھوڑی دیر میں مل گئے۔ آپ، وہاں سے سوار ہو کر منصور کے مقبرہ میں آئے۔ دو پہر کا کھانا کھا کر، قطب صاحب کو چلے۔ اس لئے کہ اہل و عیال، وہاں تھے۔

مگر، راہ میں بد معاش، جمع ہو گئے تھے اور لوٹ مار کرتے تھے۔

مگر، آپ، بخیریت پہنچ گئے۔ وہاں، انگریزی فوج کا، رسالدار، نورنگ خاں نامی کہ

جو، بالواسطہ آپ سے انتساب طریقت رکھتا تھا، مع چند سواروں کے، بغرض حفاظت، حاضر ہوا۔ اور منصور کے مقبرہ تک پہنچا دیا۔

یہاں، آپ کی بیوی صاحبہ کا عارضہ وبا سے انتقال ہوا۔ اور نہایت عمدہ طریقہ سے حضرت سید نور محمد، بدایونی کے مزار کے پہلو میں، قریب حضرت محبوب الہی کے، دفن کیا۔

اب، آپ نے ہجرت کا ارادہ فرمایا۔

نورنگ خاں، رسالدار کے ذریعہ سے، پروانہ راہ داری کا، مل گیا۔

سو، سو آدھیوں کی جمعیت سے، براہ پنجاب، ماہ صفر میں روانہ ہوئے۔

جس شہر میں گذر ہوتا تھا، لوگ، جوق در جوق آکر، قدم بوس ہوتے تھے۔

اس ہنگامہ رُستخیر، غدر میں، آپ کے قافلہ کو کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔

ڈیرہ اسماعیل خاں میں، حاجی دوست محمد خاں، آپ کے خلیفہ آئے

اور اپنی خانقاہ، مقام موسیٰ زئی میں لے گئے۔

غرض کہ کراچی سے، بہ سواری کشتی، بمبئی اور یہاں سے، بہ سواری جہاز (بحری) حَجَّہ کو روانہ ہوئے۔

دریا (سمندر) میں رمضان ہوا۔ مگر، آپ نے ایک قرآن، تراویح میں پڑھا۔

اور اوقات میں، کوئی تغیر نہیں آیا۔

آخر شوال میں حَجَّہ پہنچے۔ آپ کے بہت سے مخلص، حَجَّہ میں بطور استقبال آئے تھے۔

مکہ معظمہ پہنچ کر، حج ادا کیا۔ یہاں بھی کثرت سے لوگ، داخلِ طریقہ (سلسلہ) ہوئے۔

چار مہینے تک، مکہ معظمہ میں قیام فرما کر، ماہ ربیع الاول میں اپنے فرزندوں اور درویشوں

کے ساتھ، مدینہ منورہ، روانہ ہوئے۔ عورتوں کو اور اپنے فرزند، مولانا مظہر کو، مکہ معظمہ میں چھوڑا۔

اہل مدینہ بھی، نہایت تعظیم و تکریم سے پیش آئے۔

لوگوں نے وہاں کے قیام کی نسبت، عرض کیا۔ فرمایا: گھر سے، اسی راہ سے چلا ہوں۔

مگر، بغیر ایماے آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم، قیام، نہیں کر سکتا۔

چند روز کے بعد، مدینہ منورہ کے قیام کا ارادہ، پختہ ہو گیا۔

خالد پاشا، محافظِ مدینہ منورہ، حلقہٴ ارادت میں داخل ہو گئے۔

ایک مکان کرایہ پر لے کر اس کی کنجی، حضرت کے پاس بھیج دی۔

یہ مکان، محلہ مناخہ میں متصل مسجد حضرت سیدنا علی رَضِیَ اللہُ عَنْہُ تھا۔

دس کمرے، اس میں تھے۔ اگر، وہاں سے عورتیں چاہیں

تو، جماعت مسجد نبوی کی اقتداء، نماز میں کر سکتی ہیں۔

رجب میں کل اہل و عیال کو، مکہ معظمہ سے بلا لیا۔

مدینہ منورہ میں قیام کا زیادہ حصہ، مسجد نبوی میں گذرتا تھا۔ بہت سے لوگ، مُرید ہوئے۔

حلقہ میں ایک سو کے قریب آدمی، جمع ہوتے تھے۔

اہل شہر نے محققاً، سلطانِ قسطنطنیہ کو لکھا کہ ایسے بزرگ کے لئے کچھ وظیفہ، مقرر رہو جائے۔

چنانچہ، معقول وظیفہ، مقرر ہو گیا۔

آخر میں، در دوسراور تپ، لاحق ہوئی۔ ایک عرصہ تک یہی حالت رہی۔ کبھی شدت ہوتی تھی کبھی تخفیف۔ سہ شنبہ کے دن، دوسری تاریخ ربیع الاول کو، بارہ سو ستتر (۱۲۷۷ھ) میں مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا۔ اور حضرت عثمان غنی رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کی قبر کے پہلو میں دفن ہوئے۔

قیام دہلی میں، وصیت فرمائی تھی کہ:

اگر، انتقال ہو، تو، مرزا مظہر جانِ جاناں عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ کے زیرِ قدم، دفن کرنا۔

مدینہ منورہ کی حاضری پر، وصیت فرمائی کہ:

سیدنا عثمان غنی رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کے قریب، دفن کرنا۔ وہاں، انوارِ برکات کا زیادہ، ظہور ہے۔

اولاد میں، خُلفِ اکبر، مولوی شاہ عبدالرشید۔ دوم، شاہ محمد عمر سلام۔

محمد مظہر، صاحبِ مناقب احمدیہ و مقاماتِ سعید یہ ہیں۔

تینوں بزرگ اور صاحبِ ارشاد ہوئے۔ رَحِمَہُمُ اللہُ عَلَیْہِم۔“

(ص ۱۵ تا ص ۱۹۔ ”تذکرہ کالملانِ رام پور“۔ مؤلفہ احمد علی خاں شوق، رام پوری۔ مطبوعہ دہلی ۱۹۲۹ء)

خُلفا میں حاجی دوست محمد، قندھاری و مولانا ارشاد حسین، مجذ دی، رام پوری و مولانا ولی النبی

رام پوری کے علاوہ، تقریباً ساٹھ (۶۰) خُلفا کے، نام درج کیے گئے ہیں۔

اس کے بعد، تصانیف کا ذکر، اس طرح کیا ہے۔

”حضرت کی تالیف سے کتب ذیل ہیں:

الْحَقُّ الْمُبِينُ فِي الرَّدِّ عَلَى الْوَهَابِيِّينَ - فَوَائِدُ الضَّابِطَةِ فِي ابْتِائِ الرَّابِطَةِ۔

الذِّكْرُ الشَّرِيفُ فِي دَلَالِ الْمَوْلِدِ الْمُتَنِيفِ۔ أَرْبَعُ أَنْهَارِ۔

یہ رسالہ، شاہ غلام علی قُدس سِرُّہ کے رسالہ، اِيضًاخِ الطَّرِيقَةِ کے ساتھ

مطبعِ علوی، علی بخش خاں میں ۱۲۸۴ھ میں طبع ہوا ہے۔“

(ص ۲۰۔ ”تذکرہ کالملانِ رام پور“۔ مطبوعہ دہلی ۱۹۲۹ء)

مولانا شاہ سلامت اللہ، بدایونی

حضرت مولانا شاہ، سلامت اللہ، کشتی، بدایونی خُم کان پوری (ولادت ۱۱۹۸ھ/۱۸۸۳ء بدایوں۔ وصال ۳ رجب ۱۲۸۱ھ/دسمبر ۱۹۶۳ء۔ کان پور) فرزند شیخ برکت اللہ، صدیقی جلیل القدر عالم دین تھے۔

مولانا رحمن علی (مولف تذکرہ علمائے ہند) تلمیذ حضرت مولانا شاہ سلامت اللہ، بدایونی لکھتے ہیں کہ:

مولانا سلامت اللہ، بدایونی نے اپنے شاگرد رشید، مولانا محمد عادل، ناروی، کان پوری کو ایک سند تکمیل (بزبان فارسی) عطا فرمائی تھی جس میں آپ کے تعلیمی حالات بھی، درج ہیں۔ اور پھر، اس کا خلاصہ، اس طرح، درج کرتے ہیں:

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

(ترجمہ) سلامت اللہ کہتا ہے کہ:

میں، بدایوں میں پیدا ہوا۔ صدیقی نسب، حنفی مذہب، قادری مشرب ہوں۔

فقیر (سلامت اللہ، بدایونی) نے مروّجہ درسی کتابیں

اپنے زمانہ کے ممتاز علما اور فضلاء سے پڑھیں۔

بچپن میں، مولانا ابوالمعانی بن مولانا عبدالغنی، بدایونی سے استفادہ کیا۔

جن کا سلسلہ درس، مثلاً، جلال الدین، دَوَّانی، تک پہنچتا ہے۔

دو سال میں میزان صرف سے شرح جامی برکافیه اور شرح تہذیب پڑھ لیں۔

اس کے بعد، مولوی ولی اللہ سے جو، مولانا باب اللہ، جون پوری کے شاگرد تھے، قطبی

میڈی، اور رشیدیہ پڑھا۔ اسی زمانے میں مولوی صاحب کسی ضرورت سے اپنے وطن چلے گئے۔

حضرت پیر و مرشد، سید شاہ آل احمد (اچھے میاں) مارہروی، قدس سیرۃ کے حسب ارشاد

مولانا محمد الدین، عُرف مولوی مدن (شاہ جہاں پوری۔ مولانا مدن شاہ، جہاں پوری

آخری عمر میں، بریلی رہنے لگے تھے۔ یہیں ۱۲۲۸ھ/۱۸۱۳ء میں آپ کا انتقال ہوا۔ مولانا دواجن الدین

گوپا منوی کے شاگرد تھے۔ مترجم کی خدمت میں، حاضر ہوا

جو، اس زمانہ میں لکھنؤ سے واپس ہو کر، بریلی میں سکونت پذیر تھے۔

نہایت تحقیق و تدقیق کے ساتھ، کتبِ درسیہ متعارفہ، زولہ ثلاثہ وقاضی مبارک وحمد اللہ شرحِ سُلم و مطوّل تفتازانی و صدر اوشمس بازغہ و شرح عقائد جلالی (مُلّا یوسف)

حاشیہ مُلّا کمال الدین و ہدایہ، فقہ حنفی و مسلم الثبوت و بیضاوی وغیرہ پڑھیں۔

مولانا مدن نے نہایت مہربانی اور عنایت سے تھوڑی مدت میں

جو، کچھ وہ، سرمایہ علمی رکھتے تھے، مجھے بیچ کارہ کو، مرحمت فرمادیا۔ اور حق یہ ہے کہ:

عظیم تحقیقات و تدقیقات، جو، معرکہ الآرا اور علما کے قدم لڑکھڑا دینے والی ہیں

جناب ممدوح (مولوی مدن، شاہ جہاں پوری) کے فیض و توجہ سے حل اور حاصل ہو گئیں۔

وَاللّٰهُ بِضَاعِفٍ لِّمَنْ يَّشَاءُ۔

کتبِ درسیہ کی تحقیق و تدقیق کے بعد، جناب پیر و مرشد (سید شاہ آل احمد، اچھے میاں

مارہروی) قُدّس سِرّہ کے حکم کے مطابق

مولانا شاہ عبدالعزیز، محدث دہلوی، اَنَارَ اللّٰهُ بُرْهَانَهُ کی خدمتِ بابرکت میں سعادت

حاصل کی۔ اور احادیث و تفاسیر کی کتابوں کی تحقیق و تنقیح و تفصیل میں مشغول ہونا

اور اس خاندان سے فیض، حاصل کیا۔

چنانچہ، صحاحِ سنیہ اور کتبِ تفاسیر کی، مولانا ممدوح (شاہ عبدالعزیز، محدث دہلوی)

اور آپ کے چھوٹے بھائی، مولانا شاہ رفیع الدین سے، جو جملہ علوم، خصوصاً علمِ حدیث

و تفسیر میں تبحرِ کامل رکھتے تھے، سند حاصل کی۔

یہاں تک کہ ان دونوں کی صحبت سے معانی حدیث کی فہم اور تفسیر کے حقائق و دقائق کے

سمجھنے کا ذوق، میری طبیعت میں پیدا ہو گیا۔

آخر میں، حضرت مولانا ممدوح (شاہ عبدالعزیز، محدث دہلوی) نے

اس خاکسار کے حال پر بہت کرم فرمایا اور، صحاحِ سنیہ و مشکوٰۃ المصابیح و حسنِ حصین

و کتبِ المسلسلات و کتبِ احادیث و تفاسیر

اپنے تصنیف کردہ رسالوں اور اپنے والدِ ماجد (شاہ ولی اللہ، دہلوی) کی کتابوں کی

اجازت، مرحمت فرمائی اور رخصت کیا۔

خلاصہ، یہ کہ فقیر، کتبِ درسیہ کی سند، بہ تمام و کمال، مولانا مجد الدین، شاہ جہاں پوری سے

اور احادیث و تفاسیر کی کتابوں کی سند، قرآن، سماع، درایت اور اجازت
حضرت شاہ عبدالعزیز، محدث دہلوی اور آپ کے بھائی، شاہ رفیع الدین دہلوی سے رکھتا ہے۔
اور حضرت شاہ عبدالعزیز اپنے والد ماجد، شاہ ولی اللہ، محدث دہلوی سے رکھتے ہیں۔
اور شاہ ولی اللہ، محدث دہلوی نے اپنی مختلف آسانید کا حال
”کتاب الإرشاد إلى مهمات الإسناد“ میں تفصیل سے لکھ دیا ہے۔“ الخ

(ص ۳۱۹ و ص ۳۲۰)۔ ”تذکرہ علمائے ہند“۔ مؤلفہ مولانا رحمن علی اردو ترجمہ از پروفیسر محمد ایوب، قادری
(کراچی) مطبوعہ ”پاکستان سٹوریکل سوسائٹی کراچی۔ طبع اول ۱۹۶۱ء)

”مولانا شاہ سلامت اللہ کی ذات، مفید عام اور مفید فیض انا م تھی۔

سیکڑوں علما و فضلا، آپ کے شاگرد ہوئے اور آپ سے علم، حاصل کیا۔

اس کے علاوہ، اُن کی شانِ علمی، اُن کی مصنفہ کتابیں ہیں۔ جو، یہ ہیں:

- (۱) تحفۃ الاحباب (۲) معرکہ الآرا (۳) برقی خاٹف (در مناظرہ اہل سنت و شیعہ)
- (۴) تحریر الشہادتین (شرح نثر الشہادتین، بیان شہادت سید الشہد ارضی اللہ عنہ) (۵)
- خدا کی رحمت (بیان میلاد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) (۶) رسالہ شہاب ثاقب (در سقوط
- کواکب) (۷) حقائق محمدیہ (علم حقائق) (۸) بحر التوحید (بیان شطحیات اولیاء اللہ) (۹)
- أسرار العاشقین (حلّ اقوال و اشعار عربی و فارسی، بطریق صوفیہ کرام) (۱۰) رسالہ کشفیہ (یہ
- رسالہ، بعض جہلا کے اُن اعتراضات کے جواب میں لکھا گیا ہے، جو، انھوں نے حافظ شیرازی کی
- اصطلاحات سے ناواقفیت کی بنا پر، حافظ کے بعض اشعار پر کیے ہیں)

- (۱۱) ترجمہ، دو رسالہ شیخ محی الدین ابن العربی (در بیان لطائف، موسومہ معانی صوفیہ
- (۱۲) مکاشفات قدسیہ (۱۳) رسالہ نعمات حالات (۱۴) رسالہ اشباع الکلام فی اثبات
- المولد والقیام (۱۵) رقائق کشفی (۱۶) شرح مثنوی گل گشتی (۱۷) رسالہ آلوان، در بیان جواز
- وعدم جواز آلوان (۱۸) رسالہ تحقیق جواز مصافحہ و معانقہ عیدین (۱۹) رسالہ مجموعہ استفتاء (جن
- میں سے ہر ایک کا جواب، خود، تحریر فرمایا ہے) (۲۰) رسالہ الإسناد (جس میں مختلف مرؤجہ علوم کی
- تحصیل کی کیفیت اور اساتذہ سے اسنادِ علم کے حصول کا حال لکھا ہے)

مولانا سلامت اللہ، بدایونی کو شعر گوئی کا بھی مذاق تھا، اس لئے اپنا تخلص، کشفی کرتے تھے۔

”دیوان کشفی“ آپ کے فارسی کلام کا مجموعہ ہے۔“

(ص ۲۲۱) ”تذکرہ علمائے ہند“ مؤلفہ مولانا رحمٰن علی - اردو ترجمہ از پروفیسر محمد ایوب قادری

(کراچی) مطبوعہ پاکستان ہسٹوریکل سوسائٹی - کراچی - طبع اول ۱۹۶۱ء)

مولانا محمد یعقوب حسین، ضیاء القادری، بدایونی آپ کے تعارف و تذکرہ میں لکھتے ہیں:

”علامہ اجل، فاضل بے بدل، مولانا شاہ سلامت اللہ صاحب، کشتی، بدایونی قدس سرہ:

آپ، شیخ برکت اللہ صاحب، صدیقی متولی، بدایونی کے فرزند ہیں جو، بدایوں کے شرفا اور عمائد و ممتاز لوگوں میں تھے۔

میاں، قادر شاہ صاحب، قادری (جن کا مزار، مسجد حیدر شاہ میں ہے) سے بیعت رکھتے تھے۔ مولانا کشتی صاحب، ابتدائے عمر سے باوجود، ریاست و امارت کے، تحصیل علم کی طرف، مائل تھے۔ چنانچہ، ہوش سنبھالتے ہی مدرسہ عالیہ (قادریہ، بدایوں) میں علمی تربیت کے لئے دھڑا دیے گئے۔

آپ کی تحریر پیشانی، آپ کے آئندہ پیش آنے والی سعادت و مرتبت کا نوشتہ تھی۔ آپ کی فراست و ذہانت دیکھ کر حضرت اقدس (شاہ عین الحق عبد المجید) قدس سرہ المجدد آپ کی عزت و عظمت کی دعا فرماتے۔

اور آپ کے والد، کو آپ کی آئندہ شان و شوکت کی بشارت دیتے۔ کچھ عرصے تک حضرت نے اپنے پیش نظر رکھ کر آپ کی تعلیم و تربیت کی۔ اس کے بعد مولانا ابو المعانی قدس سرہ کے سپرد کر دیا۔

اس کے بعد آپ نے بریلی جا کر معقول کی تکمیل، مولانا محمد الدین صاحب، معروف بہ مولوی مدن شاہ جہاں پوری (جو مولوی غلام یحییٰ بہاری کے شاگرد رشید تھے) سے کی۔ اور وطن (بدایوں) واپس آ کر عرصے تک حضرت اقدس (شاہ عین الحق عبد المجید، قادری بدایونی) کی صحبت سے مستفیض ہوئے اور مثنوی شریف حضرت مولانا روم کو، پالا ستیاب

مولانا خطیب محمد عمران صاحب عثمانی سے پڑھا۔

ذوق تصوف پیدا ہوتے ہی، مرشد کامل کی طرف، نگاہیں دوڑانا شروع کیں۔

حضرت اقدس (شاہ عین الحق، عبد المجید، بدایونی) قدس سرہ المجدد صاحب

جب مارہرہ شریف سے وطن (بدایوں) تشریف لاتے، تو، آپ، ارمان بیعت کو کلیجے سے لگائے ہوئے حاضر خدمت ہوتے۔ لیکن، کمال ادب سے اظہار، نہ فرماتے۔

آخر، جب حضرت اقدس قدس سرہ المجدید صاحب کو آپ کے ارادے سے آگاہی ہوئی، تو اپنے ہمراہ، مولانا (سلامت اللہ، کشتی) کو، ماہرہ شریف لے گئے۔

اور حضور پرنور (سید شاہ آل احمد، مارہروی) اچھے میاں قدس سرہ کا خرید کر لیا۔
دربارِ شیخ سے بھی، آپ کی تربیتِ باطنی، حضرت اقدس کے سپرد ہوئی۔

اسی اثنا میں آپ نے سندِ حدیث، مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب مجددِ دہلوی سے حاصل فرمائی۔
دربارِ شیخ (حضرت اچھے میاں، مارہروی) سے مثالِ خلافت، عطا ہوئی۔

عرصے تک، بدایوں رونق افروز رہے۔ بعدہ، آپس کے نزاعات کے باعث
لکھنؤ، تشریف لے گئے۔ وہاں، مرزا قاتل سے شعر و سخن میں اصلاح لی۔ کشتی، تخلص، مقرر کیا۔
مجتہدِ عصر اور شیعہ علمائے لکھنؤ آپ کے درپے ایذا رسانی ہو گئے۔ لیکن، آپ صحیح و سالم
نکل کر، کان پور تشریف لے آئے اور آخر وقت تک، کان پور ہی میں متمکن رہے۔
ظاہری و باطنی فیض کے دریا، بہا دیے۔

سیکڑوں ہزاروں بندگانِ خدا آپ کے دامنِ ارادت سے، وابستہ ہو گئے۔

باوجود، صاحبِ ارشاد ہونے کے، اپنے پیرواروں اور استاذ زادگانِ وطن کا، نہایت ادب
واحترام کرتے تھے۔ بڑے بڑے علمائے کرام آپ کے فیضِ علم سے مستفیض ہوئے
جن کے تلامذہ کا سلسلہ، اطرافِ ہند میں، جاری و ساری ہے۔

منجملہ آپ کے تلامذہ کے، مولانا شاہ عادل (ناروی، کان پوری) صاحب تھے۔ جو، آپ
کے بعد آپ کے جانشین ہوئے۔ مولوی سید محمد عبداللہ، صاحبِ بکرا می و مولوی غلام محمد خاں
صاحب (ساکن کوٹ ضلع فتح پور، سوہ) و خان بہادر مولوی سید فرید الدین احمد صاحب کڑوی
(وکیل ہائی کورٹ) آپ کے مشہور تلامذہ ہیں۔

علاوہ ان کے، مولوی بزرگ علی صاحب (مارہروی) آپ کے مخصوص شاگردوں میں
تھے۔ جن کے شاگردِ رشید مفتی عنایت احمد صاحب، کا کوری تھے
جو، استاذ، مولانا مفتی لطف اللہ صاحب، علی گڑھی کے ہیں۔

اور مفتی صاحب کا فیضِ درس، عام ہندوستان میں پھیلا ہوا ہے۔

اس سلسلے میں موجودہ طبقہ علمائے، شاید ہی کوئی ایسا ہو

جس کو بدایوں کے بحرِ فیض سے حصہ نہ پہنچا ہو۔

مولانا کی تصانیف کثیرہ، مشہور مطبوعہ ہیں۔ ردّ شیعہ میں تحفۃ الاحباب، معرکہ آرا برقی خاٹف ہیں۔ تحریر الشہادتین شرح سرّ الشہادتین، خدا کی رحمت، وغیرہ، مختلف رسائل ہیں۔ ایک رسالہ ”اشباع الکلام فی اثبات المولد والقیام“ ہے۔ جس کا جواب، مولوی بشیر الدین صاحب، قنوجی نے لکھ کر، دربار نبوت سے اپنے ارتداد کا سرٹیفکٹ، حاصل کیا۔ اور پھر، اس جواب کا رد، حضرت تاج الفحول (مولانا عبدالقادر، بدایونی) قدس سرہ نے رسالہ ”سیف الاسلام“ میں، بخوبی، فرمادیا۔

مولانا (کشتی) کا، فارسی دیوان بھی، مطبوعہ ہے۔

بہ عمر ستاشی (۸۷) سال، ۳ رجب المرجب ۱۲۸۱ھ (دسمبر ۱۸۶۲ء) میں آپ کا وصال ہوا۔ مزار شریف، خاص آپ کی پنا کردہ مسجد، واقع محلہ ناچ گھر، کان پور میں ہے۔
(ص ۱۱۴ تا ص ۱۱۶۔ ”اکمل التاریخ“، حصہ اول۔ مؤلفہ مولانا ضیاء القادری، بدایونی۔

مطبوعہ تاج الفحول اکیڈمی۔ بدایوں۔ ۱۴۳۴ھ/۲۰۱۳ء)

مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی، مظفر پوری لکھتے ہیں:

.....آپ (مولانا شاہ سلامت اللہ) حضرت شاہ عبدالعزیز، محدث دہلوی و قطب الاقطاب، شمس العارفین (سید شاہ آل احمد، اچھے میاں، مارہروی) کے فیض و برکت کے اثر سے، احیائے سنت و امامت بدعت ضالہ میں بھی سرگرم تھے۔ نتیجہ، ظاہر تھا۔
ردّ مسائل و عقائد ردّ افض کی وجہ سے لکھنؤ کے رافضی علماء، آپ کے درپے آزار ہو گئے۔
لیکن، حضرت (مولانا شاہ سلامت اللہ، بدایونی) وہاں سے صحیح و سالم نکل کر کان پور تشریف لے آئے۔

یہاں (کان پور) آپ نے محلہ ناچ گھر میں قیام فرمایا۔ ۱۲۶۷ھ/۱۸۵۰ء میں ایک شاندار مسجد تعمیر کرائی اور مدرسہ بنوایا۔ زبردست مرجعیت و مرکزیت، حاصل ہوئی۔
آپ کے درس کی برکتوں سے سیکڑوں افراد، اکابر علماء عہد ہو گئے۔ باضابطہ درس کے علاوہ، بعد نماز جمعہ، وعظ درس قرآن اور حدیث فرماتے تھے۔ وعظ مبارک، پُر تاثیر ہوتا تھا۔

نواب، صدیق حسن، قنوجی نے بھی لکھا ہے کہ:

”فاضل عدیم المثل و واعظ خوش تقریر و شاعر جاد و تحریر ست۔

محررِ مطور، اور ابارہادیدہ و لطف و وعظ در یافتہ۔

درزمرہ علما، خیلے خوش صورت، نفیس سیرت بود۔ عمر دراز، یافت۔“

حضرت (مولانا شاہ سلامت اللہ، بدایونی) کے تلامذہ میں

بہت سے اکابر علما و مشائخ میں سے چند نام، یہ ہیں:

حضرت مولانا سید شاہ آل رسول، احمدی، محدث مارہروی۔

حضرت مولانا سید عبداللہ، بلگرامی۔ متوفی ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۸ء۔

حضرت مولانا شاہ، محمد عادل، ناروی (کان پوری) متوفی ۱۳۳۵ھ آپ کے جانشین۔

اور حضرت مولانا بزرگ علی، مارہروی قدس سرہ، مولانا محمد سعید، حسرت عظیم آبادی، حضرت

مولانا محمد زماں خاں شہید (استاذ نواب، محبوب علی خاں، نظام حیدر آباد) قانع فرقہ مہدویہ ضلہ۔

حضرت مولانا سید حبیب الرحمن، کاظمی، ردولوی، مہاجر کی، زبردست عالم و عارف

اور کاسب و شاعری بزرگ، اُمر او علماے مکہ مکرمہ، آپ کے علم و فضل کے مدائح تھے۔

آپ کے مخصوص شاگرد، حضرت مولانا شاہ، ابوالخیر محی الدین عبداللہ، محدث دی، سجادہ نشین

درگاہ مظہر جانِ جاناں و شاہ غلام علی، محدث دی، دہلوی تھے۔“ الخ

(ص ۳۷)۔ ”حیات شاہ آل رسول، احمدی، مارہروی“ مؤلفہ مولانا محمود احمد، قادری، رفاقی۔ مطبوعہ خانقاہ اشرفی

رفاقتی۔ اسلام آباد۔ ضلع مظفر پور۔ بہار۔ طبع اول ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۵ء)

علامہ فضل رسول، بدایونی

سیف اللہ السنول، علامہ فضل رسول، عثمانی، قادری، بدایونی (ولادت ماہ صفر ۱۲۱۳ھ - وصال ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء) فرزند و خلیفہ شمس مارہرہ، مولانا شاہ عین الحق عبد الحمید، قادری، برکاتی بدایونی (وصال محرم الحرام ۱۲۶۳ھ/جنوری ۱۸۴۷ء)

سوا اعظم اہل سنت و جماعت کے اُن اکابر و اعظم علما و مشائخ میں ہیں، جو، اپنے دور میں ”معیاری سنت“ اور ”وقار اہل سنت“ تھیں۔

آپ کے تعارف و تذکرہ میں مولانا محمد یعقوب حسین، ضیاء القادری، بدایونی (متولدہ ماہ رجب ۱۳۰۰ھ/جون ۱۸۸۳ء - بدایوں - متوفی ۱۲/جمادی الاخریٰ - ۱۱۳۹ھ/۱۵/اگست ۱۹۷۰ء کراچی) لکھتے ہیں:

..... قبل اس کے کہ، مکان (بدایوں) سے اس مولود کی خبر، مارہرہ مظہرہ میں پہنچے حضرت سید الاولیاء (سید شاہ آل احمد، قادری، برکاتی، مارہروی) حضور اچھے میاں نے مبارک باد کے طور پر خوش خبری و ولادت، حضرت مولانا شاہ عبد الحمید صاحب کے گوش گزار کر دی تھی۔ نہ صرف خوش خبری، بلکہ آئندہ، اس نونہال کے فضل و کمال اور حسن مال کی بشارت بھی دے دی تھی۔

چنانچہ، بعد ولادت، خود، حضور پر نور نے اس تصویر فضل و کمال کا نام ”فضل رسول“ رکھا اور معنوی طور پر، اپنا فرزند، قرار دیا۔“

(ص ۱۶۵۔ ”اکمل التاريخ“، حصہ دوم - مؤلفہ مولانا ضیاء القادری، بدایونی -

طبع جدید ۱۳۳۲ھ/۲۰۱۳ء - تاج العلوم اکیڈمی - بدایوں - طبع اول ۱۳۳۳ھ/۱۹۱۶ء - بدایوں) چار برس کی عمر ہوتے ہی مکتب کی رسم، ادا ہوئی - مقدس دادانے بسم اللہ، شروع کرائی - واقف آسار توحید، حضرت مولانا شاہ عبد الحمید، قادری برکاتی، بدایونی (وصال جمادی الاول ۱۲۳۳ھ/مارچ ۱۸۱۸ء - خلیفہ حضرت اچھے میاں، مارہروی) نے ابتدائی تعلیم و تربیت فرمائی۔

علامہ فضل رسول، بدایونی فرماتے ہیں کہ:

اس خاکسار نے صرف و نحو کی اکثر کتابیں، جیدہ احمد، مولانا شاہ عبد الحمید سے پڑھی ہیں۔

ایسی عجیب و غریب برکت اور حُسن تربیت تھی کہ، جو، آپ کے بعد کسی میں نظر نہ آئی۔

اس بچہ مدال کو، جو کچھ عطا ہوا ہے، وہ، سب، آپ کی اس برکت اور تربیت کا اثر ہے۔“
گیارہ برس تک، حیدر اُمجد کی آغوشِ تعلیم و تربیت میں پرورش پائی۔

بارہویں سال کا آغاز ہوتے ہی تحصیلِ علم کے شوق میں

متوکل علی اللہ، لکھنؤ کے لئے، پایادہ، راونہ ہو گئے۔

طلبِ علم کی بے تابی نے اجازتِ سفر بلکہ اس کی خبر دیے بغیر، آپ کو سرگرم سفر کر دیا۔

صعوبتِ سفر، برداشت کرتے ہوئے، براہِ شاہجہاں پور ایک مدت بعد لکھنؤ پہنچے۔ زادِ سفر سے بے نیازی، زنجیرِ پا، نہ بن سکی۔ قدم قدم پر برکتوں کا ظہور ہوتا رہا۔ بالآخر، منزلِ مقصود تک پہنچے۔ اور:

”صبح کو، سلطان العلماء، حضرت مولانا نور الحق (فرنگی محلی) صاحب رَحْمَةُ اللہِ عَلَیْہِ کی

درس گاہ میں حاضر ہوئے۔ دیکھا کہ مولانا، خود، چشمِ براہ، کہ آمد کے منتظر ہیں۔

جس وقت آپ پر نظر پڑی، کمالِ تکریم و محبت، بڑھ کر سینے سے لگایا۔

پیشانی کو بوسہ دیا اور نہایت فخر و مباہات کے ساتھ، اظہارِ مسرت فرمایا۔

اکابرِ علمائے فرنگی محل نے، یہ سن کر کہ:

حضرت مولانا شاہ عین الحق عبد المجید صاحب، بدایونی کے صاحب زادے

بارہ برس کی عمر میں، اس سچّ دھج سے تحصیلِ علم کے لئے تشریف لائے ہیں

جوق در جوق آنا شروع کیا۔ اور ہر طرف سے شفقت و پیار کی نظریں، آپ پر پڑنا شروع ہو گئیں۔

ہر بزرگ آپ کی جبینِ روشن کو دیکھتا اور فرماتا کہ:

”یہ بچہ، خدا جانے کس مرتبہ فضل و کمال کو پہنچے گا۔“

یہی ہوا کہ آپ نے تین برس تک، فرنگی محل میں رہ کر شفیقِ استاذ کی مخصوص عنایت کے باعث

مجملہ علوم معقول و منقول سے فراغِ نام، حاصل کیا۔

بزرگِ استاذ کو، اپنے گرامی قدر شاگرد سے کمالِ درجہ، اُٹس تھا۔

اور، ہمیشہ فخر کے ساتھ، آپ کے مملکتِ قدسیہ کا تذکرہ فرماتے اور خوش ہوتے۔

خدا دادِ ہانت کی تعریف فرماتے اور جدید طلبہ، جو حلقہٴ درس میں آ کر شریک ہوتے

وہ، مولانا (فضلِ رسول، بدایونی) کے سپرد کیے جاتے۔

جماعت سے جدا گانہ، مخصوص اوقات میں، یکہ و تنہا آپ کو سبق پڑھاتے اور اپنے سامنے

تکرار (مذکرہ علمیہ) کراتے۔ جید طلبہ سے کسی خاص مسئلے میں تقریری مناظرہ کراتے۔
اور مولانا کے زورِ تقریر اور قوتِ استدلال سے بے انتہا، مسرور ہوتے۔

..... یہاں تک کہ، جمادی الثانی ۱۲۲۸ھ (اگست ۱۸۱۳ء) کا مہینہ آیا۔
یہ وہ مہینہ ہے کہ قطبِ الآفاق، مخدوم شاہ عبدالحق، ردولوی رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْہِ کا عرس مبارک
پندرہ سے سترہویں تاریخ تک ”ردولی شریف“ میں ہوتا ہے۔

..... استاذِ مطلق، حضرت سلطان العلماء، مولانا نورالحق (فرنگی محلی) رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْہِ
نے اپنے پیارے شاگرد (مولانا فاضل رسول، بدایونی) کو، حکم دیا کہ:

ردولی شریف، ہماری، ہم رکابی میں چلنے کے لئے تیار ہو۔“

خاندان کے معزز اراکین، خدام اور طلبہ کی جماعت بھی، ہمراہ ہوئی۔

عرس شریف کی برکتوں سے، یہ قافلہ، مستفیض ہوا۔

سترہویں تاریخ، جو، خاص قُلن کی تاریخ تھی، فرنگی محل کے اس نورانی وجود نے صبح کو
مواجهہ مزار شریف میں ایک مجلس، ترتیب دی۔

تمام اکابرِ وقت اور علمائے مشائخ عصر، حاضرین عرس، خاص مجلس میں شرکت کے لئے
تشریف لائے۔ جب، مجمع، کافی ہو گیا اور مجلس، حاضرین کی کثرت اور ہجوم سے بخوبی پُر ہو گئی
حضرت سلطان العلماء نے کھڑے ہو کر

اول، صاحبِ آستانہ سے استعانت فرمائی۔ اور مولانا کو، اپنے پیشِ نظر، بلا کر کھڑا کیا۔

اس کے بعد (۱) مولانا عبد الواسع صاحب (۲) مولانا عبد الواجد صاحب، خیر آبادی
(۳) مولانا ظہور اللہ صاحب، فرنگی محلی و دیگر اکابر موجودین کو، مخاطب کر کے فرمایا کہ:

”آج، یہ مجلس، صرف اس لئے منعقد کی گئی ہے کہ:

آپ حضرات کے سامنے، ان صاحب زادے کا امتحان ہو جائے۔

جملہ علوم و فنون میں جو بزرگ چاہیں، بلا تکلف، جانچ پڑتال کر سکتے ہیں۔“

اس کے بعد، علمائے کرام سے اصرار فرمایا کہ: آپ حضرات، سوال کریں۔

بعض اصحاب نے اشارۃً، بعض نے امتحان، مسائلِ دقیقہ، باتوں باتوں میں، دریافت کیے۔

اس کے بعد، حضرت مکرم، سلطان العلماء (مولانا نورالحق، فرنگی محلی) نے

آپ کی رسم دستار بندی، ادا فرمائی۔

سید خاص میں اجازت درس جملہ علوم نقلیہ و عقلیہ کی تحریر فرمائی۔ اور دست دعا، بلند کیے۔ صاحب مزار کارو حانی تشریف، ان سرایا برکت دعاؤں کو بابِ اجابت تک لے اُڑا۔ مشائخ و سجادہ نشینانِ محفل نے آمین کہی۔

..... عرس شریف کے اختتام کے بعد، مجلس علم کا یہ سرایا نور قافلہ سالار مع خدم و حشم اپنی جاے اقامت، یعنی لکھنؤ تشریف فرما ہوا۔

وہاں، اس فونہالِ محترم بغداد کو، تجلیاتِ قدس کی قد آور تشبیہ یعنی، حضرت مولانا احمد انوار الحق (فرنگی بھلی) بِرَحْمَةِ اللہِ عَلَیْہِ کی رُونمائی کے لئے پیش کیا۔ نورِ نظر (مولانا نور الحق، فرنگی بھلی) کی آب یاری فیض کا ثمرہ جس وقت، قبلہ حاجات باپ (مولانا انوار الحق، فرنگی بھلی) کے سامنے آیا، فرطِ مسرت سے چہرے کا نورانی رنگ، ارغوانی ہو گیا۔

مولانا (فضیلِ رسول، بدایونی) کو قریب بلا کر، دعائیں دیں۔ اور فرمایا:

”صاحب زادے! ایک دن آنے والا ہے کہ:

معاذ اللہ دین کا سہرا، تمہارے سر پر سجایا جائے گا۔

سید فقر و عرفان کو، تمہارے دم سے فروغ ہوگا۔

فرزیدِ آرجمند، مولانا نور کا نورِ علم، تمہارے جلوہ فیض سے تجلی بخش عالم ہوگا۔“

ان کلماتِ سر اسر خنات کو، والد کی زبان سے سن کر، مولانا نور الحق صاحب کے ہنستے ہوئے

چہرے پر تبسم کی لہر، دوڑ گئی اور نہایت فرحت و انبساط کے ساتھ

مولانا (بدایونی) کو جانبِ وطن (بدایوں) رخصت فرمایا:

آپ (مولانا فضیلِ رسول، بدایونی) شاداں و فرحان، بدایوں تشریف لائے۔

حیدر امجد کی قدم بوسی کی۔

تین سال کی محنت کا نتیجہ، یعنی سید تکمیل، پیش کی۔“

(ص ۱۶۸ تا ۱۷۱۔ ”اکمل التاریخ“، حصہ دوم۔ مؤلفہ مولانا ضیاء القادری، بدایونی۔ مطبوعہ بدایوں ۲۰۱۳ء)

بدایوں میں آپ کے مربی و مشفق اور حیدر امجد، حضرت شاہ عبدالحمید، قادری، برکاتی (وصال

جمادی الاولیٰ ۱۲۳۳ھ / مارچ ۱۸۱۸ء) نے علمِ طب، حاصل کرنے کی ہدایت فرمائی۔

اور جب اپنے والدِ مکرم، حضرت مولانا شاہ عبدالحمید، قادری برکاتی، بدایونی (وصال ۱۷

محرم ۱۲۶۳ھ (جنوری ۱۸۴۷ء) سے ملاقات کے لئے مارہرہ مظہرہ پہنچے

تو، وہاں سے بھی، یہی ہدایت ملی۔

چنانچہ، امام الاطبتا، حکیم سید بر علی، موہانی کی خدمت میں دھول پور (راج پوتانہ) حاضر ہو کر فن طب کی تحصیل میں مصروف ہوئے اور اس فن میں بھی مہارت و کمال، حاصل کیا۔

فن طب میں تحصیل و تکمیل کی، یہ مدت، دو سال کی ہے۔

فرنگی محلی، لکھنؤ اور دھول پور (راج پوتانہ) سے تکمیل علوم و فنون مختلفہ کے بعد، مولانا فضل رسول، بدایونی، بدایوں کے اپنے آبائی مدرسہ ”مدرسہ محمدیہ“ میں مصروف درس و تدریس ہو گئے۔ اور اسے شہرت و ترقی دے کر، اس کا نام ”مدرسہ قادریہ“ رکھا۔

اس مدرسہ میں ہر طرف سے طلبہ کا ہجوم ہونے لگا۔

اور آپ کے تبحر علم اور درس و تدریس کی شہرت، دور دور تک پھیل گئی۔

اسی دوران، حج و زیارت حرمین شریفین سے بھی مشرف ہوئے۔

جس کا ذکر کرتے ہوئے مولانا ضیاء القادری، بدایونی لکھتے ہیں:

مدینہ منورہ کے علمی تاجدار، علمائے عالم کے سر تاج، حضرت مولانا شیخ عابد، مدنی، انصاری اور مکہ مکرمہ کے روشن چراغ، امام الائمہ، سراج الائمہ کے مسند کے وارث، حضرت مولانا شیخ عبداللہ سراج، مکی قدس سرہما سے (باوجودے کہ مجملہ علوم و فنون میں سلسلہ درس، جاری تھا) حصول برکت کے لئے جدید آسانید، حاصل فرما کر، وطن (بدایوں) مسند درس پر جلوہ آرا ہوئے۔

اُس وقت کی فیض بخشی، احاطہ تحریر سے باہر ہے

ہندوستان کے ہر گوشے کے طالب علم، بدایوں میں نظر آنے لگے۔

اس سے قبل، صرف ظاہری علوم کا فیض جاری تھا، اب باطنی کمالات کے سرچشمے بھی

اُٹھنا، شروع ہو گئے۔

اور آپ کی ذات سرِ ایاہرکت، مجمع البحرین بن کر، ظاہر و باطن کی نعمتوں کی قاسم، بن گئی۔“ الخ

(ص ۱۷۵۔ اکل التاريخ۔ حصہ دوم۔ مطبوعہ بدایوں ۲۰۱۳ء)

علامہ فضل رسول، بدایونی کے اساتذہ کرام میں حضرت مولانا نور الحق فرنگی محلی

فرزید مولانا احمد انوار الحق، فرزند مولا، احمد عبدالحق، فرنگی محلی کا نام، نمایاں ہے۔

جو، بحر العلوم، مولانا عبدالحق فرنگی محلی، کے شاگردِ رشید تھے۔

امام الاطباء، سید برعلی، موہانی، آپ کے استاذ علم طب ہیں۔

جو، آپ کے فیض و برکت سے، اپنے عقیدہ شیعیت سے تاب ہو کر، پختہ سنی ہو گئے تھے۔
آپ کی وفات، آگرہ میں ہوئی۔

رئیس العلماء، شیخ محمد عابد، سندھی، مدنی (وصال دوشنبہ، ماہ ربیع الاول ۱۲۵۷ھ مارچ ۱۸۴۱ء۔
مدینہ منورہ) و سراج العلماء، شیخ عبداللہ سراج کی

یہ دونوں حنفی علما و شیوخ حرمین شریفین بھی آپ کے اساتذہ کرام ہیں۔

آپ کے تلامذہ میں نمایاں حضرات، یہ ہیں:

مفتی اسد اللہ، الہ آبادی (متوفی یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۰۰ھ / اپریل ۱۸۸۳ء) و مولانا
عنایت رسول، چریا کوٹی و مولانا سید عبدالفتاح گلشن آبادی و مولانا شاہ احمد سعید، مجددی، دہلوی
(متوفی ۲ ربیع الاول ۱۲۷۷ھ / ستمبر ۱۸۶۰ء) و حضرت سید شاہ محمد صادق میاں، قادری برکاتی
مارہروی (متوفی ۲۳ شوال ۱۳۲۶ھ / نومبر ۱۸۰۹ء) و مولانا سید اولاد حسن، موہانی و مولانا سید اشفاق
حسین، سہوانی، بریلوی و قاضی نجل حسین، عباسی و سید سلمان، بغدادی و سید آر جند علی، نقوی
بدایونی و شیخ جلال الدین، متولی، بدایونی و حکیم وحیہ الدین، صدیقی، بدایونی و حکیم شیخ تفضل حسین
بدایونی و مولانا امانت حسین صدیقی، بدایونی و میاں بہادر شاہ دانش مند، بدایونی و شیخ فصاحت اللہ
متولی، بدایونی و سید خادم علی بخاری، بدایونی۔ وغیرہم۔

راجہ بنارس کی لڑکی کے علاج و معالجہ کے سلسلے میں بنارس جانے کا ایک سبب اور داعیہ
پیدا ہوا، تو، آپ، وہاں پہنچے۔ راجہ کی لڑکی شفا یاب ہوئی۔ مزید بندگان خدا کے علاج و معالجہ کے
سلسلے میں، راجہ کی دعوت پر، بنارس میں ایک سال آپ کا قیام رہا۔

اس کے بعد، جب، بدایوں واپس آئے، تو، اس فن سے لاتعلقی، اختیار کر لی۔

گا ہے گا ہے، صرف خدمتِ خلق کی نیت سے کسی کا علاج کر دیا کرتے تھے۔

آگے کا حال، مولانا خضیاء القادری، بدایونی اس طرح تحریر کرتے ہیں:

”آپ نے کچھ دنوں محکمہ افتاء (جو، اُس وقت، گورنمنٹ میں قائم تھا اور بطور مفتی کے

علما کو، عہدے دیے جاتے تھے) کو، اپنے کلک انصاف جو کی روشنائی سے فروغ بخشا۔

..... ادھر حاکم ضلع کو، اپنی کچہری میں عہدہ جلیلہ سررشتہ داری کے لئے کسی معزز و ممتاز

فائق الاقران و العلم کی تلاش ہوئی۔ ضلع بھر میں، اس قابلیت کا کوئی شخص، موجود نہ تھا۔

ہر پھر کر، آپ پر ہی نظر پڑتی تھی۔

آخر، بکمالِ اصرار، آپ کو، رضامند کیا گیا۔ اُس وقت ضلع کا صدر مقام، سہوان تھا۔ جہاں، اب تحصیل و منصفی کی، دو کچھریاں، موجود ہیں۔

آپ، بدایوں سے سہوان، تشریف لے گئے اور غالباً، ساڑھے تین سال تک آپ نے جوہر ذاتی سے حکام وقت کو، اپنا گرویدہ بنائے رکھا۔

..... پوری تنخواہ، مصارفِ مہمان نوازی میں، صرف ہو جاتی تھی۔

بعض اوقات، خرچ کے لئے، مکان (بدایوں) سے بھی کچھ، طلب کر لیا جاتا۔

درس و تدریس کا سلسلہ، وہاں (سہوان) بھی جاری رہتا۔

اکثر، سہوان کے علم دوست شرفا کو، آپ سے اور آپ کے تلامذہ سے، شرفِ تلمذ، حاصل تھا۔

جب، آپ نے اس سلسلے سے بھی، قطعِ تعلق کر لیا

مدرسہ عالیہ (قادریہ) میں، مستقل طور پر حلقہٴ استفادہ کا اجرا فرمایا۔

برابر، اہل سہوان، تحصیلِ علم کی دھن میں بدایوں آتے رہے اور حضرت تاج الفحول

(مولانا عبدالقادر، بدایونی) اور مولانا فیض احمد (عثمانی، بدایونی) کی شاگردی کا فخر، حاصل کیا۔

مشائخانہ سیاحی میں، جب، زیادہ ترقیام، حیدرآباد دکن میں (جہاں کی باطنی خدمت

سرکارِ غوث مآب کی جانب سے آپ کو سپرد تھی) نواب آصف جاہ، خلد مکانی اور تمام اُمرا

و اراکینِ ریاست کو آپ سے عقیدت و ارادت ہوئی۔“ الخ (ص ۲۰۸ و ۲۰۹۔ اکمل التاریخ، حصہ دوم)

ملازمت و علاقہٴ دنیوی سے بے نیاز ہونے کے بعد، اپنے والدِ مکرم، حضرت شاہ عین الحق

عبدالحمید، قادری برکاتی، بدایونی سے سلسلہٴ عالیہ قادریہ برکاتیہ میں بیعت و ارادت سے سرفراز

ہوئے۔ آپ کے والدِ مکرم، اپنے مرشدِ طریقت، شمس مارہرہ، سید شاہ آل احمد، اچھے میاں

مارہروی (وصال ۱۲۳۵ھ / جنوری ۱۸۲۰ء) کے خلیفہ ارشد تھے۔

جن کی اجازت و خلافت کے بارے میں، مولانا ضیاء القادری، بدایونی لکھتے ہیں کہ:

”جب، تکمیلِ مراتب ہو چکی، مثالِ خلافت، عطا کی گئی، اور ”شاہ عین الحق“ کے خطاب سے

سرفراز فرمائے گئے۔ آپ کے باطنی جذبات اور روحانی ولولے، اگرچہ، بہت کچھ آپ کو

ذوقِ آشنا سے بے خودی کرنا چاہتے تھے، لیکن، علومِ شریعت کی زبردست قوت

ایک پیش، نہ جانے دیتی تھی۔

آپ کا ظاہری و باطنی کیف و سرور دیکھ دیکھ کر
خود حضور اقدس (حضرت اچھے میاں مارہروی) ارشاد فرماتے کہ:
”درویش، بایدش کہ ظاہر ش، چوں ابی حنیفہ باشد و باطنش، چوں منصور۔
و ایں معنی بجز مولوی عبد المجید، در دیگرے، نہ دیدہ ام۔“

(ترجمہ) درویش کو چاہیے کہ اُس کا ظاہر، امام ابو حنیفہ کی طرح ہو، اور باطن، حضرت منصور
کی طرح۔ اور یہ بات، میں نے، بڑا مولوی عبد المجید کے، کسی دوسرے میں، نہ دیکھی۔)
اتباع شریعت، اس طرح، ملحوظ خاطر تھا کہ:

کبھی، کسی وقت میں، ترکِ سنت کا ظہور ہوا ہی نہیں۔

نوافل و مستحبات، جو، روز اول سے اختیار فرمائے، آخر دم تک، ترک نہ ہوئے۔
ایک طرف، پیرو مرشد (حضرت سید شاہ اچھے میاں، مارہروی) کو
آپ سے، اس درجہ، خصوصیت اور اُنس تھا کہ:

اکثر مریدانِ بااختصاص اور خلفائے خاص کے حلقے میں ارشاد فرماتے کہ:
اگر، روز قیامت، خداوند کریم کی جناب سے سوال کیا گیا کہ:
ہماری بارگاہ کے لئے، کیا تحفہ لائے ہو؟
تو، مولوی عبد المجید کو، پیش کر دوں گا۔“

دوسری جانب، پیرزادگان (سادات مارہرہ مطہرہ) میں، آپ کا
اس درجہ، وقار و احترام تھا کہ، جو، آپ فرماتے اُس پر جملہ صاحب زادگان، متفق ہو جاتے۔“
(ص ۹۹۔ اکل التاريخ، حصہ اول۔ مطبوعہ بدایوں ۱۳۰۱ء)

والدِ مکرم نے مولانا فہرل رسول، بدایونی کو سلاسلِ خمسہ، قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ، نقشبندیہ
مداریہ کی اجازت، مع تمام معمولاتِ خاندانی و سندِ خلافت، عطا فرمائی۔

ایک بار، قطب الاقطاب، خواجہ قطب الدین بختیار، کاکی، چشتی، دہلوی کے آستانہ مبارکہ کی
حاضری و زیارت کے دوران، عالمِ جذب و بے خودی میں، احرام حج باندھ کر، پایادہ، روانہ ہوئے
تو، دہلی سے اجیر شریف اور پھر، احمد آباد، گجرات ہوتے ہوئے سورت پہنچے۔

اور سورت سے جدّہ کے لئے بذریعہ بادبانی جہاز، روانہ ہوئے۔
دہلی سے سورت تک، اُس زمانے میں، چھ ماہ کا سفر ہوتا تھا۔

جب کہ آپ، متعدد مقامات مقدسہ کی زیارت کرتے ہوئے، صرف سترہ (۱۷) دن میں دہلی سے سورت پہنچ گئے۔ یہ روح پرور واقعہ سفر ۱۲۵۴ھ/۴۰-۱۸۳۹ء کا ہے۔

”غرض، یہ پہلا سفر، دہلی سے مدینہ طیبہ تک، پاپیادہ، طے ہوا۔

کعبے میں، تجلیات الہی کی جلوہ ریزیاں، نورِ باطن کے فروغ کا سبب ٹھہریں۔

مدینہ میں حضور رحمتِ عالم (صَلَّى اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) کی خصوصی رحمتوں نے مالا مال کیا۔

دونوں جگہ، علما و مشائخ کرام کی مجالس میں شرکت فرمائی۔ اکابر حجاز و عرب کی زیارت کی۔

اصحابِ عظام کے مزارات سے فیضِ روحانی، حاصل کیا۔

اسنادِ حدیث، دونوں جگہوں کے اچلے مشائخ سے (جو، اُس وقت، تمام بلادِ عرب میں

استاذِ العلما اور شیخِ وقت مانے جاتے تھے) لے کر، ہندوستان کو، مُراجعت فرمائی۔“

(ص ۲۲۰۔ مکمل التاريخ، حصہ دوم۔ مطبوعہ بدایوں ۱۳۰۱ھ)

بیعت و ارادت کے بعد، آپ پر، جذب و بے خودی کا ایک عجیب دور، گذرا ہے۔

جس کا ذکر کرتے ہوئے مولانا ضیاء القادری، بدایونی لکھتے ہیں کہ:

”متقدمین کے اندازِ ریاض، جو، کانوں سے سنے تھے، دیکھنے والوں نے اپنی آنکھوں سے

دیکھے۔ کبھی، لذتِ بادیہ پیمائی سے خلاوتِ پائی، کبھی، دامنِ کوہ سے دامنِ باندھ کر، چلے کشی فرمائی۔

بارہ (۱۲) سال تک، اسی طرح، اسمائے جلالی و جمالی کے اشغال میں مجور، رہ کر، منازلِ تکوین کو طے کیا۔

مسندِ تمکین پر، جلوہ افروز ہوئے۔ سیر فی اللہ کی محویت آفریں شاہراہ میں رسائی ہوئی۔

بے خودی نے کام بنایا، نسبتِ چشت، غالب آئی۔

ہندِ اُولیٰ کی سرکار سے سندِ ولایت کی تکمیل، اس طرح ہوئی کہ:

حضرت قطبُ الاقطاب، خواجہ قطبُ الدین بختیار کاکی رَحْمَةُ اللہِ عَلَیْہِ کی روحانیت نے

آپ کو، بالکل اپنی جانب، متوجہ کر لیا۔

کشاں کشاں، آپ، دربارِ دُربارِ حضرت قطب صاحب (مہرولی شریف، دہلی) پر

حاضر ہوئے۔ آستانہ بوسی کی نئے میں، رازِ کمال اور سرِّ کامیابی، مضمر تھا۔

یہاں، صرف صِبْغَةُ اللہ کی دین کا وہ چوکھارنگ، آپ پر چڑھا کہ بالکل رنگ گئے۔

حالتِ جذب نے منزل کیا، ہسکر کی کیفیت، سکونِ طبیعت کا سبب ہوئی۔

نعمتِ باطن اور دولتِ عرفان کے، اُن گنت خزانوں سے جھولیاں، بھر لیں۔

چند روزہ حاضری میں، برکاتِ بے کراں کے علاوہ، ”طی الارض“ کا خصوصی تمغہ عطا ہوا۔
جس نے سیرُ وافی الارض کی تمام مشکلات کو، آسان کر دیا۔
انہیں ایام میں ایک بزرگ صاحبِ دل سے ملاقات ہوئی۔

بہ اشارہ روحانیت حضرت دست گیر عالم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ، انہوں نے ایک خاص
درویشِ شریف کی، جو، معمولاتِ خاندانِ حضرت سید آلِ حَسَن، رسولِ نما، دہلوی سے ہے۔
اور قصیدہ بُردہ شریف کے، اس شعر کی اجازت دے کر، آپ کے اُوراد میں داخل فرمایا:

هُوَ الْحَبِيبُ الَّذِي تُرْجَى شَفَاعَتُهُ
لِكُلِّ هَوٍ مِنَ الْاَهْوَالِ مُقْتَحِمٍ
(ترجمہ) وہ، ایسے حبیب ہیں کہ پیش آنے والے ہر خوف و خطر میں
اُن کی شفاعت کی امید کی جاتی ہے)

اس درویشِ شریف کی کثرت اور اس مبارک شعر کی برکت سے نواشاہ کون مکاں
عروسِ مملکتِ ربّانیہ، جانِ جہاں، جانانِ عالم، حضور، رَحْمَةُ اللّٰغَلَمِین (رُوحِی لَہ الْفِدَاء)
کے نظارہ ہمال سے چند بار، مشرف ہوئے۔“ الخ
(ص ۲۱۵ و ۲۱۶۔ اکمل التاریخ، حصہ دوم۔ مطبوعہ بدایوں ۱۳۰۱ھ)

اپنے اس سفرِ دہلی کی برکتوں کا ذکر کرتے ہوئے، اپنے والدِ مکرم، حضرت مولانا شاہ عین الحق
عبدالجید، قادری برکاتی، بدایونی کے نام ایک مکتوب میں، حضرت علامہ فضلِ رسول، بدایونی
تحریر فرماتے ہیں:

”اس سفر میں ایک بزرگ سے، حضرت سید آلِ حَسَن، رسولِ نماقِدَس سِرُّہ کے معمولاتِ
خاندانی میں سے، ایک درویشِ پاک اور قصیدہ بُردہ کا ایک شعر پڑھنے کی اجازت ملی۔ وہ شعر، یہ ہے۔

هُوَ الْحَبِيبُ الَّذِي تُرْجَى شَفَاعَتُهُ
لِكُلِّ هَوٍ مِنَ الْاَهْوَالِ مُقْتَحِمٍ
(ترجمہ) وہ، ایسے حبیب ہیں کہ پیش آنے والے ہر خوف و خطر میں
ان کی شفاعت کی امید کی جاتی ہے)

آج، جب، اشراق کی نماز کے بعد، تھوڑا سو یا
تو، حضرت ختمِ المرسلین، امامِ اَلمُتَمَتِّین شَفِیعُ الْمَظْذَمِین صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی زیارت

سے مشرف ہوا۔

اور قصیدہ بُردہ کا، یہی شعر، میں نے حضور کی خدمت میں پڑھا۔

آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

”کعب کے قصیدہ بابت سعاد کا بھی ایک شعر، بہت خوب ہے۔ اس کو بھی، پڑھنا چاہیے۔“

چنانچہ، وہ شعر بھی، آپ کی زبانِ مبارک سے ادا ہوا۔

جب، میں نیند سے بیدار ہوا تو، وہ شعر، ذہن سے محو ہو گیا۔

لہذا، عرض ہے کہ وہ شعر، ارشاد فرمایا جائے۔

اور اس مبارک قصیدہ کی اجازت، طریقہ معمولہ کے مطابق، مرحمت کی جائے۔

اگرچہ، یہ معاملہ (یعنی خواب میں حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی زیارت)

اُس درودِ پاک سے جو آپ نے ارشاد فرمایا تھا، دوسرے، اس سے پہلے بھی پیش آیا ہے۔

پہلی مرتبہ، میں نے دیکھا کہ:

آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم، چاہِ زمزم پر تشریف فرما ہیں۔

اور میں بھی، خدمت میں حاضر ہوں۔

کنویں سے پانی، جوش مار کر، اُبل رہا ہے، اور ایک طرف، بہہ کر، جارہا ہے۔

اور میں، دونوں ہاتھوں سے پانی کو بہانے اور جاری کرنے میں مشغول ہوں۔

ایک مرتبہ، دیکھا کہ:

آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم، ایک جگہ، تشریف فرما ہیں۔

لوگ آ رہے ہیں اور واپس جا رہے ہیں۔ میں بھی، ایک بار گیا اور پھر، واپس آیا۔

اور جیسا کہ یاد پڑتا ہے، میں نے، واپسی کے وقت، سات بار، طواف کیا۔

پہلی بار، جب میں نے حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو، چاہِ زمزم پر، دیکھا

تو، آپ کے زُخارِ مبارک سے ایسا نور پھوٹ رہا تھا کہ، ان پر نگاہ نہیں جم رہی تھی۔

یہ غنیمت ہے۔ الْحَمْدُ لِلّٰہِ، الْحَمْدُ لِلّٰہِ، الْحَمْدُ لِلّٰہِ۔

آپ کی توجہ سے، مزید امید رکھتا ہوں۔

ولا! خوش باش، کاں سلطان دیں را

بدرویشاں و مسکیناں، سرے ہست

وَالْأَدَب۔ (ص ۲۹۶ و ۲۹۷۔ مکمل التاريخ، حصہ دوم۔ مطبوعہ بدایوں ۲۰۱۳ء)

پہلے سفر حج و زیارت کے دوران، حضرموت کے ایک بزرگ سید، جو، قصیدہ بُردہ شریف کے عامل تھے، اُن سے بھی، علامہ فضل رسول کو، اجازت قصیدہ بُردہ، حاصل تھی۔

”حج عانی“ کے ذیلی عنوان کے تحت، مولانا ضیاء القادری، بدایونی رقم طراز ہیں:

”ابھی، آپ، بمبئی ہی میں، رونق افروز تھے کہ مکان (بدایوں) سے خبر آئی کہ:

حضرت کے والد ماجد، حضرت سیدی مولانا شاہ عین الحق (عبدالمجید) قَدَسَ سِرَّہُ الْمَجِیدُ مع قافلہ عظیم الشان کے، عالم ضعیفی میں، بہ کمال غلبہ عشق، بہ قصد حج و حاضری دربار رسالت وطن سے روانہ ہو کر، ریاست بڑودہ، تشریف لے چکے ہیں۔

فوراً، بے تابانہ قدم بوسی کے اشتیاق میں، بمبئی سے روانہ ہو کر، بڑودہ پہنچے۔

شیخ کے جمال حق نما کی زیارت سے آنکھوں کو، پُر انوار بنایا۔

قدم ناز پر، جبین نیاز رگڑ کر، نوشتہ تقدیر میں اضافہ کُنات کیا۔

اور پھر، ہم رکابی شیخ میں، قصد حریم فرمایا۔“ الخ

(ص ۲۴۴۔ مکمل التاريخ، حصہ دوم)

حاضری حریم کا مختصر، ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”یہاں تک کہ، اسی سفر میں ”معین الحق“ کے لقب سے سرفراز فرمائے گئے۔

(ص ۲۴۴۔ مکمل التاريخ، حصہ دوم)

طالع بلند اقبال کی سعادت و ارجندی کا ایک قابلِ صدر شک واقعہ ایمان افروز

اس طرح، بیان کرتے ہیں:

”جب، مدینہ طیبہ میں قافلہ پہنچا اور حریم رسالت، یعنی روضہ اقدس کی حاضری نصیب ہوئی، آپ نے ایک ہاتھ میں روضہ انور کی جالیاں، اور ایک ہاتھ میں دامن شیخ کو مضبوط تھام کر، بارگاہ رسالت میں عرض کی کہ:

يَا رَسُولَ اللَّهِ اَنْظُرْ حَالَنَا

يَا حَبِيبَ اللَّهِ اِسْمَعْ قَالَنَا

(ترجمہ: یا رسول اللہ! ہمارے حال کی طرف، توجہ فرمائیے۔

اے اللہ کے حبیب! ہماری فریاد سنیے)

بہ سلام آدم، جوابم ۵
مَرَّجے بردل خرابم ۵

(ترجمہ: یا رسول اللہ! میں، سلام کے لئے حاضر ہوا ہوں، جواب، مرحمت فرمائیے۔)

میرے ویران دل پر، مرہم لگائیے)

اے رحمتِ عالم! جہاں تیری رحمت نے چند ہفتوں، اپنے جوارِ رحمت میں رکھا ہے

وہاں، اپنے خادمِ درکی یہ آرزو بر لاکہ، تازیت، یہی بارگاہ ہو۔

اور یہ خادم، اسی ولولہ جوشِ اشتیاق میں، گردن جھکا دے۔

قیامِ حرم کی تمنائیں، طالبِ اجازت ہوئے۔

حضورِ رحمۃ اللعالمین صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی جانب سے ”عَلَيْكَ بِالْهِنْدِ“ کی

پاک اور مبارک ندا، گوشِ حقِ نبیوش میں پہنچی۔

سرکارِ رسالت کی اس وژہ نوازی سے بے حد فرحت و مسرت، حاصل ہوئی۔

یہ بشارت بھی دی گئی کہ:

تنبیہ و تادیب، گمراہانِ اشرار (جو، ہندوستان میں اہلِ نجد کے متبعین ہیں) کی، ضروری ہے۔

اس بشارتِ کبریٰ کی تعمیل، آپ نے ہندوستان مع الخیر، واپس آ کر، کی۔

اکثر اہلِ قافلہ، جو، بہ نیتِ ہجرت، بہ اجازت اپنے شیخِ طریقت، حضرت سیدی عین الحق

(عبدالحمید) قُدَّسَ سِرُّہُ، اپنے گھروں سے روانہ ہوئے تھے، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں

مقیم ہو گئے۔ باقی تمام حضرات، مراجعت فرماے وطن ہوئے۔“

(ص ۲۲۲ و ۲۲۵۔ اکمل التاریخ، حصہ دوم۔ مطبوعہ بدایوں ۱۴۰۳ھ)

علامہ فضل رسول، بدایونی کے تیسرے اور چوتھے سفرِ حج و زیارت کے بارے میں

مولانا ضیاء القادری، بدایونی لکھتے ہیں:

اسی طرح ۱۲۷۰ھ (۵۴-۱۸۵۳ء) و ۱۲۷۷ھ (۶۱-۱۸۶۰ء) میں، بہ ہمراہی اعزّہ

و اقارب، ظاہر طور پر سفرِ حج کو تشریف لے گئے۔ بلدینِ طہیین کے تمامی اعظم و اکابر حضرات

آپ کے کمالات کے معترف اور آپ کے فضائل و مناقب کے مقرر ہوئے۔

یہ وہ سفر ہیں، جو، بالکل علانیہ طور پر کیے گئے۔

اور اہلِ بصیرت کے نزدیک تو، پہلے اور دوسرے سفر کے بعد، کوئی سال ایسا، نہ ہوگا کہ:

آپ کے اثر روحانی نے، بذریعہ ”طی الارض“ آپ کو، مین شریفین کی حاضری سے باز رکھا ہو، اور آپ، برکت حج سے فائدہ المرام، نہ ہوئے ہوں۔“
(ص ۲۲۵۔ اکمل التاريخ، حصہ دوم۔ مطبوعہ بدایوں ۲۰۱۳ء)

قادری دربار میں حاضری کے لئے علامہ فضل رسول، بدایونی کے سفر بغداد مقدسہ، عراق کے بیان میں، مولانا ضیاء القادری، بدایونی لکھتے ہیں:

”۱۲۷۸ھ (۶۲-۱۸۶۱ء) میں، سفر عراق کا قصد فرمایا۔

جوش عقیدت نے، بہ کمال تکریم و تعظیم، بغداد شریف، حاضر کرایا۔

یہ سفر بھی، اگرچہ، پہلا سفر تھا۔ لیکن، دربارِ غوثیت میں

جو کچھ، عزت افزائی اور سرفرازی فرمائی گئی، وہ، برسوں کے مشتاقانِ جمال کو بھی شاید، نصیب

ہوئی ہو۔ اس سفر میں صرف حاضری آستانہ حضور و تکبیر عالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نیت کی گئی تھی۔

جس وقت، آپ، دربارِ انوار میں حاضر ہوئے، آپ کی حاضری کی خبر سن کر

قطب الافراد، نقیب صاحب بغداد، حضرت مولانا سید علی، قدس سرہ

سجادہ نشین دربارِ مقدس، خود، بنفس نفیس مسندِ مطہر سے اٹھ کر

تا در دولت سرائے تک پہنچے۔

اور، بہ کمال اعزاز و اکرام، ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر، دولت خانہ فیض کا شانہ میں لے گئے۔

اور اس سجادہ عالی پر جس کی حاشیہ نشین کی آرزو میں، نہ صرف مشائخ وقت واکابرِ دہر، رہتے

ہیں، بلکہ تاج و تلیں والے بھی، اس سلطانِ دو عالم کے مسند نشینوں کی نگاہِ کرم کے ہمیشہ، متمنی رہتے

ہیں) لے جا کر، اپنے پہلو میں جگہ دی۔

یہ اعزاز و وقار، حضور غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی نظرِ رحمت کا، پرتو تھا۔

ایک طرف تو، یہ عزت دی جاتی ہے کہ:

اپنی مسندِ فیض کے حقیقی وارث کے برابر بٹھایا جاتا ہے۔

اور دوسری جانب، یہ وقار اور توقیر، دی جاتی ہے کہ:

خود، بے حجاب و بے نقاب اپنے جمالِ جہاں آرا کی

عین بیداری میں، خواب کا خیال و خواب مٹا کر، زیارت کرائی جاتی ہے۔

اسی بے پردہ نظارہ عارض کا نقشہ، حضرت سیدی تاج الفحول (مولانا عبدالقادر، عثمانی

بدایونی (فُدَس سِرُّہ نے ایک شعر میں کھینچا ہے:

وہ جن کو عین بیداری میں تھا، بغداد میں تم نے
دکھایا چہرہ گلغام، یا محبوب سُمّانی

بغداد شریف میں آپ نے عرصہ تک، قیام فرمایا۔

حضرت نقیب صاحب نے، بہ کمالِ کرم، حضور پیرانِ پیر کے باطنی اشارے سے
مثالِ خلافتِ خاندانی، عطا فرمائی۔

اور اپنے فرزندِ اکبر، حضرت سیدی سلمان صاحب کو حکم دیا کہ:

”آپ سے، تلمذ و اجازت، حاصل کریں۔“

(ص ۲۲۵ و ص ۲۲۶۔ اکمل التاریخ، حصہ دوم۔ مؤلفہ مولانا ضیاء القادری، بدایونی)

پہلے سفرِ بغداد شریف کے موقع پر، عقیدت و توقیر سرکارِ قادریت
و تعظیم و تکریم دربارِ حقیقت کا، ایک بڑا ہی روح پرور اور کیف آور واقعہ
مولانا ضیاء القادری، بدایونی نے نقل کیا ہے کہ:

..... پہلی بار، جب حضرت سیف اللہ المسلمول (علامہ فضل رسول) تشریف لائے
اور عرصہ تک (بغداد شریف) قیام فرمایا۔ یہاں تک کہ واپسی کا قصد کیا

تو، حضرت نقیب صاحب نے اپنے صاحبِ زاوے، مولانا سید سلمان صاحب سے فرمایا کہ:
مولانا کو، حضرت، امامُ الْاَئِمَّہ، سِرَّاجُ الْاَئِمَّہ امامِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے
مزارِ فاؤد الانوار کی زیارت، تو، کراؤ۔ اتنا عرصہ ہو گیا، آپ، اماکنِ متبرکہ پر، حاضر نہیں ہوئے۔“
حضرت نقیب صاحب کے اس ارشاد کو سن کر، مولانا (سیف اللہ المسلمول، مولانا فضل رسول)

نے جو جواب دیا ہے، اُسی سے معلوم ہوتا ہے کہ:

اگر، دنیا میں، حضورِ غوثیت مآب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے کوئی سچی عقیدت
اور زبردست نسبت رکھنے والی ذات، اُس وقت تھی

تو، وہ صرف ایک، مولانا (سیف اللہ المسلمول) کی ذات تھی۔

آپ نے جواب میں کہا کہ:

مجھے، یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ:

میں، گھر سے حضرت غوثِ اعظم کی آستانہ بوسی کی نیت سے چلوں

اور ضمناً، حضرت امام اعظم رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ کی زیارت کو، حاضر ہوں۔

یہ احرام، صرف سرکارِ غوثیت کے لئے باندھا ہے۔

وَكُلُّ ذَنْبٍ سِوَى الْإِشْرَآكِ مَغْفُورٌ۔ (ترجمہ: اپنے محبوب کی محبت میں، شرکتِ غیر کے علاوہ، ہر گناہ، قابلِ معافی ہے)

ایک جلیل القدر حنفی عالم کی زبان سے، جو، تمام علمائے احناف کا مقتدا، مانا جاتا ہو ان کلمات کا نکلنا، دراصل ایک سربستہ راز ہے، جس کو، فقط، حقیقی معرفت شناس ہی جانتے ہیں۔ چنانچہ، اس سفر میں آپ، اسی طرح، تشریف لائے۔

اس کے بعد، متعدد مرتبہ، جب، سفرِ عراق کیا، تو، تمام اماکن مقدسہ کی زیارت کی۔ دربارِ امام اعظم پر، جنسین فرسا ہو کر، کاظمین شریفین، نجف اشرف، کربلائے معلیٰ، بیت المقدس وغیرہ، مقاماتِ متبرکہ سے فیوضِ روحانی، حاصل فرمائے۔ “اکمل التارخ، حصہ دوم)

سفرِ قسطنطنیہ و حیدرآباد، دکن کے بارے میں مولانا ضیاء القادری، بدایونی لکھتے ہیں کہ: ”قطع نظر ان سفروں کے، ایامِ گم شدگی مولانا فیض احمد (عثمانی، بدایونی) صاحب عَلَیْهِ الرَّحْمَةُ میں (بعد انقلاب ۱۸۵۷ء) آپ کا

بلادِ اسلامیہ میں، یہ سلسلہ جتو، مولانا مدوح، سیاحت کرنا، عرصہ تک، خاص قسطنطنیہ میں سلطانِ المعظم، خلیفۃ المسلمین، خادم الحرمین الشریفین، حضرت سلطان عبد المجید خاں خلدیکین کے قصرِ دولت میں، بہ کمال اعزاز و اکرام، مہمان رہنا

اور، یہ وقتِ رخصت، سلطانِ المعظم کا، بہ سخی بلخ آپ کو روکنا، مشہور واقعات ہیں۔ جب سے آپ، اقلیمِ حیدرآباد، دکن کی خدمت پر (روحانی طور سے)

خاص طور سے، مامور، فرمادیے گئے، سیاحت، کم کر دی گئی۔

خدائے پاک نے ایک عالم کو، سیراب کرنے کے لئے، یہ سفر آپ سے کرائے۔

ہر جگہ، ہزاروں بندگانِ خدا، آپ کے فیضِ ظاہر و باطن سے مستفیض ہوئے۔

کہیں، آپ کے چشمہِ علم نے موجِ خیز ہو کر، رُشد و ہدایت کی آبشاری فرمائی۔

ہزاروں غیر مذہب والوں نے دولتِ ایمان پائی۔

فرقِ باطلہ نے، مذہبِ حق اہلِ سُنّت اختیار کیا۔

کہیں، دریائے عرفان نے جوشِ زن ہو کر، تشنگانِ فیوضِ روحانی کو

سَقَانِي الْحُبِّ كَأَسَاتِ الْوِصَالِ كَيْ تَمْدُوتِي زِي سَاغِرِ پِلَائے۔
 دیارِ اُمصار میں آپ کے معترف اور متوسلین، بہ کثرت پائے جاتے ہیں۔
 حضرت تاج الفحول (مولانا عبدالقادر، عثمانی، بدایونی) نے بعض اشعار میں
 اس کی طرف، اشارہ فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں:

وہ جن کے ذاتِ اُتشف سے ترے باعث ہیں سب واقف
 حجاز و مصر و روم و شام! یا محبوبِ سبحانی
 شہِ فضلِ رسولِ پاک، جن کے ہاتھ سے پھیلا
 جہاں میں تیرا فیضِ عم، یا محبوبِ سبحانی

(۲۳۱۔ اکمل التاریخ، حصہ دوم۔ مطبوعہ بدایوں ۱۳۱۳ء)

علامہ فضلِ رسول، بدایونی کے معمولاتِ شبِ روز اور عقیدت و احترامِ اکابرِ سلاسلِ طریقت
 و اولیائے کبار کے بارے میں مولانا ضیاء القادری، بدایونی لکھتے ہیں کہ:

..... ہر وقت کے حاضر باش بھی خلافِ مزاج، نہ ایک لفظ، زبان سے کہہ سکتے تھے
 نہ دخل دے سکتے تھے۔ اس حالت میں بھی وسعتِ اخلاق کا، یہ عالم تھا کہ:
 جو، ایک مرتبہ، حاضر ہو کر، اظہارِ مدعا کر لیتا، اُس کو، یہ دعویٰ ہوتا کہ:
 میرے برابر، دوسرے کسی شخص سے آپ کو، اُنس نہ ہوگا۔

دراصل، آپ کا، یہ خلق، سرکارِ ابد قرار، مدنی تاجدار (صَلَّى اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) کے
 خلقِ عظیم کا خاصِ ظل و پر تو تھا۔ جو، کمالِ اتباعِ سنتِ نبوی (صَلَّى اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) کے
 باعث، آپ کے عادات و اطوار سے ہر لحظہ، آشکار تھا۔

اوقاتِ شبانہ روز میں، شب کا کُل حصہ، یادِ الہی کے لئے وقف تھا۔
 شبِ بیداری کی عادت، طبیعتِ ثانیہ ہو گئی تھی۔

فجر کی نماز سے فارغ ہو کر، چاشت کے وقت تک، اوراد و وظائف کا معمول تھا۔
 نوبتِ فجر کے بعد، مسندِ درس پر، جلوس ہوتا تھا۔ ظہر تک، یہ سلسلہ، جاری رہتا تھا۔
 درمیان میں تھوڑا وقت، قیلولہ کا ہوتا تھا۔

ظہر کی نماز کے بعد پھر تھوڑی دیر، وظائف میں صرف ہوتا۔
 باطنی فیضان کے طالب، عرصہ تک، استغاضہ کرتے۔

شہر کے اکابر و اصاغر، حاضر ہو کر، اظہارِ مذہب عا کرتے۔

عصر و مغرب کا درمیانی وقت بھی، بالکل اشغال و واد کار میں، صرف ہوتا۔

نمازِ مغرب کے بعد، نوافل وغیرہ سے فارغ ہو کر، مسائلِ علمیہ پر گفتگو فرماتے۔

چند طلبہ، آپس میں آپ کے سامنے، مکالمہ کرتے۔ تحریرات، جو، بہ سلسلہ تصانیف قلمبند کی جاتیں، آپ کو، سنائی جاتیں۔ اس کے بعد نمازِ عشا پڑھ کر، دولت خانے میں تشریف لے جاتے۔ آخر عمر میں، بالکل مدرسے ہی میں اقامت، اختیار فرمائی تھی۔

نسبتِ اویسی، روحِ پر توح حضورِ غوثِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے ساتھ ہر وقت، غالب تھی۔

کبھی، خواجگانِ چشت کا عشق، مایوسے بے خود کر دیتا تھا۔

دربارِ چشت سے جو فیضِ عظیم، آپ کو حاصل ہوا اُس کا اندازہ، احاطہ خیال سے باہر ہے۔ خصوصاً، سلطانِ الہند، حضرت خواجہ غریب نواز و حضرت قطب صاحب و حضرت گنج شکر و حضرت سلطانِ المشائخ، محبوبِ الہی رَضِوَا اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْن کے ساتھ، آپ کی نسبتِ باطنی نہایت زبردست تھی اور یہی چاروں حضرات، آپ کے قصرِ کمال کے، چار ستون تھے۔

..... سرکارِ غوثیت کے دلولہ عشق نے حضرت شیخ اکبر، محی الدین بن عربی

اور حضرت شیخ الشیوخ، شہاب الدین بن عمر سہروردی رَحِمَہُمُ اللہُ اَجْمَعِیْن کی محبت بھی، بہ درجہ غایت، آپ کے قلب میں، جا گزیں کر دی تھی۔

وجہ، یہ ہے کہ، یہ دونوں حضرات، حضورِ غوثِ پاک کے فرزندِ انِ نجازی میں شمار ہوتے ہیں۔

اَرَبابِ کشف جو حضورِ غوثِ پاک کو ”ذوالجناحین“ کہتے ہیں، وہ، اسی باعث سے کہ:

آپ کے جناحِ اول، حضرت شیخ الشیوخ، عمر سہروردی

اور جناحِ دوم، حضرت شیخ اکبر، ابنِ عربی ہیں۔

حضرت سہروردی، شریعت و اتباعِ سنت میں، وارثِ علومِ غوثیہ ہیں۔

اور حضرت محی الدین بن عربی، علومِ حقائق و معارف میں، شمعِ شبستانِ قادریہ ہیں۔“

(ص ۲۳۴ تا ۲۳۶۔ اکمل التاریخ، حصہ دوم۔ مطبوعہ بدایوں۔ ۱۳۰۲ھ)

آپ کے والدِ مکرم و شیخِ معظم، مولانا شاہ عین الحق عبدالجید، قادری برکاتی، بدایونی کا

آپ کے بارے میں، یہ ارشاد آپ کے مرتبہ بلند و منصبِ ارجمند کی واضح نشان دہی کرتا ہے کہ:

”جس طرح، اکثر اولیاء اللہ کا ارشاد، مثلاً:

حضرت محبوب الہی رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْہِ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

”اگر، خدا، مجھ سے پوچھے گا کہ کیا تھکے لائے ہو؟

تو، امیر خسرو کو، پیش کر دوں گا۔“

اسی طرح، اگر، میرے رب نے مجھ سے سوال کیا

تو، میں، مولوی فضل رسول کو، دربارِ اُحدیت میں، پیش کروں گا۔“

(ص ۲۳۷۔ اکمل الدار، حصہ دوم۔ مطبوعہ بدایوں۔ ۲۰۱۳ء)

علامہ فضل رسول، بدایونی کے عہد و عصر میں، مدرسہ قادریہ، بدایوں کا

جو علمی و روحانی ماحول تھا، اُس کی منظر کشی کرتے ہوئے مولانا ضیاء القادری، بدایونی لکھتے ہیں:

”ایک طرف، علومِ شریعت کے طالب، دیارِ و امصار سے آ کر، اپنی تمناؤں کے دامن

گہاے مقصود سے بھرتے، دوسری جانب، بادۂ عرفان کے نئے خوار، دور دراز سے

ساقیِ مست کے نئے خانے میں آ کر، شرابِ معرفت سے مخمور و مدہوش ہو کر جاتے۔

مدرسہ قادریہ میں جہاں، قَالَ اللّٰہُ اور قَالَ الرَّسُوْلُ کی صداؤں سے کان پڑی آواز

نہ سنائی دیتی، وہیں، اللّٰہ اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے اذکار و اشغال کی دل کش اور روح پرور آوازیں

قلوب کو اپنی طرف، متوجہ کرنے میں برقی قوت، دگھاتی تیں۔

خدا والے، تزکیہٴ نفس کے لئے حاضرِ خدمت ہوتے

مدسہ عالیہ قادریہ کے حجروں میں چلے کشی اور پاسِ انفاس میں مشغول ہوتے۔

حصولِ کمال کے بعد، اجازت و خلافت کی نعت، حاصل ہوتی۔“

(ص ۲۴۱۔ اکمل الدار، حصہ دوم۔ مطبوعہ بدایوں۔ ۲۰۱۳ء)

آپ کے فیض یافتہ خلفائے میں سے چند حضرات کے اُسمائے گرامی، درجِ ذیل ہیں:

مولانا حکیم عبدالعزیز، بنگی و سید شاہ آل نبی، شاہجہاں پوری و مولانا سید نور الحسن، حیدر آبادی

و مولانا سید شمس الضحیٰ، بخاری و مولانا محمد اکبر شاہ، ولایتی و مولانا شاہ محمد قدرت اللہ، کشمیری

و مولانا شیخ عبدالہادی، ملقب بہ شاہ سالار سوختہ، لکھنؤی و مولانا نواب ضیاء الدین، حیدر آبادی

و مولانا محمد یار خاں، محی الدولہ بہادر، صدیقی، حیدر آبادی۔

آپ کی تصانیف میں سے جو تصانیف، دستِ برِ زمانہ سے محفوظ رہ سکیں

اُن میں سے چند درج ذیل ہیں:

- (۱) حاشیہ بر حاشیہ مرزا زاهد رسالہ (۲) شرح فصوص الحکم (۳) تلخیص شرح مسلم، امام نووی (۴) الْمُعْتَقِدُ الْمُتَقَدِّمُ (۵) تَثْبِیْثُ الْقَدِیْنِ فِی تَحْقِیْقِ رَفْعِ الْیَدِیْنِ (۶) رسالہ، سلوک (۷) رسالہ، شغلِ مُراقبہ حقیقتِ محمدیہ (۸) رسالہ، وحدت الوجود (۹) الْبَوَاقِیُّ الْحَمْدِیُّ (۱۰) کتاب الصَّلَوةِ (۱۱) احقاقِ الْحَقِّ وَإِطْلَاقِ الْبَاطِلِ (۱۲) صِحْحُ الْمَسَائِلِ (۱۳) سِیْفُ الْجَبَّارِ (۱۴) فَوْزُ الْمُؤْمِنِیْنَ (۱۵) اِکْمَالُ فِی مَحَبَّتِ شَیْخِ الرَّحَالِ (۱۶) فَصْلُ الْخَطَابِ (۱۷) تَلْخِیْصُ الْحَقِّ (۱۸) تَجْکِیْتُ النِّجْدِیِّ (۱۹) حُرُزِ مُعْظَمِ (۲۰) اِخْتِلَافِیْ مَسَائِلِ پُر تَارِخِیْ فِتْوٰی۔

مؤخر الذکر رسالہ، ایک استغنا کا جواب ہے

جسے آخری مغل بادشاہ، بہادر شاہ ظفر نے، بہ کمالِ اہتمام، ہدایوں بھیج کر، حاصل کیا تھا۔ پھر، یہ فتویٰ، ماہِ جمادی الآخرہ ۱۲۶۸ھ میں مطبع مفید الخلائق، محلہ زینب باڑی، دہلی سے شائع ہوا۔ متعدد سوالات و جوابات پر، یہ رسالہ، مشتمل ہے۔

اَلْبَوَاقِیُّ الْحَمْدِیُّ، مؤلفہ علامہ فضل رسول، ہدایونی کے تعارف میں مولانا ضیاء القادری ہدایونی، رقم طراز ہیں:

”اِس سلسلہ تصنیف میں ہم، سب سے پہلے کتاب ”بَوَاقِیُّ الْحَمْدِیُّ“ کا نام لکھیں گے، جس کی وجہ تصنیف و تالیف، تائیدِ نبوی اور حضور (سِیْفُ اللہِ الْمَسْلُوْل، ہدایونی) کا ایک خصوصی شرف تھا۔ اعلیٰ حضرت، تاجُ الثُّمُوْل، (مولانا عبد القادر، عثمانی، ہدایونی) قُدْسُ سِرُّہُ ”تحفہ فیض“ میں تحریر فرماتے ہیں کہ

حضورِ اقدس (سِیْفُ اللہِ الْمَسْلُوْل، ہدایونی) دہلی میں، حضرت خواجہ خواجگان قطب الاقطاب (خواجہ قطب الدین بختیار، کاکی) رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ دیکھا کہ:

حضورِ خواجہ، کھڑے ہیں۔ اور دونوں ہاتھوں پر

اِس قدر کتابیں رکھی ہیں کہ آسمان تک، بلند ہو گئی ہیں۔

عرض کیا: حضورِ خواجہ! یہ تکلیف، کتابیں اٹھانے کی، حضور نے کیوں فرمائی ہے؟

جواب میں ارشاد ہوا: تمہارے لئے مولوی فضل رسول!

لو، اِن کتابوں کو لو، اور اِن کی مدد سے فتنہ شیاطین، دفع کرو۔“

اس کے بعد ہی، بہ بخلت، حضور نے کتاب مذکور (بُورِ اِرقِ محمدیہ) تصنیف فرمائی۔
جس میں اصولِ کلّیہ و ہائیہ، باطل کیے گئے ہیں

(ص ۲۸۳۔ اکمل التاریخ، حصہ دوم)

ابو ارقِ محمدیہ کے بارے میں ”ضمیمہ اکمل التاریخ“ مرتبہ مولانا سید القادری بدایونی میں ہے:

”ہماری معلومات کی حد تک ”بُورِ اِرقِ محمدیہ“ پہلی مرتبہ، ذی الحجہ ۱۲۲۶ھ / اکتوبر ۱۸۵۰ء میں مطبع دار السلام، دہلی سے شائع ہوئی۔ چھوٹی تقطیع پر، دو سو ستائیس (۲۲۷) صفحات پر، مشتمل ہے۔ پنجاب کے جلیل القدر عالم و صوفی، حضرت مولانا غلام قادر، چشتی، بھیرودی (ولادت ۱۲۶۵ھ / ۱۸۴۹ء۔ وفات ۱۳۲۷ھ / ۱۹۰۹ء) نے ”بُورِ اِرقِ محمدیہ“ کی اہمیت کے پیش نظر اس کا اردو ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ ”شُورِ اِرقِ صمدیہ“ کے نام سے، بتیس (۳۲) صفحات پر، مشتمل ہے جو، مطبع گلزار محمدی، لاہور سے سنہ ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۳ء۔ ۱۸۸۲ء میں، شائع ہوا۔

شُورِ اِرقِ صمدیہ، مکمل کتاب کا ترجمہ، نہیں ہے۔ بلکہ صرف کتاب کے مقدمے اور باب اول کی ابتدائی بحث کو، اردو کا جامہ پہنایا گیا ہے۔ سر ورق پر ”قسط اول“ لکھا ہے اور جہاں، ترجمہ ختم ہوا ہے، وہاں ”باقی آئندہ“ درج ہے۔ اس سے خیال ہوتا ہے کہ:

مترجم، پوری کتاب کا ترجمہ، دو، یا۔ اس سے زیادہ حصوں میں شائع کرنا چاہتے تھے۔ پہلی قسط، مکمل ہوئی، تو، اسے شائع کر دیا گیا۔ ممکن ہے بعد میں، دوسری، یا تیسری قسط بھی شائع ہوئی ہو۔ لیکن، اس سلسلے میں راقم سطور کو معلومات، دست یاب نہیں ہو سکیں۔ یہ ترجمہ، جمادی الآخرہ ۱۳۳۳ھ / مئی ۲۰۱۲ء میں تاج الفول اکیڈمی، بدایوں نے ”وہابی تحریک! تاریخ و عقائد“ کے نام سے شائع کر دیا ہے۔“

(ص ۳۸۲۔ ضمیمہ اکمل التاریخ، مرتبہ مولانا سید الحق، قادری، بدایونی۔ مشمولہ اکمل التاریخ، حصہ دوم۔ مطبوعہ تاج الفول اکیڈمی، بدایوں)

اسلاف و اکابر اہل سنت اور بزرگوں کے روحانی ظلّ عافیت میں تائید حق و نصرت دین کی جو عظیم خدمت، بتوفیقِ الہی آپ نے انجام دی، اُس کا صلہ اور انعام، یہ ہے کہ:

آپ، اپنے عہد و عصر میں، معیارِ حق و ہدایت، اور اہل سنت کا نشانِ امتیاز، بن گئے۔

چنانچہ متحدہ ہندوستان کے مذاہب و مسالک کی تاریخ بیان کرتے ہوئے واضح و صریح الفاظ میں اس حقیقت کا اعتراف و اظہار، حکیم عبدالحئی، رائے بریلوی (متوفی ۱۳۴۱ھ / فروری ۱۹۲۳ء) نے اپنی مشہور عربی تصنیف ”الثَّقَافَةُ الْإِسْلَامِيَّةُ فِي الْهِنْد“ میں، اس طرح کیا ہے:

(ترجمہ) ”بعض لوگوں کے نزدیک، مسائل فقہیہ میں کسی امام کی تقلید، ناجائز و حرام ہے۔ اور ان کے نزدیک، کتاب و سنت سے جو احکام، صراحۃً، معلوم ہوں انھیں کا، اتباع کرنا چاہیے۔

اور مسائل فقہ میں قیاس و اجماع، حجت شرعی نہیں۔

یہ مسلک، مولانا فاخر الہ آبادی، بن یحییٰ اور میاں جی، شیخ نذیر حسین دہلوی بن جواد علی اور نواب، صدیق حسن، بھوپالی اور ان کے تبعین کا ہے۔

ایک گروہ کی رائے، اس معاملے میں، حدِ افراط تک پہنچی ہوئی ہے۔

اور تقلید کی حرمت پر، یہ لوگ، بہت مبصر ہیں۔

مقلدین کو یہ لوگ، اہل بدعت، شمار کرتے ہیں اور ان کو نفس کا غلام سمجھتے ہیں۔

یہ لوگ اپنی اس سخت رائے میں، اس حد تک بڑھ گئے ہیں کہ:

ائمہ کرام، بالخصوص، امام اعظم ابوحنیفہ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْہِ کی شان میں گستاخی بھی کر دیتے ہیں۔

یہ مسلک، شیخ عبدالحق، بناری بن فضل اللہ اور شیخ عبداللہ، صدیقی، الہ آبادی کا ہے۔

ان لوگوں نے اپنے مسلک و خیال کے مطابق کتابیں بھی، تصنیف کی ہیں۔ مثلاً:

شیخ معین الدین، سندھی بن امین کی ”دِرَاسَاتُ اللَّیْب“ اور شیخ فاخر، الہ آبادی کی ”قُرَّةُ الْعَیْنِین“ اور شاہ اسماعیل دہلوی کی ”تَنْوِیْرُ الْعَیْنِین“ اور میاں سید نذیر حسین، دہلوی کی ”مِیْعَارُ الْحَقِّ“ اور شیخ عبداللہ، الہ آبادی کی ”اِعْتِصَامُ السَّنَةِ“۔

اور نواب صدیق حسن، بھوپالی کی ”الْحُجَّةُ فِي الْأَسْوَةِ الْحَسَنَةِ بِالسَّنَةِ“ وغیرہ ہیں۔.....

علمائے احناف میں بھی، دو گروہ ہیں۔ ایک تحقیق و انصاف کی راہ پر ہے۔ مثلاً:

مُلاً، بحر العلوم، عبدالحی بن مُلاً، نظام الدین۔ مصنف ”أَرْكَانُ أَرْبَع“

اور مولانا عبدالحی، فرنگی محلی بن مولانا عبدالحلیم، فرنگی محلی۔ مصنف ”التَّعْلِيقُ الْمُتَّحِدُ“

احناف میں دوسرا گروہ، اُن لوگوں کا ہے، جو تقلید پر سختی سے قائم ہیں۔

اور اس کے خلاف کوئی چیز، برداشت نہیں کر سکتے۔ مثلاً:

مولانا فتح علی رسول، بدایونی۔ اور ان کے متبعین۔“

(ص ۱۵۴۔ ”اسلامی علوم و فنون! ہندوستان میں“۔ مؤلفہ حکیم عبدالحی، رائے بریلوی۔
مطبوعہ دارالمصنفین، اعظم گڑھ)

الْمُعْتَقِدُ الْمُتَنَقِّدُ مؤلفہ علامہ فضل رسول، بدایونی کے تعارف میں
مولانا ضیاء القادری، بدایونی لکھتے ہیں:

”علم کلام کی وہ کتاب ہے اور ایسی تصنیف ہے جس نے بڑی بڑی کتابوں کی
ضرورت و احتیاج سے مستغنی کر دیا ہے۔

یہی، پر سطوت تصنیف، علم کلام و عقائد میں، ایک محقق کامل اور تبحر الفیض معلم بنی ہوئی ہے۔
فِرَقِ باطلہ، مستحذہ زمانہ کا رد، جاہد جا، شامل کیا گیا ہے۔

گویا، ردِ فلسفہ جدیدہ کی بنیاد، قائم فرمائی گئی۔

حضرت اقدس (علامہ فضل رسول، بدایونی) کے اکابر معاصرین نے

جو، اس کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے اور اس تحریر کی عظمت و جلالت کو سراہا ہے
ان کی تقریظوں میں ملاحظہ کیجیے۔“ الخ (ص ۲۷۶۔ ”اکمل التاریخ“، حصہ دوم۔ مطبوعہ بدایوں ۲۰۱۳ء)

اس کے بعد، خلاصہ تقریظ استاذ مطلق، علامہ فضل حق خیر آبادی و خلاصہ تقریظ مولانا مفتی
صدر الدین آزاد، صدر الصد و ردِ دہلی و خلاصہ تقریظ مولانا شاہ احمد سعید، مجددی، دہلوی و خلاصہ
تقریظ مولانا حیدر علی، فیض آبادی (تلامذہ سراج الہند، شاہ عبدالعزیز، محدث دہلوی) درج ہے۔
الْمُعْتَقِدُ الْمُتَنَقِّدُ کی پہلی طباعت و اشاعت، بمبئی سے ہوئی۔

جس میں اغلاط کتابت، کثرت سے راہ پا گئی تھیں۔ دوسری طباعت و اشاعت
حاجی سنت، قاضی عبدالوحید، عظیم آبادی کے اہتمام سے مطبع اہل سنت، پٹنہ، صوبہ بہار سے ہوئی۔
سب سے پہلے اَلْمُعْتَقِدُ الْمُتَنَقِّدُ کے متن کی شرح، مولانا فیض احمد، عثمانی، بدایونی
ہمشیر زادہ حضرت علامہ فضل رسول، بدایونی نے کیا۔ مگر اس شرح کا کوئی نسخہ، کہیں، دست یاب نہیں۔

دوسری شرح کے بارے میں، مولانا ضیاء القادری، بدایونی لکھتے ہیں:

”طبع ثانی میں جب کہ قاضی عبدالوحید صاحب مرحوم کا اہتمام تھا

تو، جناب عالم اہل سنت، حاجی بدعت، مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب، بریلوی سے
انھوں نے فرمائش کر کے، اس کا تحشیہ کرایا۔

مولانا بریلوی نے ابتدا میں مختصراً، بطورِ حواشی، کلام کیا۔

بعد کو، بہ مشورہ مولانا وصی احمد صاحب محدث سورتی، بعض مقامات پر، بسط و تفصیل سے بھی لکھا۔“

(ص ۲۹ و ۲۸۰۔ اکمل تاریخ، حصہ دوم۔ مطبوعہ بدایوں۔ ۱۳۰۱ھ)

امام احمد رضا، قادری برکاتی، بریلوی (وصال ۲۵ صفر ۱۳۳۰ھ / اکتوبر ۱۹۲۱ء) نے

۱۳۳۰ھ میں، یہ حاشیہ، بنام تاریخی ”الْمُعْتَمَدُ الْمُسْتَنَدُ بِنَاءِ نِجَاةِ الْآبَدِ“ تحریر فرمایا۔

اس کے خطبہ میں آپ لکھتے ہیں:

(ترجمہ ابالبعدا! کتاب ”الْمُعْتَمَدُ الْمُسْتَقْد“ مصنفہ: خاتم المحققین، عمدة المدققین، سیف الاسلام

شیر سَنَت، دور کرنے والے تاریکی کے، بند کرنے والے فتنے کے

مَوْلَانَا الْآجَلُ الْآبَحْلُ، سَيْفُ اللَّهِ الْمَسْلُوبِ، مُعِينُ الْحَقِّ فَضْلُ رَسُولِ

السُّنَنِ الْحَنَفِيِّ الْقَادِرِ الْكَبَرِيِّ الْكَاتِبِ الْعُثْمَانِيِّ الْبَدَائُونِيِّ

(بلند فرمائے حق تعالیٰ، ان کے مقام کو، اعلیٰ علیین میں، اور ان کو بہتر سے بہتر

اسلام اور تمام مسلمانوں کی طرف سے، جزاء عطا فرمائے)

اپنے باب و نصاب میں یکتا و کامل تھی۔

اس کی طبع کی طرف، وہ، متوجہ ہوا جس کو، خداوند تعالیٰ، تاجِ خیرات، اُڑھا چکا ہے۔

اور اس کو، توفیق والا، بلکہ وقف و موقف نیکیوں پر، بنا چکا ہے۔

یعنی، حامی سَنَت، مولانا قاضی عبدالوحید صاحب، حنفی، فردوسی۔

انھوں نے اس کی تصحیح، میرے متعلق کر دی۔

مجھ کو قاضی صاحب موصوف کی دینی جاں فشانی دیکھ کر، اعتثالِ امر کرنا پڑا۔

اس کے لئے مجھے، جو نسخہ، الْمُعْتَمَد، کا، ملا، وہ، بمبئی کا مطبوعہ تھا۔

جس کو کاتب نے نسخ و تحریف و تبدیلی کر ڈالا تھا۔ جس کی تصحیح میں، میں نے کمالِ جدوجہد کیا۔

اور مختصر مختصر خلل مشکلات و کشفِ معضلات و لغات بھی کرتا گیا۔

جب، کچھ اجزائے کتاب، طبع ہو گئے۔

تو، مجھ سے میرے دوست خالص، حامی دین، مولانا وصی احمد صاحب سَنَت، حنفی

محدث سورتی کا اشارہ ہوا کہ، میں، بجائے اختصار، بسط و تشریح و توضیح کروں۔

پس! میں نے جو کچھ لکھا، وہ، یہ موجود ہے۔ اس کا نام میں نے ”الْمُعْتَمَدُ الْمُسْتَنَدُ بِنَاءِ نِجَاةِ

الْآبَدَ“ تاریخی رکھا۔“ فقط۔“ (ص ۲۸۰۔ اکمل التاریخ، حصہ دوم۔ مطبوعہ بدایوں ۲۰۱۳ء)
 ”اس کتاب مبارک، الْمُعْتَقَدُ الْمُتَنَقَّدُ“ میں، باوجود اختصار کے، تمام معرکہ الارامساکل
 کا فیصلہ کر دیا گیا ہے۔

بالخصوص، بحث صفاتِ باری تعالیٰ اور اسی ضمن میں امکانِ کذبِ باری تعالیٰ کی تردید
 اور باب دوم میں بحث نبوت اور مسئلہ نبوت اور مسئلہ اِمتناعِ نظیر حضورِ نوحی اکرم، بشیر و نذیر
 صَلَّى اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بحث، شفاعت کی تقریر بسیط، وغیرہ وغیرہ

قابلِ ملاحظہ و لطفِ یابی فُصِّلا ہیں۔“ (ص ۲۸۱۔ اکمل التاریخ، حصہ دوم)

سیف اللہ المستنول، علامہ فضل رسول، بدایونی اپنے عہد و عصر میں اکابر و اسلافِ سواِ اعظم
 اہل سنت و جماعت و علمائے فرنگی محل کے افکار و تعلیمات اور خیالات و نظریات کے داعی و ترجمان
 تھے اور پوری سرگرمی کے ساتھ، آپ نے اپنے اوپر عائد شدہ دینی و علمی فرائض انجام دے کر
 ایک روشن اور گراں قدر تاریخِ خدمتِ دین، مرتب کی۔

اس کے بعد، درمیانِ عصر و مغرب، بروز شنبہ، بتاریخ ۲ جمادی الآخرہ ۱۲۸۹ھ جولائی ۱۸۷۲ء
 یہ آفتابِ علم و روحانیت، ظاہری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

محبت رسول، تاجِ الحمول، مولانا عبدالقادر، بدایونی نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔
 وصیت کے مطابق آپ کے والد کے پائنتی، درگاہِ مجیدی، بدایوں میں آپ کی تدفین ہوئی۔

سید شاہ آل رسول، مارہروی

خاتم الاکابر، سید شاہ آل رسول، احمدی، قادری برکاتی، مارہروی (ولادت ماہ رجب ۱۲۰۹ھ / ۱۷۹۵ء۔ وصال ۱۸/ ذی الحجہ ۱۲۹۶ھ / دسمبر ۱۸۷۹ء)

خلف اوسط، حضرت سید شاہ آل برکات عرف سقرے میاں، قادری برکاتی، مارہروی (ولادت ۱۱۶۳ھ / ۵۰-۱۷۹۹ء۔ مارہرہ، مظہرہ وصال بھر، نوے (۹۰) سال۔ بتاریخ ۲۶ / رمضان ۱۲۵۱ھ / ۱۸۳۶ء، بہ مقام مارہرہ مظہرہ)

اپنے عہد و عصر کے جلیل القدر عالم و عارف ربّانی اور شیخ طریقت و مرید حقیقت تھے۔

خاتم الاکابر، مارہروی کے والد مکرم، حضرت سقرے میاں نے

آپ کو، فیوض روحانی و اسرار خاندانی سے نواز کر، اپنا خلیفہ مطلق و مجاز بحق فرمایا۔

اور شمس مارہرہ، حضرت سید شاہ آل احمد، عرف اچھے میاں، قادری برکاتی، مارہروی

(ولادت ۲۸ / رمضان ۱۱۶۰ھ / ۱۷۷۷ء۔ مارہرہ۔ وصال ۱۷ / ربیع الاول ۱۲۳۵ھ / ۱۸۲۰ء۔ مارہرہ) نے، اپنا خلیفہ اعظم اور سجادہ نشین بنا کر، سرفرازی بخشی۔

حضرت سقرے میاں اور حضرت اچھے میاں کے پدربزرگوار تھے:

حضرت سید شاہ حمزہ، قادری برکاتی، مارہروی (ولادت ۱۲ / ربیع الآخر ۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۹ء۔ مارہرہ۔

وصال ۱۲ / محرم الحرام ۱۱۹۸ھ / ۱۸۳۳ء، مارہرہ) فرزند حضرت سید شاہ آل محمد، قادری برکاتی

مارہروی (ولادت ۱۸ / رمضان ۱۱۱۱ھ / ۱۷۰۰ء، پلگرام۔ وصال ۱۶ / رمضان ۱۱۶۳ھ / ۱۷۵۱ء۔

مارہرہ) فرزند صاحب البرکات، سید شاہ برکت اللہ، قادری (ولادت ۲۹ / جمادی الآخرہ ۱۰۷۰ھ /

۱۶۶۰ء۔ پلگرام۔ وصال، عاشورہ محرم ۱۱۴۲ھ / ۱۷۲۹ء۔ مارہرہ) فرزند حضرت سید شاہ اویس

قادری (وصال ۲۰ / رجب ۱۰۹۷ھ / ۱۶۸۶ء۔ پلگرام) فرزند حضرت سید عبدالجلیل، پلگرامی

مارہروی (ولادت ۲۰ / رجب ۹۷۲ھ / ۱۰۶۵ء۔ وصال ۸ / صفر ۱۰۵۷ھ / ۱۶۴۷ء

بھر پچاسی (۸۵) سال، بہ مقام مارہرہ مظہرہ)

مولانا غلام شبر صدیقی، قادری، برکاتی، نوری، بدایونی (ولادت ۲۹ / رمضان ۱۲۷۵ھ /

۱۸۵۹ء۔ وصال ۱۳۳۶ھ / ۱۹۲۷ء) اپنی سوانحی کتاب ”مدائح حضور نور“ (۱۳۳۳ھ)

معروف بہ ”تذکرہ نوری“ میں، حضرت خاتم الاکابر، مارہروی کا

تعارف و تذکرہ، اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

”حضرت خاتم الاکابر، سید شاہ آل رسول، احمدی، قدس سرہ

آپ، خلیفہ اوسط، حضور سید شاہ آل برکات، قدس سرہ کے ہیں۔

ولادت شریف، بہ ماہِ رجب ۱۲۰۹ھ (۱۷۹۵ء) بہ مقام، بارہرہ ہوئی۔

منظورِ نظر خاص و مریدِ تربیت یافتہ و خلیفہ اعظم و مجاہد نشین

حضور قبلہ جسم و جان، سید شاہ آل احمد، اچھے میاں، قدس سرہ کے ہیں۔

اپنے والد ماجد سے بھی، استفادہ فرمایا اور اجازت و خلافت پائی۔

سند، تمام علومِ درسیہ کی، مشاہیرِ علمائے عہد سے حسبِ الحکم

حضور پیر و مریدِ خود رَحْمَةُ اللهِ عَلَیْہِ، حاصل فرمائی۔ اکثر فرماتے کہ:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الْفَقِیْر کے اساتذہِ علومِ دین، سب، عَزَّوَجَلَّ اے وقت تھے۔“

ابتدائی رسائل، مولانا شاہ عبد المجید صاحب، بدایونی، عثمانی رَحْمَةُ اللهِ عَلَیْہِ

(ارشدِ خلفائے حضور اچھے میاں صاحب، رَحْمَةُ اللهِ عَلَیْہِ) سے پڑھے۔

متوسّطات، مولانا شاہ سلامت اللہ صاحب، بدایونی، کشمیری، آل احمدی اور مولوی عبدالواسع

صاحب، سیدن پوری رَحْمَةُ اللهِ عَلَیْہِ سے حاصل فرما کر

کتابِ معقول و کلام و فقہ و اصول حضرت مولانا شاہ نور الحق صاحب، رِزْاقِی (فرنگی بکلی)

لکھنوی، عُرفِ مُلّا نور رَحْمَةُ اللهِ عَلَیْہِ سے تحصیل و تکمیل فرمائی۔ اور سلسلہ قادریہ، رِزْاقِیہ میں

سند و اجازت، حاصل فرمائی۔

ہدایہ (فقہ) مولانا مفتی محمد عوض، عثمانی، بدایونی ثم البریلوی الغازی المجاہد رَحْمَةُ اللهِ عَلَیْہِ

سے پڑھا۔ حدیث، مولانا شاہ عبد العزیز صاحب، محدث دہلوی رَحْمَةُ اللهِ عَلَیْہِ سے پڑھی۔

بعض احادیثِ مسلسل اور مصافحات و مشابکہ اور بعض سلاسل و تذعیہ و صحاح کی سند اجازت پائی۔

سندِ علمِ ہندسہ، دو مقالہ اُقلیدس بنا کر، مولانا شاہ نیاز احمد صاحب، فخری، بریلوی

رَحْمَةُ اللهِ عَلَیْہِ سے حاصل کی۔ علمِ طب، حکیمِ فرزند علی خاں، موہانی سے پڑھا۔

ذات و الامتات، مجمع کلماتِ ظاہر و باطن تھی۔

بعد وفات حضرت سید آل برکات، سحرے میاں صاحب رَحْمَةُ اللهِ عَلَیْہِ، اپنے والد ماجد

کے، ۱۲۵۱ھ (۱۸۳۵-۳۶ء) میں، استحقاقاً، سجادہ برکاتیہ پر، رونق افروز ہوئے۔

تصرّف و حکومت میں آپ اپنے پیر و مرشد و عظم حضور اچھے میاں صاحب، رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ کے بچے جانشین اور وارثِ کمالات اور اخلا و ستر حال میں اپنے والد ماجد، حضور تھرے میاں صاحب، رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ کے خَلَفِ الصَّدَق تھے۔

کبھی، کوئی تصرّف، بغیر پردہ حیلہ کے، نہ فرماتے۔ اہل حاجت کو دعا اور دوا، مرحمت ہوتی۔ دعاؤں میں بھی عام سانکوں کو، بیشتر، وہ دعا میں، مرحمت فرماتے جو، احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں۔ ہمیشہ، لباس و روشِ علما میں رہتے۔

تکلفاتِ مشائخانہ اور وظائفِ عالمانہ سے احتراز فرماتے۔

معاملات میں جو ثبوت کسرِ نفس و ایثار و عطا آپ نے دیا، بہت دشوار کام تھا۔

بعد وفات حضور تھرے میاں صاحب رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ بہت سے آثار و تبرکاتِ خاندانی بڑی فراخ حوصلگی سے بھائیوں کو، مرحمت فرمادیے اور ان میں حصہ نہ لیا۔“

(ص ۱۰۵ اور ص ۱۶۔ ”تذکرہ نوری“۔ مؤلفہ: مولانا غلام شبر، صدیقی، نوری، بدایونی)

جائیداد و کمیٹی و درگاہ و انتظامِ عرس وغیرہ کا ذکر کرنے کے بعد، لکھتے ہیں:

..... صرف مجالسِ وعظ و نعت خوانی و منقبت و ختم قرآن و قرأتِ دلائل الخیرات اور خطّابِ عرس کی مہمان داری، باقی رکھی۔

فضولیات کا، حضور کے دربار میں گذر، نہ تھا۔ ظاہرِ شریعت سے ایک ذرّہ، تجاوز، گوارا نہ فرماتے۔ معمولاً، روزانہ، حلقہ ذکر ہوتا۔

تمام عملہ درگاہ، جماعت میں، پانچوں وقت (مسجد میں) حاضر ہوتا۔ فقر، اتہد میں شریک ہوتے۔ عام خاندانِ برکاتیہ کے تمام متوسلوں کی حاجاتِ دینی و دنیوی، آپ، پوری فرماتے۔ ہر خادم و مرید سے نہایت شفقت و رافت سے معاملہ فرماتے۔

ان کی ہمدش حال، حوائج کا انصرام، خطا پر معافی، خفیہ معاونت، عادتِ کریمہ تھی۔ دوسری مثال، کسرِ نفس اور کمالِ درویشی کی، یہ ہے کہ:

باوجود، ہر قسم کے استحقاقِ فائق کے، حضور، نمازِ جماعت، ایک حافظ سے پڑھواتے۔ کبھی، امام نہ بنتے۔

تیسری مثال، کسرِ نفسی اور کمال کی، یہ ہے کہ:

اپنے صاحب زادوں کو، باوجود تکمیل
اپنے گھر کے خلفاء و خدام سے اخذِ علم و فیض کا حکم فرماتے۔
آپ کے خلف اکبر، حضرت سید شاہ ظہور حسن، رَحْمَةُ اللہ عَلَیْہِ نے
جب، سلوک، ختم فرمالیا، تو، آپ نے حکم دیا کہ:
”تمہارے گھر کی بڑی دولت، مولانا عبد المجید صاحب، بدایونی رَحْمَةُ اللہ عَلَیْہِ کے
پاس ہے۔ جاؤ، اور ان سے اپنا حصہ لاؤ۔“

اور بدایوں کو، روانہ فرمایا۔ حسبِ الحکم، صاحب زادے صاحب، رَحْمَةُ اللہ عَلَیْہِ
بدایوں، پہنچے۔ حضرت مولانا مولوی محمد عبد المجید صاحب رَحْمَةُ اللہ عَلَیْہِ نے مع عمائدین شہر
بیرون آبادی تک استقبال کیا۔ اور بہ کمال احترام، پاکی (جس میں صاحب زادے
سوار تھے) کو، خود، کندھا دیا۔ مدرسے میں فروکش کیا۔

حضور صاحب زادے صاحب، رَحْمَةُ اللہ عَلَیْہِ نے فرمایا کہ:
”میں، بطور پیر زادگی، اپنے گھر کے خادم و خلیفہ کے یہاں، نہیں آیا ہوں۔
حضور والد ماجد رَحْمَةُ اللہ عَلَیْہِ نے آپ کے پاس، اس غرض سے بھیجا ہے کہ:
اُس نعمت سے، جو، حضور جید امجد (حضرت اچھے میاں) رَحْمَةُ اللہ عَلَیْہِ سے آپ کو ملی ہے
اس فقیر مستحق کو بھی، کچھ، مرحمت ہو۔“

مولانا (شاہ عین الحق عبد المجید) رَحْمَةُ اللہ عَلَیْہِ نے بہ کمال ادب، عرض کیا کہ:
”یہ خادم اور نعمت، سب آپ کا مال ہے۔ تشریف رکھیے۔
جو، مجھ کو، معلوم ہے، حاضر کروں گا۔“

بعد نمازِ عشا، حضرت صاحب زادے صاحب، رَحْمَةُ اللہ عَلَیْہِ، حجرے میں
تشریف لے گئے۔ جو، آپ کے واسطے، مرتب کیا گیا تھا۔ اور اشغالِ باطنی میں مصروف ہو گئے۔
وقتِ نمازِ صبح، اذان سن کر، حضرت صاحب زادے صاحب، حجرے سے برآمد ہوئے
دیکھا کہ:

مولانا (عین الحق عبد المجید) رَحْمَةُ اللہ عَلَیْہِ دروازہ حجرہ پر، دست بستہ کھڑے ہیں۔
معلوم ہوا کہ، تمام شب آپ کی، اسی طرح، گزری ہے۔
حضرت صاحب زادے صاحب، رَحْمَةُ اللہ عَلَیْہِ نے اس تکلیف کا، بخیر فرمایا۔

مولانا (عین الحق عبد المجید) رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ نے عرض کیا:
 یہی نعمت ہے۔ جو، میں آپ کے گھر سے لایا ہوں۔ اور مجھ کو، یہی حکم ہے۔
 اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہ، سلوک آپ کا، باقاعدہ تکمیل کو، پہنچ گیا۔
 یہ نکتہ تھا، جس کی تکمیل کو، آپ، بدایوں بھیجے گئے کہ:
 راہِ سلوک میں ادب و محبت، بزرگِ رعوت، ایک لازمی امر ہے۔
 بس، اب آپ بشارت لے جائیے۔“
 اور سب اجازت، حاضر کی۔

چھوٹے صاحب زادے (خاتم الاکابر، مارہروی کے) حضرت سید شاہ ظہور حسین
 عُرف مَحْطُو میاں صاحب، رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ فرماتے تھے کہ:
 ایک روز، میں، حضور والد ماجد رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ کی خدمت میں، حاضر ہوں۔
 ارشاد فرمایا: ہمارا دل چاہتا تھا کہ:

تم کو، بھائی عبد المجید صاحب سے بھی اجازت لکھا دیتے۔
 وہ، اس گھر کے، بڑے خزانہ دار ہیں۔“

پھر، فوراً فرمایا: ذرا، جا کر، درگاہ شریف میں دیکھنا۔
 کیا، مولوی عبد المجید صاحب، بدایونی، آئے ہیں؟

میں نے عرض کیا: نہ حضور نے مولانا (عین الحق عبد المجید) کو طلب فرمایا ہے
 نہ کوئی وقت، ان کے آنے کا ہے، نہ کوئی اطلاع ملی ہے۔“
 ارشاد فرمایا: تم، جا کر دیکھو۔

میں، درگاہ شریف میں پہنچا۔ دیکھا۔ مولانا (عین الحق عبد المجید) اسی وقت پہنچے ہیں۔
 اسباب، اتارا جا رہا ہے۔

میرے ساتھ ساتھ، حاضر خافتہ ہوئے۔ اور حضور کے قدم بوس ہوئے۔
 حضور نے فرمایا: بھائی! تم، خوب آگئے۔ ہمارا دل چاہتا تھا کہ:
 مَحْطُو میاں کو، تم سے اجازت دلا دیں۔“

مولانا (عین الحق عبد المجید) رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ نے عرض کیا: جو حکم ہو۔
 اسی وقت، قلم، دوات، کاغذ منگا کر، سب اجازت، لکھ دی۔

صاحب زادگان، سید حسین حیدر اور سید شاہ ظہور حیدر رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِمَا
اپنے نواسوں کو، تحصیل علم کے واسطے، مدرسہ قادریہ (بدایونی) بھیجا۔

حضور اقدس و آنور، مُرشدی و مولائی، حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد، نوری میاں صاحب
رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ، اپنے نَحْت جگر اور نورِ نظر پوتے سے، ارشاد فرماتے:
”ہم، بہ سبب کبر سن، کتابیں، بھول گئے ہیں۔“

برخوردار مولوی عبدالقادر، نبیرہ مولانا عبدالجبار رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ کا علم، تازہ ہے اور حاضر ہے۔
وہ، ہمارا خاص گھر ہے۔ اور ہم کو، برخوردار موصوف کی دیانت و تقویٰ پر، پورا، اطمینان ہے۔
تم، مسائل فقہ و کلام میں، ان سے مشورہ کر لیا کرو۔“

چنانچہ، ہمارے حضور، ہمیشہ، مسائل میں، مولانا (عبدالقادر، بدایونی) سے مشورت رکھتے۔
اور بغیر دکھائے مولانا (عبدالقادر، بدایونی) کے، کوئی تحریر، شائع نہ فرماتے۔“

آل مولانا عبدالجبار صاحب، رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ کا، یہ فرما کر کہ: ہمارے استاذ زادے ہیں۔“
اکرام فرماتے اور صاحب زادوں کو بھی، ان کے احترام کی ہدایت فرماتے۔“ الخ
(ص ۱۰۷ تا ص ۱۱۰۔ ”تذکرہ نوری“۔ مؤلفہ مولانا غلام شہر، صدیقی، نوری، بدایونی۔

مطبوعہ تاج الفول اکیڈمی، بدایوں۔ ۲۰۱۳ء)

تعلیم و تربیت اور اجازت و خلافت و عطاے سند وغیرہ کے بارے میں
مولانا غلام شہر، بدایونی لکھتے ہیں:

”حضور (خاتم الاکابر، مارہروی) کی تعلیم و تربیت کا سچا نقشہ

حضور مرشدی (حضرت نوری میاں، مارہروی) قَدْ مَسَّ سِرُّهُ الْآنُوْر کی ذاتِ بابرکات تھی کہ:
علما، عملاً، عادی، صورۃ، سیرۃ، اپنے اکابر رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِم اَجْمَعِین سے
سُرْمُو، فرق، نہیں تھا۔

حضرت معظمی، سید شاہ، علی حسین صاحب اشرفی (کچھوچھوی) ذَامَتْ بَرَکَاتُہُمْ
روایت فرماتے ہیں کہ:

”میں، بہ کمال اشتیاق، مارہرہ پہنچا۔“

اور بعض مخصوصاتِ خاندانِ برکاتِ حیات کی، آپ سے اجازت چاہی۔

ارشاد فرمایا: صاحب زادے! ابھی، وقت، نہیں آیا۔

میں، گلہ مند، واپس ہوا۔

تھوڑے عرصہ کے بعد، نوازش نامہ پہنچا اور حضور نے طلب فرمایا۔

خاص چیزوں کی اجازت اور خلافت، عطا فرمائی۔

مولوی صوفی عبدالرحمن صاحب، مرید و خلیفہ حضرت حافظ عبدالعزیز صاحب (اخواند) دہلوی، قدس سرہ، اپنا حال، بیان فرماتے تھے کہ:

بعد ختم سلوک، حضرت پیر و مرشد رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ:

حاضر مارہرہ ہو، اور سند تکمیل، حضرت خاتم الاکابر، قدس سرہ سے لاؤ۔“

میں، مارہرہ حاضر ہوا، اور عرض حال کیا۔ دروداویسیہ کی اجازت، چاہی۔

ارشاد فرمایا کہ: چار اربعین، یہاں، حاضر ہو۔ اُس وقت دیکھا جائے گا۔“

میں، حاضر رہا، اور حسب ہدایت حضور، کسب و ورزِش اشغال کرتا رہا۔

چار اربعین کے ختم پر، سند تکمیل و اجازتِ عامہ و خلافت، مرحمت فرمائی۔

درس حدیث شریف سے، خاص اُنس تھا۔

یہ بھی، شان کسرتسی تھی کہ:

کسی فن میں تصنیف کا قصد نہیں فرمایا۔

جب کبھی، عرض کیا گیا، ارشاد فرمایا:

مقدمین نے کیا بات چھوڑ دی ہے؟ خواہ مخواہ، مصنف بننا، کیا ضروری ہے؟“

..... آخر عہد میں، استدعا کی گئی کہ:

حضور! حسب سنت اکابر، بطور وصیت نامہ، کچھ تحریر فرمادیں۔ ارشاد فرمایا کہ:

”وصیت نامے، اکابر کے موجود ہیں۔ پڑھو اور عمل کرو۔

اگر، مجبور کرتے ہو، لکھ لو۔ یہ ہمارا وصیت نامہ ہے:

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ۔

بس، یہی کافی ہے۔ اور اسی میں دین و دنیا کی فلاح ہے۔“

(ص ۱۱۳ تا ص ۱۱۵۔ ”تذکرہ نوری“)

حضرت سید میر عبدالواحد، بلگرامی (وصال ۳ رمضان ۱۰۷۱ھ / ۱۶۰۸ء)

مؤلف ”صبحِ نبیل“ سے جوسلاسل طریقت، سلسلہ بہ سلسلہ، حضرت خاتم الاکابر، مدبروی تک پہنچے

انھیں، شجرہ قدیمہ اور صاحب البرکات، سید شاہ برکت اللہ، قادری، مارہروی (وصال عاشورہ محرم الحرام ۱۱۴۲ھ/۱۷۲۹ء) کے ذریعہ پہنچنے والے سلاسل کو، جدیدہ کہا جاتا ہے۔ مزید برآں، حضرت سید شاہ حمزہ، مارہروی (وصال ۱۴ محرم الحرام ۱۱۹۸ھ/۱۹۸۳ء) بھی کچھ سلاسل لائے۔ بعض سلاسل کا، حضرت خاتم الاکابر، مارہروی کے ذریعہ بھی، اضافہ ہوا۔

جملہ سلاسل و اجازات و اسناد کی تفصیل

”النُّورُ وَالْبَهَاءُ لَا مَسَانِيدَ الْحَدِيثِ وَ سَلَابِلَ الْاَوَّلِيَا“ (۱۳۰۷ھ) مؤلفہ: نور العارفین، سید شاہ ابوالحسن احمد نوری، مارہروی میں، مسطور و مذکور ہے۔

بعض دیگر کتب و رسائل مثلاً ”تذکرہ نوری“ و ”کمل الدنغ“ و ”حیات علی حضرت“ و ”حیات سید شاہ آل رسول، احمدی“ وغیرہ میں بھی، یہ شجرات طیبہ درج ہیں۔ جن کے اسما، اس طرح ہیں:

(۱) شجرہ قادریہ قدیمہ (۲) شجرہ چشتیہ قدیمہ (۳) شجرہ سہروردیہ قدیمہ۔

یہ تینوں سلاسل، بذریعہ حضرت سید میر عبد الواحد، بگرامی، حضرت سید شاہ برکت اللہ قادری، مارہروی تک اور سلسلہ بہ سلسلہ، حضرت خاتم الاکابر تک پہنچے۔

مندرجہ ذیل سلاسل و شجرات جدیدہ، بواسطہ حضرت سید شاہ لطف اللہ بگرامی و حضرت سید مربی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِمَا و غُلَامَے حضرت سید احمد کالپوی و حضرت سید فضل اللہ کالپوی قُدَسَ سِرُّهُمَا، حضرت صاحب البرکات، سید برکت اللہ، مارہروی تک اور سلسلہ بہ سلسلہ، حضرت خاتم الاکابر، مارہروی تک پہنچے۔

(۱) شجرہ قادریہ جدیدہ، کالپویہ (۲) شجرہ چشتیہ جدیدہ، کالپویہ (۳) شجرہ سہروردیہ جدیدہ کالپویہ (۴) شجرہ نقشبندیہ جدیدہ کالپویہ ابوالعلائیہ علویہ (۵) شجرہ نقشبندیہ جدیدہ کالپویہ ابوالعلائیہ صدیقیہ (۶) شجرہ مداریہ جدیدہ، کالپویہ۔

مولانا غلام شہر صدیقی، نوری، بدایونی شجرہ بائے طیبہ کے نام وغیرہ کا ذکر کر کے، لکھتے ہیں:

”یہ وہ سلاسل ہیں، جو، وقتاً فوقتاً، سرکار مارہرہ میں پہنچے۔“

.....حضور سیدنا شاہ برکت اللہ، صاحب البرکات قُدَسَ سِرُّہ کے عہد مبارک سے

یہ خاندان، قادری ہو گیا۔ بیشتر عام مریدین، اسی سلسلہ قادریہ جدیدہ، کالپویہ میں مرید کیے جاتے۔ قدیم غلاموں اور صاحب زادگان، یا۔ خاص طالب کو، اور سلاسل میں بھی بیعت فرماتے۔ تمام روش خاندان، قادری تھی۔ اذکار و اشغال و مراقبات، تمام خانوادوں کے، معمول تھے۔

اور صد ہا طریقے، خود حضرات اکابر مارہرہ نے نہایت قلیل محنت و سرِ بخِ المنفعت
 استخراج فرمائے۔“ الخ (ص ۱۴۲۔ تذکرہ نوری۔ مطبوعہ بدایوں ۱۳۰۱۳ء)

خاتم الاکابر، سید شاہ آلِ رسول، احمدی، قادری برکاتی، مارہروی کے
 چند مشاہیر خلفائے کرام کے اسمائے گرامی، درج ذیل ہیں:

حضرت سید شاہ ظہور خُسن، مارہروی و حضرت سید شاہ ظہور خُسن، مارہروی و حضرت سید شاہ
 ابوالحسین احمد نوری، مارہروی و حضرت سید شاہ ابوالحسن خرقانی، مارہروی و حضرت سید شاہ مہدی
 خُسن، مارہروی و حضرت سید شاہ محمد صادق، برادرزادہ حضرت خاتم الاکابر و حضرت سید شاہ حسین
 حیدر، ہمیشہ زادہ حضرت خاتم الاکابر و حضرت سید حسین حیدر و قاضی عبدالسلام، عباسی، بدایونی و شاہ
 احسان اللہ، فرشوری، بدایونی و شاہ شکر اللہ خاں، فرشوری، بدایونی و شاہ احسان اللہ خاں، فرشوری
 بدایونی و حاجی حافظ محمد احمد، فرشوری، بدایونی و حاجی فضل رزاق، فرشوری، بدایونی و حافظ مظہر حسین
 فرشوری، بدایونی و حافظ حکیم مجاہد حسین، فرشوری، بدایونی و مفتی محمد شرف علی، صدیقی، بدایونی و مفتی
 محمد حسن خاں، بریلوی و مفتی تقی علی، قادری برکاتی، بریلوی و مولانا احمد رضا، قادری برکاتی، بریلوی
 و سید شاہ علی حسین اشرفی، کچھوچھوی و سید شاہ تاج حسین، شاہ جہاں پوری و مولوی عبدالرحمن
 وقاضی شمس الاسلام، عباسی، بدایونی و مولوی محمد ضیاء اللہ، عباسی، بدایونی ثم بریلوی۔

حضرت خاتم الاکابر، مارہروی (وصال ۱۲۹۶ھ/ ۱۸۷۹ء) کے خلیف اکبر، حضرت سید شاہ
 ظہور خُسن، قادری برکاتی، مارہروی (ولادت ۱۲۲۹ھ/ ۱۸۱۴ء، مارہرہ۔ وصال ۱۲۴۲ھ/ ۱۸۲۷ء) کے
 ۱۲۶۶ھ/ ۱۸۵۰ء بمصر سینتیس (۳۷) سال۔ بمقام دھاری ضلع احمد آباد، گجرات) نے
 اپنے والد ماجد، خاتم الاکابر کی آغوش شفقت میں تربیت پا کر، آپ سے بیعت کی تھی۔

اور سلوک، باقاعدہ، ختم کیا۔ بعد تحکیم، حسبِ الحکم حضور خاتم الاکابر قُدس سرّہ
 مولانا شاہ عین الحق عبدالجید، عثمانی، قادری، بدایونی سے اجازت، حاصل کی۔

انھیں خلیف اکبر، سید شاہ ظہور خُسن، مارہروی کے فرزندِ طلیل تھے:

سراج السالکین، نور العارفین، سید شاہ ابوالحسین احمد نوری، مارہروی (ولادت ۱۹ شوال المکرم
 ۱۲۵۵ھ/ ۲۶ دسمبر ۱۸۳۹ء۔ مارہرہ۔ وصال ۱۱ رجب ۱۳۳۲ھ/ ۳۱ اگست ۱۹۰۶ء۔ مارہرہ)

اور یہی نور العارفین، سید شاہ ابوالحسین احمد نوری، مارہروی اپنے جدِ امجد، حضرت خاتم الاکابر
 مارہروی کے وصال (۱۲۹۶ھ/ ۱۸۷۹ء) کے بعد، آپ کے جانشین اور خانقاہ عالیہ قادریہ برکاتیہ

مارہرہ مطہرہ کے سجادہ نشین ہوئے۔

جد مکرّم، حضرت خاتم الاکابر، مارہروی نے اپنے پوتے، سید، شاہ ابوالحسن احمد، نوری کی تعلیم و تربیت کا خصوصی اہتمام کیا تھا اور ہر وقت اپنی نگرانی میں رکھ کر آپ کی ترقی مدارج کا اہتمام فرمایا کرتے تھے۔

حضرت نوری میاں نے قرآن کریم، صرف، نحو، فقہ و اصول، حدیث و تفسیر، منطق وغیرہ نیک عالموں، اچھے استادوں سے پڑھا۔ درس تصوف و سلوک بھی غُر فاسے جاری رہا۔

یہ حقیقت، معلوم و مسلم ہے کہ ارکان و افراد خانوادہ عثمانیہ، بدایوں

نسبت بیعت و ارادت حضرات سادات و مشائخ مارہرہ مطہرہ سے مشرف ہوا کرتے تھے۔ اور حضرات سادات و مشائخ مارہرہ مطہرہ، اپنے شہزادوں کو تحصیل و تکمیل علوم و فنون کے لئے مدرسہ قادریہ، بدایوں کی زیب و زینت بنا کر، اسے اعزاز و افتخار سے نوازا کرتے تھے۔

افراد خانوادہ عثمانیہ، بدایوں، شہزادگان مارہرہ مطہرہ کی بے پناہ تعظیم و توقیر کیا کرتے تھے۔ ذکر تعظیم و تکریم کے ضمن میں مولانا غلام شہر، صدیقی، بدایونی لکھتے ہیں:

”علماء میں، جو خصوصیت و اعتماد، حضرت مولانا مولوی عبدالقادر صاحب، بدایونی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ پر تھا، کسی دوسرے پر نہ تھا۔ اور اس کے چند وجوہ تھے:

اولاً:- خاتم الاکابر، قُدّسَ سِرُّہُ کا ارشاد کہ:

علوم ظاہر میں، مولانا (عبدالقادر، بدایونی) سے مشورہ رکھیے۔ ہم کو، ان پر اعتماد ہے۔

ثانیاً:- ابتدا سے تا وقت رحلت، ربط و محبت۔

ثالثاً:- حضرت مولانا مولوی محمد عبدالمجید صاحب (بدایونی) رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ کی جانشینی اور خصوصیت۔

اکثر ارشاد فرماتے: ہمارے دور میں سُنّیت کی شناخت

محبت مولانا عبدالقادر صاحب رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ ہے۔

ہرگز، کوئی بد مذہب، ان سے محبت نہ رکھے گا۔

مولانا (عبدالقادر، بدایونی) رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ کی خود تعظیم فرماتے

اور خُذْ اَمَّ کو تعظیم کی ہدایت دیتے۔“

(ص ۲۱۳۔ تذکرہ نوری۔ مطبوعہ تاج الفول اکیڈمی، بدایوں ۲۰۱۳ء)

”مُریدین وُحْدَہ ام کے باہمی اختلاف دنیوی میں، حضور اقدس (نوری میاں) فُذَّسَ سِرُّہٗ بجز اصلاح، فیما بین، کسی کو، ترجیح نہ دیتے۔

لیکن، جب، نویت اختلافِ مذہبی پہنچی اور ایک گروہ، تفضیلی، اور مولانا (عبدالقادر، بدایونی) کا مخالف ہو گیا۔ اور اکابر پر، افترا کی ٹھہری حضور اقدس (نوری میاں) فُذَّسَ سِرُّہٗ نے اس گروہ سے برائت، فرمائی اور صاف فرمایا کہ:

”اب، مخالفتِ استاذی، مولانا محمد عبدالقادر صاحب (بدایونی) رَحْمَةُ اللہِ عَلَیْہِ بر بنائے اُمورِ دنیوی، نہیں رہی۔ اور جب، بہ سبب اختلافِ مذہب ہے

لہذا، ہم بھی، اُس جماعت سے، جو مولانا رَحْمَةُ اللہِ عَلَیْہِ سے، نہ ملے، نہ ملیں گے۔ اور جس محفل میں، حضرت مولانا (عبدالقادر، بدایونی) رَحْمَةُ اللہِ عَلَیْہِ نہ جائیں گے ہم بھی، شریک، نہ ہوں گے۔“ (ص ۲۰۹۔ تذکرہ نوری۔ مطبوعہ تاج الفول اکیڈمی، بدایوں ۲۰۱۳ء)

”تمام متوسلان حضرت مولانا مولوی محمد عبدالجید صاحب رَحْمَةُ اللہِ عَلَیْہِ پر خاص نظرِ کرم تھی۔“ (ص ۲۱۲۔ تذکرہ نوری۔ مطبوعہ تاج الفول اکیڈمی، بدایوں ۲۰۱۳ء)

جَدِّ امجد، خاتم الاکابر، مارہروی نے حضرت نوری میاں مارہروی کو، مجاہداتِ سلوک و ریاضتِ طریقہ اور خصوصی اذعیہ خاندانی کی باضابطہ تربیت دی۔

مولانا غلام شہر، صدیقی، نوری، بدایونی آپ کے احوال و آثار بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”تمام اساتذہ، حضور کے، معترف تھے کہ: تعلیم و تعلم، بہانہ تھا۔ حضرت خاتم الاکابر فُذَّسَ سِرُّہٗ نے حضور کو بچپن سے اوقات و پابندی سے التزام اور وقتوں کو، ایسا منضبط فرمادیا تھا کہ:

آخر وقت تک، ریاضت و صوم و خلوت، شب بیداری، تہجد، تلاوت و ذکر عادتِ کریمہ سے ہو گئے تھے۔

.....حضور خاتم الاکابر فُذَّسَ سِرُّہٗ فرماتے:

”اِن کو، عیش و آرام سے کیا کام؟ یہ کچھ، اور ہیں اور ان کو کچھ، اور ہونا ہے۔

یہ اقطابِ سبعہ سے ایک قطب ہیں۔ جن کی بشارت، حضرت بوعلی شاہ قلندر، پانی پتی رَحْمَةُ اللہِ عَلَیْہِ اور حضرت شاہ بدیع الدین قطب مدار رَحْمَةُ اللہِ عَلَیْہِ نے دی ہے۔

اور یہی، اس سلسلہ بشارت کے خاتم ہیں۔“

..... چونکہ طریقہ تعلیم حضور خاتم الاکابر قُدس سِرۃ، معلوم ہو چکا تھا۔

ہر وقت، ہر شان میں، حضور پیر و مرشد (خاتم الاکابر) قُدس سِرۃ سے

حالات اکابر خاندان، خصوصاً حال، حضور سید شاہ ابوالفضل آل احمد، اچھے میاں صاحب رَحْمَةُ اللہِ عَلَیْہِ کا، دریافت فرماتے۔

اور مسلک روشن، تحقیق فرما کر، اس سے متصف ہو جاتے۔“ الخ

(ص ۱۳۸ تذکرہ نوری۔ مطبوعہ تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں ۲۰۱۳ء)

حضرت خاتم الاکابر نے، بارہ ربیع الاول ۱۲۶۷ھ (۱۵ جنوری ۱۸۵۱ء) کو، ایک سید خلافت و اجازت عطا فرما کر، حضرت نوری میاں، مارہروی قُدس سِرۃ کو

اپنے سلاسل قادریہ و چشتیہ و نقشبندیہ و سہروردیہ و مداریہ قدیمیہ و جدیدہ و قادریہ رزاقیہ و علویہ منامیہ اور تملہ اذکار و اشغال و اُردو معمولہ خانوادہ برکات کا، مازون و مجاز بنایا۔

مولانا غلام شہر، صدیقی، نوری، بدایونی لکھتے ہیں کہ:

”حضور خاتم الاکابر قُدس سِرۃ نے، حضور (نوری میاں) کو

اجازت قرآن کریم و صحاح ستہ و مصنفات شاہ ولی اللہ صاحب، محدث دہلوی و حسن حصین و دلائل الخیرات و أسامے اربعینہ و حزب البحر و حدیث مسلسل بالادلیہ و حدیث مسلسل بالاضافہ و مصنفات اربعہ و مصنفہ و مشاہدہ اور تمام علوم کی سندیں

جو، آپ کو، اپنے اساتذہ سے پہنچی تھیں، مرحمت فرمائیں۔

جن میں سے اکثر ”النور والہا“ میں، طبع ہو کر مشہور ہو چکی ہیں۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ

(ص ۱۵۱۔ تذکرہ نوری۔ مطبوعہ تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں ۲۰۱۳ء)

اعتقاد و استقامت، بر مذہب اہل سنت و جماعت کے بیان میں ہے کہ:

”مسائل اعتقاد میں، حضور اقدس (حضرت نوری میاں مارہروی) قُدس سِرۃ کے رسائل

موجود ہیں ”الْعَسَلُ الْمُصَفَّى فِی عَقَائِدِ اَرْبَابِ التَّقْیِ“ خاص اعتقادات ضروریہ اہل سنت میں تصنیف فرما کر، طبع و تقسیم فرمایا۔

جس وقت، بدایوں و بریلی کے بعض خدام سلسلہ عالیہ برکاتیہ میں ”تفصیل مرتضوی“

کافتہ اٹھا، حضور اقدس (حضرت نوری میاں) قُدس سِرۃ نے علاوہ ہدایات زبانی و بعض مختصر

تحریرات کے، ایک رسالہ نافعہ ”ذَلِيلُ الْعَارِفِينَ مِنْ كَلِمَاتِ الْعَارِفِينَ“ تصنیف فرما کر، طبع و شتم فرمایا۔ اور اقوال عقائد حضراتِ مشائخ، جمع فرما کر، دکھایا کہ:

تمام صوفیہ صافیہ، مذہبِ اہل سنت کے پابند ہیں۔

اور یہ غلط ہے کہ، صوفیہ کرام کا مسلک، خلافِ علماے ظاہری ہے۔“

(۱۶۰ تذکرہ نوری۔ مطبوعہ تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں ۲۰۱۳ء)

”مسائل فقہ میں اکثر، مولانا مولوی محمد عبدالقادر صاحب، بدایونی، معینی، مجیدی

آل محمدی، رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ سے، تذکرہ و مشورت فرماتے۔

اور بعد بیانِ حضرت مولانا (عبدالقادر، بدایونی) رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ کے

رجوع بہ کتب، نہ فرماتے۔

چوں کہ، ان کی وسعتِ علم اور دیانت کی تعریف، حضور خاتمِ الاکابر قُدَسَ سِرُّهُ سے

من چکے تھے، ان پر، پورا بھروسہ فرماتے۔“

(ص ۱۶۳ تذکرہ نوری۔ مطبوعہ تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں ۲۰۱۳ء)

نورِ العارفین، حضرت نوری میاں، مارہروی کو، تصنیف و تالیف سے کوئی خاص دل چسپی

نہ تھی، تاہم بعض کتب و رسائل آپ کی یادگار ہیں۔ مفصل مکتوبات، ان کے علاوہ ہیں۔

حمایتِ شریعت و لطائفِ طریقت میں، آپ کے قلم سے نکل ہوئی کچھ کتابوں کے نام، یہ ہیں:

(۱) اَلْعَسَلُ الْمُصَفَّى فِي عَقَائِدِ اَرْبَابِ سُنَّةِ الْمُصْطَفَى:- عقائدِ حقہ اہل سنت

و جماعت کے بیان میں مختصر و مفید عام رسالہ، مطبوعہ (بزبانِ اردو)

(۲) سوال و جواب:- مسئلہ تفصیل پر تحقیقی رسالہ، مطبوعہ۔ (بزبانِ اردو)

(۳) اشتہارِ نوری:- مکاتیبِ ندوہ سے بعض علما و مشائخِ اہل سنت و جماعت کو

آگاہ کرنے کے لئے، فوائدِ جلیلہ پر مشتمل ایک مختصر تحریر۔ مطبوعہ (بزبانِ اردو)

(۴) تحقیقِ الترواح:- بیس (۲۰) رکعت ترواح کے اثبات پر مشتمل ایک تحقیقی رسالہ

(بزبانِ عربی) مطبوعہ مطبعِ غالب الاخبار، سیتاپور، ذوالحجہ ۱۲۹۱ھ / فروری ۱۸۷۵ء۔

طبع جدید مع ترجمہ اردو۔ بقلم مولانا دلشاد احمد، قادری، مدرس مدرسہ قادیہ، بدایوں۔

تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں ۱۴۳۳ھ / ۲۰۱۲ء)

(۵) ذَلِيلُ الْيَقِيْنِ مِنْ كَلِمَاتِ الْعَارِفِينَ:- تفصیل کئی حضراتِ شیخین رَضِيَ اللهُ

تَعَالٰی عَنْهُمَا كَاِثْبَاتٍ كَ:

تفصیل شیخین، مسئلہ مسلمہ اہل سنت و جماعت ہے۔ مطبوعہ (بزبان فارسی)

(۶) عقیدہ اہل سنت، نسبتِ محاربین، جمل و صفین و ہر وان:۔ غیر مطبوعہ (بزبان اردو)

(۷) کشف القلوب:۔ ابتدائی سلوک اور بعض اشغال و اُردو خاندان کا بیان۔

مطبوعہ (بزبان اردو)

(۸) النُّورُ وَالْبَهَائِي اَسَانِيْدُ الْحَدِيْثِ وَسَلَابِلُ الْاَوَّلِيَا۔ (۱۳۰۷ھ):۔

مطبوعہ (بزبان عربی)

سلاسل و اسنادِ احادیث صحاح و مسلسل بالاولیہ و حصین و دلائل الخیرات و اسامے اربعین

و مصافحات اربعہ و مشاہدہ و حدیث مسلسل بالاضافہ و اسنادِ حرزِ یمانی و قرآن کریم و تسبیح و سلسلہ عالیہ

قادریہ قدیمہ و احمدیہ و کالپیوہ جدیدہ و درۃ اقیہ و منورہ و چشتیہ و سہروردیہ و نقشبندیہ و مدارہ

جو، مختلف طریقوں سے خانوادہ برکاتیہ کو حاصل ہیں، درج کر دیے گئے ہیں۔

(۹) مَسْرَاجُ الْعَوَارِفِ فِي الْوَصَايَا وَالْمَعَارِفِ (۱۳۱۳ھ):۔ متفرق فوائد فقہ و کلام

و حدیث و تصوف و سیر و سلوک اور وصایا و ہدایات پر مشتمل، یہ مجموعہ معارف، طبع ہو چکا ہے۔

(۱۰) الجبصر: علم بھڑکا ایک خاص قاعدہ، اس میں مفصل، مذکور ہے۔

ہنوز غیر مطبوعہ (بزبان اردو) ہے۔

(۱۱) النجوم:۔ اس میں وہ چیزیں، درج ہیں جن کا جاننا، کسی عامل و بخار کے لئے

ضروری ہے۔ غیر مطبوعہ۔

(۱۲) تخیلِ نور:۔ مجموعہ اشعار عربی و فارسی وار دو ہے

جو، ۱۳۱۶ھ/۹۹-۱۸۹۸ء میں، مرتب ہو کر، شائع ہو چکا ہے۔

(۱۳) صلوٰۃ غوثیہ: شجرہ عالیہ قادریہ و اسامے حسنی و اسامے حضور سرورِ عالم صَلَّی اللہُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ مرتب ہو کر، مطبوع ہو چکا ہے۔

(۱۴) صلوٰۃ معینیہ:۔ شجرہ چشتیہ پر مشتمل، مطبوعہ ہے۔

(۱۵) مجموعہ: اس میں، ننانوے (۹۹) اسامے باری تعالیٰ، ننانوے (۹۹) اسامے حضور

سرورِ دو عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، ننانوے (۹۹) اسامے حضرت علی مرتضیٰ، ننانوے اسامے

سیدنا امام حسن مجتبیٰ، ننانوے (۹۹) اسامے حسین شہید کربلا، ننانوے (۹۹) اسامے سیدنا الشیخ

ابو محمد محی الدین عبدالقادر، جیلانی، بغدادی مع ایک دعا کے، ترتیب وار، درج ہیں۔

(۱۶) صلوٰۃ نقشبندیہ:۔ اس میں ننانوے (۹۹) صفحے ہیں۔ ننانوے (۹۹) القاب کریم

سے نام حضرت خواجہ نقشبند مع اسمائے حسنی و اسمائے حضور سرورِ دو عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم۔

(۱۷) صلوٰۃ صابریہ، صلوٰۃ ابوالعلائیہ، صلوٰۃ مداریہ:۔ اسی طور پر، مندرج ہیں۔

(۱۸) صلوٰۃ الاقر بان:۔ اس میں اسمائے ساداتِ مارہرہ، اور مشائخِ کرام کے اسماء، درج ہیں۔

(۱۹) صلوٰۃ الْمَرْضِیَّة لِفُقَرَاءِ الْمَارْہُورِیَّة۔

اس میں اکثر خلفائے خاندان کے اسماء، درج ہیں۔

”بَعْدُہُ صَلَوٰۃُ الْاٰہِیَۃِ عَلٰی اَسَاتِذَتِنِیْ وَ اَسَاتِذَۃِ اٰجَدَادِنِی:۔ اس میں سید محمد باقر

حکیم عطاء اللہ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِمَا، استاذانِ حضرت سید شاہ حمزہ صاحب رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ۔

مولانا مولوی محمد عبدالمجید صاحب، بدایونی و مولانا نور صاحب، لکھنوی و مولانا شاہ

سلامت اللہ صاحب، بدایونی و شاہ عبدالعزیز صاحب، محدثِ دہلوی و مفتی محمد عوض صاحب، بریلوی

و شاہ نیاز احمد صاحب، بریلوی و مولانا عبدالواسع صاحب، سیدن پوری، رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِم

اٰجَمَعِیْن۔ استاذانِ حضور خاتمِ الاکابر، سید شاہ آل رسول، احمدی، قَدْ سَ سِرُّہُ۔

بعدہ، اپنے اساتذہ کرام ہیں۔ جو، سابقاً، معروض ہوئے۔

یہ عجیب مجموعہ ہے۔ اس میں بہت ذخائرِ نفائس ہیں۔“

(۲۰) اَسْرَارُ اَکَابِرِ بَرَکَاتِیَہ:۔ صد ہائے نکات و اسرار پر مشتمل، خزینہ جواہر و گنجینہ برکات ہے۔

(۲۱) مجموعہ ہائے اعمال و اشغال: متحد حضرات کے پاس، مجموعہ اعمال و اشغال کے

مختلف مجموعے ہیں۔ جو، اوراد و وظائف و اَدْعِیَہ و نقوش وغیرہ پر مشتمل ہیں۔

(ص ۲۲۲ و ۲۲۳)۔ ”تذکرہ نوری“۔ مؤلفہ مولانا غلام شہر صدیقی، نوری، بدایونی۔ مطبوعہ تاج الفحول اکیڈمی

بدایوں۔ ۱۳۳۳-۲۰۱۳ء)

نورُ العارفین، سید شاہ ابوالحسنین احمد، نوری، مارہروی کے خلفائے اسمائے گرامی

”تذکرہ نوری“ میں درج کر دیے گئے:

اسماء اور تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: ”تذکرہ نوری“، مؤلفہ مولانا غلام شہر صدیقی، نوری

بدایونی۔ مطبوعہ تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں ۱۳۳۳ھ/۲۰۱۳ء۔

مولانا شاہ فضل رحمٰن، گنج مراد آبادی

اویس زماں، مولانا شاہ فضل رحمٰن، گنج مراد آبادی (ولادت: ۱۲۰۸ھ/۹۴-۱۷۹۳ء۔
 بہ مقام سندیلہ۔ وصال: ۲۲ ربیع الاول ۱۳۱۳ھ/۹۶-۱۸۹۵ء۔ مدفون گنج مراد آباد۔ ضلع اناؤ۔
 صوبہ اتر پردیش)

حسب تحریر مولانا رحمٰن علی:

”مولانا فضل رحمٰن کے اوصاف حمیدہ اور خصائص پسندیدہ، ایسے نہیں ہیں کہ:
 زبان بڑیدہ قلم، قلم بے بنیاد، کاغذ پر، اُن میں سے تھوڑے بھی لکھ سکے۔
 اور انسانِ ضعیف البیان کی کیا مجال ہے کہ ان کا عشرِ عشر بھی بیان کر سکے:

لَا يُذْرِكُ الْوَصِيفُ الْمُطَرِّى خَصَائِصَهُ
 وَإِنْ يَكُ سَابِقًا فِي كُلِّ مَا وَصَفَا

(ص ۷۹- ”تذکرہ علمائے ہند“۔ مؤلفہ مولانا رحمٰن علی۔ اردو ترجمہ از پروفیسر محمد ایوب قادری۔

مطبوعہ پاکستان ہٹاریکل سوسائٹی، کراچی۔ ۱۹۶۱ء)

حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن، گنج مراد آبادی کا سلسلہ نسب

خلیفۃ المسلمین، حضرت ابوبکر صدیق رَضِیَ اللہ عَنْہُ سے مربوط و منسلک ہے۔

آپ کے آباد و اجداد میں سے ایک بزرگ، شیخ شہاب الدین مُلقَّب بہ زابد حق گوشہید
 بن شیخ ادہم دامان بن شیخ فخر الدین ولی، معروف بہ شاہ بن شیخ شہاب الدین کی

سب سے پہلے، دارِ ہندوستان ہوئے۔

شیخ شہاب الدین ثانی، معروف بہ زابد حق گوشہید، ہندوستان آکر پہلے اجمیر شریف پہنچے
 اور دربارِ سلطان الہند، خواجہ معین الدین، چشتی، اجمیری میں
 ایک عرصہ تک، یادِ الہی میں مصروف رہے۔

اجمیر شریف سے ایک عرصہ بعد، حضرت زابد حق گوشہید، بہار پہنچے۔ وہاں، آپ نے نکاح
 فرمایا۔ اس طرح بہار، وطنِ ثانی ہوا۔ اسی مقام پر کفار سے اہل اسلام کا ایک تصادم
 اور معرکہ چدال برپا ہوا، جس میں آپ، درجہ شہادت سے فائز المرام ہوئے۔

شیخ شہاب الدین ثانی، معروف بہ زابد حق گو شہید کے خَلَفِ اصغر، شیخ داؤد بیس (۲۰) سال کی عمر میں بہار سے دہلی آ گئے۔ یہ سلطان، فیروز شاہ کا دور حکومت تھا۔ دہلی میں کچھ دنوں قیام کے بعد شیخ داؤد، پنجاب کے معروف شہر ”پانی پت“ پہنچے۔ یہیں، نکاح فرمایا اور یہیں، توطن، اختیار کیا۔

شیخ داؤد کے ایک صاحب زادے، شیخ مگن ہوئے۔ جو ۹ شعبان ۷۸۷ھ میں اپنے والد، شیخ داؤد کے انتقال کے بعد، سایہ پدری سے محروم ہو گئے۔

شیخ مگن کے چھوٹے صاحب زادے، حضرت بہاء الدین مخدوم شیخ محمد معروف بہ ”مصابح العاشقین چشتی“ عَلَیْہِ الرِّحْمَۃ ہیں۔

حضرت مصباح العاشقین، چشتی، بتاریخ ۱۹ محرم الحرام ۸۱۰ھ، بہ مقام پانی پت، پنجاب پیدا ہوئے۔

مؤلف ”رحمت و نعمت“ آپ کے تعارف و تذکرہ میں، رقم طراز ہیں:

”حضرت مخدوم (مصابح العاشقین) سات ماہ کے جب شکمِ مادری میں تھے تو، پانی پت (پنجاب) کے مشہور ولی، مُلّا محمد سعید صاحب قُدسِ سرُّہ نے خواب دیکھ کر، یہ بشارت دی کہ:

مخدوم صوفی مگن شاہ صاحب بہاری قُدسِ سرُّہ، وارِ وِحالِ پانی پت کے گھر مادرِ ادولی، پیدا ہونے والا ہے، جس سے بے حد مخلوق، فیض یاب ہوگی۔“

چنانچہ، حضرت مخدوم (مصابح العاشقین) اُنیس (۱۹) محرم ۸۱۰ھ کو پانی پت میں ولیِ مادر زاد پیدا ہوئے جو ۹۳۹ھ میں، ایک سو اُنتیس (۱۲۹) برس کی عمر میں بوقتِ چاشت غزّہ رجب کو، واصلِ بحق ہوئے۔

مُلا محمد سعید اولیاء نے حضرت مخدوم قُدسِ سرُّہ کی بسم اللہ خوانی کرائی۔

پھر، درسِ نظامی و بعض کتبِ فقہ پڑھائیں۔

(غالباً، درسِ نظامی سے مُراد، یہ ہے کہ وہ کتابیں، جو، بعد میں درسِ نظامی میں داخل ہوئیں۔

کیوں کہ استاذِ الہند، مُلا، نظام الدین محمد، سہالوی فرنگی محلی ”بانیِ درسِ نظامی“ اُس وقت تک پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ ان کی ولادت ۱۰۸۹ھ یا ۱۰۹۰ھ مطابق ۱۶۷۸ء یا ۱۶۷۹ء کو ہوئی اور وصال ۹ جمادی الاولیٰ ۱۱۶۱ھ / ۱۷۴۸ء کو ہوا۔ مصباحی)

پھر، علامہ محمد حسین صاحب، محدث ملتان سے تکمیل فقہ وحدیث کے بعد
 اَوَّلًا، فریضہ حج، مخدوم صاحب نے ادا کیا۔ جس طرح، حضرت مخدوم کے پردادا
 قطب بہار، مولانا شاہ شہاب الدین (ثانی) زاہد شہید، ملقب بہ ”حق گو“ نے اور حضرت مخدوم
 کے جدِ اعلیٰ، امام شہاب الدین اَوَّل (مکی) قُدَس سِرُّہ نے، جن کو مُصَلَّاے شافعی کی امامتِ حرم
 سپرد تھی، اولادِ رسول و اولادِ صحابہ سے تحصیل علم حدیث کی اور سند لے کر آئے
 اُسی طرح، حضرت مخدوم صاحب کو بھی، یہ فضیلتِ خصوصی، حاصل ہوئی کہ:

ایک سال، مکہ مکرمہ میں رہ کر اوزڈیڑھ سال، مدینہ منورہ میں رہ کر، اولادِ رسول
 و اولادِ صحابہ سے کسبِ روحانی و حصولِ علم حدیث کے بعد، سند حدیث لی۔ خدمتِ حرمین کی۔
 پھر، اپنے وطن بہار، محلہ کافوری سرانے، تشریف لائے۔

یہاں سے اجیر شریف جا کر، چلہ کشی و ریاضت میں مصروف رہے۔
 پھر، اپنے مُرشد، شاہ تاج بخش، حضرت شاہ جلال صاحب گجراتی قُدَس سِرُّہ، مقیم پتہ وہ
 (بنگلہ) کی خدمت میں آکر، بیعت و خلافت سے سرفراز ہوئے۔

تاحیاتِ مُرشد، خدمتِ مُرشد میں رہے۔

پھر، بعد وصالِ مُرشد، مع اقرباء، اپنے وطن بہار شریف آگئے۔
 یہاں سے کچھ عرصہ بعد حکمِ ربی، منتقلی وطن، بہ فہمائشِ مُرشد، ۸۸۷ھ میں فرمائی۔
 اور ملاواں ضلع ہردوئی کو وطنِ ثانی بنایا۔
 یہ منتقلی وطن، بہار سے، اس بنا پر تھی کہ:

حضرت مخدوم کی صُلب سے، اسی دیار میں فَرْدُ الْاَفْرَاد، حضرت مولانا شاہ فضل الرحمن
 صاحب، محمدی، قُدَس سِرُّہ کا ظہور، مقدّر اتِ ربّانی سے تھا۔

(ص ۱۱۸ تا ص ۱۲۰) ”رحمت و نعمت“۔ مؤلفہ مولانا شاہ افضل الرحمن، عُرف بھولے میاں جو ہر

سجادہ نشین، بارگاہِ فضلِ رحمن گنج مراد آباد۔ ضلع اٹناؤ۔ مطبوعہ لیتھو برقی پریس، نئی سڑک۔ کان پور۔ یو پی)

مخدوم شیخ محمد، معروف بہ ”مصابحُ العاشقین“، چشتی، عہدِ شباب ہی میں پانی پت (پنجاب)
 سے عازم لاہور و ملتان ہوئے اور شیخ الاسلام، حضرت بہاء الدین زکریا، ملتانی رَضِیَ اللہ عَنْہُ کی
 خانقاہ میں مقیم ہو کر، وہاں کے متبحر علما سے علومِ فقہ وحدیث وغیرہ کی تکمیل فرمائی۔

اس کے بعد، عازم حرمین طہیین ہوئے اور مکہ مکرمہ پہنچ کر، مناسک و ارکانِ حج ادا کر کے

کچھ عرصہ قیام کیا۔ اور وہاں کے محدثین سے اجازت و سند حدیث حاصل کی۔

پھر، مدینہ طیبہ پہنچے اور وہاں کی برکات و حسنات سے مستفید و مستفیض ہوئے۔

حضرت شاہ فضل رحمٰن، گنج مراد آبادی، اکثر ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ:

”ہمارے بزرگوں نے تو مکہ شریف میں حدیث شریف پڑھی بھی اور پڑھائی بھی۔

اور وہیں سے، سند حدیث بھی لائے۔“

چنانچہ، مخدوم مصباح العاشقین صاحب نے

ایک سال، سات ماہ، مزار سراپا انوار، رسول الثقلین صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی

جارب کشی کی۔ اور جو اولادِ امجاد، سید الاسیاد، صاحبِ لولاک صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

وصحابہ کرام، وہاں تھے، اُن کی زیارت و شرفِ صحبت سے مشرف ہوتے رہے۔

بعد ازاں، اپنے وطن، پانی پت واپس ہوئے۔“ الخ۔

(ص ۳۴۔ ”افضالِ رحمانی“۔ مؤلفہ مولانا شاہ افضالِ رحمان، عُرف بھولے میاں جوہر، گنج مراد آبادی۔

مطبوعہ شمس پریس۔ گیا، بہار۔ باہتمام شمس محمد شفیع رحمانی۔ طبع اول)

مخدوم شاہ، مصباح العاشقین، چشتی عَلَیْہِ الرَّحْمَةُ وَالرِّضْوَان

باجازت والدِ محترم، راہِ طلبِ حقیقت میں پھر، عازم سفر ہوئے اور پھر پینتالیس (۴۵)

پانی پت سے دہلی اور یہاں، چند ماہ گزارنے کے بعد، دیارِ پورب کی طرف نکل گئے۔

یہاں سے، منزل بہ منزل، مخدوم مصباح العاشقین صاحب، لکھنؤ پہنچے

اور مولانا اعظم ثانی، رَحْمَةُ اللہِ عَلَیْہِ کی صحبت اختیار کی۔

یاد رہے کہ، یہ وہی مولانا اعظم ثانی ہیں

جو، حضرت مخدوم شاہ مینا صاحب اور شیخ سعد الدین بن قاضی بدھن انامی

رَحْمَةُ اللہِ عَلَیْہِما کے استاد تھے۔

..... ایک روز، مخدوم (مصباح العاشقین) صاحب و حضرت شاہ مینا صاحب

رَحْمَةُ اللہِ عَلَیْہِما، باہم، تشریف رکھتے تھے کہ:

ایک شخص نے مخدوم (مصباح العاشقین) کے متعلق سوال کیا کہ:

ایشان کد ام اند؟

تو، حضرت شاہ مینا صاحب عَلَیْہِ الرَّحْمَةُ نے جواب دیا کہ:

مَنْ، ہستم۔

وہ شخص، کچھ نہ سمجھ سکا، بلکہ کچھ اور متعجب ہوا۔

حضرت شاہ مینا صاحب نے ہستم ہو کر فرمایا کہ:

ایساں، فی الحقیقت مَنَّم، و فی التسمیہ مَنَّم۔

تو، وہ شخص، اپنی کم علمی پر، بہت منفعل ہوا۔

کیا، الفت باہمی ہے۔ سُبْحَنَ اللہ۔ (ص ۳۶۔ "انفصال رحمانی")

مخدوم مصباح العاشقین، چشتی، شیخ اعظم ثانی، لکھنوی سے تعلیم حاصل کر کے

قصبہ راوٹی واقع اُودھ (موجودہ دریا بادیاد ضلع بارہ بنکی، صوبہ اتر پردیش) پہنچے۔

جہاں، حضرت شیخ احمد، راوٹی نے سلسلہ چشتیہ میں آپ کو مرید کیا۔

حضرت شیخ احمد، راوٹی کے حکم و ہدایت پر، مخدوم مصباح العاشقین، چشتی

مخدوم شیخ جلال گجراتی، معروف بہ تاج بخش کی خدمت میں، پنڈوہ شریف (بنگال) پہنچے

اور اجازت و خلافت سے سرفراز ہوئے۔ اور ایک مدت تک آپ کی تربیت و صحبت و برکت سے

ممتنع و فیض یاب ہوتے رہے۔ آپ ہی کی بارگاہ سے "مصباح العاشقین" کا خطاب، مہرمت ہوا۔

بہ مقتضائے الہی، مخدوم مصباح العاشقین کے والد ماجد، شیخ مگن صاحب، بممر نوے (۹۰)

سال، بیس (۲۰) ذی قعدہ ۸۶۹ھ کو، نیز، اسی سال، سولہ (۱۶) ذی قعدہ کو

مخدوم صاحب کے بڑے بھائی، شیخ اولیا صاحب، رَحْمَةُ اللہ عَلَیْہِم

دارِ فانی سے دارِ بقا کی طرف، ایک ہی ماہ میں، سدھارے۔

اس حادثہ کے نتیجے میں پانی پت (پنجاب) کے آپ کے سبھی گھر والے

پنڈوہ شریف (بنگال) آ گئے۔

حضرت شاہ جلال تاج بخش شہید کے حکم و ہدایت کے مطابق آپ، بہ سمت مغرب، روانہ ہوئے۔

یہاں سے عازم سفر ہو کر جون پور، پھر، قصبہ راوٹی (موجودہ دریا بادیاد ضلع بارہ بنکی)

ہوتے ہوئے لکھنؤ پہنچے۔

"اُس وقت، شیخ قطب الدین، برادرزادہ حضرت شاہ مینا صاحب، وہاں صاحبِ سجادہ تھے

اور حضرت شاہ مینا صاحب کے بڑے خلیفہ، حضرت شیخ سعد الدین بن قاضی بڈھن انامی بھی

وہیں تھے۔ ہر دو صاحبان نے تین روز تک ٹھہرا کر، لوازمِ مہمان نوازی، بہ طیب خاطر ادا کیے۔

اور فیضِ صحبت حضرت مخدوم صاحب عَلَیْہِ الرُّحْمَۃ سے فیض یاب ہوئے۔

مخدوم (مصباح العاشقین) صاحب، پھر، ان صاحبان سے رخصت ہو کر، حضرت مولانا اعظم ثانی صاحب عَلَیْہِ الرُّحْمَۃ کے مزار شریف پر ہوتے ہوئے ملاواں، واقع ہر دوئی پہنچے۔

.....مخدوم (مصباح العاشقین) صاحب، متوطن ملاواں ہوئے

تو، یہ زمانہ، سلطان بہلول شاہ لودی کے عہدِ سلطنت کا تھا۔

مخدوم صاحب نے، مسجد خام و حجرہ، برائے عبادت، و مکان، قیام کے لئے تعمیر کرایا اور متوکلانہ زندگی، بسر کرنے لگے۔ معتقدین، جو طعام و ہدایا، پیش کرتے مخدوم صاحب، تین یوم کے بعد، پھر قبول نہ کرتے۔

اُس وقت تک، ملاواں میں لوگ، نمازِ جمعہ کے نام سے بھی آشنا، نہ تھے۔

چنانچہ، مخدوم صاحب عَلَیْہِ الرُّحْمَۃ نے سلطانِ وقت سے اجازت لے کر سب سے پہلے، ملاواں کے موجود مسلمانوں کے ساتھ، جمعہ، ادا فرمایا۔“

(ص ۳۰ و ۳۱۔ ”انفصالِ رحمانی“۔ مؤلفہ مولانا شاہ انفصالِ رحمٰن، عُرف بھولے میاں جو ہر گنج مراد آبادی

مطبوعہ شمس پریس۔ گیا۔ بہار)

”جب، حضرت مخدوم (مصباح العاشقین) صاحب عَلَیْہِ الرُّحْمَۃ اپنے آخری سفرِ دہلی سے واپس ہو کر، قنوج پھر تشریف لائے تو، معتقدین نے باصرار، قیام پر مجبور کیا۔

مخدوم صاحب نے فرمایا کہ: یہ ہمارا آخری سفر ہے۔ سوائے آخرت، اب سفر نہ ہوگا۔“

آپ کے ہم عصر، مخدوم شیخ انجی جمشید، راج گیری عَلَیْہِ الرُّحْمَۃ کا وصال

ان ایام میں ہوا تھا۔ چنانچہ، آپ، موصوف کے مزار شریف پر، برائے فاتحہ تشریف لائے۔

اتفاقِ وقت کہ، مخدوم شیخ سعد خیر آبادی بن شیخ بدھن صاحب اور مخدوم عبدالصمد، عُرف شاہ صفی صاحب (جن کا مزار شریف، قصبہ صفی پور میں ہے جو کہ گنج مراد آباد کی تحصیل، اور پندرہ میل کی مسافت پر ہے) خلیفہ اعظم شیخ سعد صاحب خیر آبادی بھی قنوج آئے ہوئے تھے۔

ہر دو صاحبان، حضرت سیدنا مخدوم مصباح العاشقین صاحب عَلَیْہِ الرُّحْمَۃ کی خیر آمد

ن کر ملاقات کو چلے۔ شیخ سعد صاحب عَلَیْہِ الرُّحْمَۃ نے چاہا کہ:

میں، شیخ صفی صاحب عَلَیْہِ الرُّحْمَۃ سے پہلے ہی ملاقات کروں۔

مگر، مخدوم صفی صاحب نے پیش قدمی کی اور شیخ سعد صاحب، ان کے بعد پہنچے۔

حضرت شیخ سعد صاحب نے مخدوم مصباح العاشقین، چشتی، رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ کو دیکھتے ہی، ایک کیف و سرور میں بزبان ہندی کہا: دیکھا! ”محمد ثانی۔“
یہ کہنا یہ، اپنے پیر، مخدوم شاہ مینا صاحب سے تھا، جن کا اصلی نام، شیخ محمد تھا۔“
(ص ۴۱ و ص ۴۲۔ ”افضال رحمانی“)

”آپ کا بیشتر وقت، یاد الہی میں بسر ہوتا۔ بعد ظہر و عصر، درس قرآن مجید و حدیث شریف دیا کرتے۔ مابین عصر و مغرب، اکثر مُراقبہ فرماتے۔ اور لوگ، شریک حلقہ ہوا کرتے۔
جب، مخدوم صاحب کا، سن شریف، سو (۱۰۰) سے تجاوز ہوا
تو، گوشہ نشینی آپ نے اختیار کر لی اور وہ خرقہ خلافت جو آپ کے مُرشد، شاہ جلال صاحب
تاج بخش عَلَيْهِ الرَّحْمَةُ نے مرحمت فرمایا تھا

صاحب زادہ، شیخ عبدالرزاق صاحب عَلَيْهِ الرَّحْمَةُ کو دے کر، صاحب سجادہ کیا۔
اور اپنا ذاتی خرقہ، صاحب زادہ، حافظ شیخ عبدالحکیم بندگی میاں صاحب عَلَيْهِ الرَّحْمَةُ
کو مرحمت فرما کر، حسب معمول اولیاء سلف، ایک تحریر خلافت بھی، رقم فرمادی۔
۲۳ جمادی الثانی سے مخدوم صاحب عَلَيْهِ الرَّحْمَةُ کوشدت تپ، زائد ہوئی
اور غرّہ رجب ۹۳۹ھ، بروز جمعہ، بوقت چاشت، آپ، واصل بحق ہوئے۔

إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ -

مخدوم صاحب نے، یہ وصیت، پہلے ہی فرمادی تھی کہ:

میرے جنازے کی نماز، شیخ عبدالرزاق صاحب

ورنہ، حافظ عبدالرحیم بندگی میاں صاحب پڑھائیں۔“

چنانچہ، بعد اداے جمعہ، شیخ عبدالرزاق صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی۔

پندرہ (۱۵) ختم قرآن، حافظ عبدالرحیم صاحب نے اور پانچ (۵) ختم، شیخ عبدالرزاق
صاحب نے اور پانچ (۵) ختم، سب سے چھوٹے صاحب زادے، شیخ جلال صاحب نے
پڑھ کر، ایصالِ ثواب کیا۔

اول روز، شیخ عبدالرزاق صاحب نے، دوسرے روز، حافظ عبدالرحیم صاحب نے
تیسرے روز شیخ جلیل نے تقسیم طعام کیا۔

بوقتِ صبح، مخدوم صاحب عَلَيْهِ الرَّحْمَةُ کے جنازے پر، ابراہیم کا ایک نکلڑا، چھا کر برسا۔

جو، دلیل واضح، مغفرت و مہربانی ربی کی ہے۔

اور سید نبی صاحب نے جو روضہ، تعمیر کرایا تھا۔ اسی میں جو خواب راحت، ملاواں میں ہیں۔“
(ص ۳۴۔ ”افضالِ رحمانی“)

مخدوم، مصباح العاشقین، چشتی، عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ کے خَلَفِ اکبر، شیخ عبدالرزاق تھے۔
مگر، طریق سلسلہ، مخدوم حافظ عبدالرحیم بندگی میاں سے جاری ہوا۔ چنانچہ، مذکور ہے کہ:
”ہم، جہاں تک شجرہ پر غور کرتے ہیں

تو، طریق سلسلہ، مخدوم عبدالرحیم صاحب عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ سے جاری، نظر آتا ہے۔
کیوں نہ ہو۔ یہی تو وہ مبارک ہستی ہے

جو، اس مہتمم یا شانِ امانت کی امین ہے، جس کی بشارت، شاہ جلال صاحب تاج بخش
ومخدوم شیخ سعد صاحب خیر آبادی ومخدوم شیخ عبدالصمد، عُرف شیخ صفی صاحب صفی پوری
رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہِم دیتے چلے آئے۔

اور یہی تو، وہ وجہ ہے، جس سے والدہ عبدالرحیم بندگی میاں صاحب کو

حضرت شیخ جلال صاحب تاج بخش عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ کا خاص طور پر اپنی بیٹی بنانا
اسی دُرِ مکتون کے لئے تھا۔ جو ”فصلِ رحمن“ اسمِ بامٹھی ہو کر، چمکنے والا تھا۔“ (ص ۳۶۔ ”افضالِ رحمانی“)
حضرت مخدوم بہاء الدین شیخ محمد، معروف بہ مخدوم، مصباح العاشقین، چشتی (متولد
محرم الحرام ۸۱۰ء۔ متوفی ۹۳۹ء) کے صاحب زادہ، حافظ عبدالرحیم بندگی میاں کی نسل سے
ایک بزرگ، شاہ، اہل اللہ میاں، دو صدی بعد پیدا ہوئے۔

جن کے فرزندِ جلیل ہیں: اویس زمان، مولانا شاہ فضلِ رحمن، گنج مراد آبادی
جو، اپنے عہد و عصر کے مشہور عالم و محدث اور عارف باللہ ہوئے۔

رَحْمَۃُ اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِم اَجْمَعِیْن۔

حضرت مولانا شاہ فضلِ رحمن کو، عُرف عام میں ”مولانا بابا“ کہا جاتا تھا۔
آپ کی ولادت کے بارے میں، تحریر ہے کہ:

”مولانا بابا کے والد، عارف باللہ، مخدوم شاہ، اہل اللہ میاں صاحب

حضرت بقیۃ السلف والخلف، قطبِ دُوراں، مولانا شاہ عبدالرحمن صاحب لکھنوی
رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہِ (تلمیذِ بحر العلوم، مثلاً، عبدالعلی، فرنگی محلی، لکھنوی) کے مُرید خاص تھے۔

اور خود، حضرت شاہ صاحب قبلہ، اہل اللہ میاں صاحب کو بے حد عزیز و محبوب رکھتے تھے۔
اور بہت کم، جُدا ہونے دیتے تھے۔

ایک مرتبہ، شاہ اہل اللہ میاں صاحب، اپنے مُرشد، شاہ صاحب قبلہ کی پشتِ مبارک
مُل رہے تھے۔ یکا یک، وہ خلش، جو، فرزند نہ ہونے سے اکثر دامن گیر رہا کرتی تھی
پھر، عود کر آئی۔ کیوں کہ آپ کی دختر صاحبہ، جمعیت بی بی کو پیدا ہوئے
اٹھارہواں (۱۸) سال تھا۔

حضرت شاہ صاحب قبلہ نے، یہ کبیدگی، اُز روئے کشف معلوم کر کے، متہم ہو کر فرمایا کہ:
کیوں؟ میاں اہل اللہ! کس فکر میں ہو؟ شاید، خلشِ اولاد ہے؟“
پھر، خود، حکم دیا کہ:

اچھا، اب تم، اپنے مکان جاؤ۔ تم کو، پروردگارِ عالم، ایک ایسا فرزند عطا فرمائے گا
جو، مثل آفتاب، دنیا میں روشن ہوگا۔ جس کا فیض، مغرب سے مشرق تک
ایسا روشن کر دے گا کہ اس کے سامنے، دیگر ستارے، ماند ہوں گے۔ اُس کا نام ”فضلِ رحمن“ رکھنا۔“
چنانچہ، شاہ، اہل اللہ صاحب اپنے مُرشد سے رخصت ہو کر مکانِ مسکونہ، واقع سندیلہ
واپس آئے اور یکم ماہ رمضان ۱۲۰۸ھ، بوقت صبح صادق

اس مادرِ اقطبِ ولایت عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ نے قدومِ مہمنت لزوم سے عالم کو فیض بخشا۔
مخدوم، اہل اللہ میاں، فرطِ اجتہاد میں، اسی ہفتہ
مولانا بابا (شاہ فضلِ رحمن) عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ کو لے کر لکھنؤ

حضرت شاہ (عبدالرحمن مؤخّذ لکھنؤی) صاحب قبلہ عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ کی خدمت میں پہنچے۔
مخدوم، عبدالرحمن صاحب، عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ نے، مولانا بابا کے کانوں میں
بطریقِ مسنون، اذان و اقامت کہی اور بے حد دعاؤں کے ساتھ، واپس کیا۔
تیسرے برس کا آغاز تھا کہ مولانا بابا کو لے کر مخدوم اہل اللہ صاحب
پھر، مخدوم عبدالرحمن صاحب، رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہِ کی خدمت میں گئے
تو، آپ نے بہ کمالِ محبت، رسمِ بسم اللہ، ادا فرمائی۔“

(ص ۵۱۔ ”انضالِ رحمانی“)

”نام نامی“، بلا الف و لام کے ”فضلِ رحمن“ صحیح ہے۔ چوں کہ، یہ تاریخی نام ہے۔

اس کے عدد نکالنے سے ۱۲۰۸ھ نکلتا ہے۔“ (ص ۵۱۔ ”افصالِ رحمانی“)

حضرت مولانا شاہ فضل رحمن کے استاذ:

حضرت مولانا شاہ نور الحق، فرنگی مہلی، لکھنؤ، فرزندِ حضرت مولانا شاہ انوار الحق، فرنگی مہلی لکھنؤ، تلامذہ بحر العلوم، مولانا عبد العلی، فرنگی مہلی، لکھنؤ تھے۔

اسی طرح، سراج الہند، شاہ عبدالعزیز، محدث دہلوی بھی، آپ کے استاذِ جلیل تھے۔

علمائے فرنگی محل، لکھنؤ کے ذکر میں، حضرت مولانا شاہ فضل رحمن، گنج مراد آبادی

ارشاد فرماتے ہیں کہ:

”ہم نے درسِ نظامی وقفہ و اصول و کلام وغیرہ کا مکملہ، بحر العلوم، مولانا محمد نور صاحب

فرنگی مہلی (قدس سرہ) سے کیا۔

ان کے والد، مولانا محمد انوار صاحب (قدس سرہ) فرنگی مہلی نے جانے کیا دیکھا کہ:

اپنی مسند پر بٹھالیتے اور اپنی خوشی و شفقت سے

پوری بیضاوی و کامل قدوری، پھر، ہدایہ، مکمل پڑھائیں۔

یہ خدا کی دین دیکھو کہ ہم کو، ان کے مصنفین سے فیض آتا ہے۔“ الخ

(ص ۱۱۲۔ ”رحمت و نعمت“۔ مؤلفہ مولانا شاہ بھولے میاں جوہر، سجادہ نشین بارگاہِ فضلِ رحمانی

گنج مراد آباد، ضلع آگاہ۔ مطبوعہ کانپور)

”مولانا بابا، علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ:

ہم، جب، پہلی بار ۱۲۲۱ھ میں، حضرت مرشد (شاہ محمد آفاق، نقشبندی، مجددی) دہلوی کی

خدمت میں مرید ہونے گئے تو، بعد بیعت، خواہشِ تعلیم، بیان کی۔

آپ نے دعائیں دے کر، اجازت بخشی۔

اور دن میں، اپنے وہاں، کھانا کھانے کی ہدایت بھی فرمائی۔

ہم، جب، اوّل روز، حضرت شاہ عبدالعزیز، صاحبِ محدث علیہ الرحمۃ کے پاس

درس کو گئے تو، موصوف نے عام توجہ رکھی۔

بعد درس، اس شب کو، تو، ہم بھوکے پڑ رہے۔ مگر، اسی رات، حضرت شاہ صاحب علیہ

الرحمۃ نے، نہ جانے کیا دیکھا کہ:

مجھ کو، صبح ہی بلانے، ایک آدمی بھیجا۔ اور میں، بعدِ مغرب، مرشدِ قبلہ سے

اجازت لے کر گیا، تو شاہ صاحب، قُدَسِ سرُّہ، بہ کمالِ شفقت، پیش آئے۔

ہدایت کی کہ، آج سے شام کا کھانا، میرے پاس کھایا کرو۔

اس شب، ہم نے عشاء بعد سے تہجد تک پڑھا۔

یہی معمول ہو گیا کہ عشاء سے تہجد تک، درس

اور تہجد کو، خدمتِ مُرشد میں آکر، وضو و کلون وغیرہ کا نظم کرنا، دن بھر خدمت میں رہنا۔

کبھی، دن میں بھی، شوق اُکساتا، تو، مُرشد قبلہ کو کشف ہو جاتا۔ بہ شفقت فرماتے:

فکرِ مندی کا ہے کی؟ فیضِ مصطفوی سے تم، خود پڑھ جاؤ گے۔

ایک بار، شاہ (عبدالعزیز) صاحب عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ نے فرمایا کہ:

اگر تم، پسند کرو، تو، ہم، اپنے داماد، سید ظہیر الدین شہید (عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ) کو

شریک، تمہارے درس میں، کر لیا کریں۔

میں نے کہا: اتنا شرمندہ، نہ کیجیے۔ آپ، مختار ہیں۔ جسے چاہیں، شریک کر لیں۔

مگر، حضرت شاہ صاحب نے یو، اپنے داماد کے

کبھی، کسی اور کو شریک، میرے درس میں، نہیں کیا۔

جن کتب کو لوگ، سال اور ڈیڑھ سال میں پڑھتے

بہ توفیقِ الہی، ہم، دس پندرہ دن میں پڑھ لیتے۔

بخاری شریف، اٹھارہ پارے، ایک وقت میں پڑھ کر ختم کی

تو، شاہ صاحب عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ نے بہت دعائیں دیں۔

پیر و مرشد کی اس وَہبی شانِ علم و کمال کا اندازہ

مذکورہ واقعہ تعلیم سے آپ، بہ خوبی کر سکتے ہیں۔

حکیمِ الحکما، محمود خاں صاحب، فضلِ رحمانی، دہلوی نے بیان کیا کہ:

مجھے، حضورِ اعلیٰ سے خبر ملی، تو، پتہ لگاتے، شاہ صاحب عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ کے وہاں گیا۔

سید شاہ مولوی ظہیر الدین صاحب شہید عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ نے

دورانِ تذکرہ، حضرت شاہ صاحب قُدَسِ سرُّہ سے کہا کہ:

عشاء سے تہجد تک کے بجائے، مولانا فضلِ رحمن کا کوئی اور درس کا وقت، رکھ دیجیے۔

تو، شاہ صاحب نے فرمایا کہ:

مولوی فضل رحمن کو، سب سے علیحدہ پڑھانے میں، یہ راز ہے کہ:
وہ، تو جہات رسالت سے پڑھتے ہیں۔

ان کو برابر، حضوری رسالت، حاصل رہنے کی وجہ سے، میں بھی، یہ پسند کرتا ہوں کہ:
میری راتیں بھی، حضوری رسالت میں حدیث و قرآن خوانی کے ساتھ گزریں۔

اسی سعادت یابی کے لئے صرف تم کو، اس درس میں بٹھالیتا ہوں۔

تم، کبھی کبھی، شریک ہوتے ہو۔ میں، چاہتا ہوں کہ تم، ان سے علم حاصل کرو۔ کیوں کہ:

مولوی فضل رحمن کو، بہ فیض مصطفوی، وہی علوم، عطا ہو رہے ہیں۔

سب کچھ وہ، آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے پالیتے اور پوچھ لیتے ہیں۔

ورنہ، اس طرح، نہ کوئی پڑھا سکتا ہے، نہ پڑھ سکتا ہے۔“

اس چیز نے مجھے اور عاشق بنادیا اور حضرت کی جستجو کر کے، مکان لایا۔

مُریدی کی خواہش کی، تو، آپ نے فرمایا: اس مرتبہ نہیں، دوبارہ آمد پر رکھو۔“

بعض لوگوں سے، یہ بات اور مشہور ہوئی

تو، مولانا بابا عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ گھر، واپس ہو گئے۔ پھر، جب دوبارہ، آپ، دہلی تشریف لائے

تو، میں اور حکیم اللہ دیا صاحب دہلوی، مُرید ہوئے۔“

(قرآن کریم و تفسیر، تین ماہ تک پڑھ پائے تھے کہ) ایک طرف، شاہ صاحب نے

لوگوں سے بہت کچھ کہہ دیا۔ دوسری طرف، مرشد قبلہ، قُدس سرُّہ نے فرمادیا کہ:

میاں فضل رحمن! تمہارا کام، تو، کبھی کا انجام پا چکا۔ اب، جا کر، خلق اللہ کو فائدہ پہنچاؤ۔“

تو، ہم، شرما کر، گھر واپس آ گئے۔

مگر، ایک عزیز کو، والدہ ماجدہ کی خبر گیری کو رکھ کر، پلا کسی کو بتائے

گیارہ بارہ یوم میں، چند رشتہ داروں کے ساتھ، دہلی آ گئے۔

اور تین ماہ میں دیگر کتب تفاسیر، نیز احادیث، جیسے ہر دو موبٹا، مُسند امام اعظم، داری

دارقطنی، معجم کبیر وغیرہ، شاہ صاحب قُدس سرُّہ سے ختم کر لیں۔

دو چار کے بڑا، اس سفر کا کسی کو، پتہ بھی، نہ ہوا کہ کب گئے اور کب پڑھ آئے؟

ہمارا، دوسرا سفر ۱۲۳۲ھ کو، دہلی کا پھر ہوا۔ اس وقت بھی مستدرک وغیرہ کتب احادیث

اور فقہ اکبر و جامع صغیر و سطلانی وغیرہ، ڈیڑھ ماہ میں پڑھیں۔

شاہ صاحب عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ، یہ شفقت کچھ اور دن ہم کو روک کر، اپنی صحبت میں رکھنا اور اپنے سامنے، درس دلوانا چاہتے تھے۔ مگر، وہ، جاے ادب تھی۔ ہم، ایسا نہ کر سکتے تھے۔
ادھر، مُرشد قبلہ نے پھر ہم کو، حکم واپسی دے دیا۔ ہم کو، گھر آنا پڑا۔“
اصل حقیقت، فرمودہ حضرت سے، واضح ہے۔

۱۲۲۱ھ کے سفر کو، چوں کہ آپ نے پوشیدہ رکھا تھا
اس لئے تذکرہ عام میں، یہ دوسرا سفر، مشہور نہ ہوا۔
جس سے لوگوں کو مکمل تحصیلِ حدیث نہ معلوم ہو سکی۔
پھر، مولانا بابا عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ نے فرمایا کہ:

تیسرا سفر ۱۲۲۵ھ میں دہلی کا ہوا۔ مولوی مرزا احسن علی صاحب لکھنوی (محدث) کا ساتھ
تیسرے سفر میں، اگر وہ کی ایک سرائے سے دہلی تک، ہم سے رہا۔

مرزا صاحب نے جب، ارادہ، اوّل میں کیا تھا اُس وقت، ہمارے پاس، زادِ سفر نہ تھا۔
اس لئے مرزا صاحب، ہمارے تیسرے سفر سے پہلے، پڑھ آئے۔

حکیم محمود خاں کے وہاں، ہم ٹھہرے تو، مرزا صاحب، جُدا ہو گئے۔
مولوی حسین احمد صاحب یلّخ آبادی سے، دہلی میں ہم سے دو ایک ملاقاتیں ہوئیں۔
وہ، مجب پڑھنے گئے، ہم کو، والدہ کی تنہائی سے جانے کا موقع، نہ ہوا۔

نیز، اس تیسرے سفر میں، مولوی اسحاق صاحب ہم سے بڑے تپاک سے ملے۔
پھر، ہم کو، اپنے گھر لے جا کر اپنے داماد، مولوی شاہ نصیر الدین صاحب قُدسِ سِرُّہ
اور ان کی اہلیہ (دختر کلاں مولوی اسحاق صاحب) کو، ہم سے مُرید کرایا۔

اصرار کیا کہ ہم، ان کے یہاں ٹھہریں۔ مگر، ہم نے معذرت کر لی۔
مولوی نصیر الدین صاحب عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ اکثر ہم سے توجہ لیا کرتے۔ بڑی محبت رکھتے رہے۔
لیکن، اس مرتبہ بھی، مُرشد دہلوی قُدسِ سِرُّہ نے
بارہ تیرہ یوم میں ہم کو، واپسی کا حکم دے دیا۔

چوتھی بار ۱۲۲۹ھ میں، ہم، دہلی گئے۔

اس بار بھی، بارہ تیرہ روز میں مُرشد دہلوی عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ نے ہم کو گھر، واپس کر دیا۔
پانچویں بار ۱۲۳۹ھ میں، دہلی جانا ہوسکا

تو شاہ (عبد العزیز) صاحب محدث دہلوی عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ کا وصال ہوئے تین ماہ ہوئے تھے۔
 ہم کو، آگرہ سے ایک مرید نے پیٹھے کی مٹھائی دی تھی۔
 وہی لیے ہوئے ہم نے شاہ (عبد العزیز) صاحب کے مزار پر فاتحہ کی۔
 اور، ان کے گھر والوں کو پیش کر دی۔

مولوی محمد اسحاق صاحب (عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ) نے ہم سے، دورہ حدیث کی خواہش کی
 تو، ہم نے اپنے استاد، شاہ صاحب کی روحانی خوشی کے لئے بخاری و مسلم کا بابا ہم دورہ
 کہ کبھی، وہ سنتے، ہم پڑھتے۔ کبھی، وہ پڑھتے، ہم سنتے۔ بیس (۲۰) یوم میں کیا۔
 اتنے میں، مُرشد دہلوی عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ نے ہم کو پھر، واپس مکان بھیج دیا۔
 اس کے بعد، بس، دوبارہ اور حیات مُرشد عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ میں دہلی گئے۔
 مگر، ہفتہ سے زائد، مُرشد قبلہ نے ٹھہرنے، نہ دیا۔
 اس باہمی دورہ حدیث کو، چون کہ ایک دوسرے سے سن کر نقل کیا گیا
 اس لئے کو انف مرتب کنندہ، ایک ہی طور پر نقل کرتے چلے آئے
 اور درس کے اشتباہی معنی سمجھ بیٹھے۔ جس کو تفصیل فرمودہ حضرت مولانا بابا، غلط ٹھہراتی ہے۔“
 (ص ۱۱۵ تا ۱۱۸۔ ”رحمت و نعمت“)

ارادت و اجازت و خلافت آپ کو حضرت شاہ محمد آفاق، نقشبندی، مجددی، دہلوی سے
 حاصل تھی۔ چنانچہ، آپ کی تعلیم و تربیت اور شوقِ ریاضت کے بارے میں
 مؤلف ”افضالِ رضائی“، رقم طراز ہیں کہ:

”مولانا بابا عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ کی ابتدائی تعلیم، کچھ سندیلہ اور کچھ ملاواں میں ہوئی۔
 مگر، شرح مُلّا جامی، کافیہ، یعنی، نحو و صرف اور کلام و فقہ وغیرہ کی تکمیل، مولانا نور صاحب
 ولد مولانا انوار صاحب لکھنوی، رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہِمَا سے ہوئی۔
 موصوف نے پہلی ہی نظر میں بھانپ کر، بہ کمالِ محبت، درسیات کرا کر
 تعلیم حدیث شریف کے لئے دہلی جانے کی ہدایت فرمائی۔

عام طلبہ کا جتنا درس، پندرہ بیس یوم میں ہوتا، آپ، ایک وقت میں ختم کرتے۔
 مولانا بابا عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ کا تاملہ حدیث، استاذ الاساتذہ، حضرت مولانا شاہ
 عبد العزیز صاحب، محدث دہلوی عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ سے ہوا۔

استاذ بلند نظر نے، نگاہ اولیٰ میں ”می تافت ستارہ بلندی“ کو، پرکھا اور انتہائے محبت سے درس حدیث، شروع کر دیا۔ ابھی، کچھ ماہ ہی گزرے تھے کہ:

مولانا بابا علیہ الرحمۃ کو اپنی والدہ ماجدہ کی تنہائی کی وجہ سے واپس، ملاواں ہونا پڑا۔ دوبارہ، جب آپ پھر دہلی تشریف لے گئے تو، مکمل تاملہ حدیث ہو گیا۔

گو، شاہ صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ آپ کو کچھ ماہ، روک کر خود آپ سے درس حدیث دلوانا چاہتے تھے، مگر، اولاً آپ کی والدہ کی تنہائی، دوسرے حسنِ حقیقی کی جستجو، اور ہی چیز کی مقتضی تھی۔ اس لئے بارہ تیرہ برس کی عمر میں ان علوم سے فراغت فرمائی۔

مولوی حیدر علی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ، حضرت مُرشد، محبوب حبیب الخلاق، خواجہ شاہ محمد آفاق صاحب علیہ الرحمۃ کے خلیفہ، ملاواں میں رہا کرتے تھے۔

ایک روز، مولانا بابا علیہ الرحمۃ نے تین چار برس کی عمر میں خلیفہ موصوف سے دریافت فرمایا کہ:

یہ آپ، گردن کیوں جھکا لیا کرتے ہیں؟

انھوں نے کہا کہ: بیٹا! ذرا الٹی کرتا ہوں۔“

مولانا بابا نے فرمایا کہ:

ہمارا بھی، جی چاہتا ہے، ہم کو بھی سکھا دو۔“

خلیفہ صاحب نے آپ کا کمالِ ذوق، اس بچپن میں دیکھ کر، سینے سے لگا لیا اور فرمایا کہ:

تم، روز آیا کرو۔ ہم، بتا دیا کریں گے۔“

چنانچہ، ذِکرِ نفی و اثبات و پاسِ انفس و طریقِ مراقبہ، بتا کر توجہ میں بٹھانا شروع کیا تو، چند ماہ ہی میں، شاہ حیدر علی صاحب کے احاطہ قوت سے آپ کی روحانی قوت، باہر ہو گئی۔ اور میاں حیدر علی شاہ نے، دہلی، حضرت مُرشد علیہ الرحمۃ کی خدمت میں جانے کی ہدایت فرمائی۔“ (ص ۵۲۔ ”افعالِ رحمانی“)

حضرت شاہ عبدالعزیز، محدث دہلوی کی درس گاہ میں آپ کے تحصیلِ علم حدیث کی کیفیت، یہ تھی کہ:

”ایک بار، مولانا بابا علیہ الرحمۃ نے اپنے دورِ طالبِ علمی کا تذکرہ فرمایا کہ:

ہمارے استاذ، مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب علیہ الرحمۃ

مجھ سے بے حد پیار و قدر و منزلت فرماتے۔ اور جب درس، میرے قیام دہلی میں فرماتے تو، جب تک، باوازِ بلند، دریافت، نہ فرمالیتے کہ مولوی فضل رحمن آگئے؟

اور میں خود نہ بولتا، اُس وقت تک، شروع ہی نہ فرماتے۔ فرمایا کہ: دورانِ درس، اکثر، مجھے، تہا درس دیتے۔ اور بیچ بیچ میں مجھ سے پوچھتے جاتے کہ:

تم، اس کا مطلب سمجھ گئے؟ جب تک، میں، ہاں! نہ کرتا، آگے نہ بڑھتے۔ اور اگر، مجھے کبھی، دیر ہو جاتی، تو، حضرت شاہ صاحب جب تک، میں، نہ آ جاتا، انتظار فرمایا کرتے۔ مولانا بابا نے فرمایا کہ:

جو کتابیں، لوگ، دو دو برس میں پڑھتے ہم، بِفَضْلِهِ تَعَالٰی، پندرہ دن میں ختم کرتے۔ پندرہ روز میں ہم نے بخاری شریف، ختم کی۔

بجز میرے، مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کسی اور کو میرے ساتھ، درس میں شریک نہ کرتے۔

البتہ، کبھی اپنے داماد، سید ظہیر الدین شہید عَلَیْهِ الرَّحْمَةُ کو بٹھالیتے۔“ (ص ۵۵۔ ”افضل رحمانی“)

علمائے فرنگی محل، لکھنؤ سے تھیل علم کے حالات، بیان کرتے ہوئے آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

..... جب ہم، لکھنؤ میں شرح جامی وغیرہ پڑھتے

تو، اس طرح، نہ پڑھتے جیسے لوگ آج کل پڑھتے ہیں، بلکہ دو جو پڑھتے۔ جو سے کم تو کبھی پڑھا نہیں۔ ہم کو، ان مصنفین کتب سے فیض آتا تھا۔

ایسے ہی ہدایہ، شرح وقایہ وغیرہ بھی پڑھنے بیٹھتے

تو، اس طرح کہ بعدِ عشاء بیٹھتے تو تہجد تک پڑھا۔ اور بعدِ اشراق بیٹھتے تو ظہر تک پڑھا۔

خدا کی شان کہ بڑے بڑے لوگ، جیسے مولانا انوار صاحب، ہم کو، اپنی مسند پر بیٹھاتے۔“

(ص ۵۶۔ ”افضالِ رحمانی“)

دہلی میں تحصیلِ علم کے احوال میں مؤلف ”افضالِ رحمانی“ لکھتے ہیں کہ:

”بعض لوگوں نے مولانا بابا علیہ الرحمۃ کا درس حدیث، مولانا شاہ اسحاق صاحب سے

پڑھنا، تحریر کیا ہے۔ یہ غلط ہے۔ کیوں کہ:

جو، دورِ طالب علمی، مولانا بابا علیہ الرحمۃ کا تھا، وہی مولوی محمد اسحاق صاحب کا تھا۔

چوں کہ، مولانا بابا، جملہ سات (۷) مرتبہ، دہلی آئے گئے۔ اور آپ کو حدیث شریف سے

عشق تھا۔ پس، مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کے وصال (۱۲۳۹ھ) کے بعد

مولانا بابا اور مولوی محمد اسحاق صاحب نے آپس میں، دورہ کیا کہ:

کبھی، وہ قاری، یہ سامع۔ کبھی، یہ سامع، وہ قاری۔

ہاں! مولانا شاہ احمد سعید صاحب۔ مجذوبی اُس وقت، مولوی محمد اسحاق صاحب سے درس لیتے

اور شریکِ دورہ بھی ہوئے۔“ (ص ۵۶۔ ”افضالِ رحمانی“)

”مولانا بابا علیہ الرحمۃ کے روئے مبارک پر حدیث پڑھتے وقت

نورِ حدیث، درخشاں رہتا۔ چنانچہ، خود، آپ نے بیان فرمایا کہ:

جب میں، حدیث پڑھ کر حضرت مُرشد علیہ الرحمۃ کی خدمت میں جاتا

تو، حضرت مُرشد فرماتے کہ:

اللہ اللہ! یہ نورِ حدیث۔“ (ص ۵۷۔ ”افضالِ رحمانی“)

کتاب ”افضالِ رحمانی“ کے نویں باب ”بعنوان ”تقّادانِ فن کی عقیدت کیشی“ میں

متعدد مشاہیر کے تاثرات و ملاقات کا اجمالی ذکر ہے۔ اسی میں ایک روایت، یہ بھی ہے کہ:

”مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی، بہ غرض ملاقاتِ حضرت قدسی صفات، مولانا بابا

علیہ الرحمۃ، گنجِ مراد آباد، ماہِ رمضان میں آئے۔

اور ایک جگہ ٹھہر کر، خدمتِ اقدس میں اطلاع کرائی کہ: ایک شخص، بریلی سے ملنے آیا ہوا ہے۔“

مولانا بابا علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ:

یہاں، فقیر کے پاس کیا دھرا ہے؟ ان کے والد، عالم۔ دادا، عالم۔ وہ خورِ عالم۔

پھر، بہ کمالِ لطف فرمایا کہ: بلا لاؤ۔“

بہ وقتِ ملاقات، حضرت بریلوی نے میلادِ شریف کی بابت، استفسار فرمایا

تو، مولا نابا ہا نے ارشاد فرمایا کہ:

پہلے، تم بتاؤ۔ خود بھی تو، عالم ہو؟

انھوں نے عرض کیا کہ: نہیں، میلاد کو مستحب جانتا ہوں۔“

اس پر، مولا نابا ہا نے فرمایا کہ:

میں، سنّت جانتا ہوں۔ کیوں کہ صحابہ کرام، جو، جہاد میں تشریف لے جاتے تھے۔

گھروں میں اپنے اہل و عیال سے کیا کہا کرتے تھے؟

یہی ناکہ، مکہ معظمہ میں نبی اکرم صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم پیدا ہوئے۔

اللہ تعالیٰ جَلَّ شَانُہُ نے اُن پر قرآن اُتارا۔

انھوں نے یہ معجزے دکھائے۔ اللہ نے ان کو یہ فضائل، عطا فرمائے۔

مجلس میلاد میں بھی، یہی، بیان ہوتا ہے، جو، صحابہ اپنے مجمع میں کہا کرتے۔

فرق، اتنا ہے کہ:

تم، اپنی مجلس میں، ملُّ و بائٹے ہو، صحابہ، اپنی مجلس میں، مُوڑ (سر) بائٹے تھے۔

حضرت بریلوی نے عرض کیا کہ: کچھ نصیحت فرمائیے۔

ارشاد فرمایا کہ: تکفیر میں، جلدی، نہ کیا کرو۔“

انھوں نے دل میں سوچا کہ:

میں، تو، ان کو کافر کہتا ہوں، جو، حضور پر نور صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی

شان میں گستاخی کرتے ہیں.....

مولا نابا ہا کو، کشف ہوا۔ فرمایا کہ:

ہاں، ہاں! جو، ادنیٰ حرفِ گستاخی، شانِ اقدس صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم میں بکے

یلا فہم، کافر ہے۔“

بعد ازاں، اپنی کلاہ مبارک، حضرت بریلوی کو عنایت فرما کر

ان کی ٹوپی، خود لے لی۔

(طریقہ صوفیہ میں تبدیلِ لباس بھی، فیضِ رسانی کا ایک طریقہ ہے)

پس، ۲۹، رمضان مبارک ۱۲۹۲ھ کو، رخصتِ واپسی بخشی۔“ (ص ۹۵۔ ”انفصالِ رحمانی“)

حضرت مولا ناشاہ فضلِ رحمٰن کا ایک اعزاز و امتیاز

مولوی حبیب اللہ، ٹانڈوی، مہاجر مدنی، بیان کرتے ہیں کہ:

”میری عمر کے چودہ پندرہ سال تو، ایسے گزرے کہ:

ہر ماہ کا زائد حصہ، آستانہ پر گزرا کیا ہے۔ بے حد کشف و کرامات، آنکھوں سے دیکھے ہوئے ہوں۔

ازاں جملہ، یہ بھی ہے کہ میں نے دیکھا کہ:

در بار رسالت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم میں، پیرو مُرشد، غوثِ زماں، حضرت مولانا شاہ

فصلِ رحمن صاحب عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ نُظَر نہیں آئے۔ تو، بڑا ملال گذرا۔

اس اثنا میں، بہ کمالِ شقت، رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے دریافت فرمایا کہ:

کیوں، ہلول ہو؟

عرض کیا کہ: پیرو مُرشد، کیا، یہاں نہیں ہیں؟

تو، آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

یہ تو، دربارِ عام ہے۔ یہاں، وہ، کہاں؟

پھر، پردہٴ حجاب اٹھا تو، پیرو مُرشد، حرمِ خاص میں تھے۔

کئی روز مجھ پر، وجدانی کیف، طاری رہا۔“ (ص ۹۶۔ ”انصافِ رحمانی“)

ایک بشارتِ محمدی دی، یہ ہے کہ:

”ایک بار، مولانا بابا نے فرمایا کہ:

میں نے حضرت محمدِ دالِی ثانی عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ کو دیکھا کہ فرماتے ہیں:

ہزاروں آدمی، تمہارے سبب سے بخشے جائیں گے۔“

ایک مجلس میں امامِ اعظم ابوحنیفہ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کا ذکر آیا

تو، ”مولانا بابا نے فرمایا کہ:

حضرت امامِ اعظم کا بڑا درجہ ہے۔ اور ہم کو تو، بچپن سے امامِ اعظم سے محبت ہے۔

ایک مرتبہ، ایک شخص نے ہماری دعوت کی۔ اور لوگ بھی تھے۔

کسی نے ہم سے کہا:

یہاں، چند لوگ ایسے بھی ہیں، جو، امامِ اعظم سے محبت نہیں رکھتے۔

پھر تو، ہم سے صبر نہ ہو سکا۔ ہم نے وہاں، امامِ اعظم کی بہت کچھ فضیلت، بیان کی۔

اور غصہ میں ایسے لوگوں کو بھی بہت کچھ کہا۔

وہاں سے آکر ہم نے خواب دیکھا کہ:

ایک شخص کہتا ہے: امام اعظم بیٹھے ہوئے ہیں۔

ہم نے کہا: چلو ہم بھی چلیں گے۔ میں، جو، وہاں گیا تو، دیکھا کہ:

مُتَبِّحُنَ اللّٰہِ! کیا، چہرہ تاباں ہے۔

پھر، سلام کیا تو، انھوں نے جواب دیا۔ اور مجھے اپنے پاس، مسند پر بٹھالیا۔

گو، میں نے ہر چند عذر کیا، مگر، قبول نہ ہوا۔

پھر، امام شافعی کو بھی دیکھا کہ ان کے سامنے کھڑے ہیں۔

پھر، ان کو بٹھایا۔

اور مجھ سے علمی مسائل کی باتیں کرتے رہے۔

میں نے اجازت چاہی تو، اور بیٹھنے کے لئے کہا۔

تھوڑے توقف کے بعد میں رخصت ہوا تو، بہ کمال محبت، رخصت کیا۔

میں نے پلٹ کر دیکھا تو، امام شافعی، مجھے پہنچانے تشریف لا رہے تھے۔

میں نے عرض کیا کہ: آپ، اتنے بڑے امام ہو کر، یہ کیا غضب کر رہے ہیں؟

مگر، موصوف، نہ مانے اور بہت دور تک پہنچانے آئے۔ پھر، آنکھ کل گئی۔

ارشاد فرمایا کہ:

اگرچہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد، ان سب کے بڑے رتبے ہیں

لیکن، یہ امام صاحب کو، نہیں پہنچتے۔

حضرت امام جعفر صادق رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کی محبت، جو، امام صاحب کو حاصل ہے

اس کی فضیلت، کہاں جائے گی۔“ (ص ۹۷۔ ”افعالِ رحمانی“)

آپ کی کرامتوں میں سے ایک کرامت، یہ ہے کہ:

”عبداللہ شاہ صاحبِ رحمانی، مولانا بابا کی خدمت میں آرہے تھے۔

اُٹناے راہ میں، ایک ندی پڑی۔ انھوں نے، یہ خیال کیا کہ: گھوڑی نکل تو جائے گی۔

ندی میں گھوڑی، ڈال دی۔ چنانچہ، گھوڑی، دلدل میں پھنس گئی۔ اور دھنسنے لگی۔

عبداللہ شاہ نے فوراً ہی، مولانا بابا کو یاد کیا۔

چنانچہ، مولانا بابا نے مدد فرمائی۔ اور گھوڑی، دلدل سے نکل گئی۔

جب، گنج مراد آباد، عبداللہ شاہ، قاضی خدمت ہوئے
تو، مولانا بابا،، ایک چادر، اوڑھے ہوئے بیٹھے تھے۔
عبداللہ شاہ کو دیکھ کر فرمایا: لوگ، ہم کو، بلا وجہ، تکلیف دیا کرتے ہیں۔
اور اپنی پشت مبارک، کھول کر دکھائی
تو، گھوڑی کے چاروں سُم کا نشان مع کچھڑ کے، آپ کی پشتِ اطہر پر تھا۔
عبداللہ شاہ، آخر میں فیضِ محبت سے مروا کر کامل ہوئے۔“
ایسی ہی ایک اور روایت، عبدالغنی صاحب پشترنج نے بیان کی۔
واقعہ عجیبہ یہی ہوا۔ نام کا فرق ہے۔“ (ص ۹۸۔ ”افضالِ رحمانی“)
حضرت مولانا شاہ فضلِ رحمٰن کی بے شمار کرامات میں سے چند کرامتیں، یہ بھی ہیں کہ
”مولانا بابا نے فرمایا کہ ایک شخص، روم سے میرے پاس آئے
اور حجّات کے ستانے کی شکایت کی۔
ہم نے ان سے کہا کہ: تم، اس حجّات سے ہمارا سلام کہنا۔
چنانچہ، رومی نے ایسا ہی کیا، تو، وہ، چلا گیا۔“ (ص ۹۹۔ ”افضالِ رحمانی“)
”مولانا بابا صاحب، ایک مقام پر پہنچے
اور کنواں دیکھ کر پانی طلب فرمایا، تو، ساکنانِ قصبہ نے کہا کہ:
حضرت! یہ کنواں تو، نہ جانے کب سے، اندھا پڑا ہے۔“
آپ نے کہا کہ: تم، بِسْمِ اللّٰہ پڑھ کر، اس میں سے، ڈول بھرو۔
لوگوں نے جب، ڈول باہر نکالا تو، وہ، شفاف پانی سے لبریز تھا۔“
”مولانا بابا نے فرمایا کہ:
ایک مرتبہ، ہم، سفر میں تھے۔ اور ایک خادم بھی، ساتھ تھا کہ:
ایک دریا پڑا تو، بغیر کشتی، ہم، مع خادم کے، پار اتر گئے۔ اور دامن بھی کسی کا، نہ ہوا۔“
”قاری عبدالرحمن صاحب جو، حیدرآباد چلے گئے تھے، ناقل ہیں کہ:
ایک مرتبہ، میرے ہاتھ پاؤں، ایسے رہ گئے کہ نقل و حرکت بالکل، ناممکن ہو گئی۔
چنانچہ، حاضر آستانہ ہو کر عرضِ حال بھی، نہ کر پائے تھے کہ:
مولانا بابا نے دیکھتے ہی، ارشاد فرمایا کہ:

میاں! تم تو، اچھے خاصے ہو۔“

معا، قاری صاحب ایسے اٹھ کھڑے ہوئے جیسے کچھ مرض ہی، نہ ہو۔“

(ص ۹۹۔ ”افعالِ رحمانی“)

مخدوم مصباح العاشقین، چشتی عَلَیْہِ الرُّحْمَةُ کی ایک کرامت کا ذکر، اس طرح ہے کہ:

”ایک جلسہ میں، مولانا بابا نے فرمایا کہ:

ہمارے جدِ امجد، مخدوم صاحب، گو، چشتی تھے۔ مگر، خلافِ شرع، سماع وغیرہ، نہ سنتے تھے۔“

پھر، مخدوم صاحب کی، یہ کرامت بیان کی کہ:

ایک دن، مخدوم صاحب، دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے کہ:

دُور سے ہندوؤں کی بارات، گاتی بجاتی آنکلی۔ مخدوم صاحب کے خلیفہ، شاہ وجیہ الدین

صاحب نے ان لوگوں کو منع کیا کہ حضرت، چوں کہ دروازے پر تشریف فرما ہیں

اس لئے خاموشی وادب سے گذر جائیں۔

لیکن، براتی، نہ مانے، تو، مخدوم صاحب عَلَیْہِ الرُّحْمَةُ نے پلک اٹھا کر

ان لوگوں کی طرف دیکھا، تو، سب کے سب آکر مسلمان ہوئے اور مرید بھی ہو گئے۔“

پھر، ارشاد فرمایا کہ: سب کی حقیقی بارات ہو گئی۔“ (ص ۱۰۱۔ ”افعالِ رحمانی“)

اس پر، داد امیاں عَلَیْہِ الرُّحْمَةُ نے فرمایا کہ:

ایک مرتبہ، مکان کے لئے ایک فہتیر آیا، تو، اتفاق سے وہ، چھوٹا پڑا۔

مخدوم صاحب نے فرمایا کہ:

تم، درخت پر، تو، بڑھتے ہو۔ یہاں پر بھی، بڑھ جاؤ۔“

اب، جو فہتیر رکھا گیا تو، بالکل ٹھیک تھا۔ مولانا بابا نے اس کی تصدیق فرمائی۔

مولانا بابا نے فرمایا کہ:

حضرت مخدوم مصباح العاشقین صاحب عَلَیْہِ الرُّحْمَةُ کا سلسلہ چشتیہ

حضرت خواجہ گیسو دراز، خلیفہ، حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلی رُحْمَةُ اللہ عَلَیْہِ سے ہے۔“

(ص ۱۰۱۔ ص ۱۰۲۔ ”افعالِ رحمانی“)

”ایک بار، مولانا بابا نے فرمایا کہ:

بنارس کے قریب، ایک پہاڑ، چنار گڈھ ہے۔ وہاں کے لوگ بھی، ہمارے مُرید ہوئے۔

وجہ اعتقاد، یہ تھی کہ، وہاں، بیچ میں پانی، بہت گہرا پڑتا تھا۔

اس طرف جانے میں دور سے گھوم کر جانا ہوتا۔

غرض کہ ہم، اسی جگہ سے اتر کر، دوسری طرف گئے۔

خدا کی شان کہ اُس وقت سے وہاں، پانی، پایاب رہ گیا۔

وہاں، عرس میں ناچ ہوتا تھا۔ ہم نے ان لوگوں کو، اس سے منع کیا کہ:

بس قرآن خوانی اور تقسیم طعام کیا کرو۔“ (ص ۱۰۲ اوص ۱۰۳۔ ”افعال رحمانی“)

آپ کی بے شمار کرامات اور اوصاف و کمالات و اتباعِ سنت و شریعت اور مروجیت

و مقبولیت کا ذکر کرتے ہوئے حکیم عبدالحی، رائے بریلوی (متوفی ۱۳۳۱ھ/۱۹۲۳ء) لکھتے ہیں:

..... ثُمَّ لَمَّا كَبُرَ سِنُهُ تَرَكَ السَّفَرَ وَاعْتَزَلَ بِمُرَادِ آبَادِ۔

فَتَهَافَّتَ عَلَيْهِ النَّاسُ تَهَافَّتِ الظُّمَانُ عَلَى الْمَاءِ۔ وَتَوَاتَرَتْ عَلَيْهِ التَّحَفُّ

وَالْهَدَايَا۔ وَخَضَعَ لَهُ الْوُجُهَاءُ سِرَافَةَ النَّاسِ، يَأْتُونَ إِلَيْهِ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ وَ مَرْمَى

سَحِيقٍ۔ حَتَّى صَارَ عِلْمًا مُفْرَدًا فِي الدِّيَارِ الْهِنْدِيَةِ۔

وَرَزَقَ مِنْ حُسْنِ الْقَبُولِ مَا لَمْ يُرْزَقِ أَحَدٌ مِنَ الْمَشَائِخِ فِي عَصَرِهِ۔

وَكَانَ أَكْبَرَ مَنْ رَأَيْتُ وَأَعْلَمُهُمْ بِهَدْيِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ۔

لَا يَتَجَاوَزُ مِنْهُ فِي أَمْرِ مِنَ الْأُمُورِ مَعَ الْعَفَافِ وَالْقَنَاعَةِ۔ وَالْإِسْتِغْنَاءِ وَالسَّخَاوَةِ

وَالْكَرَمِ وَالزُّهْدِ، لَا يَذْخَرُ مَالًا، وَلَا يَخَافُ عِوْزًا

تَحْصُلُ لَهُ الْأُلُوفُ مِنَ النُّقُودِ فَيُفَرِّقُهَا عَلَى النَّاسِ فِي ذَالِكَ الْيَوْمِ۔

حَتَّى كَانَ لَا يَبِيتُ لَيْلَةً فِي بَيْتِهِ دِرْهَمٌ أَوْ دِينَارٌ۔

وَكَانَ لَا يُحْسِنُ الْمَلْبَسَ وَالْمَأْكَلَ۔ وَلَا يَلْبَسُ ثُبَسَ الْمُتَفَقِّهَةِ مِنَ الْعِمَامَةِ

وَالطَّيْلِيسَانِ فَضْلًا مِنْ تَكْبِيرِ الْعِمَامَةِ وَتَطْوِيلِ الْأَكْثَامِ۔

وَلَا يَهَابُ أَحَدًا فِي قَوْلِ الْحَقِّ وَكَلِمَةِ الصِّدْقِ وَلَوْ كَانَ جَبَّارًا غَنِيْدًا۔

قَدْ انْتَهَتْ إِلَيْهِ الْإِمَامَةُ فِي الْعِلْمِ وَالْعَمَلِ، وَالزُّهْدِ وَالْوَرَعِ، وَالشُّجَاعَةِ

وَالْكَرَمِ، وَالْجَلَالَةِ وَالْمُهَابَةِ، وَالْأَمْرِ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ، مَعَ حُسْنِ

الْقَصْدِ وَالْإِخْلَاصِ وَالْإِتِّهَالِ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى، وَدَوَامِ الْمُرَاقَبَةِ وَالِدُّعَاءِ إِلَيْهِ

وَحُسْنِ الْأَخْلَاقِ وَنَفْعِ الْخَلْقِ وَالْإِحْسَانِ إِلَيْهِمْ۔

فَإِنْ حَلَفْتُ بَيْنَ الرُّكْنِ وَالْمَقَامِ إِنِّي مَرَّيْتُ فِي الْعَالَمِ أَكْرَمَ مِنْهُ وَلَا أَفْرَعُ مِنْهُ عَنِ الدِّينَارِ وَالْدِّرْهِمِ وَلَا أَطْوَعُ مِنْهُ لِلْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ، مَا حَنَنْتُ۔

وَأِنِّي مَرَّيْتُ أَعْلَمُ بِكِتَابِ اللَّهِ وَسُنَّةِ رَسُولِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُ۔
إِلَى آخِرِهِ۔ (ص ۳۶۳۔ نُوْهُ الخَوَاطِر، جلد ثامن۔ مکتبہ خیر کثیر۔ کراچی)

ذیل میں، اُن چند مسائل کا اجمالی ذکر ہے، جنہیں حضرت شاہ فضل رحمٰن، گنج مراد آبادی نے مختلف مواقع پر، بیان فرمائے ہیں:

..... مولانا بابا (شاہ فضل رحمٰن، گنج مراد آبادی) نے ارشاد فرمایا کہ:

حضرت مجددِ صاحب، حضرت مودود چشتی، حضرت نقشبند

یہ سب، ایک ہیں۔ اور ہمارے پیر ہیں۔

اگرچہ، لوگوں نے نقشِ بند کی وجہ، بہت سی لکھی ہے، مگر، صحیح یہ ہے کہ:

حضرت بہاء الدین نقشبند عَلَیْہِ الرُّحْمَةُ، مٹی کے برتن، بنایا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ، آپ نے ان برتنوں پر، تُوْجِہ فرمائی

تو، ان سب پر، اسمِ ذاتِ جنابِ باری تعالیٰ (اللہ) منقوش ہو گیا۔

پھر فرمایا کہ: جب، حضرت نقشبند عَلَیْہِ الرُّحْمَةُ، حضرت محبوبِ سبحانی، شیخ عبدالقادر

جیلانی، رَحْمَةُ اللّٰہِ عَلَیْہِ سے ملنے چلے، تو، آپ کا وصال ہو چکا تھا۔

حضرت نقشبند نے آپ کی قبر پر، حاضر ہو کر کہا کہ:

اے دستِ گیرِ عالم، دستِ چناں گیر

دستِ چناں گیر کہ، گویند، دستِ گیر

قبر سے جواب آیا کہ:

اے نقشبندِ عالم، نقشبندِ چناں گیر

نقشبندِ چناں گیر کہ، گویند، دستِ گیر

(ص ۱۰۴۔ "افصالِ رحمانی")

"ایک شخص نے عرض کیا کہ: بعض لوگ، امامِ اعظم کو، بُرا سمجھتے ہیں۔

تو، مولانا بابا نے فرمایا کہ:

ان کے پیچھے، ہرگز، نماز نہ پڑھنا۔"

اسی پر، داد امیاں نے فرمایا کہ:

بعض لوگ، نختہ اشعار پڑھنے کو منع کرتے ہیں۔

تو، مولانا بابا، جلال سے کانپ اٹھے۔ اور فرمایا کہ:

ایسے لوگوں کا ذکر، مت کرو۔“ (ص ۱۰۴۔ ”افضل رحمانی“)

”ایک بار، جواز مولود شریف کا ذکر ہوا، تو، مولانا بابا نے فرمایا کہ:

”تمام قرآن میں پیدا آتش انبیا کا ذکر ہے۔ بس، یہی مولود شریف ہے۔“

اسی ضمن میں ایک بار، ارشاد فرمایا کہ:

ہم تو، روز، مولود شریف کرتے ہیں۔

حضرت زکریا، حضرت یحییٰ، حضرت عیسیٰ، جملہ انبیا اور حضرت سیدنا محمد رسول اللہ

صَلَّى اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا، بہ وقت ترجمہ قرآن شریف و حدیث شریف۔

یہ مذکور ہی، تو، مولود شریف ہے۔

مقصود، یہ ہوا کہ، بیانِ پیدائش و عظمت و معجزات، یہی مولود شریف ہے۔“

(ص ۱۰۵۔ ”افضل رحمانی“)

”اس ذکر پر کہ بعض لوگ، جھوٹی روایتیں، مبالغہ کے اشعار، ہلا لحاظ ادب پڑھتے ہیں۔

تو، مولانا بابا نے فرمایا کہ:

یہ نیکی برباد، گنہ لازم ہے۔ صحیح روایات، با وضو، با ادب ہو۔

اگر، کوئی محبت سے قیام کرے، تو، منع نہ کرو۔“

ایک بار، دو مخصوص میں حجت و حموی۔ ایک جواز کے قائل۔ ایک عدم جواز کے۔

تو، مولانا بابا کو، یہ تشدد، ناگوار گذرا۔ اور فرمایا کہ:

میں، حشر کے روز، خدا وید عالم سے عرض کروں گا کہ:

”اللہ! ان لوگوں نے تیرے حبیب کا ذکر، محبت سے کیا ہے۔ ان کو بخش دے۔“

”حضرت قبلہ مولانا بابا، کان پور میں تشریف فرما ہوئے۔

مولوی محمد علی، مونگیری بھی، حاضر خدمت ہوئے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ:

یہاں، نہر پار، ایک مولوی، یہ کہتے ہیں کہ:

”حضور اکرم صَلَّى اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم، ہمارے بڑے بھائی ہیں۔“

یہ سنتے ہی، مولانا بابا، کانپ اٹھے اور فرمایا کہ:
ایسے لوگوں کا ہمارے سامنے ذکر، مت کرو۔
نَعُوذُ بِاللّٰهِ، یہ لوگ، مسلمان نہیں ہو سکتے۔“
پھر، فرمایا:

نسبتِ خود، بہ سکتِ کردم و بس منفعلم
زاں کہ نسبت بہ سب کوے تو، شد بے ادبی
سُبْحَنَ اللّٰہ! کیا بات فرمائی ہے کہ:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کتے کی برابری کا خیال بھی، بے ادبی ہے۔
”ایک صاحب نے فاتحہ کی بابت، دریافت کیا۔
مولانا بابا نے فرمایا کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی فرمائی۔
اور فرمایا کہ:

یہ میری طرف سے تمام اُمت کے لئے ہے۔“ بس، یہی فاتحہ ہے۔“
”مولوی یوسف علی، بھوپالی نے ایصالِ ثواب کے لئے، بتائے منگوائے۔
تو، مولانا بابا نے، دستِ مبارک اٹھا کر پڑھا۔ اور فرمایا کہ:
اس کا ثواب، ہمارے نانا، شیخ عبدالقادر، جیلانی علیہ الرحمۃ کو پہنچے۔“
اور خود کھا کر، حکمِ تقسیم دیا۔

”مولوی محمد علی صاحب، موگیری سے مخاطب ہو کر حضرت مولانا بابا نے فرمایا کہ:
مولود کیا ہے؟ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ کہنا
یہ بھی مولود ہے کہ تحیر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا ذکر ہو۔
ایسے ذکرِ رسالت و مدائح کا عرف عام ہی، مولود ہے۔

سلام ہو، یا قیام، یا ذکرِ رسالت، ادب و محبت سے، باعثِ خوشنودی رب العزت ہے۔
جواہلِ محبت ہیں، اُن کو ہی، خدائے قدوس نے اس کی، توفیق بخشی ہے۔“
(ص ۱۰۵۔ ”انفال رحمانی“)

ایک بار، دادامیاں (مولانا احمد میاں، فرزندِ شاہِ فضلِ رحمن، گنج مراد آبادی، علیہ الرحمۃ)
نے عرض کیا کہ:

بعض لوگ، میلاد شریف کو کفر و شرک کہتے ہیں۔

تو، مولانا بابا غصہ سے کاٹنے لگے۔ پھر فرمایا کہ:

السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ - لو! ہم تو، روز، مولود میں شریک ہوا کرتے ہیں۔“

سمجھا، آپ نے؟ یعنی نماز میں کہنا، شرک نہیں

تو، خارج از نماز میں، کیسے شرک ہے؟ (ص ۱۰۵ اور ص ۱۰۶۔ ”افضال رحمانی“)

”ایک شخص نے سوال کیا کہ:

مشکل، یا۔ حاجت کے وقت، يَا رَسُولَ اللَّهِ کہنا، کیسا ہے؟

مولانا بابا نے ارشاد فرمایا:

ایک نابینا، حضور سراپا نور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوا

اور بیٹائی چاہی، تو، آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے

یا محمد! انی اتوجه الیک - الخ - یہ طریقہ، اُسے تعلیم فرمایا۔

درس حدیث میں استِسْقَاءُ بِعَمِّ النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی

حدیث آئی تو، مولانا بابا نے فرمایا کہ:

اسی واسطے، اَللّٰہِی بحرِ مِہِ ظلال کہنا، درست ہے۔“ (۱۰۶۔ ”افضال رحمانی“)

”درس قرآن میں - وَبَقِیَّةٍ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسٰی وَآلُ هَارُونَ کِی تفسیر میں

مولانا بابا نے ارشاد فرمایا کہ:

یہ تبرکات، عصا، عمامہ، جوتے تھے۔“

پھر، جلالین دیکھنے کا حکم دیا تو، اس میں یہی، مسطور تھا۔

پھر، فرمایا کہ: اس آیت ثابت سے ہوا کہ: بزرگوں کا جوتہ وغیرہ، تبرک ہے۔“

(۱۰۶۔ افضال رحمانی)

چند واقعات اتباعِ سُنَّت و بعض دیگر امور کا ذکر کرتے ہوئے

اس باب کے آخر میں بعنوان ”اولیا کا علم غیب“ مسطور و مذکور ہے کہ:

”درس قرآن میں، فَلَا يُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِہِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُولٍ -

(غیب خداوندی کو کوئی خود نہیں جان سکتا۔ مگر، خدا جس رسول کو چاہتا ہے، مطلع کر دیتا ہے)

پھر، ارشاد فرمایا کہ: مِنْ رَّسُولٍ کی یہ قید، خصوصی نہیں، اتفاقی ہے۔

یعنی، اللہ تعالیٰ، جسے چاہے، غیب سے مطلع کر دے۔

اب، اس میں اولیا بھی داخل ہیں۔ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللَّهِ کی حدیث، اس پر شاہد ہے۔

بلکہ متفقہ فیصلہ، یہ ہے کہ:

یذاتہ اور بلا واسطہ علم غیب، صرف حق سُبْحَنَہ کا ہے۔ اور بے واسطہ الہی میں، سب ہیں۔ لیکن، سب سے کامل و ارفع علم غیب، اللہ تعالیٰ نے مختار عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو عطا فرمایا۔ جو، کسی کو، حاصل نہیں۔“ (ص ۱۱۹۔ ”افضال رحمانی“)

پھر، ارشاد فرمایا کہ:

اولیاء اللہ کے دلوں میں ایسا نور ہوتا ہے کہ، اس سے سب کچھ نظر آتا ہے۔

جیسے تاریک گھر میں آفتاب سے، سب، روشن ہو جایا کرتا ہے۔“ (۱۱۹۔ ”افضال رحمانی“)

حضرت شاہ فضل رحمن، گنج مراد آبادی کا وصال، اس طرح ہوا کہ:

”کیم ربیع الاول ۱۳۱۳ھ سے مزاج کچھ زائد، ناسازگار رہنے لگا۔

مگر، کمالِ انتقا، یہ تھا کہ ایک وقت کی بھی نماز، نہ چھوڑی۔

پھر، آپ کے سینے میں درد پیدا ہوا، جس سے خلش تکلیف اور بڑھی۔

گو، یہ بظاہر مرض تھا، مگر بہ باطن، خدا سے ملنے کا بہانہ تھا۔

اسی حالت میں ۲۲ ربیع الاول کا دن آیا تو، استغراق بہ حضرت حق اور زائد ہو گیا۔

آپ، جنابِ اُحدیت کی یاد میں، ان تکالیف کے باوجود، تسبیح و تہلیل میں مصروف رہے۔

کبھی، رَبِّ سَهْلٌ کُلُّ صَعْبٍ بھی، زیر لب ہوتا۔

غرض کہ عصر و مغرب کے درمیان، مکانِ دنیاوی سے مکانِ اخروی میں انتقال فرمایا۔

إِنَّا لِلّٰہِ وَإِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔

ماث قُطْبُ الْہِند۔ نیز۔ رَضِیَ اللہُ کَافِیاً عَنْہُ سے ۱۳۱۳ھ تاریخ، نکلتی ہے۔“

(۷۳۔ ”افضال رحمانی“)

غسل کے بعد، آپ کو جو کفن پہنایا گیا، اُس میں، یہ تبرکات تھے:

”بعد غسل ایک لنگی، ایک قمیص، ایک چادر میں

جو، حضرت مُرشد دہلوی (شاہ آفاق احمد، نقشبندی) قُدَسَ سِرُّہ کا خاص عطیہ تھی

ان تین کپڑوں میں کفنایا۔

پھر، دادامیاں (مولانا احمد میاں، گنج مراد آبادی) نے
 مولانا بابا قبلہ (شاہ فضل رحمٰن) کے سر مبارک پر
 حضرت مرشد دہلوی قدس سرہ کا عمامہ مبارک، باندھ کر اوپر سے چادر اڑھادی۔“
 (ص ۱۴۹۔ رحمت و نعمت)

۲۵ ربیع الاول ۱۳۱۳ھ کو، اویس زمان، حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن کی فاتحہ سوم
 اور آپ کے خلف الصدق، حضرت مولانا شاہ احمد میاں، گنج مراد آبادی کی رسم سجادگی
 باتفاق مریدین، ادا کی گئی۔

مریدین کے مشورہ اور مولانا شاہ احمد میاں، معروف بہ دادامیاں کی ہدایت کے مطابق:
 ”چھتیسویں روز بعد وصال، اٹھائیس (۲۸) ربیع الآخر ۱۳۱۳ھ کو، فاتحہ چہلم ہوا۔

دوسو پچاس ختم کلام مجید، علاوہ کلمہ و درود شریف کے، اور دس ہزار اشخاص کو
 ماکولات فاتحہ اور پانچ سو جوڑا ملبوسات، تقسیم کیا گیا۔“ (ص ۱۴۲۔ رحمت و نعمت)

”بائیس (۲۲) ربیع الاول ۱۳۱۴ھ کو حضرت مولانا بابا علیہ الرحمۃ کا عرس شریف
 علما و مشائخ وقت کی شرکت سے، دادامیاں علیہ الرحمۃ نے کیا۔

جس میں پانچ سو ختم کلام پاک، علاوہ کلمہ و درود شریف کے، اور بائیس ہزار (۲۲۰۰۰)

بیرونی زائرین کو کھانا، تقسیم ہوا۔ ۲۳ ربیع الاول ۱۳۱۴ھ کو، دادامیاں صاحب نے

پھر، تین ہزار (۳۰۰۰) اشخاص کو کھانا، تقسیم فرمایا۔“ (ص ۱۴۳۔ رحمت و نعمت)

”مولانا احمد میاں صاحب کے فرزندوں میں

اول، مولانا محمد رحمت اللہ۔ پھر، مولانا محمد نعمت اللہ میاں ہوئے۔“ الخ (ص ۶۳۔ رحمت و نعمت)

فرقہ وہابیہ کا قدیم شیوہ اور وطیرہ ہے کہ وہ، اکابر و اسلاف اہل سنت کی کتب و رسائل میں
 تحریف و الحاق کرتے رہے ہیں اور ان کی طرف، غلط واقعات و روایات، منسوب کرتے رہے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (وصال ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء) علیہ الرحمۃ والرضوان
 کی کتابوں اور آپ کے رسائل میں، اس حرکت قبیحہ و شنیعہ کا ارتکاب، انھوں نے بہت کیا ہے۔

یہاں تک کہ ابلاغ المؤمنین اور تحفۃ المؤمنین کے نام سے فرضی کتابیں، ان کے نام
 سے منسوب کر دی ہیں۔ اس تحریف و الحاق کی حقیقت، متعدد علما و محققین و مورخین نے
 اپنی اپنی کتابوں میں اچھی طرح، واضح کر دی ہے۔

مولانا حکیم سید محمود احمد، برکاتی، ٹوکی (کراچی) کی کتاب (۱) شاہ ولی اللہ اور ان کے اصحاب (۲) شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان۔ مطبوعہ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی اور مولانا شاہ ابوالحسن زید، فاروقی، مجید دی، دہلوی کی کتاب ”الْقَوْلُ الْحَلِیٰ کی بازیافت“ مطبوعہ لاہور میں ان کی تفصیل، ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

شاہ ابوالحسن زید، فاروقی، مجید دی، دہلوی اپنی ایک دوسری کتاب میں تحریر فرماتے ہیں: اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں کئی جگہ، اس قبیح فعل (تحریف والحاق) کی برائی بیان فرمائی ہے۔ افسوس ہے کہ مولوی اسماعیل دہلوی کے پیر و ان، اس کام میں بہت بڑھ گئے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ، حضرت شاہ عبدالعزیز کی تحریرات و مکتوبات، حضرت شاہ عبدالقادر کے ترجمہ قرآن اور ان کی کتابیں، حضرت مجید دلف ثانی، ان کی اولاد، حضرت شاہ غلام علی، حضرت شاہ علم اللہ، رائے بریلوی اور دیگر اکابر کے احوال میں بہت سی تحریفات کر کے محمد بن عبدالوہاب نجدی کا، ہم نوا، سب کو قرار دیا ہے۔“

(”مولانا اسماعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان“۔ مؤلفہ: شاہ ابوالحسن زید، فاروقی، دہلوی۔ مطبوعہ دہلی دلاہور) اویس زمان، حضرت شاہ فضل رحمن کے حالات پر لکھی گئی کئی کتابوں میں آپ کے مزاج و مسلک کے خلاف، بہت سی باتیں، خود، ان کے مؤلفین نے شامل کر دی ہیں اور حقائق کو توڑ مروڑ کر، پیش کیا ہے۔

مولانا شاہ افضل رحمن، مغرب بھولے میاں، جوہر، گنج مراد آبادی اپنی کتاب ”افضل رحمانی“ میں تحریر فرماتے ہیں کہ: مولانا اشرف علی، تھانوی نے اپنی بعض تحریرات میں، یہی کارنامہ، انجام دیا ہے۔ چنانچہ، آپ تحریر فرماتے ہیں کہ:

”مدرسہ جامع العلوم (کانپور) کی ملازمت کے دور میں، تھانوی صاحب بڑے فخر سے مولانا بابا کے محامد و مدائح، بیان کیا کرتے۔ ان مجالس کے شرکاء، آج بھی، بقیہ حیات ہیں۔

لیکن، اس میں کبھی، یوں نہ بیان کیا، جیسے ”اشرف التنبیہ“، ”حسن المقصد“، ”نیل المراد فی السفر الی گنج مراد آباد“ میں، بیالیس (۴۲) برس بعد، کروٹ لے کر، درج کیا۔ جس کا جواب، مریدین فضل رحمانی نے ہذا هو الحق المبین اور القول الفاصل میں

مکمل طور پر، دے دیا ہے۔

بہر حال! یہ توڑ مروڑ تو، اُن روایات میں کی ہے، جو ذاتی حاضری سے متعلق ہیں۔
اب سمعی روایات کی ٹھوس، ٹھاس، ملاحظہ ہو۔ ”إِلٰیْ اٰخِرِهِ“ (۱۲۳۔ انضالِ رحمانی)
اس کے بعد، کئی صفحات میں تھانوی صاحب کی کارستانی اور کارگزاری کا ذکر ہے کہ:
کس طرح، انھوں نے سمعی روایات میں، اصل روایات کو، نظر انداز کر کے
اِختفائے حال اور اِختفائے حق کی، نامراد کوشش کی ہے۔

”انضالِ رحمانی“ کے دوسرے حصے کے طور پر لکھی گئی اپنی کتاب
بنام ”رحمت و نعمت“ میں ”اعلانِ حقیقت“ کے عنوان سے آپ نے ایک پورا باب
اسی موضوع پر تحریر کیا ہے۔ اس میں آپ، رقم طراز ہیں کہ:
فقیر، شاہ محمد رحمت اللہ میاں، فضلی، گنج مراد آبادی، مخلصینِ آستانہ کے لئے دعائے صلاح
و فلاح دارین کے بعد، راقم ہے کہ رع پیمانہ، بھر چکا ہے، چمکنے کی دیر ہے۔
بنائیں، چند اہم امور، اتمامِ حجت کے بطور، اپنے قلم سے پیش کرتا ہوں:
تجلِ حسین اور دادامیاں صاحب:- مولانا حافظ سید ابوسعید صاحب فضلِ رحمانی، ایرایاں
جن کو، مولانا بابا (حضرت شاہ فضلِ رحمن) نے تحریری خلافت نامہ، بطریقِ صوفیہ
جُزْءِ دو ستار پہننا کر، مرحمت کیا تھا، اُن کے جمع کردہ ملفوظات سے نقل کرتا ہوں۔
(۲۳۵) مولانا مذکور، راقم کہ:

میں، مولانا ظہور اسلام و مولانا نور محمد، فتح پوری و مولانا ابوالحسن، لکھنؤی و حکیم اللہ دیا، دہلوی
و شیخ وحید احمد، زردلوی و مولوی حکیم عبدالغفار، گنج مراد آبادی و ڈاکٹر عبدالقادر خاں
نیز، کچھ اور اہلِ بستی، ۱۳۱۷ھ کے اہتمامِ غرس میں تھے۔

اتفاق سے، بیس (۲۰) ربیع الاول کو، مولوی تجلِ حسین، بہاری آگئے۔

اپنی مرتب کردہ ”کمالاتِ رحمانی“ مطبوعہ محرم ۱۳۱۵ھ، رحمانیہ پریس، مخصوص پور، مونگیر
بہار، نیز کتاب ”فضلِ رحمانی“، انوارِ احمدی پریس، لکھنؤ، ۱۳۱۷ھ کی جلدیں بھی، ساتھ لائے۔
بہاری صاحب نے ”فضلِ رحمانی“ پیش کی

تو، دادامیاں (مولانا احمد میاں، صاحب زادہ شاہ فضلِ رحمن، گنج مراد آبادی) نے
سب کو، طلب کر کے فرمایا کہ:

بھائی ابوسعید! تم، اس تردید کو لکھتے اور سب لوگ سنتے رہیں۔
پھر فرمایا: میاں تجل حسین! تم نے ہمارے بابا کے بلا تحقیق حالات لکھ کر
اپنی ذات کو بھی، مجروح کر لیا۔

دوسری طرف، یہ لکھ کر کہ: ”کمالاتِ رحمانی“، صفحہ آٹھ

اور، بروایت احمد میاں صاحب، سجادہ نشین، ۱۳۱۳ھ، مقام ”ملانوال“ میں پیدا ہوئے۔
اپنے کذب کا اقرار، خود کر لیا۔ تم ہی بتاؤ کہ:

وہ، کون مقام اور وقت رہا، جب تم، تصدیقِ روایات، ہم سے کرتے؟ اور کوئی نہ ہوتا تھا؟
یا۔ اور بھی، ہوا کرتے تھے؟

کبھی، مسودہ بھی دکھایا ہو؟ اس پاک مقام پر، اسی کو بتا دو؟
اگر، تمہیں خدا نے توفیق دی ہوتی

تو فضلِ رحمن کے عدد، نکال لیتے، ۱۲۰۸ھ نکل آتا۔ (ص ۲۶۵۔ ”رحمت و نعمت“)

اس سے آگے (۱) کمالاتِ رحمانی اور (۲) فضلِ رحمانی، مولفہ مولانا تجل حسین، بہاری کی
عبارتیں نقل کی گئی ہیں کہ:

حضرت شاہ فضلِ رحمن نے اپنے قتل اور غرس سے منع فرمایا۔ اور اسے بدعت، قرار دیا ہے۔

اس کے جواب میں مولانا شاہ احمد میاں، گنج مراد آبادی فرماتے ہیں کہ:

یہی روایت، دوسرے کی تردید کرتی ہے۔

پھر، یہ سوال کہ، یہ بھی، بدعت ہے۔ اور جواب، کچھ ضرور نہیں۔“

بدعت، نہ ہونے کی روشن دلیل ہے۔

میرے بابا کا، یہ کشف دیکھیے کہ:

تمہارا نظریہ ہی، دوسرا تھا۔ یہ جواب اُس کا تھا۔ ہم بھی، یہی جواب دیں گے۔

ہاں! یہ تماشا اچھا دکھایا کہ:

ہمارا سوال، ہم کو، یاد نہ ہو۔ مگر، تم کو، سوال و جواب، یاد رہے۔

باقی، اس کے شاہد، نہ ہوں۔ فقط تم سنو۔

..... مولانا بابا نے، یہ فرمایا: جب کوئی سنے کہ:

فضلِ رحمن کا انتقال ہو گیا، تو، چار قفل پڑھ کر بخش دے۔ اس سے زائد کچھ نہ کرے۔

کیوں کہ لوگوں کی عادت ہے کہ، جا بجا اپنے پیر کا عرس کرنے لگتے ہیں۔
..... مولانا بابا نے فرمایا کہ:

جس عرس میں ابو ولعب کا خطرہ ہو، ایسا عرس وفاقہ، ہمارے وہاں، ہرگز نہ ہو۔“

اس ارشاد میں مولانا بابا کی دوراندیشی و احتیاط، واضح ہے کہ:

لوگ، جا بجا، مقصد برآری کے لئے عرس نہ کر سکیں۔“ (الخ۔ (ص ۲۶۹۔ رحمت و نعت)

کمالاتِ رحمانی، ص ۱۲۳ کے حوالہ سے ایک کشف

حضرت شاہ فضل رحمٰن کی طرف، منسوب کر کے، مولانا محمد قاسم، نانوتوی اور مولانا رشید احمد، گنگوہی

کی تعریف، نقل کی گئی ہے۔ اور اس کی روایت، مولانا محمد علی، مونگیری کی طرف، منسوب کی گئی ہے۔

اس روایت کو، پڑھ کر:

”داو امیاں (مولانا احمد میاں، خلیفہ شاہ فضل رحمٰن، گنج مراد آبادی) نے فرمایا:

بہاری صاحب! یہ ارشادِ رحمانی و افاداتِ محمدی کا پہلا ایڈیشن، مولانا مونگیری کے ہاتھوں

پیش کردہ، محمد علی رحمانی غفری عنہ مونگیری، نوشتہ، موجود ہے۔

سچے ہو، تو، دکھاؤ۔ کہاں، تصدیق، مولانا مونگیری نے کی ہے؟

مولانا ظہور الاسلام صاحب نے کہا:

اس روایت کو، بہاری صاحب کو، اوڑھنے بچھانے دیجیے۔

برادرِ مونگیری صاحب نے کبھی، ہم سے ذکر، نہ کیا۔

نہ میں نے، نہ بھائی نور محمد، نہ شمس العلماء (مولانا ابوسعید) وغیرہ نے

کبھی، حضورِ اعلیٰ کی زبانِ مبارک سے، ہر دو نام، سُننے تک، نہیں۔

مولانا ابوالحسن، لکھنوی نے کہا کہ:

آج کے سوا، کمالاتِ رحمانی کے اندارج کے، ہم نے اور مولوی عظمت حسین، موتی ہاری

نے غلو ت و جلوت کا حاضر باش ہونے کے باوجود، کبھی نہ سنا، نہ اپنے پیر بھائیوں کو

اس ملفوظ سے واقف پاسکے۔

خدا کے واسطے، بہاری صاحب! یہی بتادیں کہ:

وہ کون غلو ت و جلوت ہوئی؟ کس جگہ ہوئی؟

جہاں، صرف تم ہی، سننے والے تھے؟“ (ص ۲۷۲۔ رحمت و نعت)

”فقیر، محمد رحمۃ اللہ کہتا ہے کہ: یہ بہاری صاحب کا دعویٰ ہے کہ: میں نے تصدیقِ روایات، مولانا شاہ محمد رحمۃ اللہ صاحب، سجادہ نشین سے کی ہے۔“ ناظرین! میرے والد ماجد، احمد میاں، گنج مراد آبادی کی بابت، بہاری صاحب کی تصدیقِ روایت، پر کھچے۔ پھر فقیر کا استعمال کروا لیا، تو، اور آسان، اُن کو ہے۔

۱۳۱۷ھ سے، وہ، آستانہ ہی، نہ آئے۔ نتیجہ، عیاں ہے۔“ (ص ۲۷۲۔ رحمت و نعمت)

مولانا ابوالحسن علی، ندوی (ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ۔ متوفی دسمبر ۱۹۹۹ء) نے ”تذکرہ شاہ فضل رحمٰن، گنج مراد آبادی“ کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔

اس کے بارے میں مولانا شاہ محمد رحمۃ اللہ، سجادہ نشین آستانہ فضل رحمانی، گنج مراد آباد ضلع اناؤ، یوپی، تحریر فرماتے ہیں:

”۲۵ جون ۱۹۵۸ء میں، بنام ”تذکرہ“ مولوی ابوالحسن صاحب، ندوی نے ایک ترتیب اور مجموعہ، شائع کیا۔ لیکن، اس کی مفروضہ روایات کی نقل نے جوابی تردید پر مجبور کیا۔

اپریل ۱۹۵۹ء میں، ”تذکرہ“ کی تردید میں ”تبصرہ“ نامی رسالہ، شائع کرنا پڑا۔

پہلی چیز تو، یہ ہے کہ جن سوانح نگاروں کو، ندوی صاحب اپنا مدوح، ثابت کرتے ہیں اُن کے پیش کردہ بعض نادر کوائف، غائب کر جاتے ہیں۔

جیسے مہینوں کی رخصتی، مولانا بابا سے منقولہ بہاری صاحب۔

نیز، گردہ فضل رحمانی کی نجات کا مشاہدہ، بقلم نواب نور الحسن صاحب رحمانی، بھوپالی۔

نیز، روایت صفحہ ۲۷۔ فضل رحمانی۔

مولانا سید محمد علی صاحب فرماتے تھے کہ:

حضرت مولانا مرشدنا، ایک بار، خیراتی کی مسجد میں تشریف فرما تھے کہ:

ایک شخص نے آکر کہا کہ نہر پار، ایک مولوی صاحب رہتے ہیں۔ وہ، کہتے ہیں کہ:

رسول اللہ صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّم، ہمارے بڑے بھائی ہیں۔

یہ سنتے ہی حضرت، کانپ گئے۔ فرمایا کہ:

”ایسے لوگوں کا ذکر، ہمارے سامنے، نہ کرو۔ ایسے لوگ، مسلمان نہیں۔“

پھر، روایت فضل رحمانی، ص ۷۔ ملفوظِ سوم: شاہ نور محمد صاحب سے معلوم ہوا کہ:

مولوی عبدالغنی صاحب، بہاری محدث، بہ خیال بیعت کرنے

حضرت قبلہ کے پاس تشریف لائے تو، حضرت نے خلافِ عادت ”درویش“ پڑھنے کو، بتایا۔
عبدالغنی صاحب کو، اسی درود سے انکار تھا۔ عرض کیا کہ:

”اس درود سے بونے شرک آتی ہے۔ اس سے ہم کو، وحشت ہوتی ہے۔“

حضرت نے فرمایا کہ: اس لفظ سے تم کو، کیوں وحشت ہے؟

اس کے، یہ معنی ہیں کہ:

خدا نے صفتِ دفعِ بلا وغیرہ، آپ کو عنایت کی ہیں۔ کیوں کہ آپ، رَحْمَةً لِّلْعَالَمِین ہیں۔
ناظرین! انصاف کریں کہ:

یہ کوائف کیسے عقیدت کو، جلا، ایمان کو صیقل، فرضی مفہومات کی اصلاح

خصوصاً، وہی پڑھنے کو بتانا، جس میں، وہ، مشکوک ہوا۔

اور اس کی صداقت منوا کر، تبلیغِ درود فرمانا، عظمتِ مصطفوی کا احترام کرانے کا درس مثالی ہے۔

دوسرے حضرت قبلہ، حاجی سید وارث علی شاہ

اور حضورِ اعلیٰ، مولانا بابا، قدس سرہما کے نانہالی سلسلہ کی خونی قربت۔

پھر، بزرگانہ ملاقاتیں۔

اسی طرح، حضرت مخدوم بہاری علیہ الرحمۃ سے مولانا بابا کی قربت وغیرہ۔

نیز، حضرت فاضل بریلوی، الحاج، مولانا احمد رضا خاں صاحب اور مولانا بابا کی محبت بھری

ملاقات و لائقِ عمل بیانات۔

کیسے عظیم، اور سوانح کے اجزائے اہم ہیں۔ قوم و ملت کی کتنی گراں قدر امانت ہیں کہ:

ہر سوانح نگار، کو اس کے اندراج کے بغیر، مجرمانہ غفلت سے، اپنے کو، بچا نہیں سکتا۔

نواب بھوپالی و مولانا مونگیری و بہاری صاحب کی نقل سے یہاں، بھاگا جاتا ہے۔

تیسرے، سب پر، روشن ہے کہ:

حضرت مولانا بابا کے کیسے محبوب فرزند و صاحبِ کمال، مولانا احمد میاں علیہ الرحمۃ تھے؟

دیگر مریدین کے لئے تعارفی نوٹ، ندوی صاحب لکھنا، فرضِ اولیں سمجھیں

اور یہاں، خاموشی و چشم پوشی کو، واجب گردانیں

تو، ندوی صاحب کی نقابِ عقیدت، خود، چاک ہو جاتی ہے۔

چوتھے، ندوی صاحب کا، یہ دعویٰ ہے کہ:

اس کتاب کی ترتیب میں، ان (نواب، نور الحسن خاں، بھوپالی) کے کتب خانہ سے سب سے زیادہ، مدد ملی۔ صفحہ ۱۴۔

تذکرہ صفحہ ۱۳ پر، جن کو، امیر الملک، والا جاہ، نواب، سید صدیق حسن خاں، رئیس بھوپال بھی لکھیں، ان کی، مولانا بابا کے دستِ حق پرست پر غیر مقلدیت سے توبہ کا اور مولانا سید محمد علی، مونگیری کی تائید مغفرت صدیق حسن خاں صاحب ضمیمہ ارشادِ رحمانی، ص ۵۵، گول کر کے، مولانا بابا کا، یہ اصلاحی کارنامہ طالبانِ صلاح و فلاح سے چھپا رکھنا، مولانا کی سوانح نویسی میں، فریبانہ جرم ہے۔ ظاہر ہے کہ، ان کوائف سے سُنیت، درخشاں اور غیر مقلدیت، بے جان ہوتی تھی۔ ندوی صاحب ان کو، لکھتے، تو، کیسے لکھتے؟

پانچویں:- کمالاتِ رحمانی و بہاری صاحب کا مکمل خاکہ غیر معتبری آپ کے علم میں، بخوبی آچکا۔ خصوصاً، مؤدہ اصلی کھوجانے سے یاد کے سہارے، اصلیت و واقعات، نہ وارد، کر چکی۔

شاید ہی صاحب کتاب ہی کے قلم سے خود، اس کی تردید کرنے والی ”کمالاتِ رحمانی“ جیسی غلط کتاب، کوئی ہو سکے۔ ایمان سے کہیے کہ:

ایسی غلطیوں سے بھری کتاب کے حوالے دینے والے، کس کھیت کے مولیٰ ہیں؟ چھپے: ”کمالاتِ رحمانی“ ۱۳۹۵ھ ”فصلِ رحمانی“ ۱۳۷۱ھ۔

”ارشادِ رحمانی“ ۱۳۲۷ھ ۱۹۰۹ء۔ شاہی پریس، لکھنؤ میں کافی روایات جوازِ فاتحہ جات و مولود و غیرہ ملتی ہیں۔

خصوصاً ۹/۱۱، جس کو، مولانا مونگیری کی دوہری شہادت والی روایت۔

نیز، روایت ۱۴۴ گیارہ بار قیام و سلام۔ اور خصوصی روایت ۱۴۵ کہ: مولانا بابا کافر مان، قیام سے، نہ روکو۔

پھر، روایت ۱۴۶، مولانا بابا کے یَا نَبِیَّ اللہ سَلام عَلَیْکَ پر

روایت ۱۴۷ جوازِ مولود، بہ خوش الحانی اور حضرت کا گریہ بے قرار۔

نیز، نواب نور الحسن صاحب، بھوپالی کی روایات ۱۲۱ و ۱۲۲، ندوی صاحب کو، نظر نہ آسکیں۔

فقط مسٹر دو ممانعتِ فاتحہ سوم و چہلم و عرس، ”تذکرہ“ صفحہ ۵۴ پر، پیش کی جاتی ہیں۔
آپ، خود سمجھ سکتے ہیں کہ:

جہاں، اتنی روایاتِ جواز ہوں، وہاں! انفرادی روایت، ریت ہو جاتی ہے۔
ساتویں:- یہ کسوٹی بتاتی ہے کہ:

ندوی صاحب کو، نہ اصلیت و صحت سے مطلب، نہ مجہول نقل ہونے سے غرض۔
بس، تردید فاتحہ و عرس، خواہ گھسی ہو، خواہ سڑی ہو، مشن کا حق، ادا کرنے کو
اپنانے سے، سر د کا رہے۔

کھلی بات ہے کہ ندوی صاحب کے معتمدین و مدد و حین کی کتب میں
اس کا اشارہ بھی نہیں ملتا، جس کی ممانعت کو، بہاری صاحب پیش کرتے ہیں
تو، روایاتِ جواز، خود، بول پڑتی ہیں کہ:

حضرت، ذرا بھی کوئی اظہارِ ممانعت فرماتے
تو، ان زائد تر حاضر باشوں اور قریب مقامی رکھنے والوں کو
اول معلوم ہو کر، بعد میں بہاری صاحب کے حصے میں پڑتی۔
آٹھویں:- نہ کہ ایسی شکل کہ جو نقلِ ممانعت بھی کرے، پھر، اسی ممانعت کو، کرے۔
روایاتِ جواز، اس سے زائد پیش کرے۔ اسی کا نام، گڑھنت ہے۔

علاوہ ازیں، ندوی صاحب کو، نواب بھوپالی کی جواز مولود و فاتحہ کی روایات
سُنی قوم سے چرائی جائیں۔

فیصلہ، صاف ہے کہ:

ندوی صاحب کو، اپنی کھو کھلی غیر مقلدیت کی مقصد برآری میں
بزرگوں سے غلط روایات، وابستہ کر دینا

اور اپنے مدد و حین کی مخالفت، مول لینا، سرمایہٴ حیات ہے۔

(ص ۲۷۴ تا ص ۲۷۷۔ ”رحمت و نعمت“)

”دسویں:- ندوی صاحب کا، یہ رُخ، قابلِ دید ہے کہ:

ہماری ”افضالِ رحمانی“ میں، ندوی صاحب کو، لائقِ نقل، کچھ نہیں ملتا۔

لیکن، اشرف علی صاحب تھانوی کے نَبْلُ الْمُرَادِ فِي السَّفَرِ اِلَى مُرَادِ اَبَادِی کی گڑھنت کی

تحقیق حق المبین، الْقَوْلُ الْفَاصِل اور انفضالِ رحمانی میں تردید ہوئی تو، اختلافِ روایت کے ہر دو پہلو، غیر جانب دارانہ ظاہر کر دینا، شرمناک بن جاتا ہے۔

مگر، اشرف علی صاحب، تھانوی کی گڑھنت نباہنے کے لئے فرضی حوالہ، تراش ڈالنا، بڑی نام آوری ہے۔ اسخ۔ (ص ۲۷۷ رحمت و نعمت) ”جو، نواب بھوپالی کا اتنا بڑا ذخیرہ پانے کا مدعی ہو، اُس کی جہالت، یہ ہو کہ: اتنا بھی، نہ جان سکے کہ نواب بھوپالی، مرید کس کے تھے؟

اس سے بھی نابلدہ ہو کہ نواب بھوپالی، خلیفہ تھے، تو، کس کے تھے؟ گپ باز بھی، یہاں، مات کھاتے ہیں۔

ورنہ، نواب بھوپالی کے رسائل پڑھنا، صحیح ہوتا تو، نگاہِ اِو لیں، یہ بتا دیتی کہ: نواب، نور الحسن صاحب بھوپالی نے غیر مقلدیت پر لغت بھیج کر مولانا احمد میاں سے بیعت کی۔

اور ایسے عاشقِ صادق ہوئے کہ: داد امیاں نے خلافت سے نوازا۔

واقعات کی صحت کی، یہ گردن زدنی، رہ رہ کر، کہہ رہی ہے کہ:

مولانا بابا کی ذاتِ عالی سے غلط روایات، منسوب کرنا

ندوی صاحب کی عقیدت اور واحد مقصد، یہ تھا کہ:

حضورِ اعلیٰ کا نام سنتے ہی دنیا، دیوانہ وار پڑھے گی۔

اس کی آڑ میں ممانعتِ فاتحہ و عرس کی انھیں مردود روایات سے مشن کا اٹھو بھی سیدھا کرو۔

”سولہویں:۔ آخری چیز، یہ ہے کہ

آپ، ایک بزرگ کے حالات، قلم بند کر رہے ہیں۔

جہاں، وہ منع کرتا ہے، جہاں، وہ جواز بتاتا ہے۔

آپ کی ایمان داری، ہر دو پہلو واضح کر دینے میں ہے۔

ناظرین! حق و ناحق کا خود، فیصلہ کر لیں گے۔

لیکن، یہ کیا کہ سارے لکھنے والوں میں سے کسی رولیتِ جواز سے بھاگا جائے۔

بس، ممانعتِ جواز اپنائی جائے، آپ، کبھی، اسے ایمان دارانہ پیش کش نہیں مان سکتے۔

رسالہ ”تذکرہ“ خود، اس سے شرمندہ ہے۔

بشرطِ فرصت، غلطی روایات ”تذکرہ“ پیش ہوں گی۔“ (ص ۲۷۹ و ۲۸۰۔ ”رحمت و نعمت“) ایک فرضی روایت کا ذکر کر کے، اس کی تردید، اس طرح کی گئی ہے:

”اشرف التنبیہ (مولانا تھانوی) صفحہ ۲۶۰۔ مولانا، گنج مراد آبادی نے فرمایا: تم، گنگوہہ جاؤ۔ دوبارہ عرض پر فرمایا:

ایک، ہمیں ہوں۔ دوسرے رشید احمد، تیسرا کوئی مل جائے، تو ظلمتِ فلسفہ، دور ہو جائے۔“

حاشا للہ! کہ کسی زائر و حاضر سے مولانا بابا نے ایسے الفاظ، ادا کیے ہوں۔

حتیٰ کہ مریدین کو، اپنے لئے مولانا بھی، نہیں کہنے دیتے تھے۔

مریدین، کرامتی کوائف کی جستجو میں رہتے۔ قاسم والا واقعہ بھی مشہور ہوا تھا۔

تھانوی صاحب کی حاضری، ایسی نہ تھی جو، مخفی رہی ہو۔ اور اس گفتگو کا سننے والا کوئی نہ ہوتا۔

مولانا احمد حسن صاحب، کان پوری کا بیان ہے کہ:

تھانوی جی نے اپنی باتوں کا اقرار، لوگوں کے سامنے، کان پور میں کر لیا تھا۔ (تذکرۃ الرشید صفحہ ۱۱۸)

تھانوی صاحب کا خود، بیان ہے کہ:

بہر حال! وہاں، بدون شرکت (مخافل مولود و فاتحہ) کرنا، قریب بہ محال دیکھا۔

اور منظور تھا، وہاں (کان پور) رہنا۔ کیوں کہ دنیاوی منفعت بھی ہے کہ:

مدرسہ سے تنخواہ ملتی ہے۔“ (تذکرۃ الرشید)

وجہ حاضری گنگوہہ، عیاں ہے۔ آپ، بھولے نہ ہوں گے۔ (براہین قاطعہ)

فرمایا کہ: جب سے علما ے دیوبند سے ہمارا معاملہ ہوا، ہم کو، یہ زبان آ گئی۔“

جب، آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو، اس طرح استعمال کیا جاسکتا ہے

تو، مولانا بابا کو استعمال کرنا، کیا بڑی بات ہے؟ الخ (ص ۲۸۳۔ ”رحمت و نعمت“)

اویس زمان، حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن قدس سرہ اپنے عہد کے مشہور عالم و محدث اور صاحبِ عظمت و کرامت بزرگ تھے۔ آپ سے درس حدیث لینے والے تلامذہ میں مولانا احمد حسن، کان پوری و مولانا وصی احمد، محدث سورتی و سید شاہ علی، محدث انوری، لاہوری و سید جماعت علی شاہ، محدث علی پوری، سیالکوٹی کے نام نمایاں ہیں۔

حضرت مولانا احمد رضا، قادری، برکاتی، بریلوی کے جدّ امجد، مولانا مفتی رضا علی، بریلوی آپ ہی کے فیض یافتہ مرید ہیں۔ رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَيْهِمْ اجمعین۔

مولانا وکیل احمد، سکندر پوری

حضرت مولانا وکیل احمد، سکندر پوری، فرزند قلندر حسین (ولادت ۹ ربیع الثانی ۱۲۵۸ھ / سکندر پور ضلع بلیا۔ یوپی۔ وصال ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۴ء۔ مدفون حیدر آباد، دکن۔ آندھرا پردیش) مشہور عالم و صوفی، و شاعر عرفان، حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم آسی، غازی پوری بن قمبر حسین (ولادت ۱۹ شعبان ۱۲۵۰ھ سکندر پور ضلع بلیا۔ یوپی۔ وصال ۳ جمادی الآخرہ ۱۳۳۵ھ / ۲ فروری ۱۹۱۷ء۔ مدفون محلہ نور الدین پورہ۔ غازی پور۔ یوپی) کے برادرِ عمر زاد تھے۔

مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی، مظفر پوری، آپ کے تعارف و تذکرہ میں لکھتے ہیں: ”ابتدائی تعلیم، وطن میں پائی۔ حضرت مولانا عبدالحلیم، فرنگی محلی کا شہرہ سُن کر جون پور پہنچے ”نور الانوار“ کا حاشیہ ”قمر الاقمار“ مولانا فرنگی محلی نے آپ ہی کے لئے لکھا۔ ۱۲۷۶ھ میں درسیات، تمام کی۔

لکھنؤ میں حکیم، نور کریم، لکھنوی سے طب پڑھی۔ کچھ عرصہ، مطب بھی کیا۔ ۱۲۸۳ھ میں حیدر آباد، دکن گئے۔ سرکار آصفیہ کے صوبہ شرقی کے نائب، مقرر ہوئے۔ مولانا عبدالحی، لکھنوی (آپ کے استاذ زادہ) اور نواب صدیق حسن، قنوجی، بھوپالی کے درمیان، جب مشہور تحریری مناظرہ، دربارہ تقلید و مطامین ائمہ ہوا تو، آپ اپنے استاذ زادہ (مولانا عبدالحی، فرنگی محلی) کے دوش بہ دوش تھے۔ اور نواب بھوپالی کے رسالہ نظم کا جواب، نظم میں بہ عنوان ”دیوان حقی“ اور نثر کا جواب، نثر میں دیا۔

اپنے زمانہ کے صاحب تصنیف اور اکابر علمائے اہل سنت میں تھے۔ حضرت مولانا شاہ احمد رضا، فاضل بریلوی قدس سرہ سے خاص تعلقات تھے۔ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں حضرت مولانا شاہ میر اشرف علی بن مولانا میر سلطان علی قدس سرہما کے مرید تھے۔

آپ کا ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۴ء میں، بہ مقام، حیدر آباد، دکن، انتقال ہوا۔ (ص ۶۶) ”تذکرہ مقبول“ ص ۲۵۔ ”تذکرہ علمائے اہل سنت“ مؤلفہ مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی۔ مطبوعہ کانپور) مولانا سید احمد علی شاہ، نقشبندی، بٹالوی (متوفی ۱۳۳۵ھ / ۱۹۲۶ء) کی مشہور کتاب

در ردّ غیر مقلدیت، مسمی بہ ”نصر المقلدین فی جواب ”الظفر النہین“ کی تصدیق کرتے ہوئے مولانا وکیل احمد، سکندر پوری تحریر فرماتے ہیں:

خدا کی حمد اور رسول (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) کی ثناء کے بعد
بندہ، وکیل احمد، سکندر پوری، بِإِذْنِ اللّٰهِ بِالْعَدَّةِ وَالْعَدَدِ

خدمتِ اخوانِ دین و برادرانِ تقلیدِ امامِ المجتہدین میں، یوں، مژدہ رساں ہے کہ:
یہ کتاب، کا حیفِ حجاب (جس کو، ایک ماہر ذی استعداد، مُطَّلِعِ نازِہ شرفِ ساد
حاجی خدو دین نبوی، حافظ مولوی احمد علی صاحب، ہٹالوی نے تصنیف فرمایا ہے۔

اور جو، واقعۃً اپنی متانتِ عبارت و زراعتِ اشارت و اصابتِ دلائلِ مسائل و ازاہِ غَوَائِلِ
فرقۃِ سبِّ الاول میں ایک بے نظیر اور قابلِ قدر ہر ناقدِ بصیر، تصنیف، خیال کی جاسکتی ہے)
اکثر مقامات سے میرے مطالعہ میں آئی۔

چوں کہ، یہ کتاب، خود، فَوَائِدِ حَسَنَہ سے مالا مال اور غَوَائِدِ مُسْتَحْسَنَہ کے لحاظ سے بے مثل
و بے مثال اور اپنی گراں مانگی اور وِلا قَدَرِی کے شواہدِ حَقّہ صادقہ کَدَعُوْی الشَّعْی بِالْبَیِّنَاتِ
وَالْبُرْہَانِ النَّاطِقَةِ، اپنے ساتھ لیے ہوئے ہے

اس لئے میں، اس کی توصیف میں زیادہ خامہ فرسائی، ضروری نہیں سمجھتا۔

ناظرین، خود دیکھ لیں کہ مؤلف، علامہ نے اپنے خامہ خارا شکاف کی نیزہ بازی
اور اپنے مخالفین مذہب کی زہرہ گذاری میں کس قدر اندازی سے کام لیا ہے کہ:

اہلِ وفاق کیا، اہلِ خلاف میں بھی، اپنا نام کر دیا ہے۔

نہیں نہیں، بلکہ مُفْسِدِ مَن یا وہ گو کا، دراصل، کام، تمام کر دیا ہے۔

اب، اس کتاب سے پوری امید کی جاسکتی ہے کہ:

یہ اُن خود سرانِ شرور ہو ا سکے تعصبات کو، جن کے دماغ میں ہمز و لہر کی فاسد ہوا بھری
ہوئی ہے، دُھویں کی طرح، اُڑا دے۔

اور جن کی آنکھیں، لمعانِ تقلید سے خیرہ، اور جن کے قلوب، زنگِ رُیوب سے، تیرہ ہو رہے
ہیں، اُن کے دلوں کو، اپنی صیقِلِ تعلیم سے، جلا دے کر، کَالنَّوْرِ عَلٰی شَہِیقِ الطُّورِ چمکا دے۔

حق، یہ ہے کہ ایسے زمانہ شُرّ القرون میں (کہ ہر طرف، دیگِ جہالت، جوش میں ہے
اور سگانِ رُوباہ منّش، شیرِ زُکِ طرح، خروش میں، اگر، ایک طرف کوئی بد لگام کرۂ خام کی طرح

شوخیاں کرتا اور تقلید کی رسیاں ٹوٹاتا اور ہنہاتا ہے

تو، دوسری طرف، دوسرا بد نفس، کم تر از خس، طنین گس کی طرح، بھنہناتا ہے)

جن مساعی بلینہ کی ضرورت تھی، ان کی بجا آوری میں، مؤلفِ ممدوح کو، ایک حد تک

کامیابی، ضرور ہوئی۔ جس سے فتنہ کی آگ فرو، اور الزامِ مخالفتِ حدیث کی نلکا، دور ہوئی۔

اگر، اب بھی، یہ لوگ، حق، ظاہر ہو جانے کے بعد، باطل پر، اڑے رہیں گے

تو، چاہِ ضلالت میں، پڑے رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ، مؤلف کو، اس کی جزائے خیر، عنایت کرے اور مخالفین کو ہدایت۔ آمین۔

(ص ۳۹۴۔ ”نصر المقلدین فی جواب الظفر المبین“، مؤلفہ مولانا شاہ احمد علی، نقشبندی، بٹالوی

مطبوعہ از طلبہ جماعتِ سابقہ ۳۳-۱۴۳۲ھ/۱۲-۲۰۱۱ء۔ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور ضلع اعظم گڑھ۔ یوپی۔

اشاعت:- جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ/اپریل ۲۰۱۲ء)

حکیم عبدالحی، رائے بریلوی (متوفی ۱۳۳۱ھ/۱۹۲۳ء) لکھتے ہیں:

الشیخ الفاضل، وکیل احمد بن قلندر حسین بن محمد وسیم بن محمد عطا

العمری الحنفی السکندر بوری أحد العلماء المشهورین۔

..... قرأ المختصرات علی الشیخ عبدالحلیم، السکندر بوری و علی غیرہ من العلماء۔

ثم لازم العلامة عبدالحلیم بن امین الله انصارى الکنوی۔

وقرأ علیہ اکثر الكتب الدرسية۔

وقرأ ”الشمس البازغة“ علی المفتی محمد یوسف بن محمد اصغر الکنوی۔

والتوضیح مع التلویح علی السید معین الدین الکاظمی الکروی۔

وقانون الشیخ علی السید انور علی الکنوی۔

وسائر الكتب الطبیة علی الشیخ نور کریم الدریابادی۔

وتطبب علی الحکیم یعقوب الحنفی الکنوی۔

وكان مفرط الذكاء، سریع الإدراک، قوی الحفظ، شدید الرغبة الی المباحثہ۔ کثیر

النکیر علی اهل الحديث و علی الفئۃ الصالحة من اصحاب سيدنا الامام الشهيد السید

احمد بن عرفان الحسنی۔ صاحب التصانیف، وخدم الدولة الاصفیة مدة حياته۔

اما مصنفاته فهي كثيرة۔ الی آخرہ۔

(ص ۱۴۰۰ خزنة الخواطر - جلد ثامن - دار ابن حزم، بیروت)

مولانا وکیل احمد، سکندر پوری کی تقریباً ایک سو تصانیف میں سے چند کے نام، درج ذیل ہیں:

(۱) الْأَنْوَارُ الْأَحْمَدِيَّةُ (۲) الْكَلَامُ الْمَقْبُولُ فِي اثْبَاتِ إِسْلَامِ آبَاءِ الرَّسُولِ (۳)

إِرْشَادُ الْعَبْدِ إِلَى طَرِيقِ عَمَلِ الْمُؤَلُّودِ (۴) صِبَاةُ الْإِيمَانِ عَنْ قَلْبِ

الْأَطْمِينَانِ (۵) نُورُ الْعَيْنَيْنِ فِي تَفْسِيرِ ذِي الْقُرْنَيْنِ (۶) الْهَدْيَةُ الْمُحَدِّثِيَّةُ (۷) الْإِعْتِمَادُ

بِخَطِّاءِ الْجِهَادِ (۸) نُصْرَةُ الْمُجْتَهِدِينَ بِرَدِّ هَفَوَاتِ غَيْرِ الْمُقْلَدِينَ (۹) إِبْطَالُ الْبَاطِلِ

بِرَدِّ التَّوِيلِ الْعَلِيلِ (۱۰) التَّحْقِيقُ الْمَزِيدُ فِي لَعْنِ زَيْدِ (۱۱) إِزَالَةُ الْمَحْنِ عَنْ اكْتِسَابِ

الْبَدَنِ (۱۲) تَذَكُّرَةُ الطَّيِّبِ فِي مَا يَتَعَلَّقُ بِالطَّبِّ وَالطَّبِيبِ (۱۳) الْيَاقُوتُ الرَّمَّانِيُّ فِي

شَرْحِ الْمَقَامَاتِ لِلْبَدِيعِ الْهَمْدَانِيِّ (۱۴) أَخْبَارُ النُّحَاةِ (۱۵) مَعْيَارُ الصَّرَفِ - (۱۶)

الْيَاقُوتُ الْأَحْمَرُ شَرْحُ الْفَقْهِ الْكَبِيرِ (۱۷) الْبَصَائِرُ تَرْجُمَةُ الْأَشْبَاهِ وَالنَّظَائِرِ (۱۸)

تَشْيِيدُ الْمَبَانِي فِي النِّكَاحِ الثَّانِي (۱۹) تَنْقِيحُ الْبَيَانِ بِحَوَازِ تَعْلِيمِ كِتَابَةِ النِّسْوَانِ (۲۰)

تَنْبِيْهُ الْمُخَالَفِينَ بِحَوَابِ تَفْصِيحِ الْمُخَالَفِينَ (۲۱) دَفْعُ النَّفَاقِ عَنْ إِعْجَازِ الْإِنْشِقَاقِ (۲۲)

دُسْتُورُ الْعَمَلِ بِتَدْبِيرِ الْمَنْزِلِ (۲۳) الرِّقَادَةُ عَلَى الْعِبَادَةِ (۲۴) الْوَسِيلَةُ الْحَلِيلَةُ - وغیرہ۔

مندرجہ بالا کتب و رسائل کے علاوہ، ایک فارسی دیوان بھی ہے۔

۱۳۲۲ھ میں مولانا وکیل احمد، سکندر پوری کا حیدرآباد، دکن میں انتقال ہوا۔

حیدرآباد ہی میں مدفون ہوئے۔

مولانا محمد فاروق، چریا کوٹی

مولانا محمد فاروق، چریا کوٹی (متوفی شوال المکرم ۱۳۲۷ھ / اکتوبر ۱۹۰۹ء)

بن قاضی علی اکبر بن قاضی عطار رسول، عباسی، چریا کوٹی۔

شیراز ہند، خطہ جون پور کی ایک مردم خیز آبادی ”چریا کوٹ“ ضلع اعظم گڑھ (موجودہ ضلع موب۔ اتر پردیش) کی خاک سے ابھرنے والی ایک معروف شخصیت کا نام ہے۔

مولانا محمد فاروق، چریا کوٹی نے اپنے بڑے بھائی، مولانا قاضی عنایت رسول، عباسی چریا کوٹی (متوفی ۱۳۲۰ھ) تلمیذ سیف اللہ السنول، علامہ فضل رسول، عثمانی، بدایونی (متوفی ۱۲۸۹ھ / ۱۸۷۲ء) سے منقولات و مقولات کی کتابیں پڑھیں۔

چشمہ رحمت، غازی پور میں اُس کے بانی و مؤسس مولانا رحمت اللہ، فرنگی محلی (متوفی جمادی الاولیٰ ۱۳۰۵ھ / ۱۸۸۷ء) بن مولانا نور اللہ فرنگی محلی بن ملاً، محمد ولی، فرنگی محلی، بن قاضی غلام مصطفیٰ، فرنگی محلی، بن محمد اسعد، سہالوی، بن ملاً، قطب الدین شہید، سہالوی سے علم ہیئت میں اور مدرسہ حنفیہ، جون پور میں مفتی محمد یوسف، فرنگی محلی (متوفی ۱۲۸۲ھ) بن محمد اصغر، فرنگی محلی سے علم فقہ و اصول فقہ کی تعلیم، حاصل کی۔

مولانا ابوالحسن، منطقی سے، حافیہ زاہد یہ بر ملاً جلال پڑھا۔

حج و زیارت حرمین شریفین کی سعادت سے سرفراز ہوئے۔

اور مختلف مقامات کی درس گاہوں میں، درس و افادہ کا فریضہ، انجام دیا۔

مولانا محمد فاروق، چریا کوٹی کے مختلف رسائل، متحدہ علوم و فنون میں ہیں۔

عربی اشعار اور خطبہ بھی ہیں۔ آپ، عربی و فارسی، دونوں زبانوں کے ماہر ادیب و شاعر تھے۔

فارسی کلام اور عربی نثر کے کچھ نمونے ”تذکرہ علمائے ہند“، مؤلف مولانا حسن علی میں ملاحظہ

کیے جاسکتے ہیں۔ شوال ۱۳۲۷ھ / ۲۸ اکتوبر ۱۹۰۹ء کو مولانا محمد فاروق، چریا کوٹی کا انتقال ہوا۔

انوارِ سلطہ، مؤلفہ مولانا عبدالمسیح، بیدل، رام پوری، سہارن پوری (متوفی ۱۳۱۸ھ)

پر مولانا محمد فاروق، چریا کوٹی کی شاندار تصدیق و تقریط ہے۔

جس کے آخر میں آپ، مؤلف کی تحسین و آفرین میں تحریر فرماتے ہیں کہ انھوں نے:

(عربی سے ترجمہ) ایک رسالہ، تصنیف کیا میلاد شریف کی خوبیوں میں
اور اس میں کمال سعی اور کوشش کی ہے۔

پس، اسے خوب اچھا بنایا ہے۔

اور لوگوں کو سیدھا راستہ چلنے کا رستہ دکھایا ہے اور ہدایت بخشا ہے۔

پس، جہاں کے لوگوں پر فائق ہو گیا اور گمراہی اور فساد کے گھاٹوں کو بند کر دیا ہے۔

اے اللہ! اس کی روزی اور نیکیوں میں برکت دے۔

اور لوگوں کے واسطے، ان کی خوبیوں اور نیکیوں کی چادروں کو پھیلا دے۔ آمین۔“

(ص ۳۰۸۔ انوارِ سامعہ۔ مؤلفہ مولانا عبدالمسیح، بیدل، رام پوری، سہارن پوری۔

مطبوعہ طلحہ دورہ حدیث ۱۴۲۸ھ/۲۰۰۷ء۔ المجلدۃ الاشرافیہ۔ مبارک پور ضلع اعظم گڑھ۔ یو پی)

مولانا محمد انوار اللہ، حیدر آبادی

شیخ الاسلام، مولانا حافظ، محمد انوار اللہ، فاروقی، حیدر آبادی (ولادت ۴ ربیع الآخر ۱۲۶۴ھ۔
 بہ مقام قندھار ضلع ٹانڈیڑ۔ موجودہ صوبہ مہاراشٹر۔ وصال ۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ھ/۱۹۱۸ء۔
 مدفون جامعہ نظامیہ۔ حیدر آباد، دکن۔ موجودہ صوبہ آندھرا پردیش)

جنوبی ہند کے بلند پایہ عالم دین و شیخ طریقت تھے۔

آپ کی دینی و علمی شخصیت ریاست حیدر آباد، دکن میں مرجع و مآب کی حیثیت رکھتی تھی۔
 شیخ الاسلام، حضرت مولانا فاروقی کے جدِ اعلیٰ، شہاب الدین علی، مُلقب، بہ فرخ شاہ
 کابلی کی دُریّت و اُفتاد میں حضرت فرید الدین مسعود گنج شکر، اور مجدّدِ اَلفِ ثانی، شیخ
 احمد، فاروقی سرہندی جیسی عظیم شخصیتیں ہیں۔

آپ کے والد ماجد، قاضی ابو محمد شجاع الدین، فاروقی (ولادت ۱۲۲۵ھ۔ وصال ۱۲۸۸ھ)
 سراجُ الہند، شاہ عبدالعزیز، مجدد دہلوی (وصال ۱۲۳۹ھ) کے پوتا شاگرد تھے۔
 حضرت شاہ محمد رفیع الدین، فاروقی، قندھاری (وصال ۱۲۴۱ھ) سے سلسلہ قادریہ
 وقتبندیہ اور حضرت حافظ سید محمد علی، چشتی، خیر آبادی (ولادت ۱۱۹۲ھ۔ وصال ذوالقعدہ ۱۲۶۶ھ)
 خلیفہ حضرت شاہ محمد سلیمان، چشتی، تونسوی (وصال صفر ۱۲۶۷ھ/دسمبر ۱۸۵۰ء) سے
 سلسلہ چشتیہ میں، بیعت و اجازت و خلافت رکھتے تھے۔

مولانا انوار اللہ، فاروقی، حیدر آبادی کی ابتدائی تعلیم و تربیت

آپ کے والد ماجد، قاضی شجاع الدین، فاروقی کے زیر تربیت ہوئی۔

گیارہ سال کی عمر میں، حفظ قرآن، مکمل کیا۔

پھر، تفسیر وحدیث، شیخ عبداللہ، بمبئی (نزیل حیدر آباد) سے پڑھ کر، ان کی سند پائی۔

فقہ و معقول کی تعلیم، حیدر آبادی میں مولانا عبداللہ، فرنگی محلی (ولادت شعبان ۱۲۳۹ھ۔

لکھنؤ۔ وصال ۱۲۸۵ھ۔ مدفون متصل مزار حضرت شاہ یوسف قادری، حیدر آبادی) اور آپ کے

صاحبزادے، مولانا عبدالحی، فرنگی محلی (ولادت ۱۲۶۵ھ۔ وصال ۱۳۰۴ھ) سے حاصل کی۔

فقہ کی بعض کتابیں، مولانا فیاض الدین، اورنگ آبادی سے بھی پڑھیں۔

حضرت مولانا فاروقی نے ایک طویل مدت تک، مولانا عبدالحی، فرنگی مہلی سے علوم و فنون کی تحصیل و استفادہ کا سلسلہ جاری رکھا۔

اسی لئے حضرت مولانا فاروقی کا، مولانا عبدالحی، فرنگی مہلی کے ممتاز تلامذہ میں شمار ہوتا ہے۔ تحصیل و تکمیل علوم دینیہ کے بعد، شیخ الاسلام، مولانا انوار اللہ، فاروقی، حیدر آبادی کی زندگی درس و تدریس، و تصنیف و تالیف اور ارشاد و ہدایت میں گذری۔

آپ کی درس گاہ سے فیض یافتہ سیکڑوں باصلاحیت علما، تفسیر و حدیث و فقہ میں ممتاز اہل علم و فضل ہوئے، جنہوں نے جنوبی ہند کے مختلف علاقوں میں نمایاں دینی و علمی خدمات، انجام دیں۔ آپ کے تلامذہ میں آصف سادس، نواب میر محبوب علی خاں اور آصف صالح، نواب میر عثمان علی خاں بھی شامل ہیں۔

حضرت مولانا فاروقی، حج و زیارتِ حرمین شریفین کی سعادت سے ۱۲۹۲ھ و ۱۳۰۱ھ اور ۱۳۰۵ھ میں، بہرہ ور ہوئے۔ آخری سفر حج و زیارت کے موقع پر، مدینہ منورہ میں طویل مدت تک آپ نے قیام کیا۔ اس مبارک قیام کے دوران آپ نے مکتبہ شیخ الاسلام، عارف حکمت اور مکتبہ محمودیہ مدینہ منورہ سے کافی استفادہ کیا اور، زور کثیر، صرف کر کے متعدد نادر کتابیں، نقل کرا کے، اپنے ساتھ، حیدر آباد و دکن لائے۔

مدینہ منورہ ہی میں آپ نے اپنی مشہور کتاب ”انوار احمدی“ تالیف فرمائی جو، آپ کے جذباتِ محبت و عشقِ رسول ﷺ و الثناء سے لبریز ایک روح پرور کتاب ہے۔ اور اس پر، آپ کے شیخ طریقت

حاجی امداد اللہ، چشتی، صابری مہاجر مکی (وصال ۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء) کی تقریظ بھی ہے۔

آپ، جو، نادر کتابیں، نقل فرما کر، ہندوستان لائے، اُن کے نام، یہ ہیں:

(۱) ”کنز العمال فی سنن الاقوال و الافعال“ للشیخ علی الممتقی (۲)

جامع مسانید الامام ابی حنیفۃ النعمان (۳) الجواهر النقی علی سنن البیہقی۔

ان قیمتی نوادر کی طباعت و اشاعت کے لئے آپ نے حیدر آباد، دکن میں

”دائرة المعارف النظامیہ (معروف، بہ دائرة المعارف العثمانیہ) قائم فرمایا۔

اور بڑے اہتمام کے ساتھ، ان کی طباعت و اشاعت، اسی دائرة المعارف سے ہوئی۔

دائرة المعارف کا قیام آپ کی تحریک سے ہوا، جسے مولانا محمد عبدالقیوم اور عماد الملک کی

تائید، حاصل تھی۔ اس کی جانب سے اب تک کئی سو، نا در

اور اہم کتب و رسائل کی طباعت و اشاعت ہو چکی ہے۔

عوام کے اندر، ذوق مطالعہ پیدا کرنے اور انھیں صحیح اسلامی معلومات فراہم کرنے کے لئے ۱۳۰۸ھ میں، مولانا فاروقی نے ہر دو مذکور حضرات کی تائید کے ساتھ ”کتب خانہ آصفیہ“

قائم کرنے کی تحریک کی، جو کامیابی سے ہم کنار ہوئی، اور اس کتب خانہ کا فیض، اب تک جاری ہے۔

اس سے بہت پہلے ۱۲۹۲ھ میں، شیخ الاسلام، مولانا فاروقی نے حیدرآباد میں

ایک بڑا دارالعلوم، قائم کیا تھا، جو آج تک ”جامعہ نظامیہ“ کے نام سے درس و تدریس کے

فرائض انجام دے رہا ہے۔ ۱۲۹۲ھ سے ۱۳۳۶ھ تک، اس جامعہ میں حضرت مولانا فاروقی

بڑے قلبی انہماک و دل چسپی کے ساتھ طلبہ کی تعلیم و تربیت میں مصروف رہے۔

جامعہ نظامیہ کے اس وقت، متعدد شعبے ہیں۔ اس کا کتب خانہ، مخطوطات و نادر کا، مخزن ہے۔

آپ کی قائم کردہ ”مجلس اشاعت العلوم“ (در جامعہ نظامیہ) سے

تقریباً سو (۱۰۰) کتب و رسائل کی طباعت و اشاعت ہو چکی ہے۔

جن میں، آپ کی تصنیف کردہ، مندرجہ ذیل کتابیں بھی شامل ہیں:

(۱) انوار احمدی (۲) مقاصد الاسلام۔ گیارہ حصے (۳) تہذیب الفقہ۔ اول دوم

(۴) کتاب العقل (۵) افادۃ الافہام۔ اول دوم (۶) انوار الحق۔

علم حدیث کے موضوع پر آپ کی ایک اہم کتاب

”الکلام المرفوع فی مایتعلق بالحدیث الموضوع“ (مطبوعہ)

اور محفل میلاد مع قیام کے جواز و استحباب پر، ایک عالمانہ و عارفانہ کتاب

بشری الکرام فی عمل المولد والقیام (مطبوعہ) ہے۔

”انوار احمدی“ مؤلفہ: شیخ الاسلام، مولانا انوار اللہ، فاروقی، حیدرآبادی پر

اپنے تاثرات و خیالات کا اظہار کرتے ہوئے آپ کے پیرومرشد، حاجی امداد اللہ، چشتی

صابری مہاجر کی (متوفی ۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء) تحریر فرماتے ہیں:

”ان دنوں، ایک عجیب و غریب کتاب لا جواب، مسخ بہ ”انوار احمدی“

مصنفہ، حضرت علامہ زماں و فرید دوراں، عالم باعمل و فاضل بے بدل، جامع علوم ظاہری

و باطنی، عارف باللہ، مولوی محمد انوار اللہ، چشتی، چشتی، سلمۃ اللہ تعالیٰ، فقیر کی نظر سے گذری۔

اور بہ لسانِ حق ترجمانِ مصطفیٰ علامہ، اول سے آخر تک سنی
تو، اس کتاب کے ہر ہر مسئلے کی تحقیق محققانہ میں، تائیدِ ربّانی پائی گئی کہ:
اس کا ایک ایک محلہ اور فقرہ، امداد، مذہب اور مشرب اہل حق کی، کر رہا ہے
اور حق کی طرف بلاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ، اس کے مصنف کے علم اور عمل اور عمر میں برکت دے۔
اور نفعاءِ عرفانی اور دولت و قربتِ ربّانی سے مشرف فرما کر، مراتبِ علیا کو پہنچا دے۔
اور اس کتاب کو مقبول کرے، تاکہ طالبانِ حق، اس سے مستفید ہوتے رہیں۔
آمین۔ یَا رَبَّ الْعَالَمِینَ۔ صَلِّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ
وَ آلِهِ وَ اَصْحَابِهِ اَجْمَعِینَ۔

کاتبِ الحروف فقیر امداد اللہ، عفا اللہ عنہ (مہر)

(انوار احمدی) بارِ پنجم مجلس اشاعتِ العلوم۔ جامعہ نظامیہ۔ حیدرآباد۔ اگست ۲۰۰۲ء)
حضرت علامہ ارشد القادری (متوفی ۲۰۰۲ء) نے، اس ”انوار احمدی“ کی تلخیص و تسہیل
کر کے، اسے مکتبہ جام نور، میاں محل، دہلی سے شائع کرایا۔

اور شیخ الاسلام کے علم و فضل اور آپ کے اسلوبِ تحریر کو، اس طرح، خراجِ تحسین پیش کیا:
”انوار احمدی“ کا مطالعہ کر کے، میں، حضرت فاضلِ مصطفیٰ کے تبحرِ علمی، و وسعتِ مطالعہ
و اپنی استحضارِ قوتِ تحقیق، ذہانت و نگہِ رسی، اور پالخصوص آپ کے جذبہِ حُبِ رسول

اور حمایتِ مذہبِ اہلِ سنت کی قابلِ قدر خصوصیات سے، بہت زیادہ، متاثر ہوا۔
جی چاہتا ہے کہ نوکِ قلم کو آنکھوں سے لگالیں، ہونٹوں سے چومیں، دل میں اتار لیں۔
حضرت مصطفیٰ کے قلم کی، روانی، چشمہ کوثر کی لہراتی ہوئی موج، بن گئی ہے۔

علم و حکمت، عشق و عرفان کے ایسے قیمتی جواہر، بکھرے ہیں کہ:
ان کی جگہ گاہٹ سے آنکھیں، خیرہ ہونے لگتی ہیں۔“ الخ

(درآغا ”انوار احمدی“ تلخیص و تسہیل بقلم علامہ ارشد القادری۔ مکتبہ جام نور، دہلی۔ ۱۹۸۹ء)

حضرت مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی، مظفر پوری لکھتے ہیں:
”درگاہِ معلیٰ، اجمیر شریف میں، مدرسہ فخریہ معینیہ چشتیہ، قائم تھا۔
لیکن، یہاں، اس امر کا اظہار، ضروری ہے کہ:

مدرسہ فخریہ کو کتب اور ابتدائی درجات عربی و فارسی کا مدرسہ کہنا، زیادہ سزاوار ہے۔

اس کی علمی و تدریسی خدمت، مولانا عبد المجید صاحب دہلوی کے ذمہ تھی۔

شیخ الاسلام، امام اہل سنت، عارف باللہ، حضرت مولانا حافظ شاہ محمد انوار اللہ قدس سرہ کی جدوجہد سے صاحبزادگان درگاہ معلیٰ اور استاذ العصر، مولانا محمد معین الدین اجمیری مدرسہ فخریہ اور مدرسہ معین الحق کے انضمام پر، شہر یار دکن کی حاضری درگاہ معلیٰ کی یادگار اور ذخیرہ آخرت کے پیش نظر، دارالعلوم معینیہ عثمانیہ کے قیام پر، راضی ہو گئے۔“ الخ۔ (ص ۷۶)۔ ”سوانح رفاقتی“۔ مؤلفہ مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی، مظفر پوری۔

کاروانِ رفاقت۔ اسلام آباد، مظفر پور، بہار۔ ۱۳۳۱ھ/نومبر ۲۰۱۰ء)

حضرت مولانا رفاقتی نے دارالعلوم معینیہ، عثمانیہ، اجمیر شریف کی روداد ۱۳۳۱ھ کے حوالے سے کچھ معلومات، درج کی ہیں۔

افتتاحی اجلاس دارالعلوم معینیہ، عثمانیہ کی، یہ خبر، تاریخی اہمیت کی حامل ہے:

”آج، بتاریخ ۱۰/۱۰/۱۳۳۰ھ/نومبر ۱۹۱۳ء، روزہ شنبہ، بعد عصر

اعلان از جانب متوسلین درگاہ شریف، جلسہ مسلمانان، روبروے بیگی دالان آستانہ غریب نواز قدس اللہ سرہ۔

افتتاح مدرسہ معینیہ، عثمانیہ، بیادگار تشریف آوری اعلیٰ حضرت، نظام الملک آصفی میر عثمان علی خاں صاحب۔ خَلَدَ اللہ مَلِکُہ و سَلْطَنَہ، ہوا۔

حاضرین جلسہ: مولانا مولوی حاجی محمد انوار اللہ صاحب مدظلہ و غیرہ۔

دیوان سید شرف الدین علی صاحب۔ میر ثار احمد صاحب، متولی درگاہ معلیٰ و غیرہ۔

..... مولانا معین الدین، اجمیری صاحب کے بڑے قدرداں، شاہ دکن کے استاذ

شیخ الاسلام، حضرت مولانا شاہ، محمد انوار اللہ صاحب تھے۔

مولانا اجمیری کی محنت اور طلبہ کی افزونی کے پیش نظر، حضرت شیخ الاسلام نے ماہانہ وظیفہ، پانچ سو سے بڑھا کر، ہزار روپے کر دیے۔ مولانا اجمیری کا مشاہرہ، دونا کر دیا۔“ الخ

(ص ۷۷ و ۷۸)۔ ”سوانح رفاقتی“۔ مؤلفہ مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی۔ مطبوعہ ۱۳۳۱ھ/نومبر ۲۰۱۰ء)

اس وقت، میرے پیش نظر، گیارہ سو چورانوے (۱۱۹۴) صفحات پر مشتمل

ایک ضخیم مجموعہ مضامین و مقالات ”مَرُوقِے انوار“ ہے۔

یہ ”مرقع انوار“ مطبوعہ مجلس اشاعت العلوم، جامعہ نظامیہ، حیدرآباد۔ طبع اول، ربیع الاول ۱۳۲۹ھ / اپریل ۲۰۰۸ء، جناب شاہ محمد فصیح الدین نظامی، مہتمم کتب خانہ جامعہ نظامیہ، حیدرآباد کی کدو کاوش اور تدوین و ترتیب کا ایک خوب صورت گلدستہ اور گراں قدر مرقع ہے۔

اپنے ایک مضمون میں، مرتب مرقع، شاہ فصیح الدین نظامی نے، شیخ الاسلام، مولانا انوار اللہ فاروقی، حیدرآبادی کا مسلک و منہاج عقیدہ، مختصر طور پر تحریر فرمایا ہے۔

جس کے چند اقتباسات، ذیل میں، درج کیے جاتے ہیں:

”پھر، جس طرح، ہمارا دین، متوسط ہے، اُسی طرح، اہل سنت کا مذہب بھی متوسط اور افراط و تفریط سے دور ہے۔

..... موافق میں لکھا ہے کہ شیعہ میں ایک فرقہ ہے جس کو ”مفوضہ“ کہتے ہیں۔

اس کا اعتقاد ہے کہ، حق تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کر کے تمام دنیا کا پیدا کرنا، آپ سے متعلق کر دیا۔

وہابیہ کہتے ہیں کہ: محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی، ہم، جیسے ایک معمولی آدمی تھے۔

اہل سنت و جماعت کہتے ہیں کہ:

بے شک، آدمی ہیں۔ مگر، آدمیوں سے، بلکہ تمام عالم سے افضل ہیں۔

خدائے تعالیٰ نے آپ کو ”رَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْنَ“ بنایا اور ”علم اولین و آخرین“ آپ کو عطا ہوا۔ اس کے سوا، اور بہت ساری خصوصیتیں ہیں، جن کو، حق تعالیٰ علما، خوب جانتے ہیں۔“

(ص ۲۳۸۔ حصہ ششم، مقاصد الاسلام۔ مؤلفہ مولانا انوار اللہ، فاروقی۔ مجلس اشاعت العلوم جامعہ نظامیہ، حیدرآباد)

”اسلام میں قدیم سے، جو مذہب، قریباً بعد قرن، چلا آ رہا ہے وہ ”مذہب اہل سنت و جماعت“ ہے۔

اور اس کے سوا، جتنے مذاہب ہیں، سب، حادث (جدید) ہیں۔

جن کا موجد (کوئی) ایک شخص ہوا۔ مثلاً:

”مذہب قدریہ“ کا موجد ”معبود جہنی“ ہے، جو، صحابہ کے زمانہ میں تھا۔

اور جس صحابی نے اس کی، یہ بدعت سنی، اس سے ابرائے ذمہ کر کے اس کی مخالفت کا اعلان کیا۔

اسی طرح ”مذہب اعتزال“ کا موجد ”واصل بن عطا“ ہے، جو تابعین کے زمانہ میں تھا۔ اسی طرح، کل مذاہب باطلہ کا حال ہے۔ جو ”مذہب اہل سنت و جماعت“ سے علیحدہ ہو کر قرآن میں، ایسی بدنما تاویلیں کرتے، جو صراحۃً تحریف ہیں۔

اور اپنی مرضی کے مطابق، حسب ضرورت، حدیثیں بنا لیتے۔

اور جو حدیثیں، ان کے اپنے مقصود کے مخالف تھیں، ان کو موضوع قرار دیتے، یا تاویلیں کرتے۔ کیوں کہ نئی بات کا موجد، تمام اُمت موجودہ سے علیحدگی اختیار کرتا ہے۔

وہ، جب تک، ایسی کارسازیاں نہ کرے، کوئی شخص، اس کا ہم خیال نہیں بن سکتا۔

بخلاف اس کے ”اہل سنت و جماعت“ کو

جو، ہر ایک موجد کے زمانے میں موجود تھے، ایسی کارروائیوں کی ضرورت، نہ تھی۔

اس سے ظاہر ہے کہ:

صرف ”اہل سنت و جماعت“ کا مذہب، ایسا ہے جس میں کسی کی ایجاد کو، دخل نہیں۔

اور یہ مسلم ہے کہ، ہمارا آسمانی دین، کسی ایجاد اور اختراع کو، جائز نہیں رکھتا۔

چنانچہ، نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے صاف فرمادیا کہ:

اس دین میں، بہتر (۷۳) مذہب بن جائیں گے۔ مگر، وہ کل مذاہب، ناری ہیں۔

اور ناجی، ایک ہی، مذہب ہے۔

کسی نے پوچھا: وہ کون سا مذہب ہے؟ ارشاد فرمایا: جس پر میں، اور میرے صحابہ ہیں۔“

كَمَا فِي مَشْكُوَةِ الْمَصَابِيحِ - اِلَىٰ اٰخِرِهِ - وَفِي مَعْنَاهُ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَابُو دَاوُدَ -

(ص ۴۲ و ۴۵ - حصہ دوم، حقیقۃ الفقه - مؤلفہ مولانا انوار اللہ، فاروقی - مطبوعہ مجلس اشاعت العلوم -

جامعہ نظامیہ - حیدرآباد)

”شاید بعض لوگ، یہ سمجھتے ہوں گے کہ:

قرآن شریف، صرف توحید اور احکام معلوم کرانے کے لئے نازل ہوا ہے۔ مگر، یقین ہے کہ

جب، ان آیات میں غور کیا جائے گا، تو، ضرور، یہ بات، معلوم ہو جائے گی کہ:

قرآن شریف، علاوہ، ان احکام کے، آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی عظمت

اور آداب سے بھی، روشناس کراتا ہے۔“

(ص ۲۶ - انوار احمدی - مؤلفہ مولانا انوار اللہ فاروقی - مطبوعہ مجلس اشاعت العلوم - جامعہ نظامیہ - حیدرآباد)

”آخری زمانہ کے بعض لوگ ”رسول“ کا معنی ”ہرکارہ“ لے کر، توہین کرتے ہیں۔

کس قدر، خدائے تعالیٰ کی مخالفت کی جارہی ہے؟

مسلمانوں کا فرض ہے کہ:

اس کے جوابات دے کر، حضرت (صَلَّى اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) کی فضیلت، ثابت کریں۔“
(ص ۲۱۶۔ حصہ گیارہ۔ ”مقاصد الاسلام“۔ مؤلفہ مولانا انوار اللہ، فاروقی۔ مطبوعہ مجلس اشاعت العلوم۔

جامعہ نظامیہ۔ حیدرآباد، دکن)

”وصفِ ”خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ“ خاصہ، آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا، ہے۔

جو، دوسرے پر، صادق نہیں آسکتا۔ اور موضوع لہ، اس لقب کا

ذات آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ہے کہ عند الاطلاق، کوئی دوسرا، اس مفہوم میں

شریک نہیں ہو سکتا۔

پس، یہ مفہوم جوئی حقیقی ہے۔“

(ص ۱۵۔ ”انوار احمدی“۔ مؤلفہ مولانا انوار اللہ، فاروقی۔ مطبوعہ مجلس اشاعت العلوم، حیدرآباد)

”اس میں شک نہیں کہ، آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم، اللہ تعالیٰ کے مثل

نہیں ہو سکتے۔ کیوں کہ وہ، خالق ہے اور آپ مخلوق، مگر، یہ کہنا بھی بے موقع، نہ ہوگا کہ:

جس طرح، حق تعالیٰ کا کوئی مثل نہیں، آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا بھی، مثل نہیں۔“

(ص ۵۷۔ حصہ گیارہ۔ ”مقاصد الاسلام“۔ مؤلفہ مولانا انوار اللہ، فاروقی۔ مطبوعہ مجلس اشاعت العلوم۔

جامعہ نظامیہ، حیدرآباد، دکن)

”حضرت (صَلَّى اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) کا جسم ہی، نرالا تھا۔

دیکھنے کو، تو، پورا جسم۔ مگر، اس کا سایہ، عمارد۔“

(ص ۶۵۔ حصہ گیارہ۔ ”مقاصد الاسلام“۔ مؤلفہ مولانا انوار اللہ، فاروقی)

”جب، کسی خاص وقت میں کھڑا ہو، تو، چاہیے کہ:

کمالِ ادب کے ساتھ، کھڑا ہو۔ اور دست بستہ ہو کر، سلام، عرض کرے:

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا سَیِّدَ نَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا سَیِّدَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ

اس طرح کے الفاظ کے ساتھ، سلام عرض کرے، جن سے حضرت کی عظمت، معلوم ہو۔“

(ص ۲۶۔ انوار احمدی۔ مؤلفہ مولانا انوار اللہ، فاروقی۔ مطبوعہ مجلس اشاعت العلوم۔ جامعہ نظامیہ۔ حیدرآباد)

”اب، شاید، یہاں کوئی، یہ اعتراض کرے کہ:
قیام، عبادت کے مشابہ ہے، اس لئے جائز نہیں۔
تو، اس کا جواب، یہ ہے کہ:

جب، عین عبادت میں، یہ سلام، جائز ہوا
تو، مشابہ یا العبادہ میں کیوں کر، جائز نہیں ہوگا؟

(ص ۵۷۱۔ ”انوار احمدی“۔ مؤلفہ مولانا انوار اللہ، فاروقی)

”ہر شخص میں صلاحیت نہیں کہ، خود، قرآن وحدیث سے وہ (مسائل) نکال سکے۔

اس لئے علماء، شَکَرُ اللہِ سَعِیْہُمْ، نے، یہ کام، اپنے ذمہ لیا کہ:
مختلف آیات واحادیث واقوال صحابہ سے تحقیق کر کے، ہر ایک مسئلہ
مختصر الفاظ میں بیان کر دیا کہ ان میں، یہ کرنا چاہیے۔

چنانچہ، ایک مدت کی کوشش میں، انھوں نے، ہر ایک مجزئی مسئلہ کا حکم
قرآن وحدیث سے نکال کر، ایک علم ہی مستقل مدوّن کر دیا
جس کا نام ”فقہ“ ہے۔ یہ ہے ”حقیقۃً فقہ“۔

(ص ۵۷۳۔ ”انوار احمدی“۔ مؤلفہ مولانا انوار اللہ، فاروقی۔ مطبوعہ مجلس اشاعت العلوم۔ جامعہ نظامیہ۔ حیدرآباد)

”غیر مذہب والوں کی مصاحبت (دوستی کرنا۔ ساتھ رہنا) اور مکالمت (بات چیت کرنا)
اور ادیانِ باطلہ کی کتابوں کے مطالعہ سے اعتقاد پر، بُرا اثر پڑتا ہے۔ گو، آدمی، دین دار اور فاضل ہو۔“

(ص ۳۸۔ ”حقیقۃً الفقہ“۔ مؤلفہ مولانا انوار اللہ، فاروقی)

”احادیث سے، یہ بھی ثابت ہے کہ:

فرقہ وہابیہ، خوارج کی ایک شاخ ہے۔ مگر، اس وجہ سے کہ:

نئے طور پر، اس کا خروج ہوا، اس لئے اس کا نام (وہابیہ) جُداگانہ قرار پایا۔

اور وہ فرقہ، اپنے بانی (شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی) کی طرف، منسوب ہوا۔

اسی وجہ سے، یہ لوگ اپنے آپ کو ”محمدی“ کہتے ہیں۔

مگر محتاط علماء نے جب، یہ دیکھا کہ:

عوام الناس، ضرور، بُرا بھلا کہیں گے۔ اور اس میں حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

کے نام مبارک کی توہین ہوگی، اس لئے وہ ”وہابی“ کے نام سے، مہسوم کیے گئے۔“

(ص ۳۱۴۔ انوار احمدی۔ مؤلفہ مولانا انوار اللہ، فاروقی)

امام بخاری رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ نے، ہر ایک حدیث اور ترجمہ الباب کے لکھنے کے قبل غسل کر کے، مقام مقدس (قبر النبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور منبر شریف کے درمیان) میں، دو رکعت نماز پڑھنے کا جو التزام کیا تھا، وہ، نہایت خوش اعتقادی پر، مبنی ہے۔
چند امورِ خیر کا کسی خاص امر میں التزام کرنا، کوئی قباحت نہیں، بلکہ متحسن ہے۔“
(ص ۵۳۔ اَلْکَلَامُ الْمَرْفُوع۔ مؤلفہ مولانا انوار اللہ، فاروقی۔ مطبوعہ مجلس اشاعت العلوم۔

جامعہ نظامیہ۔ حیدر آباد، دکن)

”اپنی حاجت روائیوں کے واسطے، شفاعت طلب کرنا، تو، کسی طرح، شرک، نہیں ہو سکتا۔
اب رہا، یہ کہ وہ، سنتے ہیں، یا۔ نہیں؟ یہ مسئلہ، دوسرا ہے۔

اس کے دلائل، کتبِ کلامیہ میں، مذکور ہیں۔

اتنا، تو قرآن شریف سے بھی، ثابت ہے کہ:

خدا تعالیٰ، ان کو، لوگوں کی باتیں سنا سکتا ہے۔ کَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی:

اِنَّ اللّٰهَ یُسْمِعُ مَنْ یَّشَاءُ وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِی الْقُبُورِ۔

جب، یہ ثابت ہے کہ خدا تعالیٰ، ان کو، زائرین کی باتیں، سناتا ہے۔

جیسا کہ احادیث میں مذکور ہے۔

تو، دور رہنے والوں کے دل کی باتیں بھی، ان کو سنا دے، تو، کیا تعجب ہے؟

(ص ۸۵ و ۸۶۔ حصہ چار۔ مقاصد الاسلام۔ مؤلفہ مولانا انوار اللہ فاروقی۔ مطبوعہ مجلس اشاعت العلوم۔

جامعہ نظامیہ۔ حیدر آباد۔ دکن)

”اب، بہت غور و فکر کے بعد، مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے

اس (شیطان) نے بے ادبی کا دروازہ کھولا اور بے ادبی کو، راست گوئی کا نام دیا۔

اب، کیسی ہی، ناشائستہ بات، کیوں نہ ہو

اس لباس میں آراستہ کر کے، احمقوں کے دماغ میں اتار دیتا ہے۔!

اور کچھ ایسا بے وقوف، بنا دیتا ہے کہ:

راست گوئی کی دُھن میں، نہ ان کو کسی بزرگ کی حرمت و توقیر کا خیال رہتا ہے

اور، نہ اپنے انجام کا۔“

(ص ۲۷۵۔ انوار احمدی۔ مؤلفہ مولانا انوار اللہ، فاروقی۔ مجلس اشاعت العلوم۔ جامعہ نظامیہ۔ حیدرآباد)
 ”ختم نبوت“ اہل اسلام کا، اجماعی عقیدہ ہے۔

خَاتَمُ النَّبِيِّینَ، جناب محمد رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد
 اب، کسی نئے نبی و رسول کی بعثت، واقع، یا۔ ممکن ماننا
 اہل اسلام کے اجماعی عقیدہ کے صریحاً خلاف ہے۔

اور آپ کے بعد، کسی عہد و عصر میں، بظنی و تدویری، کسی تاویل کے ساتھ، کسی کو بھی
 نبی و رسول ماننا، یقیناً اجماعاً، کفر و ارتداد ہے۔

شیخ الاسلام، مولانا انوار اللہ، فاروقی، حیدرآبادی نے، مرزا غلام احمد، قادیانی کے دعوائے نبوت
 اور اس کے عقائد باطلہ و فتنہ مرزائیت و قادیانیت کے خلاف

جنوبی ہند میں نمایاں ترین خدمات، انجام دے کر، لاکھوں مسلمانوں کو، مرزائی و قادیانی
 دام فریب میں گرفتار ہونے سے بچایا اور ان کے ایمان و اسلام کی حفاظت فرمائی۔

”إِسْلَامٌ لَا فِہَامَ۔ ایک مطالعہ“ کے عنوان سے، فتنہ قادیانیت و مرزائیت پر تبصرہ کرتے
 ہوئے، قاضی، سید شاہ اعظم علی، صوفی، قادری لکھتے ہیں:

..... ”ایک طرف کلمہ گو، نام نہاد مسلمانوں کی جانب سے دعوائے نبوت اور دوسری
 طرف عیسائیوں کی ظاہری مخالفت۔ دونوں کے ذریعہ، انگریزی استعمار کی خدمت، پوری دل جمعی
 سے ہوتی رہی۔ اور مرزا غلام احمد ”قادیانی“ اور ”احمدی“ کے نام سے اسلام کے خلاف
 علانیہ نہیں، تو، پوشیدہ طور پر، برابر، سرگرم عمل رہا۔
 یہاں، اس بات کا تذکرہ، بے محل، نہ ہوگا کہ:

دارالعلوم، دیوبند کے بانی مہمانی، مولوی قاسم، نانوتوی صاحب نے اپنی ایک تصنیف
 ”تَحْذِیْرُ النَّاسِ“ میں، حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے شرف ”خَاتَمُ النَّبِيِّینَ“ کی
 عجیب و غریب تاویل کی۔ جس کے باعث، تحریک قادیانیت کو، نیا حوصلہ ملا۔

اور مرزائی عقیدہ کو فروغ، بلکہ استحکام، حاصل ہو گیا۔

مولوی نانوتوی صاحب، برقم طراز ہیں:

”عوام کے خیال میں تو، رسول صلعم کا خاتم ہونا، بایں معنی ہے کہ:

آپ، سب میں آخری نبی ہیں۔ مگر، اہل فہم پر روشن ہوگا کہ:

تقدم، یا۔ تا خیزمانی میں پالڈ ات، کوئی فضیلت نہیں۔

پھر، مقام مدح میں وَلَکِنْ رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ فرمانا، کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے؟
بلکہ، موصوف پانقرض کا قصہ، موصوف پالڈ ات پر ختم ہو جاتا ہے۔

اسی طور پر، رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی خاتمیت کا تصور فرمائیے۔

آپ، موصوف بوصف نبوت پالڈ ات ہیں۔ اور نبی موصوف بوصف نبوت پانقرض۔

بایں معنی، جو، میں نے عرض کیا، آپ کا خاتم ہونا، انبیائے گذشتہ ہی کی نسبت، خاص نہ ہوگا۔

بلکہ، پانقرض، آپ کے زمانہ میں بھی، کہیں اور کوئی نبی ہو

جب بھی، آپ کا خاتم ہونا، بدستور، باقی رہتا ہے۔

بلکہ، اگر پانقرض، بعد زمانہ نبوی بھی، کوئی نبی، پیدا ہو

تو بھی، خاتمیت محمدی میں کچھ فرق، نہ آئے گا۔

چہ جائے کہ آپ کے معاصر کسی اور زمین، یا۔ اسی زمین میں کوئی اور نبی، تجویز کیا جائے۔“

(تَحْذِیْرُ النَّاسِ - مؤلف مولوی محمد قاسم، نانوتوی۔ مطبوعہ دیوبند ضلع سہارن پور۔ یوپی)

بظاہر، اس ناقابل فہم تاویل، یا۔ تشریح سے ختم نبوت کی جڑ، ہی کٹ جاتی ہے۔

اور حضور (صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) کی خاتمیت، خود ہی، ختم ہو جاتی ہے (معاذ اللہ)

..... آج سے ٹھیک ایک سو (۱۰۰) سال قبل، مرزا غلام احمد قادیانی کی لکھی ہوئی

ہزاروں صفحات پر مشتمل کتاب، موسومہ بہ ”إِزَالَةُ الْاَوْهَامِ“

جب، بانی جامعہ نظامیہ، شیخ الاسلام، حضرت حافظ انوار اللہ، فاروقی عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ کی

نظر سے گذری، تو، آپ نے بخوبی اندازہ فرمالیا کہ:

بہت جلد ایک ”صحی کاؤب“ کا ”نیافتہ“ سر اٹھانے والا ہے۔

جس کے باعث، ملت اسلامیہ، شدید انتشار و افتراق اور فساد و اختلاف کا

شکار ہو جائے گی۔ اور دین میں موجود سارا امن و سکون، درہم برہم ہو جائے گا۔

لہٰذا، دکن سے، سب سے پہلے، حضرت شیخ الاسلام، بانی جامعہ نظامیہ نے اس فتنہ کی

سرکوبی کی جانب، اولین توجہ دی۔

اور ”إِزَالَةُ الْاَوْهَامِ“ کے رد میں ”إِفَادَةُ الْاِفْہَامِ“ نامی کتاب لکھنے کا، بیڑہ اٹھایا۔

اور اُس وقت، دست یاب، مرزا غلام احمد قادیانی کی لکھی ہوئی

ایک دوسری کتاب ”برائین احمدیہ“ کے علاوہ ”عصاے موسیٰ“ مؤلفہ، نشی، الہی بخش اور ڈاکٹر عبدالحلیم کی تالیف کردہ کتب ”الذکر الحکیم“ اور ”مسح الذّٰل“ وغیرہ میں موجود کفریات کی واضح نشان دہی کرتے ہوئے شیخ الاسلام نے کئی آیات قرآنیہ و احادیث شریفہ کے حوالوں سے صراحۃً، کنایۃً اور دلالتاً، ہر انداز میں اس کا

دنداں شکن جواب دے کر، انھیں خاموش و لا جواب کر دیا۔

علمی دلائل، اس قدر، وسیع و وسیع تھے کہ ”إفادۃ الافہام“ کو، دو حصوں میں تقسیم کرنا پڑا۔
حصہ اول، سات سو چھپیس (۷۲۶) صفحات پر۔

اور حصہ دوم، تین سو ساٹھ (۳۶۰) صفحات پر۔

اس طرح، پوری کتاب کی ضخامت ایک ہزار چھپانوے (۱۰۹۶) صفحات پر، مشتمل ہے۔
جس کا سب سے پہلا ایڈیشن ۱۳۲۵ھ (یعنی ایک سو تین (۱۰۳) سال قبل) شمس الاسلام پریس واقع چھترہ بازار (حیدرآباد) میں، زیور طبع سے آراستہ ہوا۔

..... کچھ دنوں بعد، حضرت شیخ الاسلام نے ردّ قادیانیت ہی پر

ایک اور کتاب ”أنوار الحق“ کے نام سے لکھ کر، شائع فرمائی۔ ”الخ

(ص ۴۳۳، ۴۳۴۔ ”مرقّع انوار“۔ مجلس اشاعت العلوم۔ جامعہ نظامیہ، حیدرآباد ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء)

ردّ قادیانیت پر مشتمل کتاب ”إفادۃ الافہام“ کی تالیف و طباعت ۱۹۰۵ء میں ہو گئی تھی۔

اسی طرح، شیخ الاسلام، مولانا فاروقی نے ”أنوار الحق“ نامی کتاب، حسن علی، قادیانی کی

ایک کتاب ”تائید الحق“ کے جواب میں، تالیف فرمائی، جو ۱۳۲۲ھ میں طبع ہوئی۔

شیخ الاسلام، حضرت مولانا انوار اللہ، فاروقی، حیدرآبادی نے اپنے عہد و عصر میں

جنوبی ہند کے اندر، اسلام و سنیّت کے فروغ و استحکام اور ردّ فرقہ فرقی باطلہ

بالخصوص فرقہ وہابیت و قادیانیت کے خلاف، مجاہدانہ علمی و فکری کردار ادا کیا۔

آپ کی خدمات کا دائرہ، بہت وسیع ہے۔

اور آپ کی شخصیت و خدمت کے اثرات، جنوبی ہند میں، اب بھی نمایاں ہیں۔

(مزید تفصیل و تحقیق کے لئے ملاحظہ فرمائیں ”مرقّع انوار“ مطبوعہ مجلس اشاعت العلوم۔

جامعہ نظامیہ، حیدرآباد۔ صوبہ آندھرا پردیش۔ ۲۰۰۸ء)

مولانا عین القضاۃ، لکھنؤی

مولانا عین القضاۃ (متولد ۱۲۷۴ھ، حیدرآباد، دکن، متوفی رجب ۱۳۴۳ھ/۱۹۲۵ء لکھنؤ)
بن محمد وزیر بن محمد جعفر، نقشبندی، حیدرآبادی ثم لکھنؤی (متوفی ۱۳۳۱ھ)
سلسلہ فرنگی محل کے معروف صوفی عالم اور تجوید و قرأت قرآن کے مشہور مدرسہ فرقانیہ، لکھنؤ
کے بانی ہیں۔

آپ کی ابتدائی تعلیم اپنے وطن، حیدرآباد، دکن میں ہوئی۔
اس کے بعد، لکھنؤ آکر مولانا عبدالحی، فرنگی محلی (متوفی ۱۳۰۴ھ) کے بعض تلامذہ سے
کچھ درسی کتابیں پڑھیں۔ پھر، آپ کی درس گاہ سے وابستہ ہوئے اور درسیات کی تکمیل کی۔
مولانا عین القضاۃ، حیدرآبادی ثم لکھنؤی، مقولات میں، کامل دست گاہ رکھتے تھے۔
شرح ہدایۃ الحکمۃ کا آپ نے ایک وسیع و مبسوط حاشیہ لکھا۔
لکھنؤ ہی میں، درس و تدریس میں مصروف ہوئے۔ کچھ دنوں بعد آپ پر، جذب کی کیفیت
طاری ہوئی۔ آتش شوق بھڑکی تو، سورت (گجرات) پہنچ گئے۔
اور شیخ موسیٰ جی، ترکیسری کی خدمت میں حاضر ہو کر سلسلہ نقشبندیہ میں
ان سے وابستہ ہو گئے۔ اور طلب فیض کرتے رہے۔
کچھ دنوں بعد، لکھنؤ واپس آئے اور اپنے استاذ، مولانا عبدالحی، فرنگی محلی کے دولت کدہ
پر، رہنے لگے۔ یہاں، آپ کے والد، محمد وزیر بن محمد جعفر، نقشبندی، حیدرآبادی بھی
آپ کے ساتھ رہے۔

درس و تدریس سے ہی، مولانا سید عین القضاۃ، لکھنؤی، وابستہ رہے۔
اپنے گھر یا، مسجد کے علاوہ، کہیں اور آمد و رفت سے آپ کو، سروکار، نہیں تھا۔
ایک مدت بعد، عازم حرمین طہیین ہوئے اور وہاں، دوسال تک، قیام پذیر رہے۔
حرمین طہیین سے واپس لکھنؤ آئے، تو، پھر، وہی سلسلہ، شروع کیا۔
آپ نے، نہ شادی کی اور نہ مال و متاع سے آپ کو کسی طرح کی رغبت تھی۔
قانع اور صابر و شاکر زندگی گزارتے رہے۔

مولانا سید محمد محدث، اشرفی، کچھوچھوی

سرزمین کچھوچھو مقدسہ، شیراز ہند، جون پور کا وہ عظیم روحانی مرکز ہے جو سلطان التارکین، مخدوم سید اشرف جہانگیر، سمنانی رَضِیَ اللہ عَنْہُ (وصال ۸۰۸ھ) کی نسبت سے مشہورِ انام اور مرجع خاص و عام ہے۔

چودھویں صدی ہجری کی معروف و مقبول دینی و روحانی شخصیت شیخ المشائخ حضرت سید شاہ علی حسین، اشرفی، کچھوچھوی (ولادت: ۲۳ ربیع الآخر ۱۲۶۶ھ / دسمبر ۱۸۴۶ء - وصال: رجب المرجب ۱۳۵۵ھ / ۱۹۳۶ء)

خانوادہ اشرفیہ، کچھوچھو مقدسہ کے گل سرسبد اور مجددِ سلسلہ اشرفیہ ہیں۔ آپ کے مریدین کی تعداد، شمار سے باہر ہے۔ متعدد جلیل القدر علمائے اہل سنت بھی آپ کے حلقہ بیعت و ارادت میں شامل اور آپ کے دامنِ کرم سے وابستہ ہوئے۔ محدثِ اعظم، مولانا سید محمد محدث، اشرفی، کچھوچھوی (متوفی رجب ۱۳۸۱ھ / دسمبر ۱۹۶۱ء) آپ کے نواسہ اور ساختہ و پرداختہ ہیں۔

مولانا محمد یعقوب حسین، ضیاء القادری، بدایونی (متولد ۲۶ رجب ۱۳۰۰ھ / ۲ جون ۱۸۸۳ء - بدایوں - متوفی ۱۲ جمادی الاخریٰ ۱۳۹۰ھ / ۱۵ اگست ۱۹۷۰ء - کراچی)

آپ کی صورت و شخصیت و خطابت کی منظر کشی کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”کتابی چہرہ، آیاتِ جلالی کا ترجمان۔ بڑی بڑی کشادہ آنکھیں، گنبدِ خضرا کی تجلیات سے معمور۔ آواز میں ہیبت اور جبروت کے ساتھ، حلاوت کا انداز بھی۔ مقفّع و مسجع، فصیح و بلیغ ترجمہ پڑھ کر، مجمع کو مخاطب کر رہا ہے۔ اگر آیاتِ قرآنی کی تفسیر کی طرف، متوجہ ہوتا ہے

تو، حقائق و معارف کا قلم زخار، دل نشیں فقرات اور ایمان افروز الفاظ میں طوفان خیز، معلوم ہوتا ہے۔

اور احادیث کی شرح و وضاحت پر، مائل ہوتا ہے

تو، رشد و ہدایت کی سنہری بدلیاں، بارانِ رحمت میں مصروف، نظر آتی ہیں۔

مجمع ہے کہ وجد آفریں انداز میں جھوم رہا ہے۔ سُبْحَنَ اللّٰہ۔ وَصَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے نعروں سے فضا گونج رہی ہے۔ حاضرین پر کیف، طاری ہے۔ ایمان، تازہ ہو رہا ہے۔
اور دلوں سے سیاہی، خو، بخود، دور ہوتی چلی جا رہی ہے۔“

(ابتدائیہ، تعلیم ضیاء القادری، بدایونی۔ در مجموعہ نعت ”فرش پر عرش“ از محدث اعظم ہند۔ مطبوعہ بمبئی)
محدث اعظم کی تسمیہ خوانی، چار سال، چار ماہ، دس دن کی عمر میں ہوئی۔ والدہ ماجدہ سے قرآن شریف پڑھا۔ والد، مولانا حکیم سید نذر اشرف، اشرفی، جائسی نے مروّجہ فارسی کی تعلیم دی۔ مدرسہ نظامیہ، فرنگی محل، لکھنؤ میں، درس نظامی کی تحصیل و تکمیل کی۔

حضرت مولانا عبدالباری، فرنگی محلی، لکھنؤی (وصال رجب ۱۳۴۲ھ جنوری ۱۹۲۶ء)
اور دیگر اساتذہ سے تعلیم پائی۔ یہیں، آپ، سند فضیلت سے سرفراز ہوئے۔
مدرسہ، جامع مسجد، علی گڑھ میں مفتی لطف اللہ، علی گڑھی، تلمیذ مفتی عنایت احمد، کاکوروی سے منطق و فلسفہ پڑھا۔ حضرت مولانا دناوصی احمد، محدث سورتی سے پہلی بھیت میں علم حدیث پڑھا۔ صحاح جتہ، مؤطا، شرح معانی الآثار اور دیگر کتب احادیث پڑھ کر، یہاں سے علم حدیث کی سند پائی۔
بریلی شریف میں فقیہ اسلام، امام احمد رضا، قادری برکاتی، بریلوی کی خدمت میں فتویٰ نویسی سیکھی۔ بدایوں جا کر، مدرسہ قادریہ میں داخل ہوئے۔ وہاں سے بھی علم حدیث کی سند پائی۔
حضرت مولانا عبدالمتقدر، عثمانی، قادری، بدایونی سے شرف تلمذ پایا۔
سترہ (۱۷) سال کی عمر میں، فارغ التحصیل ہو گئے۔
حضرت مولانا سید احمد اشرف، کچھوچھوی، فرزند شیخ المشائخ، سید علی حسین، اشرفی، کچھوچھوی کے دست حق پرست پر، بیعت ہوئے۔

۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء میں دہلی کے اندر ”مدرسۃ الحدیث“ قائم فرمایا۔

۱۳۴۱ھ/جنوری ۱۹۲۳ء میں کچھوچھو شریف سے ماہنامہ ”اشرفی“ جاری فرمایا۔

دارالعلوم اشرفیہ، مبارک پور ضلع اعظم گڑھ (یوپی، انڈیا) کے تاحیات، سرپرست رہے۔
مختلف سنی تنظیموں، آل انڈیا سنی کانفرنس، جماعت رضا، مصطفیٰ، آل انڈیا سنی جمعیتہ العلما وغیرہ کی سرگرمیوں میں، کلیدی کردار ادا کیا۔

ہزاروں بندگانِ خدا کو مختلف سلاسل طریقت میں داخل فرما کر، ان کی روحانی تربیت کی۔
حجاز مقدس، عراق، فلسطین، دمشق، مصر، یمن، برما، پاکستان وغیرہ کے تبلیغی دورے کیے۔

تصنیف و تالیف سے بھی دل چسپی رکھی۔ چھوٹی بڑی، دو درجن سے زائد کتابیں لکھیں۔
قرآن پاک کا سلیس ترجمہ ”معارف القرآن“ کے نام سے لکھا۔
نعتیہ مجموعہ ”کلام“ ”فرش پر عرش“ کے نام سے مشہور ہے۔

(ملخصاً۔ از ص ۲۶ و ص ۲۷۔ محدث اعظم نمبر۔ ماہنامہ، جام نور۔ دہلی۔ شمارہ ربیع الآخر و جمادی الاولیٰ

۱۳۳۲ھ / اپریل ۲۰۱۱ء)

محدث اعظم کے اساتذہ، اجلہ علمائے اہل سنت ہیں۔

جن میں آپ کے والد محترم، مولانا سید نذر اشرف، جاسی اور حقیقی ماموں، حضرت مولانا سید احمد اشرف، اشرفی، کچھوچھوی کے علاوہ، مندرجہ ذیل حضرات، شامل ہیں:

(۱) حضرت مولانا عبدالباری، فرنگی محلی، لکھنوی (متوفی ۱۳۳۳ھ / جنوری ۱۹۲۶ء) (۲)
حضرت مولانا مفتی محمد لطف اللہ، علی گڑھی (متوفی ذوالحجہ ۱۳۳۴ھ / اکتوبر ۱۹۱۶ء۔ تلمیذ رشید، مفتی عنایت احمد، کاکوروی (متوفی ۱۲۷۹ھ) (۳) حضرت مولانا وصی احمد، محدث سورتی (متوفی چہار شنبہ، بوقت تہجد، بتاریخ ۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۴ھ / ۱۶ اپریل ۱۹۱۶ء)

(۴) امام احمد رضا قادری برکاتی، بریلوی (متوفی ۲۵ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ / ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۱ء)
(۵) حضرت مولانا مطیع الرسول عبدالمقتدر، عثمانی، قادری، بدایونی۔

متوفی ۲۵ محرم الحرام ۱۳۳۴ھ / ۴ دسمبر ۱۹۱۵ء۔ بحالت سجدہ، در نماز فجر
مدرسہ نظامیہ، فرنگی محل۔ لکھنؤ میں، آپ کی مدت تعلیم، آٹھ (۸) سال ہے۔
علمائے فرنگی محل، بالخصوص حضرت مولانا عبدالباری، فرنگی محلی سے
آپ نے خصوصی استفادہ کیا۔ اور فیضان فرنگی محل سے، دل کھول کر، مستفیض ہوئے۔
فراغت تعلیم کے بعد، آپ نے دہلی میں، مدرسۃ الحدیث قائم کر کے
اس میں بارہ (۱۲) سال تک درس حدیث کا فریضہ، انجام دیا۔

دہلی کے بعد آپ نے اپنے نانا جان، حضرت سید علی حسین، اشرفی، کچھوچھوی فُدّس سیرۃ
کے قائم کردہ ادارہ ”جامعہ اشرفیہ“ کچھوچھو شریف میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہو کر
ایک عرصے تک تعلیم دی اور تشنگانِ علوم و فنون کو سیراب فرمایا۔

آپ سے شرف تلمذ رکھنے والے چند حضرات کے اسمائے گرامی، درج ذیل ہیں:
حضرت مولانا محمد سلیمان، اشرفی، بھاگل پوری و حضرت مولانا سید محمد فاخر، الہ آبادی

حضرت مولانا مفتی افضل الدین اشرفی و حضرت مولانا سید نعیم اشرف، جاسی و حضرت مولانا سید محمد مدنی، اشرفی، کچھوچھوی۔

محدث اعظم کو آپ کے ماموں اور پیر و مرشد، حضرت سید احمد اشرف، کچھوچھوی نے ۱۳۳۰ھ میں مواجہہ اقدس، مدینہ طیبہ میں اپنی اجازت و خلافت سے نوازا۔

شیخ المشائخ، سید شاہ علی حسین، اشرفی، کچھوچھوی کو آپ کے صاحب زادے سید احمد اشرف اشرفی اور نواسے، سید محمد محدث، اشرفی کتنے عزیز تھے؟

اس کا اندازہ، آپ کے اُس تاریخی خطاب سے ہوتا ہے، جس سے آپ نے سنی کانفرنس مراد آباد کی تاریخ کانفرنس، منعقدہ مراد آباد، ۱۹۲۵ء کو، اس طرح نوازا:

”مجھے، جو غم کھائے جا رہا ہے، وہ، یہ کہ میری عمر کا بڑا حصہ، گذر چکا ہے۔

اور ضعیفی و ناتوانی نے مجھے اس طرح گھیر لیا ہے کہ میں آپ کا ایک عضوِ معطل ہو کر رہ گیا ہوں۔

ہاں! میری اسی (۸۰) برس کی کمائی میں، صرف دو چیزیں ہیں

جن کی قیمت کا اندازہ، اگر آپ، میری نگاہ سے کریں گے

تو، ہفت اقلیم کی تاج داری، بیچ، نظر آئے گی۔

میری بڑی قیمتی کمائی ہے جس پر مجھ کو، دنیا میں ناز ہے اور آخرت میں بھی فخر ہوگا۔

جس کو میں، کبھی بھی، جدا نہیں کر سکتا تھا لیکن، آج، اعلانِ حق کے لئے

میں، اپنی ساری کمائی، نذر کر رہا ہوں۔ میرا اشارہ:

پہلے، اپنے تختِ جگر اور نورِ نظر، مولانا ابوالحمود، سید احمد اشرف، اشرفی جیلانی۔

پھر، اپنے نواسہ و جگر پارہ، مولانا الحاج، ابوالحامد، سید محمد محدث، اشرفی، جیلانی کی طرف ہے۔

ان دونوں کی ذات، میری ضعیفی کا سرمایہ ہے۔

آج، ان جگر کے ٹکڑوں کو، نذر پیش کرتا ہوں کہ:

اعلانِ حق میں، آخری ساعت تک، سنت و اہل سنت کی خدمت

جو، سپرد کی جائے، اُس میں میری تربیت و حقوق کا حق، ادا کریں۔“

(ماہنامہ، اشرفی، کچھوچھوچھو، ضلع فیض آباد۔ شمارہ مئی ۱۹۲۵ء)

حضرت مولانا، ابوالحمود، سید احمد اشرف، کچھوچھوی (متوفی ۱۳۳۷ھ)۔

ومحدث اعظم، سید محمد محدث، اشرفی، کچھوچھوی (متوفی ۱۳۸۱ھ)

یہ دونوں ”ماموں بھانجے“ امام احمد رضا، قادری، برکاتی، بریلوی نے رشتہ تلمذ و استفادہ رکھنے کے ساتھ، ممتاز تلامذہ و خلفاء آپ کے بھی ہیں۔

ماموں جان نے اپنے عزیز بھانجے کو، بارگاہ رضوی، بریلی شریف تک پہنچا کر اپنے ساتھ اپنے بھانجے کا رشتہ بھی، اُس امام عشق و محبت سے اُستوار کر دیا

جو، تعظیم رسول و تکریم سادات کا، اپنے عہد و عصر میں، سب سے بڑا حکم بردار تھا۔

”ایک روز، حضرت مولانا شاہ سید احمد اشرف صاحب، کچھوچھوی

(بریلی) تشریف لائے ہوئے تھے۔ رخصت کے وقت، انھوں نے عرض کی کہ:

مولوی سید محمد صاحب اشرفی، اپنے بھانجے کو، میں چاہتا ہوں کہ:

حضور کی خدمت میں حاضر کروں۔ حضور، جو مناسب خیال فرمائیں، اُن سے کام لیں۔“

ارشاد ہوا: ضرور، تشریف لائیں۔ یہاں، فتویٰ لکھیں اور مدرسہ میں، درس دیں۔“

سید محمد اشرفی صاحب تو میرے شہزادے ہیں۔ میرے پاس جو کچھ ہے

وہ، انھیں کے جَدِّ امجد کا صدقہ و عطیہ ہے۔“

(ص ۷۷۔ المملووظ، حصہ اول، مرتبہ مفتی اعظم، مولانا شاہ مصطفیٰ رضا، نوری، بریلوی)

حضرت مولانا محمد ظفر الدین، قادری، رضوی، عظیم آبادی، تحریر فرماتے ہیں:

مولانا سید محمد صاحب، کچھوچھوی کا بیان ہے کہ:

جب، دارالافتا میں، کام کرنے کے سلسلے میں، میرا، بریلی شریف میں قیام تھا

تو، رات دن، ایسے واقعات، سامنے آتے تھے کہ:

اعلیٰ حضرت کی حاضر جوابی سے لوگ، حیران ہو جاتے۔

ان حاضر جوابیوں میں حیرت میں ڈال دینے والے واقعات، وہ علمی حاضر جوابی تھی

جس کی مثال، سنی بھی نہیں گئی۔ مثلاً:

استفتا آیا۔ دارالافتا میں کام کرنے والوں نے پڑھا اور ایسا معلوم ہوتا کہ:

نئے قسم کا حادثہ، دریافت کیا گیا۔ اور جواب، جو یہ کی شکل میں نہل سکے گا۔

فُہما کے اصولِ عائشہ سے استنباط کرنا پڑے گا۔

اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

عرض کیا: عجیب، نئے قسم کے سوالات آرہے ہیں۔ اب، ہم لوگ، کیا طریقہ اختیار کریں؟

فرمایا: یہ تو، بڑا پرانا سوال ہے۔ اپنی اٹھماں نے فتح القدر کے فلاں صفحہ میں۔
ابن عابدین شامی نے رُؤ الحمار کی فلاں جلد اور فلاں صفحہ پر فتاویٰ ہندیہ میں، خیر یہ میں۔
یہ عبارت، صاف طور پر موجود ہے۔

اب جو گتہوں کو کھولا تو، صفحہ، سطر، اور بتائی ہوئی عبارت میں، ایک نقطہ کا فرق نہیں۔
اس خداداد فضل و کمال نے علما کو، ہمیشہ، حیرت میں رکھا۔

ایک مرتبہ، پندرہ بطن کا مناسخ آیا۔

..... یہ مناسخ، انھیں کے سپرد کیا گیا۔

مولانا سید محمد صاحب کا بیان ہے کہ:

ان کا سارا دن، اسی مناسخ کے حل کرنے میں لگ گیا۔ شام کو، اعلیٰ حضرت کی عادت کریمہ
کے مطابق، جب بعد نماز عصر، پھاٹک میں نشست ہوئی اور فتاویٰ پیش کیے جانے لگے
تو، میں نے بھی، اپنا قلم بند کیا ہوا جواب، اس امید کے ساتھ، پیش کیا کہ:
آج، اعلیٰ حضرت کی داد لوں گا۔“

پہلے، استفتا نایا۔ فلاں، مرء اور اتنے وارث چھوڑے۔ اور پھر، فلاں، مرء اور اتنے چھوڑے۔
غرض، پندرہ (۱۵) موت، واقع ہونے کے بعد، زندوں پر، ان کے حق شرعی کے مطابق
خرکہ، تقسیم کرنا تھا۔ مرنے والے تو، پندرہ تھے۔

مگر، زندہ وارث کی تعداد، پچاس (۵۰) سے، اوپر تھی۔

استفتا ختم ہوا کہ اعلیٰ حضرت نے فرمایا:

آپ نے فلاں کو اتنا، فلاں کو، اتنا دیا

اُس وقت کا میرا حال، دنیا کی کوئی لغت، ظاہر نہیں کر سکتی۔

علوم اور معارف کی، یہ غیر معمولی حاضر جوابیاں ہیں، جن کی کوئی مثال، سننے میں نہیں آئی۔“

(ص ۲۵۴ تا ۲۵۶۔ حیات اعلیٰ حضرت، حصہ اول۔ رضا اکیڈمی، بمبئی)

یوم ولادتِ امام احمد رضا کے ایک اجلاسِ ناگ پور، مہاراشٹر، منعقدہ شوال ۱۳۷۹ھ میں

خطاب کرتے ہوئے، محدثِ اعظم ہند فرماتے ہیں:

”تیرہویں صدی ہجری کی، یہ واحد شخصیت تھی

جو، ختمِ صدی سے پہلے، علم و فضل کا آفتابِ فضل و کمال ہو کر

اسلامیات کی تبلیغ میں، عرب و عجم پر چھا گئی۔

اور چودہویں ہجری کے شروع میں پورے عالم اسلام میں اسے حق و صداقت کا منارہ نور

سمجھا جانے لگا۔“ (ص ۳۵۔ مقالات یوم رضا، جلد اول۔ طبع لاہور۔ مرثیہ قاضی عبدالنبی کوکب)

”آج میں، آپ کو جگ بیتی نہیں، بلکہ آپ بیتی، سنارہا ہوں کہ:

جب، تکمیل درس نظامی و درس حدیث کے بعد، میرے مربیوں نے کارِ افتا کے لئے

مجھے، اعلیٰ حضرت کے حوالے کیا، زندگی کی یہی گھڑیاں، میرے لئے سرمایہ حیات ہو گئیں۔

اور میں، محسوس کرنے لگا کہ:

آج تک جو کچھ پڑھا تھا، وہ، کچھ، نہ تھا۔ اور اب ایک دریاے علم کے ساحل کو پایا ہے۔

علم کو، راسخ فرمانا، اور ایمان کو، رگ و پے میں اتار دینا، اور صحیح علم دے کر، نفس کا تزکیہ

فرما دینا، یہ وہ کرامت تھی، جو، ہر ہر منٹ پر صادر ہوتی رہتی تھی۔“

(ص ۳۸۔ مقالات یوم رضا۔ ج: ۱۔ مطبوعہ لاہور)

محمدؐ اَعْظَم کے خَلَفِ اکبر، شیخ الاسلام، مولانا سید محمد دنی، اشرفی، کچھو چھوی

شہزادہ امام احمد رضا، مولانا الشاہ مصطفیٰ رضا، نوری، بریلوی اور محمدؐ اَعْظَم ہند کی

بصیرت دینی و علمی اور روابط باہمی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

”ہمارا امدوح (مفتی اعظم ہند، بریلوی) خَلَقاً و خَلْقاً و مَطْطَقاً، اپنے باپ، احمد رضا، کی

جی تصویر تھا۔ اَلْوَلَدُ سِرّاً لِابِیْہِ کی ایسی بے داغ تصویر، آسانی سے دیکھنے کو نہیں ملتی۔

..... ہمارے امدوح (مفتی اعظم ہند) کی سب سے بڑی کرامت

ہر حال میں شریعت پر، اس کی استقامت ہے۔ وہ، اسلام کا بطلِ جلیل اور استقامت کا

ایسا جبلِ عظیم تھا کہ نازک سے نازک وقت میں بھی، اُس کے پیروں میں لغزش، نہ آسکی۔

حضور مفتی اعظم ہند کے ایک فتویٰ کی تصدیق فرماتے ہوئے

ایک مرتبہ، مَخْدُومُ الْمَلِک، حضور محمدؐ اَعْظَم ہند نے صرف ایک جملہ تحریر فرمایا تھا:

هَذَا حُكْمُ الْعَالِمِ الْمُطَاعِ وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْإِتِّبَاعُ۔

یہ ایک عالمِ مطاع کا حکم ہے، اور ہمارے لئے اِتِّبَاع کے سوا، کوئی چارہ کار نہیں۔“

کلام کی عظمت، متکلم کی عظمت سے پہچانی جاتی ہے۔ اگر، یہ کسی ایسے ویسے کا کلام ہوتا

تو، اس لائق نہ ہوتا کہ اس پر کسی کلام کی بنیاد رکھی جائے۔ مگر، یہ اُس کا کلام ہے

جو، صرف، یہی نہیں کہ سید المحکمین، سند المحققین، سرآمد علما و صوفیہ، سراج خانوادہ اشرفیہ تھا، بلکہ خود، حضور مفتی اعظم ہند کی بے پناہ عقیدت و محبت اور لازوال نیاز مند یوں کا قبلہ و کعبہ تھا۔ میرا خیال ہے کہ آج تک، مفتی اعظم ہند کا تعارف کراتے ہوئے

جو، کچھ لکھا گیا ہے اور آئندہ جو کچھ لکھا جائے گا، اُن سب کو ایک پلڑے پر، اور حضور محدث اعظم کے قلم سے نکلے ہوئے اس فقرے کو، دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے، تو اس کا وزن، زیادہ ہوگا۔ ہم، اُس عظیم فرزند کے فضل و کمال کا کیا تعارف کر سکیں گے

جسے، حضور محدث اعظم جیسی شخصیت بھی ”عالم مطاع واجب الاتباع“ قرار دے۔“
(ص ۲۳۱۔ ”جہان مفتی اعظم“، رضا ایڈمی۔ بمبئی۔ مفتی اعظم نمبر۔ ماہنامہ استقامت، کان پور۔

شمارہ مئی ۱۹۸۳ء)

اسی طرح، حضرت محدث اعظم و صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی، عظمیٰ، رضوی کے مخلصانہ روابط و تعلقات باہمی کے بارے میں، شارح بخاری، مفتی محمد شریف الحق امجدی (سابق صدر شعبہ افتاء الجامعۃ الاشرفیہ۔ مبارک پور) بطور عینی مشاہدہ، تحریر فرماتے ہیں:

”اشرفیہ، مبارک پور کے سالانہ جلسے میں ابتدا ہی سے حضرت صدر الشریعہ اور حضرت محدث اعظم، ہنردشتریک ہوتے تھے، اس لئے کہ، یہ دونوں حضرات، اشرفیہ کے سرپرست تھے۔ ایک دفعہ، ایسا ہوا کہ حضرت محدث اعظم ہند شام کو ساڑھے پانچ بجے، تشریف لائے۔ اور کہیں، بہت دور سے آرہے تھے، اس لئے تھکے ہوئے تھے۔

بعد نماز عشاء، کھانے کے دسترخوان پر، حضرت صدر الشریعہ سے فرمایا:

حضرت! میں، بہت، تھکا ماندہ ہوں۔ تقریر نہیں کر سکتا۔ آج، آپ بھر پور تقریر فرمائیں۔“
حضرت صدر الشریعہ نے فرمایا کہ:

مجھے، تقریر کرنی نہیں آتی۔ یہاں کے لوگ آپ کی تقریر سننے کے مشتاق ہیں۔

آپ، خطیب ہیں۔ میں، تھوڑی دیر، بیان کر دوں گا۔ پھر، آپ کو تقریر کرنی ہوگی۔“

حضرت محدث اعظم نے اپنی تھکن کا، ہنذر، دُہرایا۔ اور ارشاد فرمایا:

حضرت! دل کھول کر، تقریر فرمادیں۔ پھر، کسی کو ہوش ہی نہیں رہے گا کہ میرا نام لے۔“

حضرت صدر الشریعہ نے فرمایا کہ: دیکھا جائے گا۔“

جلسہ کے وقت، حضرت محدث اعظم نے فرمایا کہ:

میں، اگرچہ، بہت تھکا ہوا ہوں۔ سونے کے لئے مضطرب ہوں۔
مگر، جلسے میں ضرور چلوں گا۔ آج، صدر الشریعہ کی تقریر سننی ہے۔“
دونوں اکابر، ساتھ ساتھ، جلسہ گاہ میں تشریف لائے۔ اور دو کرسیاں، رکھ دی گئیں۔
اور پھر، صدر الشریعہ نے تقریر، شروع فرمائی۔

صدر الشریعہ نے خطبہ و تمہید کے بعد فرمایا: اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:
قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِثْلَ دَا لِكَلِمَتٍ رَبِّي لَنَفَذَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَذَ كَلِمَتُ رَبِّي
وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا۔

حضرت شیخ عبدالحق، محدث دہلوی، عَلَیْہِ الرَّحْمَةُ وَالرَّضْوَانُ نے فرمایا کہ:
”کَلِمَتُ رَبِّي“ سے مراد، حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی مدح و ثنا ہے۔

(صدر الشریعہ نمبر۔ ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور۔ ص ۹۳۔ مقالات شارح بخاری)
واقعہ کا تسلسل، برقرار رکھتے ہوئے شارح بخاری، عَلَیْہِ الرَّحْمَةُ، فرماتے ہیں:
”مجھے، وہ منظر، اچھی طرح، ذہن نشین ہے۔

اس کے بعد، حضرت صدر الشریعہ نے دو گھنٹے تقریر فرمائی۔
اور خود، حضرت محدث اعظم اس محویت سے سن رہے تھے کہ:
کرسی پر پہلو بھی، نہ بدلا اور ٹکٹلی باندھے، حضرت صدر الشریعہ کو دیکھتے رہے۔“
اُس وقت، نہ واہ واہ کا، رواج تھا، نہ سُبْحَنَ اللہ، سُبْحَنَ اللہ کہنے کا۔
اور نہ، نعرہ تکبیر و رسالت کا۔

وقار و اطمینان کے ساتھ، لوگ، علما کی تقریر سنتے تھے۔
پھر بھی، محدث اعظم ہند، بار بار، ہلکی آواز میں سُبْحَنَ اللہ، سُبْحَنَ اللہ کہتے جاتے تھے۔
اگرچہ، ان کی ہلکی آواز، پورے مجمع میں گونج جاتی تھی۔

..... دوسرے دن، حضرت محدث اعظم ہند نے، اسی آیت کریمہ:
قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِثْلَ دَا لِكَلِمَتٍ رَبِّي کو، اپنی تقریر کا عنوان بنایا۔
اس نکتہ کو لے کر کہ، حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی مدح و ثنا
”کَلِمَتُ رَبِّي“ کیسے ہے؟

دو گھنٹے، انتہائی پُر مغز، دل آویز، ایمان افروز اور پورے خطیبانہ آن بان کے ساتھ

تقریر فرمائی۔ جس کی لذت سے آج بھی، روح، سرشار ہے۔

حضرت محدث اعظم نے اس شرابِ علم کو، دوا آتش بنا کر پورے مجمع کو، مست و بے خود بنادیا۔

(صدر الشریعہ نمبر۔ ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور۔ ص ۹۴۔ مقالات شاربِ بخاری)

علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی، نقشبندی عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ نے اپنی چند یادداشتیں، قلمبندی کی ہیں۔

جن میں آپ لکھتے ہیں:

”ایک بار، دارالعلوم اشرفیہ کے نظامِ تعلیم و تعلّم کے بارے میں (حضرت محدث اعظم ہند) مجھ سے، استفسار فرما رہے تھے۔ اسی ضمن میں، دریافت فرمایا کہ:

دیوانِ متنبی کا سبق، کس مدرس کے پاس ہے؟

میں نے عرض کیا: خادم ہی کے پاس ہے۔

فرمایا: کہاں تک ہو چکی ہے؟

میں نے عرض کیا: ردیف با، قریب الختم ہے۔

فرمایا: واہ! ابھی تک، گویا، آپ، متنبی کے الف ب تک پہنچے ہیں۔

اچھا، یہ تو بتائیے کہ دیوانِ متنبی میں، نعت کا کون سا شعر، آپ کو پسند آیا؟

میں نے عرض کیا: حضور! دیوانِ متنبی میں نعت کے شعر تو نہیں ہیں۔

گرج دارا آواز میں فرمایا: کیوں نہیں ہیں؟

متنبی نے تو، حضور عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کا نام لے لے کر نعت کہی ہے۔

اور ایک شعر تو، ایسا کہہ گیا ہے کہ عربی، فارسی، اردو کسی زبان میں بھی اس مضمون پر

اتنا بلند پایہ شعر، آج تک، میری نظر سے، نہیں گذرا ہے۔

میں، سراپا استعجاب بن کر، حضرت عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ کا، منہ تک رہا تھا کہ:

بھلا، دیوانِ متنبی میں، نعت کا کون سا شعر ہے۔ اور وہ بھی، عدیم المثال؟

پھر، ایک دم آپ نے فرمایا: اچھا بتائیے؟ یہ شعر کس کا ہے؟

أَلَا إِنَّمَا كَانَتْ وَقَاۃُ مُحَمَّدٍ

ذَلِيلًا عَلٰی أَنْ لِّسَ لِلّٰہِ غَالِب

ترجمہ: خبردار! محمد کی وفات، اس بات پر دلیل ہو گئی کہ خدا کے لئے کوئی غالب نہیں ہے۔“

میں نے عرض کیا: حضور! یہ متنبی کا شعر ہے، جو، اس نے محمد بن القنوی کی مدح میں کہا ہے۔

تبسم فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

متنبی نے اس کو محمد تنوخی کے لئے کہا ہوگا

مگر، ہم تو، اس شعر کو، محمد عربی کے لئے پڑھتے ہیں۔

(صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)

کہیے۔ نعت کا کتنا بلند پایہ شعر ہے؟

واہ واہ! اور حقیقت، اس شعر کو نعت میں پڑھنے کے بعد

مجھ پر بھی، ایسی کیفیت، طاری ہوئی کہ میں، سر دھننے لگا۔

عرس مسعودی، بہرائچ شریف کے جلسوں میں

حضرت محدث اعظم علیہ الرحمۃ وراحم الحروف (عبدالمصطفیٰ، اعظمی) اور مولانا عبدالحامد

بدایونی و مولوی شاہد، فاخری (اللہ آبادی) چند علما، مدعو تھے۔

آخر الذکر دونوں صاحبان نے مہمان خانہ مسعودیہ میں قیام کیا۔

مگر، حضرت علیہ الرحمۃ اپنے مرید، سیٹھ ننھے میاں تاجر کی کوشی پر تشریف فرما تھے۔

مجھے، حضرت علیہ الرحمۃ کی فرقت، گوارا نہیں تھی۔

اس لئے میں درگاہ شریف سے ننھے میاں کی کوشی پر پہنچا۔ کوشی، مہمانوں سے پڑ تھی۔

حضرت علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ: آپ، مہمان خانہ مسعودیہ میں کیوں نہیں ٹھہرے؟

میں نے عرض کیا کہ بھلا، میں، حضور والا کو چھوڑ کر کہاں جا سکتا ہوں؟

پھر، میں نے عرض کیا کہ: حضور والا نے مہمان خانہ مسعودیہ میں کیوں نہیں قیام فرمایا؟

وہاں سے شرکت اجلاس میں بڑی سہولت رہتی۔

مولانا عبدالحامد صاحب (بدایونی) اور مولوی شاہد فاخری صاحب (اللہ آبادی) وہیں مقیم ہیں۔

ارشاد فرمایا کہ: سُبْحَنَ اللّٰہ! آپ، خود تو، وہاں، ٹھہرے نہیں۔

مگر، بنی امیہ اور بنی ہاشم کو ایک ہی منزل میں، دیکھنا چاہتے ہیں؟

وہاں، کانگریس اور مسلم لیگ کا ملاپ تو، ہو ہی چکا ہے۔

کیا، آپ، چاہتے ہیں کہ سنی کانفرنس بھی، ان دونوں کے ساتھ، مدغم ہو جائے؟

(مولانا عبدالحامد بدایونی، نسباً عثمانی اموی اور کثر مسلم لیگی اور مولوی شاہد فاخری

پکے کانگریسی ہیں۔ اور حضرت محدث اعظم علیہ الرحمۃ ہاشمی اور سنی کانفرنس کے صدر۔

ان حقائق کی طرف کتنے لطیف انداز میں اشارہ فرمایا ہے)

میرے قیام احمد آباد (گجرات) کے زمانے میں، میرے بعض حاسد مولویوں کی دسیسہ کاریوں کی وجہ سے میرے اور حضرت محدث اعظم علیہ الرحمۃ کے درمیان قدرے شکر رنجی پیدا ہو گئی تھی۔ چنانچہ، میں، حج کی روانگی کے وقت ایک معافی نامہ تحریر کر کے حضرت علیہ الرحمۃ سے دعاؤں کا خواستگار ہوا۔

اس کے جواب میں، مندرجہ ذیل مضمون کا گرامی نامہ، میرے نام، عزت بخش ہوا۔

مولانا الآغاؒ سَلَمَکُمُ اللہُ تَعَالٰی

محبت نامہ، نظر نواز ہوا۔ حج و زیارت کی خبر نے مسرور الوقت کیا۔

میرا، ہر بن مو، آپ کے لئے مصروف دعا ہے۔

اس موقع پر، یہاں تو، آپ نے مجھے یاد رکھا

کاش! حرمین طہیین میں بھی آپ، یاد رکھ کر مجھے اور زیادہ مسرور کرتے۔

جس وقت، میرا دعانا آپ کو ملے گا، میں، اُس وقت بنگال کی سرحد میں داخل ہو چکا ہوں گا۔

اس لئے ملاقات، نہیں ہو سکتی۔

فقط والدعاء۔ دعا گو۔ فقیر، ابوالحامد سید محمد اشرفی جیلانی غفرلہ۔

حرمین طہیین سے واپسی پر پہلی ملاقات، مدرسہ احسن المدارس، کان پور کے اجلاس میں ہوئی۔ حضرت محدث اعظم علیہ الرحمۃ نے جس التفات اور گرم جوشی کے ساتھ معاف فرمایا، اُس کی لذت، آج تک، فراموش نہیں کر سکا ہوں۔“

(ص ۳۷ تا ص ۴۹۔ محدث اعظم ہند: کچھ یادیں کچھ باتیں۔ بقلم علامہ عبدالمصطفیٰ، اعظمی۔

محدث اعظم نمبر۔ ماہنامہ جام نور۔ دہلی۔ شمارہ ربیع الآخر و جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ / اپریل ۲۰۱۱ء)

سوائے شردھانند، وغیرہ کی شدھی تحریک (تحریک ارتدادِ مسلمین) ۱۹۲۳ء کے جواب و دفاع میں جاری کوششوں اور اہل اسلام کی قربانیوں کو محدث اعظم نے صرف قریب سے دیکھا نہیں بلکہ عملی طور پر بھی، آگرہ کے مرکزی محاذ تک پہنچے۔ چنانچہ، اس سلسلے میں آپ لکھتے ہیں:

”مؤرخہ ۲۳ رذوالحجہ ۱۳۴۱ھ مطابق اگست ۱۹۲۳ء کو، میں، طلیمیدہ، فرنگی محل، لکھنؤ گیا

اور وہاں سے آگرہ، روانہ ہوا۔ تاکہ مبلغین اسلام کی مساعی جیلہ کا مشاہدہ کروں۔“

(ماہنامہ اشرفی، کچھ ضلع فیض آباد۔ ذوالحجہ ۱۳۴۱ھ / اگست ۱۹۲۳ء)

عید گاہ بھڑوچ، گجرات کی ایک کانفرنس منعقدہ ۱۸ تا ۲۰ نومبر ۱۹۵۷ء کے خطبہ صدارت میں آپ فرماتے ہیں:

”مگر، ملکانہ کا، ذرہ ذرہ گواہ ہے۔ اور اُس وقت کے حکومتی دفاتر، گواہ ہیں کہ: ”جماعتِ رضاؒ مصطفیٰ (بریلی) نے تحریک (شدھی) کو، ایسی فاش شکست دی کہ جو، پھڑپھڑکتے، آ کے گلے ملے اور جو، پھڑکنے کے قریب تھے وہ بچے رہے۔

اور اس سعی کے نتیجے میں جو، قطعی ریگانے تھے، ان کی بڑی تعداد کے افراد، اپنے یگانے ہو گئے۔

(ماہنامہ ”سُنی“، لکھنؤ۔ شمارہ ماہِ جمادی الآخرہ ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۷ء)

اپنے ایک گراں قدر مضمون میں، محدثِ اعظم ہند، تحریر فرماتے ہیں:

مجھے، ان ایامِ جنگ میں، جماعت (رضائے مصطفیٰ بریلی) کے جنگی دفتر (محکمہ رکاب گنج۔

آگرہ) میں حاضری کا شرف، حاصل ہو چکا ہے۔

..... ہم، ممبرانِ جماعت (رضائے مصطفیٰ) سے واقفیت رکھتے ہیں۔

اور ان کے عیش و آرام کا، بار بار مشاہدہ کیا ہے۔

اب، ان کو، ملکانہ میں وسیع دسترخوان کی جگہ۔ کسی درخت کے نیچے۔ فرشِ زمین پر بیٹھا

کئی وقتوں کے بعد، چنے چباتے بھی دیکھتے ہیں تو، ہماری آنکھوں سے آنسو کی جگہ، خون ٹپک پڑتا ہے۔

مسلمانو! صرف، دودن بھوکے پیاسے رہو۔ اور پھر، سوچو کہ اسلامی فوج، تقریباً دو برس

تک، بھوکی پیاسی بڑی۔ اور بتاؤ کہ تم، لشکرِ اسلام کا، اس سے زیادہ، کیا امتحان لینا چاہتے ہو؟

(ص ۳۳۲-۳۳۳۔ روداد ”جماعتِ رضاؒ مصطفیٰ“، بریلی، ۱۳۳۲ھ/۱۹۲۳ء، ۱۹۲۴ء)

اپنی آواز، اپنا پیغام، اپنا خیال، اپنی فکر، اپنی تحقیق، دوسروں تک پہنچانے کے لئے

محدثِ اعظم نے زبان کے ساتھ، قلم کا بھی سہارا لیا اور ہمہ جہت و ہمہ وقت مصروف رہنے کے

باوجود آپ کی متعدد تحریری خدمات، آپ کی دینی و علمی یادگار ہیں۔

جن میں، سرفہرست آپ کا ترجمہ ”قرآن، بنام ”معارف القرآن“ ہے

جس کے اردو و ہندی و گجراتی ایڈیشن ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء میں ایک ساتھ، منظرِ عام پر آئے۔

معارف القرآن کی تکمیل ۱۳۶۶ھ میں ہو گئی تھی جس کے بعد تفسیر قرآن کا بھی کام، شروع

ہو گیا تھا۔ مگر، اس کا سلسلہ، تین پاروں سے آگے نہ بڑھ سکا۔

ترجمہ و تفسیر کے علاوہ، آپ کی کتب و رسائل کے نام، یہ ہیں:

- (۱) خدا کی رحمت: مجموعہ عقائد اہل سنت۔ مطبوعہ ۱۹۲۳ء۔
- (۲) فرش پر عرش:۔ مجموعہ نعت و منقبت۔ طبع اول ۱۹۵۵ء۔
- (۳) تحقیق الباری فی حقوق الشارح: مطبوعہ ۱۳۵۷ھ انجمن اہل سنت، جون پور۔
- (۴) تقویٰ القلوب: جواب استفتاء سید غلام بھیک نیرنگ۔ مطبوعہ ۱۹۲۵ء۔
- تقویٰ القلوب کی زیور کس کا پی، حضرت مولانا سید محمد جیلانی اشرفی، کچھوچھوی جب ماہنامہ المیزان، دہلی سے نکال رہے تھے، اُس وقت، انھوں نے اس حکم کے ساتھ مجھے عنایت فرمایا کہ اس پر آپ، علمی و تحقیقی مضمون تحریر کریں۔
- چنانچہ، تمیل حکم میں ایک تفصیلی و تحقیقی مضمون میں نے سپرد قلم کیا جسے آپ نے اپنے ماہنامہ المیزان میں ”محدث اعظم! محقق اعظم“ کے عنوان سے شائع کیا۔
- (۵) بَصَارَةُ الْعَيْنِ فِي أَنْ وَقْتُ الْعَصْرِ بَعْدَ الْمَثَلِينَ۔ مطبوعہ کلکتہ۔ ۱۳۲۶ھ۔
- (۶) الْإِحَازَةُ بِالْدُّعَاءِ بَعْدَ صَلَاةِ الْجَنَازَةِ:۔ مطبوعہ ۱۹۳۶ء۔
- (۷) أَحْسَنُ التَّحْقِيقَاتِ فِي جَوَازِ الدُّعَاءِ لِلْأَمْوَاتِ۔ مطبوعہ کلکتہ ۱۳۳۷ھ۔
- (۸) تحقیق التقلید:۔ مطبوعہ ۱۳۴۲ھ۔
- (۹) اتمام حجت، بر جہد منکر نبوت:۔ مطبوعہ کلکتہ ۱۹۲۵ء۔
- (۱۰) مرقات بے مثال:۔ مطبوعہ ۱۳۳۶ھ۔
- (۱۱) قبر قہار، بر روئے نانہار:۔ مولوی غنیمت حسین، مولگیری کے دس سوالوں کے جوابات۔ مطبوعہ ۱۳۳۹ھ۔
- (۱۲) قَالَ أَقُولُ فِي رَدِّ أَهْلِ الضَّلَالِ وَالْمَجْهُولِ:۔ مطبوعہ کلکتہ ۱۹۳۶ء۔
- (۱۳) نوک تیز:۔ ایک گمراہ کن اشتہار کا دندان شکن جواب:۔ مطبوعہ ۱۳۴۲ھ۔
- (۱۴) روداد مناظرہ کچھوچھو شریف:۔ مکمل روداد۔ مطبوعہ
- (۱۵) حیاتِ غوثِ العالم:۔ حضرت مخدوم سمنانی (وصال ۸۰۸ھ) کی سیرت و سوانح۔ مطبوعہ کچھوچھو مقدسہ ۱۹۲۴ء۔
- آخری ایام حیات میں، جب کہ آپ لکھنؤ میں زیر علاج تھے
- ۱۶/رجب ۱۳۸۱ھ/۲۵ دسمبر ۱۹۶۱ء بروز دوشنبہ بوقت ساڑھے بارہ بجے دن
- آپ نے، اللہ اللہ کی تسبیح کے ساتھ، زندگی کی آخری سانس لی۔

اور موٹر لاری کے ذریعہ، آپ کو لکھنؤ سے کچھو چھو شریف لے جایا گیا اور ۲۶ دسمبر کو چار بجے شام کو، سرکار کلاں، حضرت مولانا سید مختار اشرف، کچھو چھوی (وصال ۱۹۹۶ء) نے نماز جنازہ پڑھائی اور کچھو چھو شریف میں آپ کی تدفین ہوئی۔

معارف القرآن، از محدث اعظم ہند کے تعارف پر مشتمل، ایک مضمون میں حضرت پروفیسر محمد مسعود احمد، مجددی، مظہری، دہلوی (کراچی) تحریر فرماتے ہیں:

”راقم نے ۱۹۴۸ء اور ۱۹۵۳ء کے درمیان، حضرت مولانا سید محمد محدث کچھو چھوی کی کئی بار زیارت کی ہے۔ عوامی جلسوں میں، نجی محفلوں اور دعوتوں میں

دہلی اور بھاول پور (پنجاب) میں، کئی بار زیارت ہوئی ہے۔

حضرت سید محمد محدث، کچھو چھوی علیہ الرحمۃ کو، راقم (محمد مسعود احمد) کے والد ماجد، مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ، دہلوی علیہ الرحمۃ (وصال ۱۹۶۶ء) اور راقم کے بہنوئی، میر طریقت، عاشق رسول حضرت قاری سید محمد حفیظ الرحمن علیہ الرحمۃ سے خاص محبت تھی۔

اس وقت، حضرت محدث اعظم، کچھو چھوی کا سراپا سامنے ہے۔

آئیے! ماضی کے جھروکے سے، ان کی زیارت کریں:

خاندانی جاہ و جلال، بادشاہوں کی اولاد، مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی (وصال ۸۰۸ھ) کے چشم و چراغ، بلند و بالا قامت، گندی رنگ، کشادہ پیشانی، بڑی بڑی آنکھیں، بھرواں داڑھی سر پر تاج نما کلاہ سمنانی، تن بدن پر عباء اور قبا، ہاتھ میں عصاے دراز زرنکار

مستانہ چال، جھوم کر چلتے ہوئے، جب جلسہ گاہ میں تشریف لاتے

تو، ایسا معلوم ہوتا کہ شیر، کچھارے نکل رہا ہو۔ بھیڑ چھٹی چلی جاتی اور وہ آگے بڑھتے چلے جاتے۔

آواز، ایسی جیسے ہاتھ غیبی، عالم بالا سے بول رہا ہو۔ گفتگو کا ٹھہراؤ، تقریر کا زچاؤ باتوں کی گھن گرج اور گونج، جیسے بادل، گرج رہا ہو۔ جیسے بجلی، کڑک رہی ہو۔ جیسے مینہ، برس رہا ہو۔

دور سے دیکھیے تو، رعب و دبدبہ سے دیکھا نہ جائے۔ پاس بیٹھیے تو، باتوں سے پھول جھڑیں

مجاں رسول کے لئے شبنم کی ٹھنڈک، گستاخان رسول کے لئے نشتر کی جھن۔

تقریر میں قرآنی اسرار و معارف کا دریا بہاتے۔ لوگ، بن سن کر، حیران و ششدر رہ جاتے۔

تقریر سے پہلے، اپنے خاص انداز میں عربی خطبہ، ارشاد فرماتے۔ مظہر مظہر کر، آہستہ آہستہ

نعت منشور کا سماں، بندھ جاتا۔ دل، کھینچنے لگتے۔ روح پر، کیف و سرور کا عالم، طاری ہو جاتا۔

پھر، تلاوت فرماتے۔ تقریر فرماتے۔ دھیرے دھیرے آگے بڑھتے۔
یہاں تک کہ تقریر سے علم و دانش کے فوارے پھوٹنے لگتے۔
جب وہ تقریر کرتے، محفل پر سناٹا چھا جاتا۔ کوئی باتیں کرتا، نظر نہیں آتا۔
کبھی، ان کو ٹکلی باندھ کر دیکھتے رہتے۔ گستاخانِ رسول پر، ہیبت، طاری ہو جاتی۔

بلاشبہ، حضرت سید محمد محدث، کچھوچھوی عَلَیْہِ الرُّحْمَۃُ، صوری و معنوی جمال و جلال کا
حسین پیکر تھے۔ پھر، ان جیسا، نہ پایا۔ پھر، ان جیسا، نہ دیکھا۔

سب کہاں، کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

(محدثِ اعظم نمبر۔ ماہنامہ جامِ نور۔ نئی دہلی۔ اپریل ۲۰۱۱ء)

شیخ الاسلام، سید محمد فی میاں، اشرفی، کچھوچھوی، سَوَادِ اعظم اہل سنت و جماعت کے
جلیل القدر عالم دین اور اپنے والد ماجد، حضرت محدثِ اعظم ہند کے جانشین ہیں۔

اس وقت، حضرت شیخ الاسلام، تفسیرِ قرآن لکھنے میں، ہمہ وقت و ہمہ تن مصروف ہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ، انھیں، صحت و سلامتی کے ساتھ، اس عظیم خدمت کی تکمیل کی

توفیق عطا فرمائے۔ آمین بِحَاہِ حَبِیْبِہ سَيِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہِ الصَّلٰوۃُ وَالتَّسْلِیْم۔

علمائے ”سلسلہ خیر آباد“

شاخ فرنگی محل

ص ۳۵۰ تا ص ۴۹۱

علامہ فضل امام، خیر آبادی

مُلاً، محمد ولی، فرنگی محلی (برادرِ مُلاً، محمد حسن، فرنگی محلی) تلمیذِ مُلاً، نظام الدین، سہالوی، فرنگی محلی
و مُلاً، محمد اعلم، سندیلوی، تلمیذِ مُلاً، کمال الدین محمد، سہالوی کے نامور شاگرد
مولانا سید عبدالواجد، کرمانی، خیر آبادی (وصال ۱۲۱۸ھ/۴-۱۸۰۳ء) تھے۔

مولانا سید عبدالواجد، کرمانی، خیر آبادی کے قابلِ افتخار شاگرد
علامہ فضل امام، فاروقی، خیر آبادی (وصال ۱۲۴۴ھ/۱۸۲۹ء) ہیں۔
مُلاً، نعمت اللہ، فرنگی محلی، نبیرہ مُلاً، محمد ولی، فرنگی محلی، تلمیذِ مُلاً، نظام الدین محلی کے ایک
مخطوطہ (مملوکہ فرنگی محل لکھنؤ) کے مطابق:

علامہ فضل امام، خیر آبادی، مُلاً، محمد ولی، فرنگی محلی کے معروف تلامذہ میں ہیں۔

ص ۱۹۶۔ تذکرہ علمائے فرنگی محل۔ ص ۸۰۔ احوالِ علمائے فرنگی محل

(حافیہ ص ۴۸۲۔ بقلم پروفیسر محمد ایوب قادری۔ مترجم تذکرہ علمائے ہند)

علامہ فضل امام کے فرزند، علامہ فضل حق، فاروقی، خیر آبادی (وصال ۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ء)

امام الحکمتہ والکلام، اور قائدِ جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کی حیثیت سے عظیم دینی علمی

ادبی و تاریخی حیثیت کے حامل، شہرہ آفاق، ہندوستانی عالم ہیں۔

کسی خطہ ایران سے ہندوستان آنے والے، شیر ملک بن عطا ملک، فاروقی کی اولاد میں

مفتی بہاء الدین، فاروقی، مفتی بدایوں ہوئے جن کی اولاد میں شیخ ارزانی، بدایونی تھے۔

انھیں کے صاحب زادے، قاضی عطاء الدین، بدایونی اپنے دور میں، قاضی ہرگام (موجودہ

سیتاپور اتر پردیش۔ انڈیا کا ایک قصبہ) ہوئے۔ اور ان کی اولاد میں، قاضی ارشد، ہرگامی ہوئے۔

یہی قاضی ارشد ہرگامی، ہرگام سے خیر آباد (ضلع سیتاپور۔ یوپی) منتقل ہوئے۔

قاضی ارشد ہرگامی، علامہ فضل امام، فاروقی، خیر آبادی کے والدِ محترم ہیں۔

مولانا عبدالشہید، شیروانی، علی گڑھی، سابق لاہوری، شعبہ مخطوطات، مولانا آزاد لائبریری

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ (متوفی جمادی الاولیٰ ۱۴۰۴ھ/۱۸ فروری ۱۹۸۳ء) علامہ فضل امام

فاروقی، خیر آبادی کے خاندانی احوال

اس طرح، بیان کرتے ہیں:

”شیر الملک کے دو صاحبزادے، بہاء الدین اور شمس الدین، اہل علم بزرگ تھے۔

اُس وقت، ہندوستان، قدر دانی علما و مشاہیر میں خاص شہرت رکھتا تھا۔

اہل کمال، ادھر کھینچ رہے تھے۔ یہ دونوں بھائی، ایران سے واپس ہندوستان ہوئے۔

شمس الدین نے مسندِ افتائے ”زُہد“ (پنجاب۔ موجودہ صوبہ ہریانہ) سنبھالی۔

شاہ ولی اللہ، محدث دہلوی، انھیں کی اولاد سے تھے۔

بہاء الدین، قبیلۃ الاسلام، بدایوں (روہیل کھنڈ) کے مفتی ہوئے۔

جن کی اولاد میں شیخ ارزانی، بدایونی، نامور بزرگ اعلیٰ درجہ کے مفتی ہوئے۔

(علامہ فضل امام فاروقی، خیر آبادی، انھیں کی اولاد سے ہیں)

شیخ عماد الدین بن شیخ ارزانی (بدایونی) تحصیل علم کی خاطر، قاضی ہرگام (موجودہ ضلع

سیتاپور۔ اتر پردیش) کی خدمتِ بابرکت میں پہنچے۔ قاضی صاحب نے تحقیق شرافت و نجابت

کے بعد، انھیں اپنا داماد بنالیا۔ جو، قاضی صاحب کے انتقال کے بعد، قاضی ہرگام بن گئے۔

وہیں، شیخ اسماعیل پیدا ہوئے۔ جو، اپنے نانا کے بعد قاضی بنے۔ شیخ سعدی، کاکوروی کی دختر

سے شادی ہوئی۔ جن سے قاضی صدر الدین پیدا ہوئے۔ جن کا شمار، مشاہیرِ وقت میں ہوتا تھا۔

قاضی صدر الدین کے، دو صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں ہوئیں۔

ایک صاحبزادے، مولّا ابوالواغظ، اور نگ زیب عالم گیر علیہ الرحمۃ کے اتالیق رہے۔

اور فتاویٰ عالمگیری کے مؤلفین میں سے ہیں۔ ہدایہ و مطوّل و مولّا جلال پر حواشی لکھے۔

ان کی شخصیت کا اندازہ، اس سے ہو سکتا ہے کہ:

مولّا، قطب الدین شہید، سہالوی (متوفی ۱۱۰۳ھ۔ والدِ استاذِ اکل، مولّا، نظام الدین محمد

سہالوی، فرنگی نعلی، لکھنوی) ان سے ملاقات کے لئے ہرگام پہنچے۔

علامہ، ربّ اللہ، بہاری، صاحبِ سُلّم و مُسَلّم، آپ کے شریکِ درس ہونا چاہتے تھے۔

آپ کے پاس وقت، نہ تھا اس لئے سہالی جا کر، مولّا، قطب الدین شہید کے شاگرد ہوئے۔

دوسرے صاحبزادے، مولّا، عبدالماجد کے خلفِ الصدق، علامہ عبدالواجد، فاضلِ جلیل تھے۔

کافیہ کی مبسوط شرح اور حاشیہ اقلیدس لکھا۔

علامہ عبدالواجد، کرمانی، خیر آبادی (استاذِ علامہ فضل امام، خیر آبادی) نے کتب خانہ مولّا

قطب الدین بن قاضی شہاب الدین، گوپاموی المتوفی ۱۱۶۰ھ میں، یہ حاشیہ اقلیدس دیکھ کر فرمایا کہ:
”من حواشی ملاً کہ، بر تحریر اقلیدس نوشتہ، دیدہ ام۔ بغایت خوب نوشتہ۔“

دختر قاضی صدر الدین سے نسل مفتیان گوپامو ہے۔ اسی خاندان کے ایک علمی فرد مفتی انعام اللہ، خان بہادر، گوپاموی، مفتی محکمہ قضا، دہلی، و معاصر علامہ تھے۔

یہ خاتون، مفتی عبداللہ شہابی، برادر کلاں، ملاً وجیہ الدین گوپاموی، مؤلف فتاویٰ عالمگیری کو، بیابائی گئی تھیں۔“ (ص ۱۳۱ و ۱۳۲۔ باغی ہندوستان۔ مطبوعہ مجمع الاسلامی مبارک پور۔ ۱۹۸۵ء)

سلسلہ خیر آباد کے یہی عالم و مورخ، مولانا عبدالشاہد، شیروانی، علی گڑھی علامہ فضل امام خیر آبادی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

”مولانا فضل امام، خیر آبادی، بڑے طباع و ذہین تھے۔ سید عبدالواجد، کرمانی، خیر آبادی کے ارشد تلامذہ سے تھے۔ علوم نقلیہ و عقلیہ، انھیں سے حاصل کیے۔

اس کے بعد، صدر الصدور کے عہدہ جلیلہ پر، دہلی جا کر، فائز ہوئے۔ تذکرہ علمائے ہند (مؤلف مولانا رحمن علی) میں ہے:

شاگرد رشید، مولوی سید عبدالواجد خیر آبادی، بمنصب صدر الصدور شاہجہاں آباد از سرکار انگریزی، عزت و امتیاز داشت۔ بر میرزا زاهد رسالہ و میرزا زاهد ملاً جلال، حواشی نوشتہ۔

در علوم عقلیہ گوئے سبقت ربودہ۔ آمدنامہ کہ در اس قواعد فارسی بیان کردہ ترجمہ علمائے جواہر لکھنؤ تحریر فرمودہ، بس مفید مبتدیان است۔“

مولانا صلاح الدین، صفوی، گوپاموی (تلمیذ رشید، مولانا محمد اعظم، سندیلوی و مرید و خلیفہ مولانا شاہ قدرت اللہ، صفی پوری) کے مرید تھے۔

(ص ۲۲۔ سیر العلماء۔ حکیم بہاء الدین صدیقی، گوپاموی)

مولانا فضل امام نے بیسیوں مفید و معرکہ الٹا کتابیں لکھیں۔

جن مصنفات کا نام اور پتہ معلوم ہو سکا، وہ، درج کی جاتی ہیں۔

دو ایک کے سوا، سب غیر مطبوعہ ہیں۔ سب سے زیادہ مشہور تصنیف

منطق میں ”برقاعہ“ ہے، جو، تمام مدارس عربیہ میں، داخل نصاب ہے۔

میرزا ہد رسالہ، میرزا ہد ملاً جلال اور آفاق المبین پر حواشی لکھے۔ تلخیص الشفا

نخبۃ السیر، آمدنامہ اور تھیذ الاذہان شرح میزان المنطق اور خلاصۃ التوارخ فارسی، تصنیف کیا۔

(حاشیہ:- حاشیہ مرزا زاہد رسالہ، امانت علی، خورجی کے ہاتھ کا ۱۲۳۳ھ کا لکھا ہوا
خط پختہ مایقراً۔ اور تخلص الشفا، خود مصنف کے دست مبارک کا مٹیضہ، لٹن لائبریری
(مولانا آزاد لائبریری) مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے نوادر قلمی میں محفوظ ہے۔

نخبۃ البشر، کتب خانہ، صاحبزادہ عبید اللہ خاں، رئیس ٹونک میں۔ حاشیہ الافق المبین
کتب خانہ مولوی انتظام اللہ، شہابی، اکبر آبادی میں۔ اور آمد نامہ، کتب خانہ سید ولایت احمد
سجادہ نشین آستانہ قلندریہ، لاہر پور میں موجود ہیں۔ تخیذ الاذہان، مطبوعہ ہے۔ خلاصۃ التواریخ
غیر مطبوعہ۔ رضا لائبریری رام پور میں ہے)

(مولانا فضل امام خیر آبادی نے) فرائض ملازمت کے ساتھ، مشغلہ تدریس و تصنیف
ہمیشہ جاری رکھا۔ مادہ افہام و صمیم، خدا نے ایسا بخشا تھا کہ:

ایک بار، شریک درس ہونے کے بعد، طالب علم، دوسری طرف کا رخ بھی، نہ کرتا تھا۔
غوث علی شاہ، جو، موصوف (مولانا فضل امام) کے شاگرد اور صوفی منش بزرگ
گذرے ہیں، جنہوں نے تمام عمر، سیاحت میں بسر کی

اُن کا بیان ”تذکرہ غوثیہ“ میں، نظر سے گذرا۔ فرماتے ہیں:

شاہ عبدالعزیز صاحب، شاہ عبدالقادر صاحب اور مولانا فضل امام کی شاگردی کا
مجھے فخر حاصل ہے۔ آخر الذکر استاد کی جوشفقت، میرے حال پر تھی، وہ، بیان سے باہر ہے۔
مولانا (فضل امام) کے ساتھ، دہلی سے پٹنالہ، تعلیم کی غرض سے، میں بھی گیا۔
میری عمر، اٹھارہ (۱۸) سال کی تھی کہ استاد، عالم جاودانی کو رخصت ہوئے۔

میں نے بھی تعلیم کو خیر باد کہہ دیا کہ، نہ ایسا شفیق و قابلِ استاذ ملے گا، نہ پرہیزگار۔“

(ص ۱۸۔ تذکرہ غوثیہ۔ از غوث علی شاہ، پانی پتی)

ایک بار، جب، یہی شاہ صاحب، علّامہ فضل حق سے ملے
اور موصوف نے تعلیم کے نامکمل رہ جانے پر اظہارِ افسوس کیا تو، کہنے لگے کہ:

”پورے عالم ہو جاتے، تو، کیا ہوتا؟ زیادہ سے زیادہ، آپ، جیسے ہوتے۔“

(مولانا فضل حق، خیر آبادی) کی علمی قابلیت کا اندازہ، تو، اسی سے کیا جاسکتا ہے کہ:

ایک جانب، شاہ عبدالعزیز اور شاہ عبدالقادر کا ذکر، منقولات میں بخربا تھا۔

اور دوسری طرف، اسی دہلی میں، مولانا فضل امام کے معقولات کا، سکہ چل رہا تھا۔

طلبہ، دونوں دریاؤں سے سیراب ہو رہے تھے۔

مفتی صدر الدین خاں آزرہ دہلوی و علماؒ فضل حق خیر آبادی وغیرہما بھی

دوسرے طلبہ کی طرح، حدیث، ایک جگہ پڑھتے تھے اور منطق و فلسفہ، دوسری جگہ۔

خود، علماؒ (فضل حق، خیر آبادی) کی ذات گرامی، مولانا (فضل امام) کی مسلم الثبوت

قابلیت کی شہد عادل ہے۔“

..... مولانا (فضل امام) روحانیت میں بھی، بلند مرتبہ رکھتے تھے۔ آپ کے والد، شیخ محمد ارشد

(ہرگامی ثم خیر آبادی) فرشتہ صفت انسان تھے۔ مولانا احمد اللہ بن حاجی صفت اللہ، خیر آبادی سے

بیعت تھے۔

آپ کے ایک صاحبزادے، عالم جوانی میں فوت ہو گئے۔

یہ حالت نو عمری میں احکام شرعیہ کے پابند نہ تھے۔ اس لئے مولوی ارشد صاحب کو تشویش

رہتی تھی۔ پیرومرشد کی خدمت میں قلبی بے چینی، ظاہری۔ پیرنے دعا کی۔

شب میں، سرکارِ دو عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی زیارت ہوئی کہ:

سرورِ رسالت، عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالتَّسْلِیْم، یکے باغ میں (جہاں، مرحوم کی قبر تھی)

تشریف لائے اور نیل کے درخت کے نیچے، وضو فرمایا۔

بعد نماز فجر، پیرومرید، دونوں، ایک دوسرے کو، مبارک باد دینے، روانہ ہوئے۔

راستہ میں دونوں ملقاتی ہوئے، تو، ایک دوسرے کو بشارت کا حال بتایا۔ وہیں سے دونوں

یکے باغ میں پہنچے، تو، دیکھا کہ مقام معبود پر، وضو کا اثر، یعنی پانی کی تری، موجود تھی۔

ایک عرصے تک لوگ، اس کی زیارت کرتے رہے۔

مولانا عبدالقادر، بدایونی اور مولانا احمد رضا، بریلوی، ۱۳۰۹ھ میں اس مقام کی زیارت

کے لئے بریلی سے خیر آباد پہنچے۔ اور مولانا حسن بخش کے مہمان ہوئے۔

مفتی فخر الحسن، خیر آبادی، جو، ان معزز مہمانوں کی زیارت میں شریک رہے تھے

حظیرہ کے اندر، اس نیل کی جگہ بتاتے ہیں۔“

(ص ۱۳۴ تا ۱۳۹۔ سوانح علماؒ فضل حق، در ”باغی ہندوستان (الثَّوْرَةُ الْهِنْدِیَّة لِلْعَلَامِہ

فَضْلِ حَق) مولانا عبدالشاہد، شیروانی، علی گڑھی۔ مطبوعہ مجمع الاسلامی۔ مبارک پور ضلع اعظم گڑھ)

”ظاہر ہے کہ ایسے شفیق باپ (قاضی ارشد، ہرگامی) نے فضل امام کی تربیت میں کیا کسر

اُٹھارکھی ہوگی؟

مولانا (فصلِ امام) نے دہلی میں، خواب دیکھا کہ:
رسول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم مکان میں، فروکش ہوئے ہیں۔
اور فلاں کمرے میں اقامت پذیر ہیں۔
تعبیر، دریافت کرنے کے لئے علّامہ (فصلِ حق) کو
حضرت شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں بھیجا۔
شاہ صاحب نے فرمایا کہ:

”جا کر، فوراً، سامان، کمرے سے باہر نکالو اور اس کو، بالکل خالی کر دو۔“

چنانچہ، ایسا ہی کیا گیا۔ خالی ہوتے ہی، وہ کمرہ، فوراً گر گیا۔
یہ چیز سمجھ میں، نہ آئی۔ شاہ صاحب سے دریافت کیا گیا کہ: یہ تعبیر کیوں کر ہوئی؟
فرمایا کہ: اُس وقت بے اختیار، یہ آیت، ذہن میں آگئی تھی:
اِنَّ الْمُلُوکَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْیَةً اَفْسَدُوْهَا۔

ہزاروں تلامذہ میں، سب سے زیادہ نمایاں

علّامہ فصلِ حق اور مفتی صدر الدین خاں آزرہ صدر الصّد وروہی ہوئے۔ (مفتی آزرہ
سے پہلے، آپ کے استاذ، علّامہ فصلِ امام، خیر آبادی بھی، دہلی کے صدر الصّد ورہے)
..... مولانا فصلِ امام خیر آبادی، احاطہ درگاہ مخدوم شیخ سعد الدین خیر آبادی میں اپنے
استاذ، مولّا، عبدالواجد، کرمانی، خیر آبادی سے کچھ فاصلے پر شمالی حصے کی جانب آخر میں مدفون ہوئے۔
اس حصے کے آغاز میں، مولانا عبدالحق، خیر آبادی (فرزید علّامہ فصلِ حق، خیر آبادی) کی قبر ہے۔“
(ص ۱۳۹ تا ۱۴۱۔ ”باغِ ہندوستان“۔ مطبوعہ مجمع الاسلامی مبارک پور ضلع اعظم گڑھ یوپی۔ انڈیا۔ ۱۹۸۵ء)
سر سید احمد خاں (متوفی مارچ ۱۸۹۸ء) نے علّامہ فصلِ امام خیر آبادی کا نام
اس طرح، زیبِ قرطاس کیا ہے:

”اکمل افراؤغ انبی، مہبط انوار فیوض قدسی، سراب سرچشمہ عین الیقین، مؤسس
اساسِ ملت و دین، ماحی آثارِ جہل، حامیِ بناءِ احصاف، محیِ مراسمِ علم، بانیِ مبانیِ انصاف، قدوۃ
علمائے فحول، حاویِ معقول و منقول، سند اکابرِ روزگار، مرجعِ اعالیٰ و ادانی ہر دیار، مزاجِ دانِ شخص
کمال، جامعِ صفاتِ جلال و جمال، نورِ فیضِ ازل و ابد، مطرحِ انظارِ سعادت سرمد

مصدق مفہوم تمام اجزائے واسطۃ العقد، سلسلہ حکمتِ اشرافی و مشائی۔

زبدہ کرام، اسوۂ عظام، مقتداۓ انام، مولانا محمد و منامولوی فضل امام
اَذْخَلَهُ اللّٰهُ الْمَنَعَامَ فِی جَنَّةِ النَّعِیْمِ بِلُطْفِهِ الْعَمِیْمِ۔

(ص ۵۶۰۔ آثار الصنادید۔ مؤلفہ سر سید احمد خاں۔ مطبوعہ اردو اکاڈمی، دہلی۔ ۲۰۰۰ء)

اور علامہ فضل امام خیر آبادی کا تعارف، سر سید نے، اس طرح، تحریر کیا ہے:

”مجال نہیں کہ آپ کے اوصافِ حمیدہ اور محامدِ پسندیدہ، تقریر کر سکے

اگر، ہزار برس، مشقِ سخن کرے اور اسی ذکر میں، زبانِ سخن سے معاف نہ رکھے۔

یقین ہے کہ ہزار سے ایک، نہ ادا ہو سکے۔

علوم عقلیہ اور فنونِ حکمیہ کو، ان کے طبع و قیاد سے اعتبار تھا اور علومِ ادبیہ کو ان کی زبانِ دانی

سے افتخار۔ اگر، ان کا فکرِ صائب، براہینِ ساطعہ قائم، نہ کرتا

اشکالِ ہندسہ، تاریکیوں سے ست تر، نظر آتیں۔

اس نواح میں ترویجِ علم و حکمت و معقول کی، اسی خاندان سے ہوئی۔

گویا، اس دودوۃ والا تبار سے اس علم نے یک جہتی، بہم پہنچائی ہے۔

باوجود، ان کمالات کے، خلق اور حلم کا کچھ حساب، نہ تھا۔

ہمیشہ، سرکارِ حکام وقت میں مناصبِ بلند سے سرفراز، آبنائے عہد سے ممتاز رہے۔

پایہ ہمت آپ کا، بلند تھا اور سلوک آپ کا، حق پسند۔

بہ سبب کثرتِ ایثار کے، تنگیِ دستِ خلّاق دیکھ نہ سکتے تھے۔

اور ہمیشہ، بہ سبب خلق و وسیع کے، ہر عاجز و زبوں حال کو، عرض و نیاز سے منع، نہ کرتے۔

اگرچہ، وطنِ اصلی آپ کا، خیر آباد ہے، لیکن، چند در چند اسباب سے حضرت نے شاہجہان آباد

(دہلی) میں، اس طرح، توطن اختیار کیا کہ گویا، یہیں کے رؤسا میں سے محسوب ہونے لگے۔

ایک مدت مدید ہوئی کہ ترکِ روزگار کر کے، بذاتِ خود، وطنِ مالوف (خیر آباد) کی طرف

تشریف لے گئے۔ اگرچہ، اہل و عیال کی، یہاں، بدستور بود باش رہی۔

اور جب سے گئے پھر، معاوَدت، نہ فرمائی۔

عرصہ، انیس بیس برس کا ہوتا ہے کہ عالمِ فانی سے ملکِ باقی کی طرف سفرِ ناگزیر، اختیار کیا۔

اور یہ واقعہ جاں کاہ، پانچویں ذوالقعدہ ۱۲۳۳ھ میں، سانحہ ہوا۔“

(ص ۵۶۱۔ ”آثار الصنادید“۔ مؤلفہ سر سید احمد خاں۔ مطبوعہ اردو اکاڈمی، دہلی ۲۰۰۰ء)

علامہ فضل امام، خیر آبادی (وصال ۱۲۳۲ھ/۱۸۲۹ء)

اور شاہ عبدالعزیز، محدث دہلوی (وصال ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۴ء) دونوں، نامور معاصر علما تھے۔

علاوہ ازیں، دونوں، فاروقی النسب اور عربی النسل بھی تھے۔ اوپر جا کر، دونوں کا شجرہ نسب

ایک ہو جاتا ہے، جو، حضرت سیدنا عمر بن خطاب رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ تک، متصل ہے۔

علامہ فضل حق، خیر آبادی

علامہ فضل حق، خیر آبادی (ولادت ۱۲۱۲ھ/۱۷۹۷ء۔ وصال ۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ء)

فرزند علامہ فضل امام، فاروقی، خیر آبادی (وصال ۱۲۳۳ھ/۱۸۲۹ء)

اپنے عہد و عصر کے شہرہ آفاق صاحب فضل و کمال اور متبحر عالم و مصنف و مفکر و قائد اور مرجع علماء و طلبہ تھے۔

مولانا فقیر محمد، جہلمی (متوفی ذوالحجہ ۱۳۳۲ھ/اکتوبر ۱۹۱۶ء) آپ کے مختصر تعارف و تذکرہ میں، رقم طراز ہیں:

”مولانا فضل حق بن فضل امام، عمری، خیر آبادی: بڑے عالم فاضل، فقیہ، محدث خصوصاً علم ادب و لغت و حکمت و فلسفہ میں، گویا، امام و شیخ رئیس تھے۔

۱۲۱۲ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا نسب، عمر بن خطاب پر، منتهی ہوتا ہے۔

علوم معقول و منقول، اپنے والد ماجد (مولانا فضل امام، خیر آبادی) سے حاصل کیے اور حدیث کو، شاہ عبدالقادر، دہلوی سے سنا۔

قرآن شریف کو چار ماہ میں حفظ کیا۔ تیرہ سال کی عمر میں تمام علوم کی تحصیل سے فراغت پائی۔ دور دور سے لوگ آپ کے درس میں آتے تھے۔ چنانچہ، ایک جماعت کثیرہ نے آپ سے علم، اخذ کیا۔

معقولات میں تصانیف معتبرہ کیں اور دہلی وغیرہ میں مناصب جلیلہ پر مقرر رہے۔

عربی و فارسی میں نظم رائق اور غر فائق تھے۔

چار ہزار اشعار آپ کے شمار کیے گئے ہیں۔

اور اکثر قصائد آپ کے، مدح آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) اور، ہجو کفار میں ہیں۔

آپ کے اور استاذی، مفتی صدر الدین خاں، صدر الصدور دہلی کے درمیان بڑی دوستی تھی۔ ”الیٰ آخرہ۔

(ص ۳۹۷۔ ”حدائق اصفیہ“۔ مؤلفہ: مولانا فقیر محمد، جہلمی۔ مطبوعہ ادبی دنیا۔ نیا محل، دہلی)

علامہ فضل حق، خیر آبادی نے اپنے والد ماجد، علامہ فضل امام، خیر آبادی

(متوفی ۱۲۳۴ھ/۱۸۲۹ء) اور حضرت شاہ عبدالقادر، محدث دہلوی (وصال ۱۲۳۰ھ/۱۸۱۵ء) و حضرت شاہ عبدالعزیز، محدث دہلوی (وصال ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۴ء) سے تعلیم و تربیت حاصل کر کے ۱۲۳۵ھ/۱۸۰۹ء میں، تمام علوم نقلیہ و عقلیہ کی تکمیل کر لی تھی۔

زندگی کے مختلف مراحل میں درس و تدریس اور تصنیف و تالیف سے آپ نے ہمیشہ خصوصی رابطہ، قائم رکھا اور غیر علمی مشاغل سے اجتناب و احتراز کرتے رہے۔
آپ کے تلامذہ، بڑے صاحب کمال اور نامور ہوئے اور علم و ادب و درس و تدریس میں انھوں نے مثالی خدمات، انجام دیں۔

بعض تلامذہ، بڑے ہی ممتاز و یگانہ روز ہوئے اور علم و فضل کا وقار، ان کے دَم سے قائم تھا۔
مولانا ضیاء القادری، بدایونی لکھتے ہیں:

”مولانا فضل حق عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ کے صد ہا شاگردوں میں چار بزرگ، عناصرِ اربعہ سمجھے جاتے ہیں:

ایک، مولانا کے صاحبزادے، مولانا عبدالحق صاحب (خیر آبادی)

دوسرے، مولانا فیض الحسن صاحب، سہارن پوری

تیسرے، مولانا ہدایت اللہ خاں صاحب، رام پوری (مُتم جون پوری)

چوتھے، حضرت تاج الفحول (مولانا عبدالقادر، عثمانی، بدایونی)۔ رَحِمَہُمُ اللہُ تَعَالٰی۔

لیکن، بقول حضرت مولانا عبدالحق صاحب، خیر آبادی:

ہر سہ اصحاب، کسی خاص فن میں یکتاے عصر اور وحید روزگار تھے۔

مگر، حضرت تاج الفحول کا تبحر اور جامعیت، جملہ علوم و فنون میں ہے۔“

(ص ۲۰۷۔ مکمل التاريخ۔ مؤلفہ مولانا ضیاء القادری، بدایونی۔ مطبوعہ بدایوں)

علامہ فضل حق، خیر آبادی کے تلامذہ میں آپ کے صاحبزادے، علامہ عبدالحق، خیر آبادی

کے علاوہ، تاج الفحول علامہ شاہ عبدالقادر، عثمانی، بدایونی و علامہ ہدایت اللہ، جون پوری

و علامہ فیض الحسن، سہارن پوری کو، نمایاں مقام، حاصل ہے۔

علامہ فضل حق، خیر آبادی کی تصانیف کے بارے میں مولانا عبدالشاہد، شیروانی، علی گڑھی

(متوفی ۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۴ھ/۱۸ فروری ۱۹۸۴ء) سابق لائبریرین، مولانا آزاد لائبریری

مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) لکھتے ہیں:

”علّامہ فاضل حق نے درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ، ہمیشہ جاری رکھا۔
خاص اور اہم مجبوریوں کے سوا، کبھی، اس سے تاہل نہ برتا۔

علّامہ خیر آبادی کی تصانیف، درجنوں ہیں۔ جن میں مشہور، حسب ذیل ہیں:
(۱) انجمن الغالی شرح الجوہر العالی (۲) حاشیہ الافق المبین (۳) حاشیہ الخیص الشفا (۴)
حاشیہ شرح سلم قاضی مبارک (۵) ہدیہ سعیدیہ (۶) رسالہ تشکیک باہیات (۷) رسالہ طبعی کلی
(۸) رسالہ علم و معلوم (۹) الرّوض المجوّذ فی تحقیق وحدۃ الوجود (۱۰) رسالہ قاطیغورس (۱۱) رسالہ
تحقیق مایعّم الاجسام (۱۲) الثّورۃ الہندیہ (۱۳) قصائد فتنۃ الہند (۱۴) مجموعۃ القصائد (۱۵)
شرح تہذیب الکلام (۱۶) تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطّغویٰ (۱۷) امتناع النّظر۔

چار پانچ مصنفات کے سوا، سب غیر مطبوعہ ہیں۔ ہدیہ سعیدیہ اور حاشیہ شرح سلم
از قاضی مبارک کی، جو، شان ہے، اُس سے علما و طلبہ، کبھی، واقف ہیں۔

ہدیہ سعیدیہ، آج تک، مدارس ہندو پیر و ن ہند میں داخل نصاب ہے۔
ہندوستان میں متعدد ایڈیشن، شائع ہو چکے ہیں۔ مصر میں بھی، چھپ چکی ہے۔“
(ص ۱۸۱ و ۱۸۲۔ ”باغی ہندوستان“۔ مطبوعہ مجمع الاسلامی۔ مبارک پور۔ ۱۹۸۵ء)

ہدیہ سعیدیہ پر تبصرہ کرتے ہوئے رئیس احمد، جعفری، ندوی لکھتے ہیں:
”ہدیہ سعیدیہ، محض ایک فنی کتاب ہے۔

لیکن، اس کی سطر سطر، مولانا خیر آبادی کے ذوق ادب کی تصویر ہے۔
فقرے، سانچے میں ڈھلے ہوئے نکلتے ہیں۔ الفاظ، موتی کی طرح اپنی چمک دمک دکھاتے ہیں۔
انداز بیان کی فصاحت و بلاغت، یہ محسوس بھی نہیں ہونے دیتی کہ:
ہم، فلسفہ کے خاستان میں، بادیہ پیائی کر رہے ہیں۔
بلکہ، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ:

چمنستان ادب اور حدیقہ معنی کے گل گشت میں، معروف ہیں۔“

(ص ۸۷۔ ”بہادر شاہ ظفر اور ان کا عہد“۔ مؤلفہ رئیس احمد، جعفری، ندوی۔ مطبوعہ کتاب منزل۔ لاہور)

علّامہ فاضل حق، خیر آبادی کے مذہبی ذوق و رجحان، عبادت و خشیت اور بیعت و ارادت
و درس و تدریس اور حسن سلوک کے سلسلے میں سلسلہ خیر آباد کے عالم و مورخ
مولانا عبد الشاہد، شیردانی، علی گڑھی لکھتے ہیں کہ:

”عَلَّامَ، جب لکھنؤ میں صدرُ الصُّدور کے فرائض، انجام دے رہے تھے تو، منشی نولکشور (لکھنؤ) نے بکمالِ ادب، عرض کیا کہ:
اوقاتِ فرصت میں عربی کتب کی کاپی، ملاحظہ فرما کر مطبع کی عزت، دوبالا فرمائیں
تو، عینِ بندہ نوازی ہوگی۔“

جسے، ازراہِ اخلاق، آپ کو منظور کرنا پڑا۔
کسی مجتہدِ العصر کی ایک کتابِ مناظرہ، مطبع میں طبع ہونے آئی۔
اس کی کاپیاں، ملاحظہ کرنے کے لئے آپ کی خدمت میں بھیجی گئیں۔
آپ، صحیح عبارت کے ساتھ، حاشیہ پر، اعتراضات کے جوابات بھی لکھتے جاتے تھے۔
جب، کتاب چھپ کر، ان مجتہد صاحب کے پاس بھیجی گئی
تو، اسے دیکھ کر، سرپیٹ لیا کہ تمام عمر کی محنت، برباد گئی۔
دریافت پر، منشی نولکشور (لکھنؤ) نے اصل حقیقت، ظاہر کر دی۔
آخرش، کتابوں کے انبار میں آگ لگوا دی گئی۔ ”تذکرہ مُفَضَّلَاۃ ہند“۔
نیز، رولایتِ مولوی حکیم ظفر الحق، خیر آبادی بن مولانا اسد الحق خیر آبادی بن مولانا عبدالحق
خیر آبادی بن عَلَّامہ فضل حق، خیر آبادی۔

عَلَّامہ خیر آبادی، عقیدۂ سنی، حنفی، ماتریدی تھے۔ یہی وجہ تھی کہ:
مولانا شاہ اسلمیل، دہلوی سے ”رَفْعِ یَدَیْنِ“ اور ”اَمِیْنُ بِالْجَہَرِ“ اور امکانِ نظیر
وامتناعِ نظیر پر مناظرہ چھڑ گیا تھا، جو، عرصہ تک جاری رہا۔ دونوں طرف سے تحریروں کا سلسلہ، چلتا رہا۔
تَحْقِیْقُ الْفَتْوٰی فِی اِبْطَالِ الطُّغُوٰی کتب خانہ مولوی سید نجم الحسن رضوی، خیر آبادی
میں، موجود ہے۔ اس میں شفاعت و امتناعِ نظیر پر، بحث ہے۔

یہ پہلی تحریر ہے۔ اور، رسالہ ”اِمْتِنَاعُ النِّظِیْرِ“ جوابِ الجواب ہے۔
سلسلہ عالیہ چشتیہ میں حضرت شاہ، دھومن، دہلوی سے بیعت ہوئے۔
مُریدِ شاہ دھومن، دہلوی بود۔ ”تذکرہ عَلَمَاۃ ہند۔ مولفہ مولانا رحمن علی)
..... علامہ خیر آبادی، بایں ہمہ علم و فضل و ریاست و امارت، شریعت و طریقت پر کس درجہ
عمل پیرا تھے۔ مولانا سید عبد اللہ بلگرامی (تلمیذِ عَلَّامہ فضل حق خیر آبادی) کے الفاظ میں سینے:
(عربی سے ترجمہ) اللہ کے دیے ہوئے ہاتھی، اونٹ، اور عمدہ قسم کے گھوڑے

اوامر و نواہی میں، اطاعتِ خداوندی سے، نہ روکتے تھے۔

آپ، ان میں سے تھے کہ تجارت اور خرید و فروخت، اللہ کے ذکر میں حارج نہیں ہو سکتی تھی۔

ہر ہفتہ، ختم قرآن پاک کرتے۔ تہجد کی نماز کی پابندی کرتے۔

جو، نوافل پر، اس درجہ، مواظبت کرتا ہو، اُس کے فرائض کا حال، خود سمجھ میں آتا ہے۔

طلبہ پر شفیق، اور ذہین تلامذہ کے پڑھانے پر، حریص تھے۔

آسان اور اہل الفاظ میں سمجھاتے۔ کسی کے سمجھانے سے بات، نہ سمجھتے بلکہ خود، تک پہنچتے۔

تعلیم و تدریس میں اپنے جگر گوشے اور عام طلبہ میں، ذرہ برابر فرق نہ کرتے۔“

(مقدمہ ہدیہ سعیدیہ)

علامہ، بڑے فیاض اور رحم دل، واقع ہوئے تھے۔ دوسروں کی تکلیف، دیکھ، نہ سکتے تھے۔

داد و دہش کا سلسلہ، ہمیشہ، جاری رہتا۔

دوستوں اور ساتھیوں کے ساتھ، حسن سلوک، آپ کا لُزہ امتیاز تھا۔“

(ص ۲۰۱ تا ۲۰۳۔ سوانح علامہ فضل حق خیر آبادی۔ در ”باغی ہندوستان“، مطبوعہ الجمع الاسلامی

مبارک پور ضلع اعظم گڑھ۔ یو پی، انڈیا)

مذکورہ چار ممتاز تلامذہ کے علاوہ، مولانا جمیل احمد بیلگرامی، مولانا سلطان حسن، بریلوی، مولانا

سید عبداللہ، بیلگرامی، مولانا عبدالحق بن شاہ غلام رسول، کان پوری، مولانا ہدایت علی، بریلوی، مولانا

غلام قادر، گوپاموئی، مولانا خیر الدین، دہلوی (مولانا ابوالکلام آزاد کے والد) مولانا عبدالعلی

ریاضی داں، رام پوری، مولانا قلندر علی، زبیری، مولانا قلندر بخش، پانی پتی، حکیم سید محمد حسن، امر وہوی

مولانا محمد آحسن، گیلانی (مولانا مناظر حسن گیلانی کے دادا) مولانا نور احمد، بدایونی، مولانا نور الحسن

کاندھلوی، علامہ فضل حق، خیر آبادی کے نامور تلامذہ ہیں۔

علامہ فضل حق، خیر آبادی نے کئی سال تک، حکومتِ وقت (ایسٹ انڈیا کمپنی) کی ملازمت کی

مگر، جب، اس سے استعفا دے دیا، تو، پھر، اس کی ملازمت سے، تاحیات، دور رہے۔

جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں آپ کا قائدانہ کردار، تاریخ کی ایک مسلمہ حقیقت ہے۔

اور اسی ”جزم“ کی پاداش میں انگریزی کورٹ، لکھنؤ نے ”جنس دوام بخور در ریائے شور“ کی

سزا سنائی اور آپ، جزیرہ انڈومان و نکوبار کالانی بھیج دیے گئے۔

جہاں ۱۲ صفر ۱۲۷۸ھ / ۲۰ اگست ۱۸۶۱ء کو، کس نہری وغریب الوطنی میں آپ کا وصال ہوا۔

سرسید احمد خاں (متوفی مارچ ۱۸۹۸ء) نے علامہ فضل حق، خیر آبادی کا تعارف و تذکرہ اس طرح تحریر کیا ہے:

”مجموع کمالاتِ صوری و معنوی، جامع فضائلِ ظاہری و باطنی، بنیائے فضل و افضال بہارِ آراءِ چمنستانِ کمال، چٹکی آرائگِ اصابتِ رائے، مسند نشین افکارِ رسا صاحبِ خلقِ محمدی، مَورِ سعادتِ اُزلی و اُبدی، حاکمِ محاکماتِ مناظرات، فرماں رواے رکشوِ محاکمات، عکسِ آئینہ صافی ضمیری، ثالثِ اثبتین بدیعِ حریری، اَلْمُعْتَمِدِ وقت و لَوْدِ عَمِ زمانِ فرزدقِ عہد و لَمِیدِ زمان، مُبطلِ باطل و مُحققِ حق، مولانا محمد فضل حق۔“

یہ حضرت، خَلْفِ الرَّشِید ہیں، جنابِ مُستطاب، مولانا فضل امام، غَفَرَ لَہُ اللّٰہُ الْمِنْعَامِ کے۔ اور تحصیلِ علومِ عقلیہ و نقلیہ کی اپنے والد ماجد کی خدمتِ بابرکت سے کی ہے۔

زبانِ قلم نے ان کے کمالات پر نظر کر کے، فخرِ خاندان لکھا ہے۔

اور فکرِ دقیق نے، جب، برسرِ کار کو، دریافت کیا، فخرِ جہاں پایا۔

جمعِ علوم و فنون میں یکتاے روزگار ہیں۔

اور منطق و حکمت کی تو، گویا، انھیں کی فکرِ عالی نے، پنا ڈالی ہے۔

علمائے عصر، بلِ فُضْلَ اے دَہر کو، کیا طاقت ہے کہ:

اس سرگرد و اہلِ کمال کے حضور، بساطِ مناظرہ، آراستہ کر سکیں۔

بارہا، دیکھا گیا ہے کہ، جب ان کی زبان سے ایک حرفِ سنا

دعوائے فضل و کمال کو فراموش کر کے، نسبتِ شاگردی کو، اپنا فخر سمجھے۔“

(ص ۵۶۲۔ آثارِ الفوائد۔ مؤلفہ سرسید احمد خاں۔ مطبوعہ اردو اکاڈمی، دہلی۔ ۲۰۰۰ء)

مرزا، اسد اللہ خاں، غالب اپنے محسن، علامہ خیر آبادی کے سانچہ ارتحال پر

شیخِ لطیف احمد، بلگرامی کے نام، ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

”کیا لکھوں اور کہوں؟ نور، آنکھوں سے جاتا رہا اور دل سے سرور۔“

ہاتھ میں ریشہ، طاری ہے۔ کان، سماعت سے عاری ہے۔

عقابِ عروساں، درآمدِ بجوش

مُراجی، تہیِ گشت و ساقی، خموش

فخرِ ایجاد و تکوین، مولانا فضل حق ایسا دوست، مرجائے، غالبِ نیمِ مُردہ، نیمِ جاں رہ جائے۔

مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی
موت آتی ہے ، مہ نہیں آتی
آگے آتی تھی حال دل پہ ہنسی
اب، کسی بات پر، نہیں آتی

(جملہ ”اروے معلیٰ“، علی گڑھ۔ شمارہ دسمبر ۱۹۰۷ء)

استاذ الشرا، منشی امیر احمد، مینائی لکھتے ہیں:

”أَفْضَلُ الْفَضَلَاءِ، أَكْمَلُ الْكُمَّلَاءِ، فَضَائِلُ دَسْتِغَاهِ، قُوَا ضِلْ پناہ

جناب مولانا محمد فضل حق صاحب، فاروقی، بَرَدَ اللہ مُضْجَعَه۔

وطن اصلی، آپ کا، خیر آباد۔ فنونِ حکمیہ میں مرتبہ اجتهاد۔

بڑے ادیب، بڑے منطقی، نہایت ذہین، نہایت ذکی، طلیق و ذلیق

انتہائی صاحبِ تدقیق و تحقیق۔“ الخ۔ (انتخاب یادگار مینائی)

سید سلیمان، ندوی لکھتے ہیں:

”مرحوم (علامہ فضل امام، خیر آبادی) کے جانشین، صاحب زادہ اور شاگرد

مولانا فضل حق، خیر آبادی تھے۔

جن کے دمِ عیسوی نے معقولات میں روح پھونکی کہ، ابن سینا نے وقت، مشہور ہوئے۔

دیار و اطراف سے طلبہ نے ان کی طرف، رجوع کیا۔

اور منطق و فلسفہ کو، نئے طور سے ملک میں رواج دیا۔

غدر (۱۸۵۷ء) کے ہنگامے میں گرفتار ہو کر، جزیرہ انڈمان بھیجے گئے۔

اور وہیں ۱۲۷۸ھ میں وفات پائی۔“

مولانا فضل حق کے تلامذہ، اور تلامذہ در تلامذہ نے سارے ملک میں پھیل کر

علوم معقول کو، بڑی رونق دی اور بڑے باکمال مدرس، ثابت ہوئے۔“

(ص ۲۳۔ حیاتِ مثالی۔ مؤلفہ سید سلیمان ندوی۔ مطبوعہ دارالمصنفین، اعظم گڑھ۔ صوبہ اتر پردیش، انڈیا)

مفتی صدر الدین آزاد رہ، دہلوی

مفتی صدر الدین آزاد رہ، صدر الصدور دہلی (متولد ۱۲۰۳ھ/ ۱۷۸۹ء - متوفی ۱۲۸۵ھ/ ۱۸۶۸ء) فرزند مولوی لطف اللہ، کشمیری، دہلی کے شہرہ آفاق اور معزز و محترم عالم دین تھے۔ آپ کے اساتذہ میں علامہ فضل امام، خیر آبادی و شاہ رفیع الدین، دہلوی و شاہ عبدالقادر دہلوی و شاہ عبدالعزیز، محدث دہلوی جیسے جلیل القدر اور نامور علمائے ہند ہیں۔

مولانا عبدالشاہد، شیروانی، علی گڑھی (متوفی ۱۳۰۴ھ/ ۱۹۸۴ء) تلمیذ مولانا معین الدین، اجمیری، تلمیذ مولانا حکیم سید برکات احمد، ٹوکی، تلمیذ مولانا عبدالحق خیر آبادی، فرزند و تلمیذ علامہ فضل حق، خیر آبادی لکھے ہیں کہ:

علمی قابلیت کا اندازہ تو، اسی سے کیا جاسکتا ہے کہ:

ایک جانب، شاہ عبدالعزیز اور شاہ عبدالقادر کا ڈنکا، منقولات میں بخربا تھا۔ اور دوسری دوسری طرف، اسی دہلی میں مولانا فضل امام (خیر آبادی) کے معقولات کا سکہ چل رہا تھا۔ طلبہ، دونوں دریاؤں سے سیراب ہو رہے تھے۔

مفتی صدر الدین خاں آزاد رہ و علامہ فضل حق، خیر آبادی وغیرہما بھی دوسرے طلبہ کی طرح، حدیث، ایک جگہ پڑھتے تھے اور منطق و فلسفہ، دوسری جگہ۔ ”الخ (ص ۱۳۸)۔ ”باغی ہندوستان“ (اردو ترجمہ ”الثورة الهندیة للعلامة فضل حق الخیر آبادی“)

سر سید احمد خاں (متوفی ذوالقعدہ ۱۳۱۵ھ/ مارچ ۱۸۹۸ء) نے مفتی آزاد رہ کا بڑے والہانہ انداز میں، اپنی کتاب، آثار الصنادید میں اس طرح، ذکر کیا ہے:

”قلم کو کیا طاقت کہ ان کے اوصاف حمیدہ سے ایک حرف لکھے۔

اور زبان کو کیا یار کہ ان کے محامد پسندیدہ سے ایک لفظ کہے۔

قطع نظر اس سے کہ اس زبدۂ جہاں و جہانیاں کی صفات کا احصاء محالات سے۔ اور کمالات کا کھر، مرتبہ متعشرات سے ہے، جس وقت، قلم چاہتا ہے کہ کوئی صفت، صفات میں سے لکھے۔ یا۔ زبان ارادہ کرتی ہے کہ کوئی مدح، مدائح میں سے کہے، جو کہ ہر صفت، قابلیت اول لکھنے کی اور مدح، لیاقت پہلے، بیان کرنے کی رکھتی ہے۔

مدت تک یہی عقدہ، بند زبان تحریر اور گرہ لسان رکھتا ہے کہ کون سی صفت سے آغاز

اور کون کی مدح سے ابتدا کرے؟

مجلس، تمام گشت و پیایاں رسید عمر

ما، ہم چناں، دراول وصف تو، مانده ایم

بے شائبہ تکلف و بے آمیزش مبالغہ، ایسا فاضل اور ایسا کامل کہ جامع فنونِ ششی اور مستجمع علوم
بے منہج ہو، سوا، اس سرگروہِ علماے روزگار کے، بساطِ عالم پر، جلوہ گر نہیں۔“ الخ

(ص ۵۲۳۔ آثار الضائد۔ مؤلفہ سر سید احمد خاں۔ (مطبوعہ اردو اکاڈمی، دہلی۔ ۲۰۰۰ء)

نواب مصطفیٰ خاں شیفۃ، دہلوی لکھتے ہیں:

”راقم کے ساتھ، نہایت الفت رکھتے ہیں۔

کوئی دن، ایسا نہیں جاتا کہ ان کی صحبت سے باریاب نہیں ہوتا ہوں۔

اور اس قندِ مکرر کے باوجود بھی، روح کا تالو، حلاوت اندوز، نہیں ہوتا۔

میرے نزدیک، ان کی مجالست کے بغیر، جو، دن گزر جائے وہ، داخلِ ایامِ عمر نہیں۔
خلقِ مجسم ہیں..... جھگڑوں کے فیصلے کرنے پر، مامور ہیں۔ جو منصبِ اعلیٰ ہے۔

جس کو، اہل فرنگ کی اصطلاح میں ”صدر الصدور“ کہتے ہیں۔

فی زمانہ، ان کی سلطنت میں اہل ہند کے لائق، اس سے بڑا، کوئی عہدہ، نہیں ہے۔

مولانا نے اس دنیوی کسبِ معاش کے ذریعہ کو، دینی ثواب، حاصل کرنے کا ذریعہ بنا رکھا
ہے۔ کیوں کہ ان کی تمام تر کوشش، مخلوق کی حاجت روائی میں، صرف ہوتی ہے۔

ان کے انصاف کی برکت، ہر خاص و عام کو، محیط ہے۔“

(ص ۱۲۔ گلشنِ بے خار۔ از نواب مصطفیٰ خاں شیفۃ، دہلوی)

حکیم عبدالحی، رائے بریلوی مؤلفِ نوحۃ الخواطر (متوفی ۱۳۳۱ھ / فروری ۱۹۲۳ء۔
مولانا ابوالحسن علی، ندوی کے والد) لکھتے ہیں:

”علما کی مجلس ہو تو، صدر نشین، مشاعرہ ہو تو، میرِ مجلس، حکام کے جلسوں میں ممتاز و مؤثر

بے کسوں اور محتاجوں کے بچاؤ و ماویٰ، منصبِ اعلیٰ پر، فائز و حکام رس ہونے کے باوجود

آپ کی طبیعت، ظاہری نمائش سے، کوسوں، دور تھی۔

دنیاوی آسائش کے تمام سامان، بہم ہوتے ہوئے بھی، سیدھی سادھی وضع سے

زندگی، بسر کرتے تھے۔ (گل رحمت۔ از حکیم عبدالحی، رائے بریلوی۔ مطبوعہ دارالمصنفین۔ اعظم گڑھ)

مفتی صدر الدین آزرہ، دہلوی کے آخری دور کے شاگرد، مولانا فقیر محمد، جہلمی مؤلف ”حقائق الحنفیہ“ (متوفی ذوالحجہ ۱۳۳۲ھ / اکتوبر ۱۹۱۶ء) لکھتے ہیں:

مفتی صدر الدین خاں صدر الصدور، تمام علوم نحو و صرف، منطق، حکمت، ریاضی، معانی بیان، انشاء، فقہ، حدیث، تفسیر وغیرہ میں، یدِ طولی رکھتے ہیں اور درس دیتے ہیں۔

آبا و اجداد آپ کے، کشمیر کے اہل بیت علم و صلاح تھے۔ مگر، ولادت آپ کی، دہلی میں ہوئی۔ علوم نقلیہ، فقہ، حدیث وغیرہ، شاہ عبدالعزیز، محدث دہلوی اور ان کے بھائیوں سے حاصل کیے۔ اور ان سے سند لی۔ اور فنون عقلیہ کو مولوی فضل امام، خیر آبادی، والدِ مولوی فضل حق خیر آبادی سے اخذ کیا۔ اور شیخ محمد اسحق، دہلوی نے بھی، آپ کو حدیث کی اجازت لکھ کر دی۔

آپ، بڑے صاحبِ وجاہت و ریاست اور اپنے زمانہ میں یکتاے روزگار اور نادرہ عصر تھے۔ ریاست درس و تدریس، خصوصاً افتائے ممالکِ محروسہ مغربیہ

بلکہ شرقیہ و شمالیہ دہلی اور امتحانِ مدارس و صدارتِ حکومتِ دیوانی، آپ پر، منتھیں ہوئی۔

بجز شاہِ دہلی کے، تمام اعیان و اکابر، علما و فضلاء، خاص دہلی اور اس کے نواح کے

آپ کے مکان پر آتے تھے۔ طلبہ، واسطے تحصیلِ علم کے، اور اہل دنیا، واسطے مشورہ معاملات اور منشی لوگ، بغرض اصلاحِ انشاء، اور شعراء، واسطے مشاعرہ کے، آتے تھے۔

اس آخر وقت میں، ایسا فاضل، بایں جامعیت اور قوتِ حافظہ و حسنِ تحریر و ممتازِ تقریر و فصاحتِ بیان اور بلاغتِ معانی کے، صاحبِ مروءت و اخلاق اور احسان، دیکھا، نہیں گیا۔“

(ص ۴۸۱۔ حقائق الحنفیہ۔ مؤلف فقیر محمد جہلمی۔ ادبی دنیا، نیامکمل، دہلی)

مولانا عبدالرحمن، پروازِ اصلاحی، آپ کے علم و فضل اور ادب و شاعری کے بارے میں لکھتے ہیں:

مفتی صدر الدین آزرہ، نہ صرف علوم اسلامیہ میں، کامل دست گاہ رکھتے تھے، بلکہ شعر و سخن کے میدان میں بھی، اپنے معاصرین میں ممتاز تھے۔ عربی و فارسی اور اردو، تینوں زبانوں میں شعر کہتے تھے اور اپنی قادر الکلامی کالوہا، بڑے بڑے شاعرانِ گفتار سے منوالیا۔

یہی وجہ ہے کہ ان کے فضل و کمال کا جہاں، تذکرہ کیا جاتا ہے

وہاں، اردو کے بلند پایہ شاعروں میں، اُن کا شمار ہوتا ہے۔“

(ص ۱۸۵۔ ”مفتی صدر الدین آزرہ“۔ مؤلف عبدالرحمن پرواز، اصلاحی۔ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ جامعہ نگر، نئی دہلی۔

پرواز اصلاحی صاحب، مزید لکھتے ہیں:

عہد مغلیہ کے آخری دور میں، ہندوستان کے اندر، فارسی کے چمنستان شعر میں
ایسی ہی بہار آگئی تھی، جیسی کہ عہد شاہجہانی و عہد جہاں گیری میں تھی۔

مرزا، اسد اللہ خاں غالب، حکیم مومن خاں مومن، نواب مصطفیٰ خاں شیفۃ و حسرتی
عہد اللہ خاں علوی، امام بخش صہبائی اور مفتی صدر الدین آزرده

اس عہد میں، نہ صرف فارسی ادب کا، ستھر اذوق رکھتے تھے، بلکہ اعلیٰ درجہ کے سخنور بھی تھے۔
آزرده، فارسی زبان کے کس درجہ کے شاعر تھے؟

اس کے متعلق، صہبائی جیسے نکتہ بخ اور نکتہ رس کہتے ہیں:

چوں دیدم غالب و آزرده را از ہند صہبائی

بخاطر پنج یاد، از خاکِ ایرانم، نمی آید

اس دور کے لوگوں میں (نواب مصطفیٰ خاں) شیفۃ کا مذاق شعر و سخن، بڑا مستند اور معیاری

سمجھا جاتا تھا۔ وہ بھی، جہاں آزرده کے فضل و کمال کا ”گلشنِ بے خار“ میں

تذکرہ کرتے ہیں، تو، کہتے ہیں:

”خیاطِ ازل نے قابلیت کی قبا، اس خوبی سے ان کے زیب تن کی ہے۔

اور روشن کر قضا و قدر نے، اس روشن دلی اور آگاہی سے، ان کا ضمیر، منور کیا ہے کہ:

ایسی فضیلت والا کوئی شاعر، ایران سے پیدا نہیں ہوا۔“ (گلشنِ بے خار)

ممکن ہے، شیفۃ کی رائے میں مبالغہ ہو اور اس میں کچھ دوسری کاپاس و لحاظ ہو۔

لیکن، جہاں تک، آزرده کی فارسی شاعری کا تعلق ہے

وہ، ضرور، شعراے ایران کے مقابل میں رکھی جاسکتی ہے۔“

(ص ۱۹۸۔ ”مفتی صدر الدین آزرده“۔ مؤلفہ عبدالرحمن پرواز اصلاحی۔ طبع دوم ۱۹۷۷ء)

نمونہ کلام فارسی:

آزرده! ز من حال شب وصل، چہ پُرسی
نئے دل خرم داشت، نہ از دل خرم بود

☆☆☆

بایں تقویٰ، درونِ میکدہ، آزرده را دیدم
صراحی در بغل، ساغر بکف، پیانہ در پہلو

☆☆☆

زابد بیا! موتِ شہیدانِ عشق، میں کیں موت را، نہ زندگی جاوداں رسد

☆☆☆

درباغ، جو رتازہ کہ از باغبان رسد اوّل، بہ بلبلان کہن آشیان رسد
نمونہ کلام اردو:-

مختصر حالِ چشمِ ودل یہ ہے اس کو آرام، اس کو خواب نہیں

☆☆☆

اے دل! تمام نفع ہے، سودائے عشق میں اک جان کا زیاں ہے، سو، ایسا زیاں نہیں

☆☆☆

نہ اٹھی بیٹھ کے خاک اپنی، ترے کوچے سے ہم، نہ یاں دوش ہوا کے بھی، کبھی بار ہوئے

☆☆☆

اُس شوخ سے مربوط، بہت سہل سے ہوتے گر، ہم بھی سبک حرکت و نا اہل سے ہوتے

☆☆☆

کتنی کس طرح سے نہیں، یہ شبِ فراق شاید کہ گردش آج، تجھے آسماں نہیں

☆☆☆

آزردہ ہر کے کوچہ جاناں میں رہ گئے دی تھی، دعا یہ کس نے؟ کہ جنت میں گھر ملے

☆☆☆

فلک نے بھی سیکھے ہیں، تیرے سے طور کہ اپنے کیے پر، پشیمان نہیں

☆☆☆

یہ عمر اور عشق؟ ہے آزدہ! جاے شرم حضرت! یہ باتیں، پھنتی ہیں، عہدِ شباب میں

☆☆☆

کامل اس فرقہ زُہاد سے، اٹھا، نہ کوئی کچھ ہوئے تو، یہی، پرندانِ قدح خوار ہوئے

☆☆☆

کچھ تعجب نہیں گر، اب کے، فلک ٹوٹ پڑے آج، نالے جو کوئی اور بھی، دو چار ہوئے

☆☆☆

عالم، خراب ہے، نہ نکلنے سے آپ کے نکلوتو، خاک میں، کیا، گھر کے گھر کے ہوئے

ذکر وفا، وہ سنتے ہی، محفل سے اٹھ گئے کچھ گفتگو ہی، ٹھیک نہ تھی، ایسے باب میں

☆☆☆

مر کر بھی ہمار، ادل بے تاب، نہ ٹھہرا کشتہ بھی ہوا ہے تو، یہ سیماب، نہ ٹھہرا

☆☆☆

نہ دیکھا ہو جو کسی نے، حُباب میں، دریا وہ، دیکھ لے، مری چشم پر آب میں، دریا

☆☆☆

مختب آئے تو، نقشہ تری آنکھوں کا دکھائے منہ میں پکاؤں، دم غش، مئے گلنار کی بوند

☆☆☆

اس در و جدائی سے کہیں، جاں، نہ نکل جائے آزرده، مرے حق میں، ذرا تو بھی، دعا کر

☆☆☆

ہو، نہ دامن گیر کوئی، جان کر، قاتل تجھے تو بھی رو تا چل، جنازے کو، ہمارے دیکھ کر

☆☆☆

آمد آمد ہوئی پھر، موسم گل کی شاید ان دنوں چاک کو، پاتے ہیں، گریبان سے قریب

☆☆☆

عکس، دندان کا پڑے، تیرے، اگر پانی میں آب ہو جائے، خجالت سے گہر، پانی میں

☆☆☆

ناصح! یہاں، یہ فکر ہے، دامن بھی چاک ہو ہے فکرِ بخیر، گریباں کے چاک میں

☆☆☆

گیا کون ہے، صیدِ افکن، ادھر سے کہ خالی پڑے، آشیانے، بہت ہیں

☆☆☆

وہ، اور وعدہ وصل کا، قاصد نہیں نہیں سچ بتا! یہ لفظ، انھیں کی، زباں کے ہیں؟

☆☆☆

کیا عقلِ مختب کی، کہ، لایا ہے کھینچ کر سودا ز دوں کو، حکمہ احتساب میں

انقلاب ۱۸۵۷ء کے اُلم ناک حالات سے متاثر ہو کر آزرده نے، یہ غزل کہی ہے

جو، بڑی ہی پُر سوز اور درواغیز ہے:

اگر ہم نہ تھے، غم اٹھانے کے قابل
 کروں چاک سینہ کو، سوار لیکن
 مجھے بھی قفس سے، تو کس کام کے ہیں؟
 بجز اس کے تھے خاک، پہلے بھی، اے چرخ
 کیا ترک دنیا میں، جب تو، یہ سمجھے
 وہ آئے دم نزع، کیا کہہ سکیں گے؟
 خدایا! یہ رنج، اور یہ ناصوری؟
 رہے ہم نہ کچھ ”مصطفیٰ خاں“ کے غم میں
 نہ چھوڑیں گے ”محبوب الہی“ کے درکو
 ہمیں، قید کرنے سے، کیا نفع، صیاد
 نہ بال منقش، نہ پر ہائے رنگیں
 ہوئے ہیں وہ، ناقابلوں میں شمار، اب
 تو، کیوں ہوتے، دنیا میں آنے کے قابل
 نہیں، داغ دل یہ، دکھانے کے قابل
 نہیں، جب چن تک بھی، جانے کے قابل
 نہ تھے خاک میں، پھر، ملانے کے قابل
 کہ دنیا نہیں، دل لگانے کے قابل
 نہیں، ہونٹ تک بھی، بلانے کے قابل
 نہ تھے ہم تو، اس، آزمانے کے قابل
 نہ فکرِ سخن، نے، پڑھانے کے قابل
 نہیں، گو، ہم، اس آستانے کے قابل
 نہ تھے دام میں، ہم، تو، لانے کے قابل
 نہ، آوازِ خوش کے، سنانے کے قابل
 جنہیں مانتے تھے، زمانے کے قابل

وہ آزرده جو، خوش بیاں تھے، نہیں، اب

اشارے سے بھی، کچھ، بتانے کے قابل

مفتی صدر الدین آزرده نے انقلاب ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ خیر ایام میں خاموشی اور حکمتِ عملی
 کے ساتھ، مغل حکومت کی تائید اور انقلابیوں کے پشت پناہی کی تھی۔ اور انگریزوں کے خلاف
 جہاد کے فتویٰ پر دستخط کیے تھے۔ تفصیل کے لئے دیکھیں راقمِ سطور کی کتاب
 ”ممتاز علما انقلاب ۱۸۵۷ء“ مطبوعہ دار القلم، ذاکر نگر، نئی دہلی۔“

مفتی صدر الدین آزرده کا ایک بڑا کارنامہ، یہ ہے کہ:

تقریباً ۱۸۳۶ء میں آپ نے مولانا احمد اللہ شاہ، مدراسی کو مشورہ دیا کہ:

آپ، اگرہ جا کر، وہاں کے علما و فضلاء سے مل کر، ان کے درمیان، آزادی و حریت کی روح
 پھونکیں۔ اور اس کے لئے حضرت آزرده نے اپنی طرف سے ایک مکتوب بھی

مولانا مدراسی کے حوالہ کیا، جسے لے کر وہ، اگرہ پہنچے اور اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے۔

مفتی انتظام اللہ شہابی، اکبر آبادی لکھتے ہیں:

”مفتی انعام اللہ خان بہادر، جو، حکمہ شریعت کے مفتی رہ چکے تھے، اب، سرکاری وکیل

تھے۔ حضرت آزر دہ کے خط کے ذریعہ، شاہ (احمد اللہ، مدراسی) صاحب ان کے یہاں، آکر مقیم ہوئے۔ ان کا گھر، علما کا مرکز بنا ہوا تھا۔ مفتی صاحب کے صاحب زادے، مولوی اکرام اللہ خاں صاحب ”تصویر الشعر“ مرید ہوئے۔“

(”مولوی احمد اللہ شاہ، مدراسی اور جنگ آزادی“۔ مؤلف: مفتی انتظام اللہ شہابی، اکبر آبادی) میاں جی، نذیر حسین، دہلوی (متوفی ۱۰ رجب ۱۳۲۰ھ / ۱۳ اکتوبر ۱۹۰۲ء) کے شاگرد اور سوانح نگار، مولانا فضل حسین، بہاری (متوفی ۱۳۳۵ھ / ۱۹۱۶ء) لکھتے ہیں:

زمانہ غدر ۱۸۵۷ء میں، جب، دہلی کے بعض مقتدر اور پیشتر معمولی مولویوں نے انگریزوں پر جہاد کا فتویٰ دیا، تو، میاں صاحب نے، نہ اس پر دستخط کیا، نہ مہر۔

وہ، خود فرماتے تھے کہ: میاں! وہ ملوث تھا، بہادر شاہی نہ تھی۔ وہ بے چارہ بوڑھا بادشاہ، کیا کرتا؟ حشرات الارض خانہ براندازوں نے تمام دہلی کو خراب، ویران، تباہ اور برباد کر دیا۔

شرائط امارت و جہاد، بالکل مفقود تھے۔ ہم نے تو، اس پر دستخط، نہیں کیا۔ مہر کیا کرتے؟ اور کیا لکھتے؟ مفتی صدر الدین خاں صاحب چکر میں آ گئے۔

بہادر شاہ کو بھی، بہت سمجھایا کہ انگریزوں سے لڑنا، مناسب نہیں ہے۔

مگر، وہ، باغیوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی ہو گئے۔ کرتے تو کیا کرتے؟“

(ص ۹۳۔ ”الحیاء بعد المماتہ“۔ مؤلف: مولانا فضل حسین، بہاری۔ مطبوعہ الکتاب انٹرنیشنل۔

بلدہ ہاؤس جامعہ نگر۔ نئی دہلی ۲۵)

آزر دہ، ۱۸۷۲ء میں دہلی کے صدر امین اور جون ۱۸۷۳ء میں، دہلی کے صدر القصد ور ہوئے تھے۔ یہ جگہ، آپ کے استاذ، علامہ فضل امام خیر آبادی کے وصال (۱۲۴۴ھ / ۱۸۲۹ء) کی وجہ سے خالی ہوئی تھی۔

آپ نے اپنی ہمہ جہت مصروفیات کے باوجود، سلسلہ درس و تدریس بھی جاری رکھا۔ آپ کے چند معروف تلامذہ کے نام، یہ ہیں:

(۱) مفتی سعد اللہ، مراد آبادی (۲) مولانا فیض الحسن، سہارن پوری (۳) مولانا خیر الدین دہلوی (۴) شیخ محمد ہادی، دہلوی (۵) مولانا نور الحسن، کاندھلوی (۶) نواب محمد یوسف خاں والی رام پور (۷) مولانا کریم الدین، پانی پتی، مؤلف کریم اللغات (۸) نواب ضیاء الدین

احمد، نیر، رخشاں، دہلوی (۹) مولانا عبد السمیع، بیدل رام پوری، سہارن پوری --
(۱۰) مولانا فقیر محمد، بہلکی، مولفہ انش الجفیفہ۔

مفتی صدر الدین آزرہ کی تصانیف میں، حاشیہ قاضی مبارک و حاشیہ میرزا بہد
و شرح دیوان متنبی کا ذکر، بعض تذکروں میں ملتا ہے۔

الذُّرُّ الْمُنْصُودُ فِی حُکْمِ امْرَأَةِ الْمَفْقُودِ آپ کا ایک رسالہ ہے۔

ایک رسالہ ”امتناع العظیم“ کے نام سے ہے۔

ایک کتاب ”تذکرہ شعراے ریختہ“ ہے۔ جس کا قلمی نسخہ، پروفیسر مختار الدین احمد (علی گڑھی)
نے ڈھونڈ نکالا جو گورنمنٹ کالج، کیمبرج یونیورسٹی، لندن سے ملا۔

اور پروفیسر موصوف کے تعارف و تشیہ کے ساتھ، علمی مجلس، دہلی نے شائع ہوا۔

مفتی صدر الدین، آزرہ کی ایک مشہور کتاب ”مُنتَهٰی الْمَقَالِ فِی شَرْحِ حَدِیْثِ لَا
تَشْدُ الرَّحَالُ“، مطبع علویہ ۱۲۶۲ھ۔ مخرونہ کتب خانہ جامع مسجد، ممبئی ہے۔

جس پر علامہ فضل حق، خیر آبادی اور مفتی سعد اللہ، مراد آبادی تلامذہ شاہ عبدالعزیز، محدث
دہلوی کی تقریظات ہیں۔ اس کی وجہ تالیف، بیان کرتے ہوئے

مولانا عبدالرحمن پرواز اصلاحی لکھتے ہیں:

”حضرت شاہ عبدالعزیز، محدث دہلوی کے تلامذہ اور ان سے انتساب رکھنے والوں میں

ایک گروہ تو، شاہ صاحب کے مسلک پر گامزن تھا۔

اور مسائل دینی میں، ان سے سرمو، انحراف نہیں کرتا تھا۔

مگر، دوسرا گروہ، اجتہاد اور عدم تقلید کا رُحمان رکھتا تھا۔

چنانچہ، رفتہ رفتہ، ان دونوں گروہوں میں مختلف مسائل میں اختلاف، رونما ہوا۔

نوبت، بحث و مناظرہ تک پہنچی۔ دونوں جانب سے متعدد کتابیں اور رسائل لکھے گئے۔

انھیں میں سے ایک مسئلہ ”زیارت قبور“ کا بھی تھا۔

چوں کہ اُس زمانے میں علامہ ابن حزم کی کتابیں، ہندوستان پہنچ چکی تھیں۔

اہل علم کا اچھا خاصا گروہ، ان کے خیالات سے متاثر ہوا، اور مسائل میں، ان کی پیروی

کرنے لگا۔

اس لئے مفتی صاحب نے ابن تیمیہ کی کتاب ”إِقْتِضَاءُ الصَّرَاطِ الْمُسْتَقِیْمِ“

اور ابن حزم کی کتاب ”المُحَلّی“ کو، اپنی تنقید کا موضوع بنایا ہے۔

ان کتابوں میں انبیاء کرام اور اولیاء عظام کی قبروں کی زیارت کو، حرام قرار دیا گیا ہے۔ ابن تیمیہ کے معاصرین میں، تقی الدین سبکی کی کتاب ”شِفَاءُ السَّقَامِ فِی زِیَارَةِ خَیْرِ الْأَنَامِ“ اس موضوع پر، بڑی اہم کتاب ہے۔ لیکن، مفتی صاحب نے بھی، اس موضوع پر بعض نادر تحقیقات، پیش کی ہیں۔ خصوصاً، انھوں نے عربی زبان دانی کے قواعد اور اصول فقہ کی روشنی میں، جو نکتے پیدا کیے ہیں

اُن سے اُن کی ذہانت، فقیہانہ بصیرت اور محدّثانہ تبحر علمی کا اظہار ہوتا ہے۔“

(ص ۱۳۸ و ۱۳۹۔ مفتی صدر الدین آزرده۔ مؤلفہ عبدالرحمن پرواز اصلاحی۔ مکتبہ جامعہ لمینڈ جامعہ مگر

نئی دہلی ۲۵۔ طبع اول ۱۹۷۷ء)

اس دور کے اختلاف مذہب و مسلک کو، مزید واضح کرتے ہوئے

مولانا عبدالرحمن، پرواز اصلاحی صاحب لکھتے ہیں کہ:

”قرآن و حدیث کے فہم اور فقہی مسائل کی تحقیق و تنقید میں اختلاف، کوئی نئی بات نہیں ہے۔

صدر اول سے مختلف مکاتب فکر اور فقہی مسالک رہے ہیں۔

دہلی کے عوام و خواص بھی اس زمانے میں دو گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ان میں کبھی

بحث و مناظرہ بھی ہو جاتے تھے۔ ایک گروہ، کٹر حنفی مسلک کا پیرو تھا۔ دوسرا، عالمین پالحدیث کا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز، محدّث دہلوی اور ان کے بھائیوں کا مسلک تو، حنفی تھا۔

مگر، اسی خاندان کے شاہ اسماعیل شہید اور مولانا عبدالحئی اور حضرت سید احمد شہید کے

بعض خلفاء، اور ان کے ماننے والوں کا مسلک، اہل حدیث تھا۔

مفتی صدر الدین خاں آزرده اور مولانا فضل حق، خیر آبادی، ان سے اختلاف رکھتے تھے۔“

(ص ۳۹۔ مفتی صدر الدین آزرده۔ مؤلفہ: مولانا عبدالرحمن پرواز اصلاحی۔ طبع اول دہلی ۱۹۷۷ء)

سفر زیارت قبر نبوی علیٰ صَاحِبِہ الصَّلَوةُ وَالسَّلَام کے جواز و استحباب پر، مشتمل

رسالہ مفتی آزرده، موسوم بہ ”مُنْتَهٰی الْمَقَالِ فِی شِرْحِ حَدِیْثِ لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ

(بزبان فارسی) کی ایک طباعت و اشاعت ۱۲۶۸ھ میں، شرف المطابع، دہلی سے ہوئی تھی۔

رسالہ مُنْتَهٰی الْمَقَالِ کا اردو ترجمہ، از شاہ حسین گردیزی، شعبان ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء میں

مصلح الدین پبلی کیشنز، کراچی سے شائع ہو چکا ہے۔

مفتی صدر الدین آزرده ہلوی کا انتقال، بمرض فالج، بھراکیا سی (۸۱) سال بروز پنج شنبہ ۲۴ ربیع الاول ۱۲۸۵ھ / ۱۶ جولائی ۱۸۶۸ء ہوا۔

چراغِ دہلی میں احاطہ حضرت نصیر الدین محمود، چراغِ دہلی میں آپ کی تدفین ہوئی۔
مفتی آزرده ہلوی کے آخری دور کے شاگرد، مولانا فقیر محمد، جہلمی مؤلفِ حدائق الحنفیہ لکھتے

ہیں:

آخر عمر میں، ایک دو سال، بمرض فالج میں مبتلا رہ کر، اکاسی (۸۱) سال کی عمر میں یوم پنج شنبہ ۲۴ ربیع الاول ۱۲۸۵ھ میں فوت ہوئے۔“ (حدائق الحنفیہ، ادبی دنیا، نیاکمل، دہلی)

مولانا نور احمد، بدایونی

حضرت مولانا نور احمد، عثمانی، بدایونی (ولادت ۱۳/ جمادی الآخرہ ۱۲۳۰ھ/ مئی ۱۸۱۵ء۔ وصال ۱۳۰۱ھ/ ۸۴-۱۸۸۳ء) فرزند مولانا محمد شفیع، عثمانی، بدایونی (وصال ۲۲/ رزی الحجہ ۱۲۵۸ھ/ جنوری ۱۸۴۳ء) فرزند سر مست بادہ، توحید، حضرت مولانا عبدالحمید، عثمانی، قادری، بدایونی (وصال ۱۷/ جمادی الاولیٰ ۱۲۳۳ھ/ مارچ ۱۸۱۸ء۔ مرید و خلیفہ شمس مارہرہ، حضرت سید شاہ آل احمد، اچھے میاں، مارہروی) فرزند واقف حقائق توحید، مولانا شاہ محمد سعید، عثمانی، چشتی بدایونی (وصال ۴/ رزی قعدہ ۱۱۵۷ھ/ دسمبر ۱۷۷۷ء۔ مرید و خلیفہ حضرت شاہ کلیم اللہ چشتی، جہان آبادی)

نہایت جید و متحر اور جلیل القدر عالم دین تھے۔

مولانا فیض احمد، بدایونی اور مولانا فضل حق خیر آبادی کے شاگرد و رشید تھے۔

مولانا رحمن علی، مؤلف ”تذکرہ علمائے ہند“، آپ کو، اکابر علماء و صلحا میں

شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل، مولوی فیض احمد، بدایونی سے کی۔

شاہ عبدالحمید، بدایونی کے مرید تھے۔ طلبہ کی تدریس کے بڑا، کوئی مشغلہ نہ تھا۔

ان کے شاگردوں کی تعداد، ہزاروں تک پہنچتی ہے۔

وہ، صاحب برکت تھے۔ جس نے آن سے سبق پڑھا، وہ، علم سے بے بہرہ نہ رہا۔

آج، بدایوں اور اس کے اطراف میں، شاید ہی کوئی ہوگا کہ:

اس کی شاگردی کا سلسلہ، ان سے جدا ہو۔“ الخ۔

(ص ۵۳۴۔ تذکرہ علمائے ہند۔ مؤلف مولانا رحمن علی۔ اردو ترجمہ از پروفیسر محمد ایوب قادری)

حکیم عبدالحی، رائے بریلوی (متوفی ۱۳۴۱ھ/ فروری ۱۹۲۳ء) آپ کے تعارف میں لکھتے ہیں:

الشَّيْخُ الْفَاضِلُ نَوْرُ أَحْمَدَ..... أَحَدُ الْعُلَمَاءِ الْمَشْهُورِينَ..... وَقَرَأَ الْعِلْمَ

عَلَيْنِ الْمُؤَلَوِي فَيُضِ أَحْمَدَ الْعُثْمَانِي الْبَدَايُونِي۔ وَتَفَقَّنَ فِي الْفَضَائِلِ عَلَيْهِ۔

ثُمَّ تَصَدَّرَ لِلتَّدْرِيسِ۔

وَكَانَ صَالِحاً عَفِيفاً، دِيناً مَتَوَكِّلاً، لَا يَلْتَفِتُ إِلَى أَسْبَابِ الدُّنْيَا وَزَخَارِهَا۔

وَلَا يَتَصَنَّعُ بِالزَّيِّ وَاللَّبَّاسِ، وَلَمْ يَزَلْ مُشْتَغِلًا بِالتَّدْرِيسِ مَعَ الزُّهْدِ وَالْعِبَادَةِ۔

(ص ۵۰۴۔ نزہۃ الخواطر۔ جلد ثامن۔ مؤلفہ حکیم عبدالحی، رائے بریلوی)

مولانا محمد یعقوب حسین، ضیاء القادری، بدایونی آپ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:
استاذِ انام، حضرت مولانا نور احمد صاحبِ فُذَّسِ سِرُّہ:

آپ، چھوٹے صاحب زادے، مولانا محمد شفیع صاحب کے ہیں۔

آپ کے فضائل و مناقب اور آپ کے کمالات ظاہری و باطنی، احاطہ تحریر میں آنا، محال ہے۔

ہزاروں صورتیں، صد ہا نفوس، آپ کے وجود کی عکسِ شبیہ کو، اپنے سینوں سے لگائے ہوئے

ابھی، بدایوں کی گلیوں میں، چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔

آپ کی عظمت کا سُر اُغ، اُن کے دلوں سے لگائے۔

ایک زمانے کو، آپ نے اپنے فیض سے سیراب کیا۔ خدائی، آپ کے فیض سے مستفیض ہوئی۔

خدائے آپ کی ذات سراپا برکات کو، قلمِ علم و فضل بنایا تھا۔

۱۳ جمادی الآخرہ ۱۲۳۰ھ (مئی ۱۸۱۵ء) ولادتِ باسعادت کی تاریخ ہے۔

تکمیلِ علومِ نقلیہ اور فنونِ عقلیہ، حضرت مولانا فیض احمد (بدایونی) فُذَّسِ سِرُّہ سے فرمائی۔

بعض کتبِ معقول، مثل افقِ المبین اور شفا وغیرہ

حضرت استاذِ مطلق، مولانا فضل حق، خیر آبادی فُذَّسِ سِرُّہ سے اخذ فرمائیں۔

تحفہ (فیض) میں، حضرت تاجِ الفحول (بدایونی) فُذَّسِ سِرُّہ آپ کی نسبت تحریر فرماتے ہیں:

”دریں بلادِ نظیر حضرت عی و استاذی عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ، بہ مشاہدہ، نہ آمدہ۔

لا ریب، وحید عصر، فریدِ دہر بودند۔

غیر از تعلیم و تدریس طلبہ و اعانتِ فقر او غر با، شب و روز، شغلِ دیگر، مرغوبِ طبع مبارک، نہ بود۔

عد و تلامذہ جناب، بہ اُلو ف رسیدہ۔ اُمّا، زہے برکت و فیض کہ ہر کسے ہر قدرے کہ خواندہ

در یک سبق، برکتِ سالہا، یافتہ۔ وہ فصلِ الہی و فیض و برکتِ حضرت عالی استاذی عَلَیْہِ

الرَّحْمَۃُ کہ از تلامذہ، محروم از دولتِ علوم نہ ماندہ۔

امروز، در تمام بدایوں، اُحدے از تلمذ جنابِ شال، خالی نیست۔

(ترجمہ: ان بلاد میں عی و استاذی (مولانا نور احمد، بدایونی) عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ کی نظیر

دیکھنے میں نہ آئی۔ آپ، وحید عصر و یکتاے زمانہ تھے۔

طلبہ کی تعلیم و تدریس اور غُر با و فقر کی اعانت کے علاوہ، شب و روز میں آپ کو، کوئی اور کام مرغوب نہ تھا۔ آپ کے تلامذہ کی تعداد، ہزاروں تک پہنچتی ہے۔
آپ کی برکت و فیض کا عالم، یہ تھا کہ:

جس نے جس قدر بھی، آپ سے ایک سبق پڑھ لیا، برسوں کی برکت اس نے حاصل کر لی۔ اللہ کے فضل اور حضرت استاذی عَلَيْهِ الرَّحْمَةُ کے فیض سے، تلامذہ، دولتِ علم سے محروم نہیں رہے تھے۔ آج، تمام بدایوں میں کوئی شخص ایسا، نہ ہوگا، جو، آپ سے نسبتِ تلمذ، نہ رکھتا ہو۔
آپ کے تلامذہ کی تعداد، پنجاب، کابل، فارس و عراق تک، وسعت پذیر ہے۔
تلامذہ کے ساتھ، از حد شفقت فرماتے تھے۔

شادی کے تھوڑے دنوں بعد، آپ کی اہلیہ محترمہ نے وفات پائی۔
ہر چند اعزّہ نے دوسری شادی کا اصرار کیا، مگر، آپ نے اس خیال سے کہ:
سلسلہ درس و تدریس میں، حرج، واقع ہوگا۔ شادی، دوبارہ، نہ فرمائی۔
آپ کے اخلاقِ کریمہ، غُر با و اہل محلّہ کے ساتھ، نہایت، محبت آمیز تھے۔
شرفِ بیعت، حضرت سیدی مولانا شاہ عین الحق عبد المجید قُدّس سرّہ سے حاصل تھا۔
شعر، خود، نہ فرماتے تھے۔ لیکن، پاکیزہ کلام کی نہایت قدر دانی کیا کرتے تھے۔
تالیف و تصنیف کی طرف، عدیم الفرستی کے باعث، زیادہ التفات، نہ تھا۔
۱۳۰۱ھ (۸۲-۱۸۸۳ء) میں، راہی خلد بریں ہوئے۔

آستانہ قادریہ (بدایوں) میں، حضرت سیف اللہ المصلوّل قُدّس سرّہ کی آغوشِ رحمت میں جگہ پائی۔ ”شیخ العصر“ ماڈہ تاریخ وصال ہے۔

حضرت تاج القول (بدایونی) آپ کے افضل التلامذہ ہیں۔ الخ۔

(ص ۸۹ و ۹۰۔ اکمل التاریخ، حصہ اول۔ مؤلفہ مولانا ضیاء القادری، بدایونی۔ طبع جدید، تاج القول

ایڈی، بدایوں۔ ۱۴۳۳ھ/۲۰۱۳ء۔ طبع اول ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۶ء)

نور العارفین، سید شاہ ابوالحسن احمد نوری، مارہروی (وصال ۱۱۱۲ھ/۱۳۲۳ھ/۱۹۰۶ء)

کے اساتذہ کی فہرست میں مولانا غلام شبر، صدیقی، قادری، بدایونی

آپ کا نام، درج کر کے آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

”مرید و برادر زادہ حضرت مولانا مولوی عبد المجید صاحب، عثمانی، بدایونی، آل احمدی

رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ، بہ قائم مقامی مولوی محمد سعید صاحب مرحوم مدرس مدرسہ درگاہ معلی (مارہہ شریف) اپنے برادرزادے کے، چند روز، مدرس درگاہ معلی رہے۔ یہ تحقیق نہیں کہ حضور اقدس (حضرت نوری میاں مارہروی) قدس سرہ نے مولانا مرحوم سے کیا پڑھا؟

حضور اقدس کو، مولانا مرحوم سے خاص ادب و محبت اور مولانا مرحوم کو، خاص ارادت تھی۔ مدرسہ عالیہ قادریہ (بدایوں) میں، روزانہ استفتاء آتے اور جواب لکھے جاتے۔ لیکن، مولانا مرحوم نے باوجود اصرار، کبھی، کسی تحریر پر، دستخط نہیں فرمائے۔ اَلَا مَشَاءَ اللہ۔ جس وقت، حضور اقدس (حضرت نوری میاں، مارہروی) قدس سرہ کے رسائل اور اکابر مارہرہ قدس سرہ کے اعتقاد سے متعلق، سوال ہوا محضر، طلب فرما کر اپنے قلم سے عبارت لکھی اور دستخط کیے۔

مولانا (نور احمد بدایونی) مرحوم کا ۱۳۰۱ھ (۸۴-۱۸۸۳ء) بہ مقام بدایوں، انتقال ہوا۔ (ص ۱۹۵- مدائح حضور نور (۱۳۳۳ھ) معروف بہ ”تذکرہ نوری“ مؤلفہ مولانا قاضی غلام شہر، صدیقی قادری، بدایونی۔ مطبوعہ تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں۔ رجب ۱۳۳۳ھ مئی ۲۰۱۳ء)

مفتی ارشاد حسین، رام پوری

حضرت مولانا مفتی ارشاد حسین، فاروقی، مجد دی، رام پوری (متولد ۱۲ صفر ۱۲۳۸ھ - متوفی بروز دوشنبہ ۱۵ جمادی الآخرہ ۱۳۱۱ھ ۱۸۹۴ء) خلف حکیم احمد حسین بن غلام محی الدین بن فیض احمد بن شاہ کمال الدین بن شیخ درویش احمد بن شیخ زین العابدین، معروف بہ شاہ فقیر اللہ بن شیخ فیاض الدین یوسف بن شاہ محمد یحییٰ بن امام ربانی، مجد و الف ثانی، شیخ احمد، فاروقی، سرہندی۔
رَحْمَتُہُمُ اللہُ تَعَالٰی۔

مفتی ارشاد حسین، فاروقی، مجد دی، رام پوری، اپنے عہد و عصر میں مرجع علماء و خواص و عوام تھے۔ ملاً، محمد نواب، رام پوری، مہاجر کی، تلمیذ علامہ فضل حق، خیر آبادی کے خصوصی شاگرد اور حضرت شاہ احمد سعید، مجد دی، دہلوی، مہاجر مدنی خلیفہ حضرت شاہ غلام علی، مجد دی، دہلوی کے اجلہ خلفا میں تھے۔

پچھت و فسر، فقیہ و مفتی، مدبر و صوفی، غرض، جامع کمالات ظاہری و باطنی تھے۔

مفتی ارشاد حسین، رام پوری کے مرشد طریقت، شاہ احمد سعید، دہلوی نے اپنے عہد و عصر کے نامور اساتذہ سے تعلیم پائی۔ مثلاً: مولانا فضل امام، خیر آبادی و مولانا نور الحق، فرنگی محلی و مفتی ظہور اللہ، فرنگی محلی و شاہ عبدالقادر، دہلوی و شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی وغیرہم۔

شاہ احمد سعید، دہلوی، سلسلہ مجد دیہ کے جلیل القدر مرشد و شیخ طریقت

حضرت شاہ غلام علی، نقشبندی، مجد دی، دہلوی کے خلیفہ و جانشین ہوئے۔

حافظ احمد علی خاں، شوق، رام پوری، آپ کے مختصر احوال و آثار، اس طرح بیان فرماتے ہیں:

”آپ کے بزرگ، سرہند (پنجاب) پر، سکھوں کی تعدی کے بعد، بریلی آئے۔

اور آپ کے دادا، غلام محی الدین، بریلی سے رام پور تشریف لائے۔

مفتی ارشاد حسین، مجد دی کی ولادت، رام پور میں، چودہویں صفر ۱۲۳۸ھ کو ہوئی۔

کتب فارسی اپنے والد اور شیخ احمد علی اور اپنے بھائی، مولوی امداد حسین سے پڑھیں۔

حافظ غلام نبی و مولوی جلال الدین و مولوی نصیر الدین خاں سے صرف و نحو، وغیرہ، حاصل کی۔

لکھنؤ جا کر کتب منقول پڑھیں۔ رام پور، واپس آ کر مثلاً، نواب سے باقی ماندہ کتب معقول وغیرہ کا درس لیا۔

مثلاً، نواب صاحب، نواب خلد آشتیاں کو بھی پڑھاتے تھے۔
نواب صاحب کو، مذہبِ امامیہ کی تعلیم دینے کے لئے، دو علیحدہ آدمی مقرر تھے۔
جس قدر عقائدِ امامیہ کی تعلیم ہوتی تھی، مولانا نواب، اس کو
نواب خلد آشتیاں کے صفحہِ خاطر سے محو کر دیتے تھے۔
نواب جنت آگاہ کو، یہ حال معلوم ہوا، تو، مثلاً، نواب صاحب کی صحبت سے منع کر دیا۔
پھر، آپ (مولانا ارشاد حسین، رام پوری) یہاں سے، دہلی گئے۔
مثلاً، نواب صاحب بھی رام پور سے ترکِ تعلق کر کے دہلی چلے گئے۔
مثلاً، نواب کی ہدایت سے آپ

حضرت شاہ احمد سعید سے بیعت ہوئے۔ اور کمالاتِ باطنی حاصل کیے۔
اپنے پیرومرشد کے صاحب زادوں سے کچھ شکر رنجی بھی پیدا ہو گئی تھی
مگر، حضرت شاہ احمد سعید نے اس کو، رفع دفع فرما دیا۔
آپ، حضرت شاہ احمد سعید کے اچلے خلفائے سے تھے۔
شاہ احمد سعید صاحب، غدر (۱۸۵۷ء) میں ہجرت فرما کر مکہ معظمہ کو روانہ ہوئے
آپ کو، پانی پت (پنجاب) سے رام پور، رخصت کیا۔
کچھ دنوں کے بعد (مولانا ارشاد حسین) محمد موسیٰ بخاری، ایک خادم کو ساتھ لے کر
زیارتِ حرمین شریفین کو گئے۔ یہ سفر، پیدل، آٹھ ماہ میں ختم کیا۔

ایک سال تک، وہاں، حاضر رہ کر، رام پور آئے
تو، مثلاً، فقیر اخوند قدس سیرۃ کی مسجد کے حجرہ میں، نو (۹) مہینے میں قرآن، حفظ کر لیا۔
اور ایک بیوہ سے عقد کر لیا۔ تو کل پر گذر تھی۔

..... پالکی میں آتے جاتے تھے۔ کہار، نوکر تھے۔ خوش لباسی، خوش اوقاتی اور خوش اخلاقی سے
زندگی، بسر کرتے۔ نواب، خلد آشتیاں کو، نہایت محبت تھی۔ اور بہت ادب و تعظیم کرتے تھے۔
اوراد، وظائف، حلقہٴ مراقبہ، ذکر وغیرہ سے کوئی وقت، خالی نہ تھا۔
سلسلہٴ درس، علیحدہ، جاری تھا۔ ہر جمعہ کو بعد نماز اپنی مسجد میں وعظ فرماتے تھے۔

مجلس وعظ میں خوب ذوق و شوق اور گریہ و بکا ہوتا تھا۔

اپنے احباب کا بہت خیال تھا۔ عیادت اور ماتم پُری فرماتے۔

شہر اور اہل شہر پر، خاص اثر تھا۔ اپنے ہم قوم، مجددیوں کے معاملات میں ہمیشہ ساعی رہتے

تھے۔ شہر اور بیرون جات کے بہت سے لوگ، بیعت ہوئے۔ بہت سے خلفا ہیں۔

نواب خلد آشیاں نے حالتِ مرض میں وصیت کی تھی کہ:

بعد انتقال، مجھے، حافظ جمال اللہ صاحب کے مزار میں اُسی جگہ، دفن کیا جائے، جو، آراضی

بقدر ایک قبر کے، شاہ محمد عمر اور حافظ صاحب کے گنبد کے درمیان میں چھوٹی ہوئی ہے۔

دوم:- سوا، آپ کے، اور مولوی امداد حسین آپ کے بھائی کے، اور کوئی، نہ نہلائے۔

سوم:- ریاست کے صرف سے تہنیز و تکفین، نہ ہو۔

تین سو کی ایک رقم، میاں رحیم شاہ کے پاس ہے، اُس کو، صرف کیا جائے۔“

چنانچہ، ایسا ہی ہوا۔

پانچ لاکھ روپیہ، زکوٰۃ کے، خزانہ میں جمع تھے۔ حالتِ مرض میں، نواب خلد آشیاں نے

ایک دستاویز، لکھ کر آپ کے حوالہ کی کہ اس روپیہ سے جائداد، خرید کو غریب کی پرورش کریں۔

یہ دستاویز، بریلی میں رجسٹری ہوئی۔ اور خزانہ کو حکم، عطاے روپیہ کا گیا۔ مگر، اس کے بعد ہی

نواب صاحب پر بے ہوشی، طاری ہو گئی اور حکام ریاست نے اس کی تعمیل نہیں کی۔

نواب عرش آشیاں کے زمانہ میں آپ کی خانقاہ کا وظیفہ، بند ہو گیا۔

قتلِ جبرائیل اعظم الدین خاں کے معاملے میں، بعض نام کے مسلمانوں نے مولانا کو بھی

مُتہم کیا۔ اخیر میں تنخواہ میں اضافہ ہوا۔ اور دشمن، سب شرمندہ ہوئے۔

آپ کے پاس اکثر لوگ، امانتیں رکھ دیتے تھے۔ آپ، ان سے شرط فرما لیتے تھے کہ:

اگر، مجھے ضرورت ہوئی، یا۔ کسی اور کو، تو، بشرطِ ادا، صرف کروں گا۔ یا۔ دے دوں گا۔“

کوئی عذر، نہ کرتا۔

ان امانت کی رقبوں سے سیکڑوں لوگوں کو مدد پہنچتی تھی۔ اور سود کی آفت سے بچا لیتے تھے۔

بعض رقبیں، ضائع بھی ہوئیں، وہ، یہ خوشی خاطر، اپنے پاس سے پوری کر دیتے۔

اس کا نام ہے فیضِ رسانی اور دھیکری ظاہری و باطنی۔ جَزَاهُ اللہُ خَیْرُ الْجَزَاءِ

آٹھویں جمادی الآخرہ ۱۳۱۱ھ میں، تپِ محرقہ، شروع ہوئی

اسی حالتِ مرض میں، تمام امانتیں، واپس کیں۔

باوجود شدتِ مرض کے، اوقاتِ نماز میں فرق نہیں ہوا۔ اور، نہ اوراد و وظائف میں کمی ہوئی۔
دوشنبہ کے دن، پندرہویں جمادی الآخرہ کو ۱۳۱۱ھ میں انتقال ہوا۔

تمام شہر، نمازِ جنازہ کے لئے اُمنڈ آیا۔ عید گاہ کے میدان میں، نمازِ جنازہ ہوئی۔
اور اپنی مسجد کے متصل، جانبِ شرق اپنی ملکیت کی زمین میں، دفن ہوئے۔

اب، اولاد میں مولوی محمد احسان حسین، مولوی معوان حسین صاحب اور مولوی
محمد ریحان حسین، موجود ہیں۔

تصانیف میں ایک ضخیم کتاب ”انصار الحق“ بزبانِ اردو، بجواب ”معیار الحق“
مولانا ندیر حسین، محدثِ دہلوی، تصنیف کی ہے۔ اور مطبوعہ ہے۔ یہ کتاب، دو بار طبع ہو چکی ہے۔
ترجمہ کتاب الخلیل، عالم گیری۔ اردو قلمی۔ ۱۳۶ صفحہ کی کتاب
کتب خانہ ریاست (رام پور) میں ہے۔“

(ص ۳۰ تا ص ۳۳) ”تذکرہ کاملانِ رام پور“۔ مؤلفہ حافظ احمد علی خاں شوق، رام پوری۔ مطبوعہ ہمدرد پریس
کوچہ چیلان۔ دہلی۔ ۱۹۲۹ء)

”انصار الحق“ عرصہ دراز سے نایاب تھی۔ جسے جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے باذوق اور
باحوصلہ طلبہ نے تعارف و تقدیم کے ساتھ کمپوزنگ کرا کے بہت اچھے انداز میں
چند سال پہلے، شائع کر دیا ہے۔

مفتی ارشاد حسین، مجددِ دی، رام پوری نے سفر حج و زیارتِ حرمین شریفین کے دوران
کامل ایک سال تک، مدینہ طیبہ میں قیام کیا اور وہاں کی برکتوں سے فیض یاب ہوئے۔
اپنے شیخ و مرشد، حضرت شاہ احمد سعید، مجددِ دی، مہاجرِ مدنی کی خدمت میں رہ کر
تکمیلِ سلوک کیا اور آپ ہی کے حکم سے اپنے وطن، رام پور، واپس آئے۔

یہاں، درس و تدریس، ذکر و مراقبہ اور وعظ و بیان میں، ہمہ وقت، مصروف رہے۔

نواب، کلب علی خاں، غلدہ آشیان، والیِ رام پور کو آپ سے بے حد تعلقِ خاطر تھا۔

وہ، آپ کا اعزاز و اکرام کرنے کے ساتھ، بعض اہم امورِ سلطنت میں

آپ سے مشورہ و تبادلہٴ خیالات بھی کیا کرتے تھے۔

مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی، مظفر پوری آپ کے تعارف و تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ:

.....ہم عقیدہ مسلمانوں پر نہایت شفقت فرماتے اور باطل پرستوں سے شدید نفرت رکھتے تھے۔

نواب، قطب الدین خاں، دہلوی کے رسالہ، مناقبِ امامِ اعظم کے رد میں غیر مقلدیت کے پیشوا، میاں نذیر حسین، دہلوی نے ”معیار الحق“ کے نام سے ایک کتاب لکھ کر، امامِ الائمہ پر، زبانِ طعن و سب و شتم، دراز کی تو، آپ نے حمایتِ حق کے لئے ”انتصار الحق“ لکھا۔

جس کو مولوی محمد احسن، نانوتوی، مقیم بریلی نے اپنے مطبع صدیقی، بریلی سے چھاپ کر شائع کیا۔
حضرت مولانا سید دیدار علی شاہ، الوری، حضرت مولانا شاہ سلامت اللہ، رام پوری
حضرت شمس العلماء، علامہ ظہور الحسین، رام پوری، مولانا عبدالغفار خاں، رام پوری، مولانا شاہ
عنایت اللہ خاں، رام پوری، وغیرہ، آپ کے نامور تلامذہ و کبار علمائے اہل سنت میں سے تھے۔
اول الذکر کے علاوہ، سب کو، طریقہ نقشبندیہ میں آپ سے بیعت کا شرف، حاصل تھا۔
مشہور معزلی عالم، شبلی نعمانی نے رام پور میں آپ سے فقہ کا درس لیا۔
اعلیٰ حضرت، امام اہل سنت، مولانا شاہ احمد رضا، مجددِ مائتہ حاضرہ
آپ کے علم و فضل، زہد و تقویٰ کے بڑے مدائح تھے۔“

(ص ۲۴ و ص ۲۵۔ ”تذکرہ علمائے اہل سنت“۔ مؤلفہ مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی۔)

مطبوعہ کانپور ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء)

مولانا عبدالحق، خیر آبادی

مولانا عبدالحق، خیر آبادی (ولادت ۱۲۴۲ھ/۱۸۲۹ء۔ وفات شوال ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۸ء)

فرزند و تلمیذ علامہ فضل حق خیر آبادی، اپنے عہد و عصر میں

متحدہ ہندوستان کے معروف عالم اور معقوی مدرس تھے۔ درس و تدریس اور تصنیف و تالیف

آپ کی زندگی بھر کا مشغلہ رہا۔ آپ کے تلامذہ میں سے چند حضرات کے اسما، اس طرح ہیں:

مولانا سید عبدالعزیز، سہارن پوری، مولانا حکیم سید برکات احمد، ٹوکی، مولانا اسد الحق

خیر آبادی، مولانا عبدالحق خاں، رام پوری (مورخ، نجم الغنی خاں، رام پوری کے والد)

مولانا فضل حق، رام پوری۔ مولانا شاہ اعظم حسین، رام پوری، مہاجر مدنی۔

مولانا عبدالحق خیر آبادی کی تصنیفات کے نام، مندرجہ ذیل ہیں:

تسہیل الکافیہ، شرح بدایۃ الحکمۃ، الجواہر الغالیۃ فی الحکمۃ المتعالیۃ، شرح مسلم الثبوت مع

شرح منہیات، حاشیہ قاضی مبارک بر شرح سلم، حاشیہ غلام یحییٰ متعلقہ میرزا احمد، حاشیہ حمد اللہ

شرح الحواشی الزاحد علیٰ ملّا جلال، شرح الحاشیہ الزاحد علیٰ لا مور العالمتہ من شرح المواقف

شرح تہذیب الکلام، زبدۃ الکلام، زبدۃ الحکمۃ، شرح مرقات، حاشیہ عقائد عہدی

الٹحۃ الوزیریۃ فی المسائل الخویۃ، حاشیہ جدیدہ بر شرح تجرید۔

مولانا عبدالشاہد، شیروانی، علی گڑھی (متوفی ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء) تلمیذ مولانا معین الدین

اجیری (متوفی محرم ۱۳۵۹ھ/۱۹۴۰ء) تلمیذ حکیم سید برکات احمد، ٹوکی (متوفی ۱۳۴۷ھ/۱۹۲۸ء)

تلمیذ مولانا عبدالحق خیر آبادی (متوفی ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۸ء) آپ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

مولانا عبدالحق، خیر آبادی نے آخر وقت، یہ وصیت فرمائی کہ:

”جب انگریز، ہندوستان سے چلے جائیں تو، میری قبر پر خبر کر دی جائے۔“

چنانچہ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو رفیق محترم، مولانا مفتی سید نجم الحسن، رضوی، خیر آبادی نے

مولانا کے مدفن (درگاہ مخدومیہ، خیر آباد) پر، ایک نجم غفر کے ساتھ، حاضر کر

میلاد شریف کے بعد، فاتحہ خوانی کی۔

اور، اس طرح، پورے پچاس (۵۰) سال کے بعد، انگریزی سلطنت کے خاتمہ کی

خبر سنا کر وصیت پوری کی۔ ”جَزَاهُ اللّٰهُ خَيْرَ الْجَزَاءِ“

(۳۳۳۔ بعنوان ”سلسلہ تلامذہ“۔ باغی ہندوستان۔ مطبوعہ مجمع الاسلامی، مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ)

مولانا عبدالحق، خیر آبادی کی حقیقی بہن، بی بی سعید النساء، حرماں خیر آبادی بنتِ علامہ فضل حق خیر آبادی، بڑی عالمہ فاضلہ شاعرہ تھیں۔

آپ کے بارے میں، مولانا شیروانی، علی گڑھی لکھتے ہیں کہ:

”مولانا عبدالحق کی حقیقی ہمشیرہ، بی بی سعید النساء حرماں (والدہ ماجدہ اعتباراً الملک، مضطر خیر آبادی) بڑی عالمہ فاضلہ تھیں۔ خود، والد ماجد (علامہ فضل حق خیر آبادی) نے اُن کی تعلیم و تربیت کا پورا حق ادا کیا تھا۔

اُن کی علمی لیاقت کا حال، مولانا عبدالحق خیر آبادی کے اِن جملوں سے ظاہر ہوتا ہے:

”اچھا ہوا کہ سعید النساء بہن ہوئیں، بھائی نہ ہوئیں۔

ورنہ، ان کے سامنے، ہمیں، کون پوچھتا؟“

(ص ۳۳۳۔ باغی ہندوستان۔ مطبوعہ مبارک پور ضلع اعظم گڑھ، یو پی)

حرماں، خیر آبادی کے شاعرانہ ذوق کا اندازہ اِن اشعار کی سلاست و برجستگی اور اثر انگیزی سے بخوبی ہوتا ہے:

خانہ یار کا، کیا تم کو پتہ بتلاؤں ؟ جیسا مشتاق ہو، نزدیک بھی ہے، دور بھی ہے

☆☆☆☆

درِ دِل، درِ دِجگر، کاوشِ جاں، کاہشِ جاں اتنے آزار ہیں، اور ایک کلیجہ امیرا

☆☆☆☆

اب لذتِ درِ دِجگری، پوچھتے کیا ہو؟ جب تم ہونمک پاش تو، پھر کیوں نہ مزا ہو؟

حکیم سید محمود احمد، برکاتی، ٹوکی (کراچی۔ شہادت ۱۳۳۴ھ/۲۰۱۳ء) کے والد ماجد حکیم سید محمد احمد، ٹوکی (متوفی ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۲ء) بی بی سعید النساء، حرماں خیر آبادی بنتِ علامہ فضل حق خیر آبادی و ہمشیرہ مولانا عبدالحق خیر آبادی کے

ایک سفر ٹوٹک، (راج پوتانہ، موجودہ صوبہ راجستھان) کا حال، جس طرح، تحریر فرماتے ہیں، اُس سے تلامذہ خیر آبادی کی قلبی عقیدت کا آبشار پھوٹنے لگتا ہے۔ وہ، لکھتے ہیں کہ:

”مجھے، یہ عزت حاصل ہے کہ میں نے

مُجَدِّدُ الْحُكْمَةِ الْيُونَانِيَّةِ، حضرت علامہ فضل حق، خیر آبادی، بِرُؤْدِ اللَّهِ مُضْجَعُهُ کی صاحبزادی، اَنَّا لِلَّهِ بُرْهَانُهَا کی زیارت کی ہے۔

اس عزت کو، میں، سرمایہ سعادت سمجھتا ہوں۔

ہماری انتہائی خوش قسمتی تھی اور سرزمینِ ٹونک کو، انتہائی فخر کا موقع ملا تھا کہ:

وہ، ٹونک تشریف لائی تھیں۔ نواب، وزیر الدولہ بہادر جنت آرام گاہ (دوسرے والی ٹونک)

کی علم دوستی نے جہاں، ہزاروں اہل کمال کو اطرافِ ہند سے کھینچا، تھا

وہاں، خیر آباد شریف کے بھی، چند خاندانوں کو، ٹونک بلا لیا گیا تھا۔

اس کی برکت سے اخیرِ اخیر میں مجھے اور میرے خاندان کو، یہ عزت، حاصل ہوئی۔

مجھے، اچھی طرح، یاد ہے اور آج بھی وہ تصویر، آنکھوں میں، پھر رہی ہے کہ:

استاذُ الحمد، مولانا یرکات احمد صاحب قبلہ (ٹونکی)

بی بی صاحبہ کے سامنے، گردن جھکائے، مؤذّب، ایک بے علم انسان کی طرح، بیٹھے ہیں۔

اور اُن (بی بی سعید النساءِ حرمات) کے جوشِ تقریر کا، یہ عالم ہے کہ:

کسی بھی موضوع پر، نہیں رکتیں۔ ضعیف الثبوت تھیں، کبیر سن تھیں، اعضاء میں رعشہ تھا۔

مگر، معلوم ہوتا تھا کہ تمام قوتیں، قوتِ ناطقہ میں مخیذب ہو گئی ہیں۔

کیا تقریر تھی، کیا اتار چڑھاؤ تھا، کیا سُستی تھی، کیا برجستگی تھی، کیسی پُر عجب آواز

تھی۔“ (ص ۱۰۳۔ ص ۱۰۴۔ ”مولانا حکیم سید یرکات احمد، سیرت اور علوم“۔ مؤلفہ حکیم سید محمود احمد، برکاتی، ٹونکی۔

برکات اکیڈمی، کراچی۔ ۱۹۹۳ء)

مولانا عبدالحق خیر آبادی کی زوجہ محترمہ، ہاجرہ بی بی خیر آبادی کا بھی، کچھ یہی عالم تھا۔

علامہ فضل حق، خیر آبادی کی بھتیجی، ہاجرہ بی بی بنتِ مولانا فضل الرحمن بن علامہ فضل امام

خیر آبادی کے علم و فضل کا اندازہ، اُس واقعہ سے ہوتا ہے جس کا ذکر کرتے ہوئے

حکیم سید یرکات احمد، برکاتی، ٹونکی تلمیذ مولانا عبدالحق، خیر آبادی فرماتے ہیں کہ:

”میں نے، مروجہ درسِ نظامی کی تکمیل کر لی تھی۔ متقدمینِ حکما کی کتابیں پڑھ رہا تھا۔

مگر، ناغوں کی کثرت کی وجہ سے ایک بار، یاس کا ساء عالم، طاری ہو گیا اور میں نے فیصلہ کر لیا کہ:

اب، اصل نصاب کی تکمیل ہو چکی ہے۔ غیر نصابی کتابیں بھی نکل جاتیں، تو، خوب تھا۔

مگر، ناغوں کی اس کثرت کے ساتھ، تو، کئی برس، درکار ہیں۔

ادھر، والد ماجد، تقاضا فرما رہے تھے کہ جلد آؤ۔ اس لئے اب، رخصت سفر باندھنا چاہیے۔ مگر، علامہ (عبدالحق) سے یہ توقع نہیں تھی کہ،

وہ، اس منزل کو تکمیل، تصور فرما کر، اجازت (مرحمت) فرمائیں۔ اس لئے بیوی صاحبہ (علامہ عبدالحق کی خرم محترم) رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهَا سے رخصت (کی اجازت) حاصل کرنے کے لئے ڈیوڑھی (زنان خانہ) حاضر ہوا، اور کہلوایا کہ:

برکات احمد، واپس جا رہا ہے۔ رخصت، طلب کرنے اور سلام (عرض) کرنے، حاضر ہوا ہے۔“ بیوی (ہاجرہ) صاحبہ نے، جب، یہ پیغام سنا، تو، علامہ (عبدالحق) کی شفقت کے واسطے سے وہ بھی، شفقت فرماتی تھیں، یہ اطلاع پا کر، اتنی مضطرب ہوئیں کہ: پردہ کرا کر، خود ہی، ڈیوڑھی پر چلی آئیں اور فرمایا:

”بیٹا! برکت! ہم نے سنا ہے، تم جاتے ہو۔ اور ماشاء اللہ، تکمیل درس کر لی ہے۔ اللہ تعالیٰ مبارک کرے۔ مگر، بیٹا! مولانا نے ہم سے ذکر نہیں کیا کہ تم، فارغ ہو گئے؟ کیوں بیٹا! کہاں تک پڑھ لیا؟“

مولانا نے ادب سے عرض کی:

”تمام نصاب درس کی تکمیل کر لی ہے اور میرزا ہد امورِ عامہ تک پڑھ لیا ہے۔“

امورِ عامہ کا نام سن کر، ہنستے ہوئے فرمایا:

”بھئی، امورِ عامہ تک پڑھ کر خود کو فارغ اور فاضل سمجھ رہے ہو؟

کیا، میں، امورِ عامہ سے متعلق، کوئی سوال کر سکتی ہوں؟

بیٹے! امورِ عامہ تک، تو، اس خاندان کی مسعورات بھی، بخد ہد رکھتی ہیں۔“

مولانا (حکیم سید برکات احمد، ٹوکی) فرماتے تھے کہ:

”بیوی صاحبہ کی، یہ تقریر سن کر، انفعال سے حالت، غیر ہو گئی۔

اور میں نے، بمشکل، یہ الفاظ، ادا کیے کہ:

”میں، اپنے فیصلے پر، نا دم ہوں۔ اپنا فیصلہ، فتح کرتا ہوں

اور آپ سے استقلال کی دُعا کی درخواست ہے۔“

(ص ۱۵۴ و ۱۵۵۔ ”حکیم سید برکات احمد! سیرت اور علوم“۔ مؤلفہ حکیم سید محمد احمد، برکاتی، ٹوکی)

حکیم عبدالحق، رائے بریلوی (متوفی ۱۳۴۱ھ/۱۹۲۳ء) نے مدح و مذمت پر مشتمل

تعارف مولانا عبدالحق، خیر آبادی میں لکھا ہے کہ:

أَحَدُ الْعُلَمَاءِ الْمُرْزِينَ فِي الْمَنْطِقِ وَالْحِكْمَةِ - لَمْ يَكُنْ مِثْلَهُ فِي زَمَانِهِ - تَخَرَّجَ
عَلَى وَالِدِهِ وَلَا زَمَةَ مُدَّةً طَوِيلَةً - ثُمَّ قَرَّبَهُ نَوَابُ كَلْبٍ عَلَى خَانَ الرَّامِ فَوْرَى إِلَى نَفْسِهِ -
وَكَانَ إِمَامًا جَوَّالًا فِي الْمَنْطِقِ وَالْحِكْمَةِ، عَارِفًا بِالنَّحْوِ وَاللُّغَةِ، ذَاسِكِينَةً وَوَقَارٍ
وَفَوْرٍ ذَكَاءٍ وَحُسْنِ تَعْبِيرٍ، وَخَبِيرٌ بِمَسَالِكِ الْإِسْتِدْلَالِ، وَلُطْفِ الطَّبْعِ وَحُسْنِ
الْمُحَاضَرَةِ، وَمَلَا حَةِ النَّادِرَةِ إِلَى حَدٍّ لَا يُمَكِّنُ الْإِحَاطَةَ بِوَصْفِهِ -
وَمُحَالَسَتُهُ هِيَ نُزْهُةُ الْأَذْهَانِ وَالْعُقُولِ، بِمَا لَدَيْهِ مِنَ الْأَخْبَارِ الَّتِي تَشْنُفُ
الْأَسْمَاعَ، وَالْأَشْعَارَ الْمُهْدَبَةَ لِلطَّبَاعِ -

..... وَكَانَ يَقُولُ إِنَّ قِطْعَةً مِنَ اقْطَاعِ الْهِنْدِ نَهَضَ مِنْهَا

رِجَالُ الْعِلْمِ فِي كُلِّ قَرْنٍ -

وَهِيَ تَبْتَدِئُ مِنْ "دَهْلِي" وَتَنْتَهِي إِلَى "بِهَار" -

..... وَلَهُ مُؤَلَّفَاتٌ مَقْبُولَةٌ عِنْدَ الْعُلَمَاءِ، وَفِي عِبَارَاتِهِ قُوَّةٌ وَفَصَاحَةٌ، وَسَلَاسَةٌ

تَعَشَّقُهَا الْأَسْمَاعُ وَتَلْتَذِي بِهَا الْقُلُوبُ، وَلِكَلَامِهِ وَقَعٌ فِي الْأَذْهَانِ - إِلَى آخِرِهِ -

(ص ۱۲۶۳ - نُزْهُةُ الْخَوَاطِرِ - جلدِ ثامن - دار ابنِ ترم، بیروت)

مولانا عبدالقادر، بدایونی

مُحِبُّ الرُّسُولِ، تاجِ الفحول، حضرت مولانا عبدالقادر، عثمانی، قادری، بدایونی (ولادت ۱۷ رجب ۱۲۵۳ھ/۱۷ اکتوبر ۱۸۳۷ء۔ وصال ۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۹ھ/یکم ستمبر ۱۹۰۰ء)
 فرزندِ خلیفہ سیف اللہ المَسْئُول، علامہ فضل رسول، عثمانی، قادری، بدایونی (ولادت صفر المظفر ۱۲۱۳ھ/۹۹-۹۸ء۔ وصال جمادی الاخریٰ ۱۲۸۹ھ/۲۷-۱۸ء۔ فرزندِ خلیفہ حضرت مولانا شاہ، عینی الحق عبد المجید، عثمانی، قادری، بدایونی۔ ولادت ۲۹ رمضان ۱۱۷۷ھ وصال ۱۷ محرم الحرام ۱۲۶۳ھ/۱۸۳۶ء۔ خلیفہ ارشد، حضرت شمس مارہرہ، سید شاہ آل احمد، اچھے میاں قادری، برکاتی، مارہروی۔ وصال ۱۲۳۵ھ۔ جنوری ۱۸۲۰ء)

اپنے عہد و عصر کے مَرَجِّحِ عِلْمِ اَوْفَعْلَا اور ”معیاری سُنِّیت“ تھے۔

إِمَامُ الْحِكْمَةِ وَالْكَلَامِ، علامہ فضل حق، خیر آبادی کے اَجَلّہ تلامذہ میں تھے۔
 علامہ فضل رسول، بدایونی نے اپنے فرزندِ سعید، مولانا عبدالقادر، بدایونی کی تعلیم و تربیت میں، خود بھی، دل چسپی لی اور معیاری تعلیم کے لئے آپ کو علامہ فضل حق، خیر آبادی کے حوالے کر دیا۔
 جن کی خدمت میں رہ کر، برسوں، آپ، فیضانِ فضل حق سے سیراب اور مالا مال ہوتے رہے۔
 علامہ فضل رسول، بدایونی نے اپنے بلند اقبال فرزندِ سعید کی تربیت، جس طرح فرمائی اُس کا عکس، اِس مکتوب میں ملاحظہ فرمائیں:

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

برخوردار، سعادت آثار، لُحْتِ جگر، مولوی عبدالقادر، سَلَمَةُ اللَّهِ تَعَالَى۔

بعد دُعا، واضح ہو، اگر، دنیاوی جاہ و حشمت پر نظر ہے

تو، اس کا اہتمام، زمانے کی اقتضا کے مطابق ہوگا۔ دین و ایمان کو چھوڑنا ہوگا اور فاسقوں اور کافروں (کی) متابعت و ہم نشینی، اختیار کرنی ہوگی۔ حَفِظْنَا اللَّهَ وَآيَاتُكُمْ وَجَمِيعُ الْمُؤْمِنِينَ۔

(اللہ، ہماری اور تمہاری اور تمام مسلمانوں کی حفاظت، فرمائے)

اگر تمہارا مقصود، پاپس شریعت و اتباعِ سُنَّت اور رضاِ الہی ہے

تو، فقر و فاقہ، صبر، توکل اور قناعت کو، بطیب خاطر، کشادہ پیشانی کے ساتھ، قبول کر کے

یاد الہی اور درس و تدریس میں مشغول ہونا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے تمہارے اندر، صلاحیت کا، جو، بھروسہ پیدا کیا ہے اگر، اس کی صحیح نشوونما ہو جائے، تو، یہ تمہارے سراپا کے نکھار کا، باعث ہوگا۔ لیکن، یہ شدائد و مصائب کو، بطیب خاطر، بغیر خوف و دہشت اور جوع و فزع کے برداشت کرنے پر، موقوف ہے۔

اس لئے کہ، یہ خوف و دہشت اور تنگ دلی، اس بھروسہ کو ختم کرنے کا، باعث ہوتی ہے۔

يَحْفَظُكُمُ اللَّهُ تَعَالَى - وَالْذُّعَاءُ - فقط فصل رسول۔

(ص ۵۷) ”تذکرہ فضل رسول“۔ مؤلفہ مولانا انوار الحق، عثمانی، قادری، بدایونی۔ طبع جدید مجرم ۱۴۲۹ھ

جنوری ۲۰۰۸ء۔ تہذیب العلوم اکیڈمی، بدایوں۔ طبع اول صفر ۱۴۲۹ھ جنوری ۱۸۸۰ء۔ قدیم نام ”طوالیغ

الانوار فی محامید اکمل الکاملین الانوار (۱۲۹۶ھ) مطبوعہ مطبع صحیح صادق، بیتا پور۔ اودھ

لکھنؤ اور ریاست اُور (راجپوتانہ) میں جس زمانے میں علامہ فضل حق خیر آبادی، قیام پذیر تھے، اُسی زمانے میں حضرت مولانا عبدالقادر، عثمانی، قادری، بدایونی نے آپ سے تعلیم، حاصل کی اور خیر آبادی فیض سے آپ، بھرپور فیض یاب و سیراب ہوئے۔

اس سے پہلے آپ، اپنے وطن بدایوں ہی میں، مولانا نور احمد، بدایونی، تلمیذ علامہ فضل حق خیر آبادی سے بھی، درس، حاصل کر چکے تھے۔

بدایونی علما میں، حضرت مولانا شاہ عین الحق عبدالجید، عثمانی، قادری، بدایونی (وصال محرم الحرام

۱۲۶۳ھ) کے بھتیجے اور حضرت مولانا شاہ فضل رسول، عثمانی، بدایونی کے چچا زاد بھائی

مولانا سناء الدین، عثمانی، بدایونی (ولادت ۲۵/۱۲/۱۲۱۹ھ/۱۸۰۵ء۔ وصال ۵/محرم ۱۲۷۷ھ/

۱۸۶۰ء) اور مولانا نور احمد، عثمانی، بدایونی (ولادت ۱۳/جمادی الآخرہ ۱۲۳۰ھ/۱۸۱۵ء۔ وصال

۱۳۰۱ھ/۱۸۸۳ء) بھی، علامہ فضل حق، خیر آبادی کے شاگرد تھے۔

آپ کے تعارف و تذکرہ میں، مولانا رحمان علی (متوفی ۱۳۳۵ھ/۱۹۰۷ء) لکھتے ہیں:

”مولوی شاہ عبدالقادر، بدایونی بن مولوی معین الحق، فضل رسول، بدایونی۔

ان کی پیدائش ۱۷۷۳ھ/۱۸۳۷ء میں ہوئی۔ تاریخی نام ”مظہر حق“ ہے۔

اکثر کتب درسیہ، مولوی نور احمد، بدایونی اور بعض کتب، مثلاً: شرح العلوم، شرح اشارات

اور محاکمات، وغیرہ، مولانا فضل حق خیر آبادی سے پڑھیں۔

اپنے ہم عصروں میں ممتاز ہوئے۔ بیعت و خلافت اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔
والد ماجد کے ایمان سے حرمین شریفین کی زیارت کے موقع پر

شیخُ الفقہاء و المُحدِّثین، مولانا شیخ جمال عمر، مکی سے حدیث پڑھی۔

علومِ دینی کے افادے اور کتبِ دینی کی تالیف میں مصروف ہیں۔

رسالہ ”أَحْسَنُ الْكَلَامِ فِي تَحْقِيقِ عَقَائِدِ الْإِسْلَامِ

(عربی) رسالہ سیف الاسلام الْمُسْلُوْلِ عَلَى الْمَنَاعِ بِعَمَلِ الْمَوْلِدِ وَالْقِيَامِ (فارسی)

رسالہ حقیقۃ الشَّفَاعَةِ عَلَى أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ۔

رسالہ شفاء السَّائِلِ بِتَحْقِيقِ الْمَسَائِلِ (یہ کتاب، دو سو (۲۰۰) سوالوں کے جوابات پر

مشتمل ہے۔ جو، فقہ و عقائد سے متعلق ہیں)

دیوانِ عربی اور نعت شریف نبوی صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّم

جو، انھوں نے مدینہ طیبہ کے سفر کے راستے میں لکھی ہیں

ان کی تصنیفات میں، یہ کتابیں، اہل علم میں مقبول ہیں۔

ان کے علاوہ، دوسری کتابیں بھی، زیرِ تالیف ہیں۔

غرض، مولانا (عبدالقادر) کی ذات کو، معتمدات میں شمار کرنا چاہیے۔

خاص طور سے جو امداد، اس کتاب (تذکرہ علمائے ہند) کی تالیف میں

مجھ بچہ مداس (رحمان علی) کو پہنچائی ہے، اُس کا شکریہ، ادا کرنا، ناممکن ہے۔ بقول:

اگر، ہر موعے تن، گردِ زباںم

ادائے شکرِ او، کئے می توانم

(ص ۳۱۱ و ص ۳۱۲) ”تذکرہ علمائے ہند“ مؤلفہ مولانا رحمن علی۔ اردو ترجمہ از پروفیسر محمد ایوب، قادری)

مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی، مظفر پوری، آپ کے تعارف و تذکرہ میں لکھتے ہیں:

..... ”عَلَّامَہ فَعْلٌ حَق، خیر آبادی سے علوم عقلیہ کی بکمال و تمام تحصیل کی۔

حضرت عَلَّامَہ خیر آبادی، آپ کے بڑے مداح تھے۔ آپ پر، ناز فرماتے تھے۔

عَلَّامَہ خیر آبادی، اکثر فرماتے کہ:

”صاحبِ قوتِ قدسیہ، ہر زمانے میں ظاہر نہیں ہوتے۔ وقتاً بعد وقت، اور عصرِ اُبعد عصر

پیدا ہوتے ہیں۔ اگر، اس زمانے میں، کسی کا وجود مانا جائے گا

”تو، (آپ کی طرف اشارہ کر کے فرماتے ہیں کہ) یہ ہیں۔“

علامہ، یہ بھی فرماتے کہ:

”ان کے ذہن کی بخود وسلامت، ابوالفضل و فیضی کے اذہانِ ثاقبہ کی بخود کو مات کرتی ہے۔“

آپ کے والد ماجد، حضرت سیف اللہ المستول فرماتے کہ:

”مجھ سے مولانا فیض احمد کی ذہانت، زیادہ ہے۔

مگر، برخوردار عبدالقادر کی ذہانت و ذکاوت، ہم دونوں سے، زیادہ ہے۔“

علامہ خیر آبادی کے شاگردوں میں، حضرت استاذ العلماء، ہدایت اللہ خاں، رام پوری، مولانا فیض الحسن، سہارن پوری، شمس العلماء، علامہ عبدالحق، خیر آبادی، فرزند و جانشین

اور اعلیٰ حضرت، تاج الفحول، عناصرِ اربعہ سمجھے جاتے ہیں۔

علامہ عبدالحق، خیر آبادی، آپ کے بارے میں فرماتے تھے کہ:

”ہر سہ تلامذہ، کسی خاص فن میں یکتا عصر اور وحید روزگار ہیں۔

مگر، مولانا عبدالقادر، بدایونی کا تخر اور جامعیت، تمام علوم و فنون میں ہے۔“

آپ نے تکمیلِ علوم کے بعد، والد ماجد سے سندِ حدیث، حاصل کی۔

اور انھیں کے دستِ شریف پر، بیعت سے مشرف ہوئے۔

۱۲۷۹ھ میں پہلی بار، حج و زیارت کی حاضری کے وقت، خلافت و اجازت سے سرفراز کیے گئے۔

مکہ مکرمہ میں حضرت شیخ عمر جمال، مکی سے سندِ حدیث، حاصل کی۔

۱۲۹۰ھ میں بغداد مقدس کا سفر کیا۔ دوبار غوثِ اعظم سے سرفراز و شاد کام ہوئے۔

حضرت نقیب الاشراف، شیخ سلیمان بن علی نے بڑی پذیرائی کی۔

متحدہ بار، حرمین شریفین، حاضر ہوئے۔

ننانوے (۹۹) بار، بے پردا، آپ کو، تجلیاتِ ربانی کا دیدار ہوا۔

اعلیٰ حضرت، مولانا شاہ احمد رضا، بریلوی نے قصیدہ ”چراغِ اُنس“ میں اس واقعہ کو بیان کیا ہے

میں بھی دیکھوں جو تو نے دیکھا ہے

روزِ سنی صفا محبتِ رسول

صفا مردہ پہ تو نے جو دیکھا

وہ، مجھے بھی دکھا محب رسول
ہاں! یہ سچ ہے کہ یاں، وہ آنکھ، کہاں
آنکھ، پہلے ولا محب رسول

۱۳۱۱ھ میں مجلس ”ندیۃ العلماء“ کانپور میں قائم کی گئی۔ اور بانیوں نے اہل سنت کے ساتھ، شیعوں اور غیر مقلد مولویوں کو شامل کیا، تو، آپ نے سخت اختلاف فرمایا۔
فاضل بریلوی نے آپ کی ذات سے محبت کو ”علامت اسلام“ قرار دیا ہے۔

سُنَّیْت سے پھرا، ہڈی سے پھرا
اب جو تجھ سے پھرا محب رسول
آج، قائم ہے دم قدم سے رے
دین حق کی بنا محب رسول

(”تذکرہ علمائے اہل سنت“ مؤلفہ مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی، مظفر پوری)

محب الرسول، تاج الفحول، مولانا عبدالقادر، عثمانی، قادری، بدایونی کے تلامذہ میں
کچھ نمایاں حضرات، یہ ہیں:

سید شاہ ابوالقاسم اسماعیل حسن، عرف شاہ جی میاں، قادری، برکاتی، مارہروی، مولانا
محمد عبدالمتقندر، عثمانی، قادری، بدایونی، حافظ بخاری، سید شاہ عبدالصمد، چشتی، سہوانی، مولانا حکیم
عبدالقیوم، شہید، قادری، بدایونی، مولانا محبت احمد، قادری، بدایونی، مولانا فضل احمد، قادری
بدایونی، مولانا فضل مجید، فاروقی، بدایونی، مولانا فصیح الدین، عباسی، بدایونی، مولانا غلام شہر
صدیقی، نوری، بدایونی، مولانا محمد حسن، اسرائیلی، سنبھلی، مولانا حافظ بخش، قادری، آٹو لوی۔

حضرت مولانا عبدالقادر، بدایونی کے دونوں صاحبزادگان

حضرت مولانا عبدالمتقندر، بدایونی و حضرت مولانا عبدالقدیر، بدایونی

آپ کے شاگرد اور سلسلہ خیر آباد کے معروف علمائے ہیں۔

حضرت مولانا عبدالمتقندر، عثمانی، بدایونی (ولادت ۱۱ جمادی الآخرہ ۱۲۸۳ھ / اکتوبر

۱۸۶۶ء۔ وصال محرم ۱۳۳۴ھ / دسمبر ۱۹۱۵ء) نے

اپنے والد محترم، حضرت مولانا عبدالقادر بدایونی، تلمیذِ علامہ فضل حق خیر آبادی
اور مولانا نور احمد، بدایونی، تلمیذِ علامہ فضل حق، خیر آبادی سے، درسیات کی تکمیل کی۔

حضرت مولانا عبدالمقتدر، بدایونی کے تلامذہ میں، چند حضرات کے نام، درج ذیل ہیں:

مولانا عبدالماجد، قادری، بدایونی، مولانا عبد القدیر، عثمانی، بدایونی، محدث اعظم، مولانا سید محمد، محدث اشرفی، کچھوچھوی، مولانا عبدالحجید، قادری، آنولوی، مفتی حبیب الرحمن، قادری بدایونی، تاج العلماء، مولانا سید اولاد رسول محمد میاں، قادری، برکاتی، مارہروی، مفتی عزیز احمد بدایونی ثم لاہوری، پروفیسر، ضیاء احمد، بدایونی، سابق صدر شعبہ فارسی، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔

دوسرے صاحب زادے، حضرت مولانا عبد القدیر، عثمانی، قادری، بدایونی (ولادت ۱۱ شوال ۱۳۱۱ھ / ۱۷ اپریل ۱۸۹۴ء۔ وصال ۳ شوال ۱۳۷۹ھ / ۳۱ مارچ ۱۹۶۰ء) نے

مدرسہ قادریہ، بدایوں کے اساتذہ کرام، بالخصوص، برادرِ کبیر، مولانا عبدالمقتدر، عثمانی قادری، بدایونی اور مولانا محبت احمد، قادری، بدایونی تلمیذ تاج الفحول، بدایونی سے تعلیم پائی۔

اس کے بعد، مولانا سید عبدالعزیز، انیسٹھوی، سہارن پوری و مولانا حکیم سید برکات احمد، ٹوکی تلامذہ مولانا عبدالحق، خیر آبادی، فرزند علامہ فضل حق، خیر آبادی سے اکتسابِ علم کیا۔

مولانا عبدالحامد، قادری، بدایونی (وصال ۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ء) صدر جمعیت العلماء پاکستان اور خواجہ نظام الدین، بدایونی (وصال ۱۴۰۵ھ / ۱۹۸۵ء) آپ کے تلامذہ ہیں۔

حضرت تاج الفحول، بدایونی کے خلیف اصغر، حضرت مولانا عبد القدیر، بدایونی، ایک طویل زمانے تک، مفتی اعظم، ریاست حیدرآباد، دکن کی حیثیت سے جنوبی ہند میں سرگرم عمل رہے۔

محبت رسول، تاج الفحول، بدایونی اور فقیہ اسلام، امام احمد رضا، قادری، برکاتی، بریلوی رَحِمَهُمَا اللہُ تَعَالٰی کے درمیان، نہایت مخلصانہ روابط اخوت و مؤدّت تھے۔

حضرت تاج الفحول آپ کو، اپنا عزیز برادرِ صغیر اور امام احمد رضا، آپ کو، اپنا محترم برادرِ کبیر اور اپنا بزرگ سمجھتے تھے۔

آپ کی شان میں، امام احمد رضا، عرض کرتے ہیں:

وَقَدْوَةٌ جَمِيعِهِمْ تَاجُ الْفُحُولِ وَمَا أَذْرَاكَ مَا تَاجُ الْفُحُولِ

☆☆☆☆

ٹھیک ”معیارِ سنّت“ ہے آج تیری حُب و ولا، محبت رسول

خواجہ سید عبدالصمد، چشتی، سہسوانی

حافظ بخاری، خواجہ سید عبدالصمد، چشتی، مودودی، سہسوانی (ولادت ۱۲۶۹ھ/۱۸۵۳ء۔ وصال ۱۷ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء)

تاج الفحول، مولانا عبدالقادر، عثمانی، قادری، بدایونی کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ بریلی میں ایک بار، اکابر علمائے اہل سنت کی ایک خصوصی نشست ہوئی تھی جس میں، سوادِ اعظم اہل سنت و جماعت کے اہم امور و مسائل، زیر بحث آئے۔ تنظیمی امور پر تبادلہ خیال ہوا، اصلاحِ ندوہ پر خصوصی گفتگو ہوئی۔ غور و خوض کے بعد ”مجلس علمائے اہل سنت“ کی تشکیل ہوئی۔

حضرت مولانا عبدالقادر، بدایونی و حضرت مولانا احمد رضا، قادری برکاتی، بریلوی اور اس نشست میں موجود دیگر مشاہیر علمائے اہل سنت نے متفقہ طور پر حضرت حافظ بخاری کو ”مجلس علمائے اہل سنت“ کا صدر منتخب کیا۔

استاذِ گرامی، حافظ ملت، مولانا الشاہ عبدالعزیز، مراد آبادی، محدث مبارک پوری (وصال ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء) بانی الجماعۃ الاشرفیہ، مبارک پور کی زبانی، بارہا، یہ سنا گیا کہ: ”حافظ بخاری، سید شاہ عبدالصمد، صحیح بخاری کے ایسے حافظ تھے کہ: وہ، چاہتے تو، شینہ کی طرح، پوری صحیح بخاری، سنا سکتے تھے۔“

آپ کے فرزند و تلمیذ، مولانا سید مصباح الحسن، چشتی، مودودی (ولادت ۱۳۰۴ھ۔ وصال ۱۳۸۴ھ) پچھوند شریف (ضلع اتاوہ۔ یوپی) بھی، بڑے عالم و فاضل اور سرِ حق آگاہ تھے۔ اور علمائے مشائخ اہل سنت کے درمیان، محبوب و معزز و مکرم تھے۔

حافظ بخاری نے مدرسہ قادریہ، بدایوں میں سیف اللہ المستنول، علامہ فہرل رسول، بدایونی و تاج الفحول، مولانا عبدالقادر، بدایونی کے علاوہ، مولانا نور احمد، بدایونی تلمیذ علامہ فہرل حق خیر آبادی سے بھی تحصیلِ علم کی۔ آپ نے متعدد کتابیں لکھیں۔

بیعت و ارادت، شیخ المشائخ، حافظ سید محمد اسلم، چشتی، خیر آبادی سے تھی۔

مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی، مظفر پوری آپ کے تعارف و تذکرہ میں لکھتے ہیں:

”۱۴ شعبان المعظم، بروز جمعہ ۱۲۶۹ھ موافق جنوری ۱۸۵۳ء اپنے آبائی مکان

محلہ محی الدین پور، سہوان (موجودہ ضلع بدایوں کا تاریخی مقام) میں پیدا ہوئے۔

نسب علاقہ، قطب المشائخ، حضرت خواجہ ابویوسف مودود چشتی سے ہے۔

اپنے خالہ زاد بھائی، حضرت مولانا حکیم سخاوت حسین سے تعلیم شروع کی۔

سات (۷) برس کی عمر میں، حفظ قرآن سے فراغت پائی۔

گیارہ (۱۱) برس کی عمر میں، صرف و نحو اور علوم شرعیہ کی تعلیم، متوسّطات تک پانے کے بعد

تاج الفحول، حضرت مولانا شاہ عبدالقادر (بدایونی) قدس سرہ کے حلقہ درس میں شریک ہوئے۔

اور علوم و فنون کی تکمیل کی۔

حضرت سیف اللہ المسلمول (علامہ فاضل رسول، بدایونی) اور حضرت مولانا شاہ، نور احمد

(بدایونی) تلمیذ علامہ فاضل حق، خیر آبادی (قدس سرہما سے بھی، استفادہ کیا۔

فراغت کے بعد، تدریس کا آغاز بھی، مدرسہ قادریہ (بدایوں) میں کیا۔

اسی دوران، بغیر کسی علم و اطلاع کے، خرمین طہمین، حاضر ہوئے۔ اور مدینہ طیبہ میں حضرت شیخ

سید مبارک کی خدمت میں، نو (۹) ماہ، قیام کر کے، بخاری و مسلم سنائی اور کتب احادیث کا درس لیا۔

حضرت سید مبارک نے سلسلہ عالیہ قادریہ، چشتی کی ۱۲۸۲ھ کو، سند اجازت، عطا فرمائی۔

مدینہ طیبہ سے واپسی کے بعد، مدرسہ قادریہ (بدایوں) میں قیام کر کے، درس و تدریس میں

مصرف رہے۔ اسی زمانہ میں مشہور غیر مقلد عالم، مولوی امیر حسن، سہوانی نے طبقہ ارض کے

ہر حصے میں، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے مثیل کا فتنہ، پیدا کیا۔

اور امکان نظیر محمدی کے ساتھ، امکان کذب باری تعالیٰ کے قائل ہو گئے۔

اور اپنے شاگرد مولوی تراب علی کے نام سے امکان نظیر اور امکان کذب کی صحت

و جواز میں ”افادات ثرابیہ“ لکھ کر شائع کی۔

آپ نے اس کے جواب و رد میں مدلل کتاب ”افادات صدیہ“ لکھی، جو ۱۲۸۵ھ میں

چھپ کر شائع ہوئی۔ اور ۱۲۸۶ھ میں عید کے دن، مولوی امیر حسن، سہوانی سے

اسی موضوع پر مباحثہ کیا اور ہزار ہا افراد کے مجمع میں، مولوی امیر حسن کو، لا جواب کیا۔

اُس وقت، آپ کی عمر، سترہ (۱۷) برس کی تھی۔

مسئلہ مذکورہ پر ۱۲۸۸ھ میں شیخ پور ضلع بدایوں میں، تاج الفحول، مولانا شاہ عبدالقادر، بدایونی

اور مولوی امیر حسن، سہوانی کے درمیان، مناظرہ ہوا۔ اور مؤرخ الذکر کو شکست فاش ہوئی۔
حضرت مولانا سید عبدالصمد، چشتی، مودودی، سہوانی، ایک بار علاقہ گوئدہ (اتر پردیش)
میں تشریف لے گئے۔ جہاں، میر فاروق علی، پھپھوندی سے آپ کی ملاقات ہوئی۔

جو، آپ کے قورع و تقویٰ سے متاثر ہو کر، مرید ہو گئے۔

اور انھیں کی درخواست پر آپ، پھپھوند (ضلع اٹاوہ، اتر پردیش) تشریف لائے۔

پھپھوند کے زمانہ قیام میں آپ نے رزِ شیعیت پر، خاص توجہ فرمائی۔ کیوں کہ:

یہاں کی آبادی کا بڑا حصہ، نوابین اودھ کے زیر اثر، شیعہ ہو چکا تھا۔

آپ کی مساعی جیلہ سے شیعیت کا زور، ٹوٹ گیا۔

ندوۃ العلماء کی اصلاح کے لئے قائم ”مجلس علمائے اہل سنت“ کے آپ مستقل صدر تھے۔

اس موضوع پر، مولانا محمد علی، مونگیری سے آپ کی طویل مُراسلت رہی۔

گیارہ (۱۱) برس کی عمر میں، اپنے خالہ زاد بھائی، حکیم سخاوت حسین، انصاری کی رہنمائی میں

حضرت مولانا شاہ محمد اسلم، خیر آبادی سے سلسلہ عالیہ چشتیہ میں، مرید ہوئے۔

اور انیس (۱۹) برس کی عمر میں، آپ کو، اجازت و خلافت، حاصل ہوئی۔

جمادی الاخریٰ ۱۳۲۳ھ میں، آپ نے جامع مسجد شمس، بدایوں میں، وعظ فرمایا

جو، آپ کا آخری وعظ تھا۔ وعظ میں اندازِ بیان و استدلال، حضرت تاج الفحول کی طرح تھا۔

کبھی کبھی، آپ کا وعظ سن کر، لوگوں کو اس کا دھوکہ ہو جاتا کہ حضرت تاج الفحول، وعظ و بیان

فرما رہے ہیں۔ مذکورہ وعظ، جمادی الاخریٰ (۱۳۲۳ھ) کے پہلے ہفتہ میں ہوا تھا۔

ایک محفلِ میلاد میں شرکت کے لئے بدایوں سے پھپھوند آئے۔ ۱۸ جمادی الاخریٰ

۱۳۲۳ھ کو، اٹاوہ میں محفلِ میلاد شریف ہونے والی تھی۔ آپ کے ساتھ، حکیم مومن سجاد بھی تھے۔

پھپھوند اسٹیشن پر، اچانک حالت، غیر ہوئی۔ کسی طرح، آپ کو قصہ پھپھوند لایا گیا۔

۱۷ جمادی الاخریٰ کا، دن گذار کر، گیارہ بجے شب، آپ، واصلِ بحق ہو گئے۔

۱۸ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۳ھ کو تجنیز و تکفین ہوئی۔

آپ کی تصانیف، یہ ہیں: حَقُّ الْيَقِينِ فِي مَبْحَثِ اَعْلَى النَّبِيِّ - نَصْرُ السُّنَنِ عَلَى

اَحْزَابِ الْمُتَبَدِّعِينَ - اِفَادَاتِ صَمَدِيَّة - طَوَارِقُ صَمَدِيَّة - اِرْقَامُ السُّلْطَانِيَّة - وغیرہ۔

یہاں، یہ بات قابل ذکر ہے کہ صحیح بخاری مکمل مع رِوَاۃ زبانی یاد تھی۔ اور حصن حصین بھی

زبانی، یاد تھی۔ (ملخصاً ص ۱۲۸ تا ص ۱۳۰۔ ”تذکرہ علمائے اہل سنت“ مؤلفہ مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی)

حضرت مولانا سید مصباح الحسن، چشتی، پھپھوندوی (ولادت ۷/ جمادی الاولیٰ ۱۳۰۴ھ پھپھوند شریف۔ وصال ۱۱/ رمضان ۱۳۸۴ھ) حضرت حافظ بخاری کے فرزند ارجمند تھے۔

مولانا حافظ، اخلاق حسین سے آپ نے قرآن شریف پڑھا۔ یہ حافظ، اخلاق حسین حضرت حافظ بخاری کے جاں نثار مرید، اور خواجہ الطاف حسین حالی (متوفی ۱۹۱۴ھ) کے بیٹے تھے۔ حافظ اخلاق حسین، قصبہ پھپھوند شریف کی خانقاہ صمدیہ کے اندر

اپنے مرشد طریقت، حضرت حافظ بخاری دکن کے مزار شریف کے قریب مدفون ہیں۔

حضرت مولانا سید شاہ، مصباح الحسن، چشتی، پھپھوندوی کے تعارف و تذکرہ میں

مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی، مظفر پوری تحریر کرتے ہیں کہ:

”شرح و قایہ، ملاً حسن، نور الانوار، والد ماجد سے پڑھیں۔

صفر ۱۳۲۳ھ میں جون پور جا کر، استاذ العلماء، حضرت علامہ ہدایت اللہ خاں، قادری، رام پوری رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ (تلمیذ علامہ فہل حق، خیر آبادی) سے کامل تین سال، اکتساب فیض کیا۔

۱۳۲۶ھ میں، حضرت مولانا شاہ وصی احمد، محدث سورۃ قُدَس سیرۃ سے حدیث کا دور کیا اور صحاح ستہ کی سند، حاصل کی۔

والد ماجد کے شاگرد و مرید، مولانا حکیم مومن سجاد سے ”عوارف المعارف“ کا درس لیا۔

۱۳۲۸ھ میں علوم ظاہری سے فراغ پایا۔ والد ماجد (حضرت حافظ بخاری) سے مرید ہوئے۔

۱۳۳۳ھ میں، والد ماجد کے انتقال کے بعد، آپ کے ارشاد کے بموجب آپ کے جانشین ہوئے۔

حضرت شاہ، یار محمد صاحب بختیاری (از اولاد امجاد قطب الاقطاب، حضرت خواجہ

قطب الدین بختیاری کا کی، دہلوی۔ و مرید و خلیفہ حضرت شاہ الہ بخش، تونسوی)

اور حضرت شاہ امتیاز احمد، خیر آبادی، سجادہ نشین درگاہ حافظیہ خیر آباد شریف نے اجازتیں اور خلافتیں دیں۔

۱۳۶۸ھ میں، رمضان المبارک، شوال، ذوالقعدہ تین ماہ، مدینہ منورہ میں حاضر و مقیم رہے۔

حضرت مولانا شاہ علی حسین، خیر آبادی قُدَس سیرۃ سے سند حدیث، حاصل کی۔

مطالعہ کا خاص ذوق تھا۔ والد ماجد کے فراہم کردہ کتب خانہ میں اضافہ، اسی ذوق کا نتیجہ تھا۔

ہر کتاب پر صحت اغلاط، ضروری حواشی، اور تشریح و توضیح اور یادداشت، موجود ہے۔

.....آپ کو، فرقہ ضالہ دیوبندی، وہابی، شیعہ، قادیانی سے سخت نفرت تھی۔
تصلب فی الدین میں، بزرگ اور نامور والد محترم کے قدم بہ قدم تھے۔
قومی و ملکی خدمات میں آپ نے عظیم کائنات انجام دیے۔

کاکوری کیس کے امیر آپ ہی تھے۔ حضرت مولانا حسرت موہانی، حضرت مولانا شاہ
عبدالقدیر، بدایونی سے خصوصی تعلقات و روابط تھے۔

مصباح، تخلص فرماتے تھے۔ کلام، عربی، فارسی، اردو، تینوں زبانوں میں ہے۔ سوز و گداز
بلندی، روانی، خصوصیت کلام ہے۔

راقم سطور نے اپنی کتاب، بنام ”فرید عصر، مولانا سید مصباح الحسن، رَحْمَةُ اللّٰهِ“
میں (نمونہ کلام) درج کر دیا ہے۔“ (ص ۲۲ تا ص ۲۲۹۔ تذکرہ علمائے اہل سنت۔
مؤلفہ مولانا محمود احمد، قادری، رفاقی، مطبوعہ کانپور۔ ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء)

علامہ ہدایت اللہ، جون پوری

استاذ الاساتذہ، علامہ ہدایت اللہ خاں، رام پوری ٹم جون پوری (وصال رمضان ۱۳۲۶ھ / ستمبر ۱۹۰۸ء) تلمیذ علامہ فضل حق، خیر آبادی کی درس گاہ سے بڑے بڑے اصحاب علم و فضل پیدا ہوئے، جن کے تلامذہ، متحدہ ہندوستان کے وسیع خطے میں پھیل گئے۔

اور آج، ہندو پاک کی درس گاہوں اور ان کے اساتذہ کی اکثریت انھیں کے تلامذہ کی، سلسلہ بہ سلسلہ، خوشہ چیں ہے۔

علامہ ہدایت اللہ خاں بن مولانا رفیع اللہ خاں قدس سرہما، رام پور (روہیل کھنڈ۔ موجودہ صوبہ اتر پردیش) میں پیدا ہوئے۔ آپ کا تعلق، روہیلہ خاندان سے ہے۔ ابتدائی تعلیم، والد ماجد، مولانا رفیع اللہ سے حاصل کر کے، صرف و نحو کی تحصیل مولانا حافظ غلام علی سے کی۔ معقولات کی تعلیم، مولانا جلال الدین (متوفی ۱۳۱۳ھ / ۱۸۹۵-۹۶ء) سے حاصل کی۔

خاتم الحکما، علامہ فضل حق، خیر آبادی، جب، رام پور تشریف لائے تو، ان کے حلقہٴ درس میں شریک ہو کر کسب کمال کیا۔

یہاں ۱۲۵۶ھ تا ۱۸۳۰ء تا ۱۸۳۸ء، آٹھ برس تک، علامہ ہدایت اللہ نے علامہ خیر آبادی سے تحصیل علوم و فنون کیا اور اس کے بعد دیگر مقامات پر بھی آپ سے اکتساب علوم و فنون کرتے رہے۔

مولانا سید عالم، گکینوی (وصال ۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء) سے درس حدیث لیا۔

اس طرح، آپ، جامع منقول و منقول اور حاوی فروع و اصول ہوئے۔

علامہ، جون پوری، اپنے استاذ، علامہ، خیر آبادی کے شیدائی تھے۔

جب، آپ (علامہ خیر آبادی) جزیرہ انڈمان چلے گئے

تو، مغموم و محزون ہو کر، رام پور واپس آئے اور مدرسہ عالیہ، رام پور میں، درس دینا، شروع کیا۔

شیراز ہند، جون پور کا مدرسہ حنفیہ، دیار پورب ہی نہیں، بلکہ متحدہ ہند کا مرکزی دارالعلوم تھا۔ جس کے بانی و مؤسس، حاجی منشی، امام بخش، جون پوری (متوفی ۱۲۷۹ھ۔ مکہ مکرمہ) تھے۔

مدرسہ حنفیہ، جون پور ۱۲۶۷ھ/۱۸۵۲ء میں حاجی امام بخش، جون پوری نے قائم کیا۔ اور انھوں نے حضرت مولانا محمد عبدالحلیم، فرنگی محلی (متوفی ۱۲۸۵ھ) کو مدرسہ حنفیہ کا پہلا صدر مدرس اور مہتمم مقرر کیا۔ اسی مدرسہ حنفیہ میں آپ کے فرزند و تلمیذ، مولانا محمد عبدالحی، فرنگی محلی (متوفی ۱۳۰۲ھ) نے تعلیم، حاصل کی۔

مفتی محمد عبدالحلیم، فرنگی محلی کے بعد، مفتی محمد یوسف، فرنگی محلی نے منصب صدارت و اہتمام کو، رونق بخشی۔

عبد عبدالحلیم، فرنگی محلی میں ہی، حاجی امام بخش نے اپنے فرزند، مولوی حیدر حسن، بیرسٹر کو اپنے سفر حج و زیارت سے پہلے، مدرسہ حنفیہ کا انتظام، سپرد کر دیا تھا۔

اور اسی مبارک سفر میں ۱۲۷۹ھ میں مکہ مکرمہ میں آپ کا انتقال ہوا۔

حضرت مولانا شاہ عبدالحلیم، آسی، رشیدی و مولانا وکیل احمد، سکندر پوری و علامہ محمد فاروق چریاکوٹی، وغیرہ، اسی عہد حلیمی و یوسفی کی علمی بہاریں ہیں۔

مفتی محمد یوسف، فرنگی محلی (متوفی ۱۲۸۶ھ) سفر حج و زیارت کے لئے گئے۔

اور مدینہ طیبہ میں آپ کا وصال ہو گیا۔

حاجی امام بخش، جون پوری، بانی مدرسہ حنفیہ کے پوتے اور مولوی حیدر حسین، بیرسٹر کے

صاحبزادے، نواب عبدالحجید، بیرسٹر، متولی مدرسہ حنفیہ، جون پور نے

استاذ الاساتذہ علامہ ہدایت اللہ خاں کو دعوت صدارت پیش کی۔

اور آپ، مفتی محمد یوسف، فرنگی محلی کی جگہ، مدرسہ حنفیہ، جون پور کے صدر مدرس، مقرر ہوئے۔

اور تاحیات (۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء) اسی مدرسہ حنفیہ، جون پور میں علم و فضل کے خزانے، تقسیم کرتے رہے۔

اپنے استاذ محترم، مولانا جلال الدین کے چھوٹے بھائی

حضرت شاہ چھوٹے میان قدس سرہ سے سلسلہ عالیہ قادریہ میں مرید ہوئے۔

وسیع الاخلاق، کریم النفس، طلبہ پر شفیق اور مذہب اہل سنت کے اکابر علما میں تھے۔

۱۳۰۰ھ/۱۸۸۲-۸۳ء میں، مُرشد آباد (بنگل) میں مشہور غیر مقلد عالم

عبد العزیز، رحیم آبادی، بہاری کے مقابلے میں حنفی مذہب کی تائید و حمایت فرمائی۔

۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء میں، پٹنہ (بہار) کی ”اصلاح ندوہ کانفرنس“ میں خصوصی طور پر شریک ہوئے۔

علم و فضل میں، فقید المثال شخصیت تھے۔ بالخصوص معقولات و حکمت میں اپنی مثال آپ تھے۔

چند مشاہیر تلامذہ کے نام، یہ ہیں:

صدر الشریعہ، مولانا حکیم محمد امجد علی، اعظمی، علامہ سید سلیمان اشرف، علی گڑھی، مولانا یار محمد
بندیا لوی، مولانا عبدالسلام، نیازی، دہلوی، مولانا حکیم سید برکات احمد، ٹونکی، مولانا شیر علی
صدر شعبہ دینیات، جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد دکن، مولانا عبدالاول، جون پوری، مولانا سید شاہ
ہادی حسین، علمی، رشیدی، مولانا عبدالقادر، سرحدی۔ وغیرہم۔

استاذ الاساتذہ، علامہ ہدایت اللہ، جون پوری قدس سرہ بروز اتوار، یکم رمضان المبارک
۱۳۲۶ھ/۲۷ ستمبر ۱۹۰۸ء، دارِ فانی سے کوچ کر کے، دیوان جی، محمد رشید، جون پوری (وصال
۱۰۸۳ھ/۱۶۷۲ء) کی درگاہ، واقع رشید آباد، جون پور میں مدفون ہوئے۔ رَحْمَةُ اللّٰهِ رَحْمَةً وَّاسِعَةً۔

مولانا غلام قادر، ہاشمی

مولانا عبدالقادر، معروف بہ غلام قادر، ہاشمی (ولادت ۱۲۶۵ھ/۱۸۴۹ء۔ بھیرہ ضلع سرگودھا، پنجاب۔ وصال ۱۹ ربیع الاول ۱۳۲۷ھ/۱۰ اپریل ۱۹۰۹ء۔ مدفون لاہور) بن مولانا غلام حید، رَحِمَهُمَا اللہُ تَعَالٰی۔

مولانا غلام محی الدین، گوی (جو، اُن دنوں مسجد حکیمان، بھائی دروازہ، لاہور میں درس حدیث دیا کرتے تھے)

اور آپ کے چھوٹے بھائی، مولانا احمد الدین، گوی سے ابتدائی تعلیم، حاصل کی۔ اس کے بعد، اعلیٰ تعلیم کے لئے دہلی کا سفر کیا۔

اور حضرت مولانا مفتی صدر الدین، آزرہ، صدر الصدور دہلی، تلمیذ علامہ فضل امام خیر آبادی و شاہ عبدالعزیز، محدث دہلوی کی درس گاہ سے وابستہ ہو کر تکمیل علوم کیا اور لاہور، واپس تشریف لے گئے۔

اوپنی مسجد، اندرون بھائی دروازہ، لاہور کے خطیب و امام، مقرر ہوئے۔

آپ کی عالمانہ خطابت کا شہرہ ہوا، اور دور دور سے لوگ

آپ کی خطابت و تقریر سننے کے لئے آنے لگے۔

بیگم شاہی مسجد، لاہور کی متولی ”مائی جیواں“

آپ کے ارشادات سے اس قدر متاثر ہوئیں کہ آپ کو، اپنی مسجد کا خطیب، مقرر کر دیا۔

بعد ازاں، اس مسجد کی تولیت بھی آپ ہی کے سپرد کر دی۔

(ص ۲۳۲۔ ”تاریخ اولیائے چشت، لاہور“۔ مؤلفہ محمد دین کلیم، مؤرخ لاہور)

شمس العارفین، خواجہ شمس الدین، چشتی، سیالوی (ولادت ۱۲۱۳ھ/۱۷۹۹ء۔ سیال شریف

ضلع سرگودھا۔ پنجاب۔ وصال بروز جمعہ ۲۴ صفر المظفر ۱۳۰۰ھ/جنوری ۱۸۸۳ء۔ سیال شریف)

خلیفہ سلیمان زماں، خواجہ محمد سلیمان، تونسوی (ولادت ۱۱۸۲ھ/۱۷۷۰ء کوہ سلیمان، متصل

تونسہ شریف، پنجاب۔ وصال ۷ صفر المظفر ۱۲۶۷ھ/۱۳ دسمبر ۱۸۵۰ء)

خلیفہ خواجہ نور محمد، مہاروی (ولادت ۱۲ رمضان ۱۱۳۲ھ/۴ اپریل ۱۷۳۰ء۔

موضع چوٹالہ۔ بھاول پور، پنجاب۔ وصال ۳ رذوالحجہ ۱۲۰۵ھ/۲۴ جولائی ۱۷۹۲ء)

خلیفہ فخر دین وملت، خواجہ فخر الدین، دہلوی (وصال ۱۱۹۹ھ/۱۷۸۵ء)

جیسے بزرگ شیخ طریقت سے شرف بیعت پایا۔

آپ، سلسلہ عالیہ چشتیہ میں بیعت اور اجازت و خلافت سے، بہرہ ور ہوئے۔

آپ کے اور اودا اشغال میں، سیدنا غوث اعظم، شیخ عبدالقادر، جیلانی بغدادی رَضِیَ اللہ عنہ سے، اویسی نسبت کی بنا پر، قادریہ کا غلبہ ہوا۔

مورخ اہل سنت، مولانا غلام دستگیر، نامی (وصال ۷ رجب المرجب ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء۔ لاہور۔ مدفون دتہ پیراں ضلع شیخوپورہ، پنجاب) تلمیذ حضرت مولانا غلام دستگیر، قصوری (وصال ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء۔ قصور، پنجاب) آپ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

”آپ کو، لاہور کا قطب سمجھا جاتا تھا۔“

(ص ۱۸۱۔ ”بزرگان لاہور“۔ مؤلفہ مولانا غلام دستگیر نامی۔ نوری کتب خانہ لاہور۔ ۱۹۳۴ء)

۱۸۷۹ء میں، اورینٹل کالج، لاہور میں عربی کے نائب استاد، مقرر ہوئے۔

اور دو سال تک طلبہ کو اپنے علم و فضل سے فیض یاب کرتے رہے۔

انھیں ایام میں انگریزوں نے ایک فتویٰ پر دستخط کرنے کے لئے کالج انتظامیہ کے ذریعہ آپ سے فرمائش کی۔

آپ نے دستخط سے صاف انکار کر دیا۔ اور، اپنا استعفا پیش کرتے ہوئے فرمایا:

”میں، ملازمت سے دست بردار ہو سکتا ہوں۔ لیکن، غلط فتویٰ کی تائید نہیں کر سکتا۔“

چنانچہ، آپ نے جامعہ نعمانیہ، لاہور میں تدریس کا کام، شروع کر دیا۔

اور تمام توجہ، قرآن وحدیث کی تعلیم پر، صرف کر دی۔“

(ص ۲۸۸۔ ”تذکرہ علمائے اہل سنت و جماعت، لاہور“۔ مؤلفہ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی۔

مکتبہ نبویہ، لاہور۔ ۱۹۷۵ء)

لاہور کے سادہ لوح مسلمانوں کو، ورغلانے کے لئے عیسائیوں، قادیانیوں، وہابیوں

شیعوں نے سازشوں کے جال بچھانے، شروع کیے

تو، مولانا غلام قادر، ہاشمی نے تحریر و تقریر اور وعظ و مناظرہ کے ذریعہ

سب کے دانت، کھٹے کر دیے۔

آپ نے بیگم شاہی مسجد، لاہور میں مُفسدین اور گمراہوں کا داخلہ، بند کر رکھا تھا۔

حقیقت، یہ ہے کہ اگر علمائے اہل سنت، اس تَصَلُّب کا مظاہرہ، نہ کرتے تو، آج، دین کا علیہ، بگڑ چکا ہوتا۔

پنجاب کے علما میں سب سے پہلے، مولانا غلام قادر، ہاشمی نے مرزا قادیانی کے خلاف فتویٰ دیا۔

اور اُس وقت، مرزا غلام احمد قادیانی کی تردید کی جب کہ: اس نے ابھی تک، نبوت کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔

پنجاب کے علما کی غالب اکثریت، آپ کے رشتہ تلمذ میں منسلک تھی۔ چند تلامذہ کے نام، یہ ہیں:

سید جماعت علی شاہ، محدث علی پوری، سیالکوٹی۔ مولانا محمد عالم، آسی، امرتسری (مَصْنُفُ الْکَوَابِیَةِ عَلٰی الْغَاوِیَةِ) مولانا نبی بخش، حلوائی (مَوْلَفِ تَفْسِیْرِ نَبَوٰی، وغیرہ) مولانا غلام احمد، حافظ آبادی (سابق صدر مدرس جامعہ نعمانیہ، لاہور) مولانا غلام حیدر، قریشی (پونچھ، جموں)

مولانا غلام قادر، چشتی، سیالوی۔ مولانا ضیاء الدین احمد، قادری، مہاجر، مدنی۔ وغیرہم۔ حکیم عبدالحی، رائے بریلوی آپ کے تعارف میں لکھتے ہیں:

”الشَّيْخُ الْعَالِمُ الْفَقِيهُ غَلَامُ قَادِرٍ الْحَنْفِيُّ الْبَهِيرُ - أَحَدُ الْعُلَمَاءِ الْمَشْهُورِينَ -

لَمْ يَكُنْ لَهُ نَظِيرٌ فِي بَنَجَابٍ فِي كَثْرَةِ الدَّرْسِ وَالْإِفَادَةِ -

فَرَأَى الْعِلْمَ عَلَى الْمَفْتَى صَدْرِ الدِّينِ الْحَنْفِيِّ الدَّهْلَوِيِّ وَعَلَى غَيْرِهِ مِنَ الْعُلَمَاءِ -

ثُمَّ وَلَّى خِطَابَةَ الْمَسْجِدِ بِيَكْمِ شَاهِي، بِلَدَةِ لَاهُور - فَدَرَسَ وَأَفَادَ بِهَامِدَةٍ عُمَرِهِ - الْخ

(ص ۳۴۹ - نَزْهَةُ الْخَوَاطِر - جلد ثامن - مَوْلَفِ حَكِيمِ عَبْدِ الْحَيِّ، رَائے بریلوی)

حضرت مولانا غلام قادر، ہاشمی نے درس و تدریس اور ارشاد و ہدایت کی بے پایاں

مصرفیات کے باوجود، تصانیف کا گراں قدر ذخیرہ، یادگار چھوڑا۔ تصانیف کے نام، یہ ہیں:

(۱) اسلام کی گیارہ کتابیں (دینی تعلیم کا بہترین نصاب) (۲) الشُّوَارِقُ الصَّمَدِيَّة -

ترجمہ و تلخیص ”البُّوَارِقُ الْمُحَمَّدِيَّة“ مَوْلَفِ حضرت مولانا شاہ فضل رسول، عثمانی، بدایونی

(۳) نمازِ حضور (۴) ختماتِ خواجگاں (۵) شمس الحنفیہ، بجواب نور الحنفیہ (مسئلہ وحدۃ الوجود)

(۶) اَلنُّوْرُ الرَّبَّانِیُّ فِی مَدَحِ الْمَحْبُوبِ الشُّبْحَانِی (۷) شمس الضحیٰ فی مدح خیر الوری

(۸) نمازِ ضروری (۹) حقیقتِ انوارِ محمدیہ (۱۰) جوہرِ ایمانی (۱۱) عکازہ در صلوة جنازہ (۱۲) فاتحہ خوانی۔

شیر ربانی، حضرت میاں، شیر محمد، شرق پوری، نقشبندی، مجددی (ولادت ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۵ء
 وصال ۳ ربیع الاول ۱۳۴۷ھ/۲ اگست ۱۹۲۸ء۔ شرق پور، پنجاب) قدس سرہ
 انگریزی طبقے کو "تواریخ حبیب الہ" (مؤلفہ مفتی عنایت احمد، کاکروی)
 اور "اسلام کی گیارہ کتابیں" (مؤلفہ مولانا غلام قادر، ہاشمی، بھیروی) پڑھنے کا حکم دیا کرتے تھے۔
 حضرت مولانا غلام قادر، ہاشمی، بھیروی ۱۹ ربیع الاول ۱۳۴۷ھ/۱۰ اپریل ۱۹۰۹ء کو
 واصلِ بحق ہوئے۔ بیگم شاہی مسجد، لاہور میں، مجو استراحت ابدی ہوئے۔
 (ملخصاً از ص ۳۲۶ تا ۳۲۹۔ "تذکرہ اکابر اہل سنت"۔ مؤلفہ مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری۔
 مکتبہ قادریہ۔ جامعہ نظامیہ، لوہاری دروازہ، لاہور۔ طبع دوم ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۳ء)

مولانا شاہ عبدالمقتدر، عثمانی، بدایونی

حضرت مولانا شاہ عبدالمقتدر، عثمانی، قادری، بدایونی (ولادت دوشنبہ، ۱۱ جمادی الآخرہ ۱۲۸۳ھ / اکتوبر ۱۸۶۶ء وصال محرم الحرام ۱۳۳۴ھ / دسمبر ۱۹۱۵ء)

بن محبت رسول، تاج الفحول مولانا عبد القادر، بدایونی (وصال ۱۳۱۹ھ / ۱۹۰۰ء) تاریخی نام ”غلام میر“ (۱۲۸۳ھ) حیدر امجد، سیف اللہ المسلمول، مولانا فضل رسول، عثمانی، قادری بدایونی (وصال ۱۲۸۹ھ) نے ”مطبع الرسول محمد“ نام تجویز فرمایا۔

مولانا حکیم سراج الحق، بدایونی بن مولانا فیض احمد، بدایونی نے رسم تسمیہ خوانی، ادا کرائی۔ اور نذر، پیش کی۔ والد مکرم، تاج الفحول، بدایونی نے حکیم سراج الحق کو، بسلسلہ تعلیم، اکیاون (۵۱) روپیہ، نذر کیا۔ جملہ علوم و فنون کی تحصیل و تکمیل، مولانا نور احمد، عثمانی، بدایونی اور اپنے والد مکرم سے کی۔ یہ دونوں حضرات، علامہ فضل حق، خیر آبادی کے معروف تلامذہ ہیں۔

حضرت مولانا عبدالمقتدر، بدایونی ”سرکار صاحب الاقدار“ اور ”بڑے مولانا صاحب“ کی حیثیت سے، عوام و خواص میں مقبول و مشہور ہوئے۔

مولانا سید محمد حسین، سید پوری، اپنی ایک کتاب ”مظہر العلماء و تراجم الکلمات (نسخہ قلمی مخزنہ کتب خانہ قادریہ، بدایوں) میں لکھتے ہیں:

”استاذ الاساتذہ، مولانا نور احمد صاحب اور تاج الفحول سے جملہ علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کی۔ حق تو، یہ ہے کہ منکسر المزاج، ایسا کہ دیکھنے میں نہ آیا۔ عالم درویش صفت، ہر دل عزیز، عابد، زاہد متقی، سوا فتاویٰ نویسی کے، وہ بھی، گا ہے بگا ہے ضرورۃً، کچھ نہ لکھا۔

.....چند عرصہ سے تحریر فتاویٰ کا کام بھی چھوڑ دیا۔ درس سے کام ہے۔

مدرسہ قادریہ (بدایوں) و مدرسہ شمس العلوم (بدایوں) کے منتظم ہیں۔

ایک رسالہ، عقائد میں بزبان عربی اور قرآن شریف کی تفسیر کا ترجمہ کیا۔

جمادی الثانیہ ۱۳۱۹ھ، بہ ایام عرس تاج الفحول کے، بہ موجودگی علماء کرام و مشائخ عظام رسم سجادہ نشینی، ادا کی گئی۔ (مظہر العلماء۔ بحوالہ ص ۴۴۔ تذکرہ خانوادہ قادریہ۔ مرثیہ مولانا عبدالعظیم قادری

مجیدی۔ تاج الفحول اکیڈمی۔ بدایوں۔ شوال ۱۴۳۳ھ / ستمبر ۲۰۱۲ء)

مولانا ضیاعلی خاں، اشرفی (متوفی ۲۰۰۲ء) آپ کے اوصاف و عادات کے بارے میں لکھتے ہیں:

”بچپن ہی سے طبیعت، زہد و اتقا کی طرف، مائل تھی۔ عبادت و ریاضت میں زیادہ وقت صرف کرتے تھے۔ مرد بزرگ اور درویش کامل تھے۔ روحانی قوت، بہت تھی۔ پوشاک، بہت معمولی پہنتے تھے اور غذا، نہایت سادہ، استعمال کرتے تھے۔ اپنے بزرگوار کا بے حد ادب کرتے تھے۔ کبھی، نظر ملا کر گفتگو، نہ کی۔ وعظ، بہت فرماتے تھے۔ اوائل عمر میں، آپ کے مواعظ حسہ، رنگینی الفاظ اور فراوانی جذبات سے مملو ہوتے تھے۔ بعد میں سلاست اور سادگی، اختیار کر لی تھی۔ بزرگانِ طریقت کے نقش قدم پر چلتے تھے۔

دو مرتبہ، حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے تھے۔ ایک بار، اماکنِ تبرک کی زیارت کے سلسلے میں بغداد، نجف اشرف اور کربلائے معلیٰ، تشریف لے گئے تھے۔ نہایت، نیک طبیعت، خدا ترس بزرگ تھے۔ بے شمار اشخاص، آپ کے مرید ہوئے۔ بیسیوں کو، دولتِ فقر سے نوازا۔

حضرت مولانا عبد الماجد، بدایونی اور حضرت مولانا شاہ عبدالقدیر، بدایونی آپ کے خلفائے گرامی تھے۔

متعدد اشخاص کو، درس دے کر، سند الفرائغ، عطا کی۔ محدث اعظم، حضرت مولانا شاہ محمد اشرفی کچھ چھوی نے بھی، آپ کے روبرو، حدیث شریف کا دور کر کے سند، حاصل کی۔“

(ص ۳۵۱ و ۳۵۲) ”مردانِ خدا“۔ مؤلفہ مولانا ضیاعلی خاں، اشرفی۔ طبع چہارم۔ شوقین بک ڈپو۔

بدایوں ۱۹۹۸ء۔ بحوالہ ”تذکرہ خانوادہ قادریہ“

مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی، مظفر پوری آپ کے تعارف و تذکرہ میں لکھتے ہیں:

”تکمیلِ علوم، حضرت مولانا شاہ، نور احمد (عثمانی، بدایونی) اور والد ماجد (تانج الفحول، بدایونی) سے کی۔ درس، پوری قوت سے دیتے تھے۔

والد ماجد کی حیات میں، درس کی طرف، کامل انہماک تھا۔ والد صاحب (تانج الفحول بدایونی) کی وفات کے بعد، تمام علاقے سے بے تعلق ہو کر، یادِ الہی میں مصروف ہو گئے۔ بیعت و اجازت، والد ماجد (تانج الفحول) سے تھی۔

آپ کے سب سے پہلے مرید، مولانا شاہ عبدالماجد، بدایونی تھے۔
دوبار، حرمین معظمین اور ایک بار عتبات عالیہ بغداد مقدس، کاظمین و نجف اشرف
اور کربلائے معلیٰ کی زیارت سے آنکھوں اور دل کو، روشن فرمایا۔

(ص ۱۳۰ و ۱۳۱۔ تذکرہ علمائے اہل سنت۔ مؤلفہ مولانا محمود احمد، قادری رفاقتی۔ مطبوعہ کانپور ۱۹۷۷ء)

مدرسہ قادریہ، بدایوں کے ایک فارغ التحصیل عالم
اور عاشق الرسول، مولانا محمد عبدالقدیر عثمانی، قادری، بدایونی کے مرید، مولانا احمد حسین
قادری، گٹوری، بدایونی (متوفی ۲۹ اکتوبر ۱۹۹۲ء) مرض وصال کے بارے میں لکھتے ہیں:
”غسلِ صحت کے ساتھ، محفلِ میلادِ پاک بھی منعقد ہوئی اور رات دن کے معمولات
پھر، اپنی اصلی حالت پر آ گئے۔ غلامان و فدائیان، شمع کے گرد، پروانوں کی طرح، چکر لگانے لگے۔
حسب معمول ایک دن، بعد نمازِ عشا، مدرسہ قادریہ سے دولت خانہ پر تشریف لے گئے۔
عقیدت مند حضرات، پیچھے پیچھے، چل رہے تھے۔

کنویں کے پاس، اچانک، رک گئے اور پیچھے آنے والوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:
”لوگ، اچانک موت کو، نہ جانے کیوں بُرا کہتے ہیں؟ حالانکہ وہ، تو:
ایسی موت ہے جس میں، نہ بیماری و علالت کا کرب و بے چینی، نہ طویل سکرات کا عالم
نہ دوسروں کی خدمت کی چنداں حاجت۔“

لوگوں نے عرض کیا: حضور! اچانک موت سے اس لئے پناہ مانگی جاتی ہے کہ، نہ تو عبادت
وریاضت کا موقع ملتا ہے، نہ توبہ و استغفار کی گنجائش ہوتی ہے۔ آنا فانا، سب کام ہو جاتا ہے۔“

آپ نے ارشاد فرمایا: اور جو، دن رات عبادت ہی میں لگا رہتا ہو؟
لوگ، خاموش ہو گئے اور حضور (مولانا شاہ عبدالقادر، بدایونی) مسکراتے ہوئے
دولت کدہ کے اندر تشریف لے گئے۔

یہ شب، حضور کی آخری شب تھی اور فدا یوں سے وہ کلمات، آخری کلمات تھے۔
اور فدا یوں کو بھی، وہ دیدار، آخری دیدار تھا۔

گھر کے دروازے پر حضرت قبلہ مولانا شاہ عبدالقدیر، بدایونی کو قریب بلا کر
دونوں ہاتھ، اُن کے کندھے پر رکھ کر فرمایا: فلاں درود پورا ہو گیا، یا نہیں؟
عرض کیا کہ: آج، ہو جائے گا۔ فرمایا: اس کو، آج ہو جانا چاہیے۔“

اس کے بعد، چند لمحے، حضرت قبلہ کے چہرے کو دیکھتے رہے۔
 بھر، فی امان اللہ، فرما کر اندر تشریف لے گئے۔

دوسری صبح، معمول کے خلاف، اندر ہی، اول وقت، فجر کی نماز کے لئے کھڑے ہوئے۔
 سنتیں، فرض، شروع کیے۔ آخری رکعت کے آخری سجدے میں جا کر پھر، سر نہ اٹھایا۔

باہر، وقت مقرر پر، جب، سرکار (مولانا شاہ عبدالقادر) تشریف، نہ لائے
 تو، حضرت (مولانا عبدالقدیر، بدایونی) قبلہ نے نماز پڑھائی۔

دورانِ نماز، بے شمار آدمی آکر نماز میں شریک ہوئے۔

ان میں سے ہر ایک، شب میں، خواب میں سرکار (مولانا عبدالقادر) کو دیکھ کر آیا۔
 سلام پھیرتے ہی، سب نے، بیک آواز دریافت کیا کہ ”سرکار کا مزاج کیسا ہے؟“
 کہا گیا کہ: ”ٹھیک ہے۔“

اتنے میں اندر سے اطلاع آئی کہ: کافی دیر ہو گئی۔ سرکار نے سجدے سے سر نہیں اٹھایا۔“
 اس خبر کو، سنتے ہی حضرت قبلہ اور دیگر، اعزہ، فوراً، اندر گئے۔ دیکھا کہ:
 سجدے میں سر ہے، اور روح، اپنے مالک و مولیٰ کی بارگاہ میں، حاضر ہو چکی ہے۔
 آنا فانا، یہ خبر، پورے شہر (بدایوں) میں پھیل گئی۔

حضرت قبلہ نے آپ کو مصلیٰ سے اٹھا کر پلنگ پر لٹایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ -

اُٹھ گئے، سارے پردہ ہائے حجاز

اللہ اللہ، مقتدر کی نماز

دولت کدہ پر جم غفیر، اکٹھا ہو گیا۔

۲۵ محرم الحرام ۱۳۳۴ھ (دسمبر ۱۹۱۵ء) کو، واصلِ اِلی اللہ ہوئے۔

خاندانی روایات کے مطابق، عید گاہ شمس (بدایوں) میں، نماز جنازہ ہوئی۔

حضرت قبلہ شاہ عبدالقادر صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی۔

نماز کے بعد، درگاہ مجیدہ (بدایوں) میں، حضرت تاج الفحول کے برابر، آخری آرام گاہ

میں، لٹا دیا گیا۔

(ص ۴۷ و ص ۴۸) ”اکابر بدایوں“۔ مؤلفہ مولانا احمد حسین، قادری، گنوری، بدایونی۔ ترتیب و تصحیح۔

مولانا عاصم اقبال، قادری، مجیدی۔ تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ مارچ ۲۰۱۳ء)

مولانا سید محمد حسین، سید پوری اپنی کتاب ”مظہر العلماء و تراجم الکملہ“ محرمہ ۱۳۳۵ھ / ۱۹۱۷ء
غیر مطبوعہ۔ نسخہ نقلی، مخزنہ کتب خانہ قادریہ، بدایوں (میں لکھتے ہیں:
”اس ذات ستودہ صفات کا ایک عجیب واقعہ ہے۔

بتاریخ ۲۵ / محرم الحرام ۱۳۳۴ھ، بہ صحت و ثبات عقل و حواس، نماز تہجد پڑھ کر
وظیفہ میں مشغول ہوئے۔

فجر کی سنت پڑھ کر فرض بھی آپ نے اُس دن کی، مکان میں ہی پڑھی۔

دوسرا سجدہ کیا۔ پھر، سر نہ اٹھایا ع

سجدے میں عبدالمقتدر۔ مولیٰ سے اپنے مل گئے

(حاشیہ از مؤلف مظہر العلماء۔ بحوالہ ص ۴۵۔ تذکرہ خانوادہ قادریہ، مؤلفہ مولانا عبدالحلیم، قادری، مجیدی۔

تاریخ الثمول اکیڈمی، بدایوں۔ شوال ۱۴۳۳ھ / ۲۰۱۲ء)

حضرت مولانا شاہ عبدالمقتدر، بدایونی کے چند تلامذہ کے نام، یہ ہیں:

مولانا محمد ابراہیم، بدایونی بن مولانا محبت احمد، بدایونی۔ مولانا سید ارتضیٰ حسین۔ مولانا سید

محمد عالم۔ مولانا حبیب الہی، مارہروی۔ مولانا حکیم عبدالشکور، عظیم آبادی۔ مولانا سید رشید احمد

بہاری۔ مولانا حافظ عبدالمجید، آنولوی۔ مولانا منیر الدین، حیدر آبادی۔ مولانا سید غلام عباس

کامٹھیاواڑی۔ مولانا سید عبدالوہاب، حیدر آبادی۔ مولانا جمیل احمد سوختہ، قادری۔ مولانا حبیب الرحمن

قادری۔ مولانا عبدالحمید، بریلوی۔

مولانا سید شاہ عبدالحی، چاٹگامی

مولانا سید شاہ عبدالحی، چاٹگامی (متولد ۱۲۷۶ھ، چاٹگام، بنگال۔ متوفی دوشنبہ۔ ۱۷/۱۲/۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء۔ چاٹگام، بنگال۔ موجودہ بنگلہ دیش)
 بن حضرت مولانا سید شاہ مخلص الرحمن، چاٹگامی (متولد دوشنبہ ۱۲۲۹ھ۔ متوفی دوشنبہ ۱۲/۱۲/۱۳۰۲ھ/۱۸۸۵ء)

ممتاز علمائے اہل سنت میں تھے۔

والد ماجد، حضرت مولانا شاہ مخلص الرحمن، چاٹگامی بن مولوی سید غلام علی، وکیل بھی عظیم المرتبت عالم دین و شیخ طریقت تھے۔ جنہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں، مرزا خیل شریف ضلع چاٹگام میں حاصل کی۔ اس کے بعد:

”مرؤج فارسی و عربی کتب کی تحصیل کے بعد، علمائے کلکتہ سے تکمیل کی۔ بیعت کے ارادے سے فرنگی محل، لکھنؤ کے نامور عالم، حضرت مولانا ربیعان الحق کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ لیکن، انہوں نے آپ کو بھاگل پور، بہار کے فروکال، مولانا سید امداد علی، بھاگلپوری کی خدمت میں جانے کی ہدایت کی۔

اس وقت، مولانا سید امداد علی المتوفی ۱۳۰۲ھ، بہ، عہدہ صدر اعلیٰ ”بکسر“ میں تھے۔ آپ نے ”بکسر“ پہنچ کر بیعت، حاصل کی اور چھ ماہ تک، تکمیل سلوک کے لئے حاضر خدمت رہے۔ پیر کے ایما سے، ان کے شیخ و مرشد

حضرت شاہ محمد مہدی، قادری، فاروقی، المتوفی ۱۲۸۷ھ کی خدمت میں، چھپڑہ (بہار) حاضر ہوئے۔ مولانا سید امداد علی نے واپسی میں خلافت دی اور ”جہانگیر شاہ“ کا لقب، عنایت کیا۔ یہاں سے وطن پہنچے اور خانقاہ، قائم کر کے، علم ظاہر و باطن کا درس دینا، شروع کیا۔ سلسلہ قادریہ ابوالعلائیہ کی شاخ جہاں گیر یہ آپ ہی کی نسبت سے مشہور و معروف ہے۔ آپ، علمائے اہل سنت میں مشہور و معروف عالم گذرے ہیں۔

مولوی اسماعیل، دہلوی کی کتاب ”تقویۃ الایمان“ کے رد میں ”شرح الصدور“ کے نام سے آپ نے ایک کتاب، تالیف فرمائی۔

مولانا شاہ عبدالحئی، چانگامی، آپ کے فرزند و جانشین تھے۔“

(ص ۲۳۱) ”تذکرہ علمائے اہل سنت“۔ مؤلفہ مولانا محمود احمد، قادری، رفاقی۔ مطبوعہ کانپور۔ ۱۹۷۱ء)

مولانا سید عبدالحئی، چانگامی اپنے وطن سے کچھ ابتدائی تعلیم، حاصل کر کے اپنے علمی سفر پر نکل کر، سب سے پہلے ”پشمہ رحمت“ غازی پور (موجودہ اتر پردیش) پہنچے اور وہاں، کچھ تعلیم، حاصل کر کے عازم لکھنؤ ہوئے۔

یہاں، مولانا عبدالحئی، فرنگی محلی (متوفی ربیع الاول ۱۳۰۴ھ) کی درس گاہ میں حاضر ہوئے اور اکثر درسیات کی آپ سے تحصیل کی۔

آپ کے وصال (۱۳۰۴ھ) کے بعد، مولانا محمد نعیم، فرنگی محلی بن مولانا عبدالحکیم، فرنگی محلی کی درس گاہ سے وابستہ ہوئے۔ آپ سے ہدایہ تفسیر بیضاوی اور عقائد و فرائض کی تعلیم، حاصل کی۔ اس کے بعد ایک طویل مدت تک، درس و تدریس کا فریضہ، لکھنؤ میں ہی انجام دیتے رہے۔ پھر، وطن واپس ہوئے اور اپنے والدِ مکرم کی نیابت و جانشینی کی خدمت پہ، مامور ہوئے۔

والدِ مکرم، حضرت مولانا شاہ مخلص الرحمن، چانگامی کا سلسلہ بیعت و اجازت، مندجہ ذیل ہے: از شاہ امداد علی، از شاہ مہدی حسن، از شاہ مظہر حسن، از شاہ فرحہ اللہ، از شاہ حسن علی از حضرت شاہ محمد منعم، قادری، رَحِمَہُمُ اللہ تَعَالٰی۔

مولانا شاہ عبدالحئی، چانگامی کے تعارف و تذکرہ میں مولانا محمود احمد، قادری، رفاقی لکھتے ہیں: ”والد ماجد، حضرت مولانا شاہ مخلص الرحمن قُدَسَ سِرُّہُ نے تسمیہ خوانی کی رسم، ادا کی۔ قرآن پاک ختم کرنے کے بعد، عدم دل بستگی کے سبب، کئی سال میں کافیہ تک پڑھا۔ ایک معتقد نے بے توجہی کا ذکر، آپ کے والد سے کیا۔

والد ماجد نے فرمایا: گھر میں چند افراد، جب، لائق ہوں

تو، ان کے لئے کوئی ایسا بھی ہونا چاہیے، جو، ان کی خدمت کرے۔

چھوٹے میاں، اگر، نہ پڑھیں گے تو، بڑے بھائیوں کی خدمت کریں گے۔“

مولانا عبدالحئی صاحب والد کی باتیں، آڑ سے سن رہے تھے۔ بڑی غیرت آئی۔

اور اسی وقت پڑھنے کے لئے سفر کا عزم کر لیا۔

والدہ ماجدہ سے ارادہ، ظاہر کر کے روپے طلب کیے۔ انھوں نے چھ روپے دیے۔

۱۲۹۱ھ میں آپ، کلکتہ پہنچے۔ اسی درمیان میں مولانا مخلص الرحمن، چانگامی کے پیر و مرشد

حضرت سید شاہ امداد علی، بھاگل پوری، المتوفی ۱۳۰۲ھ کلکتہ آئے۔ ان کی ہمراہی میں مرزا پورا آ گئے۔ یہاں سے فرنگی محل، لکھنؤ جا کر، حضرت مولانا ابوالحسنات، محمد عبدالحی، فرنگی محلی کے حلقہٴ درس میں شریک ہوئے۔

گیارہ بجے تک، مدرسہ فرنگی محل میں عربی پڑھتے اور ایک بجے دن میں مشہور شاعر خواجہ عزیز لکھنوی سے، ان کے گھر جا کر فارسی پڑھتے۔

۱۳۰۲ھ میں والد ماجد (مولانا مخلص الرحمن، چانگامی) کی وفات کا سانحہ رونما ہوا۔ پردیس میں خبر وفات، سن کر بڑا صدمہ ہوا۔ مکان (چانگام) جا کر والد کی فاتحہ کیا۔ تھوڑے دنوں بعد، لکھنؤ واپس آئے۔

۱۳۰۴ھ میں حضرت مولانا عبدالحی، فرنگی محلی، نے رحلت کی۔ تکمیل حدیث میں، تین کتابیں باقی رہ گئی تھیں۔ دہلی میں مولوی نذیر حسین، غیر مقلد کے مدرسہ میں پہنچے۔

مولانا سید عبدالحی، چانگامی، جب مولوی نذیر حسین سے ملنے گئے تو، ایک شخص نے مولوی نذیر حسین کے سامنے، ایک دوسرے شخص سے حضرت امام عالی مقام شہید کربلا رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا:

اگر، ایک خلیفہ کے وقت میں، دوسرا، اپنے لئے بیعت لے، تو وہ، واجب القتل ہے۔“

اس کے علاوہ، اور بھی دوسرے کلمات، گستاخی اور بے ادبی کے کہے۔

مولوی نذیر حسین، خاموشی سے سنتے رہے، کچھ نہ بولے۔

مولانا سید عبدالحی، چانگامی نے سمجھ لیا کہ: یہ بے ادبوں کی جگہ ہے۔“

اس کے بعد، گنگوہ میں مشہور دیوبندی عالم، مولوی رشید احمد، گنگوہی سے ایک سال حدیث پڑھی۔ مولانا فرماتے تھے کہ: گنگوہ میں، ناچنس اور بد عقیدوں کی مجلس میں میرادل ہر وقت کڑھتا تھا، اس لئے جلدی، رخصت ہو کر لکھنؤ پہنچا۔

فرنگی محل، لکھنؤ میں، صاحبزادگان کی معلمی پر مامور ہوئے۔

مولانا عبدالباقی، فرنگی محلی، مہاجر مدنی اور مولانا عبد الحمید، ان کے شاگرد تھے۔

۱۳۰۰ھ میں مولانا عبد الاحد، شمشاد، فرنگی محلی نے اپنے خسر (مولانا رحمت اللہ

فرنگی محلی، متوفی جمادی الاولیٰ ۱۳۰۵ھ/ ۱۸۸۷ء) کے قائم کردہ ”مدرسہ چشمہ رحمت“

غازی پور میں بلایا۔

آپ سے پہلے، مولانا محمد فاروق، چریاکوٹی، یہاں کے صدر مدرس، رہ چکے تھے۔

طلبہ شروع میں آپ کی نوعمری کی وجہ سے نامانوس رہے۔

مگر، بعد میں طریقہ درس کی ندرت کی وجہ سے مانوس و مطمئن ہو گئے۔

غازی پور میں، بڑا قبول عام، حاصل ہوا۔ حلقہ ذکر و فکر اور مجالس سماع کا انعقاد ہوتا۔

مولانا عبدالحی، چانگامی، حدیث پاک پڑھا رہے تھے کہ:

کلکٹر، معائنہ کے لئے مدرسہ میں پہنچا۔

مولوی عبدالاحد، شمشاد نے آکر، چپکے سے کان میں، یہ کہا کہ: یہ حاکم وقت ہیں۔“

کنایہ، استقبال سے تھا۔ اگرچہ، اُس وقت، کھڑے ہو گئے۔

مگر، دوسرے دن، استعفاء داخل کر دیا۔

مولوی عبدالاحد، شمشاد اور مولانا شاہ امانت اللہ نے کہا: نا

تو، ان کی دلداری کے خیال سے اُس وقت، ترکِ ارادہ فرما دیا۔

چھ ماہ بعد، رخصت لے کر وطن گئے۔

واپس آکر، چھ سال، دو ماہ کی مدرسے کے بعد ۱۳۱۲ھ میں استعفا دے کر

وطن، تشریف لے گئے۔ اور والد ماجد کے وسادہ ارشاد پر رونق افروز ہو کر سلسلہ کی ترویج

و اشاعت میں مصروف ہوئے۔ ہزار ہا مخلوق نے ان کے نفسِ زکی کی برکات سے، راہِ ہدایت پائی۔“

(ص ۱۴۴- تا ص ۱۴۶- ”تذکرہ علمائے اہل سنت“۔ مؤلفہ مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی۔

مطبوعہ کانپور ۱۳۹۱ھ/ ۱۹۷۱ء)

مولانا ظہور الحسین، رام پوری

مولانا ظہور الحسین، فاروقی، مجددی، رام پوری (متولد ۱۲۷۴ھ/ ۱۸۵۷ء - متوفی ۲۲ جمادی الآخرہ ۱۳۳۲ھ) کے اجداد میں، مولانا رفیع الدین، فاروقی، چشتی، سرہندی بڑے نامور بزرگ تھے۔ بہت سے مشائخ کرام سے آپ کو اجازت و خلافت، حاصل تھی۔ حضرت سید جلال الدین، بخاری کے خلیفہ اعظم اور امام نماز تھے۔ سرہند (پنجاب) کی آبادی، مولانا رفیع الدین، فاروقی ہی نے شروع کی اور آپ کی توجہ سے شہر کی بنیاد کی تکمیل ہوئی۔ آپ کے بڑے بھائی، خواجہ فتح اللہ، فاروقی، فیروز شاہ کے وزیر تھے۔ مزار، سرہند شریف (پنجاب) میں ہے۔

مولانا رفیع الدین، فاروقی کی ہی اولاد میں، مجدد الف ثانی شیخ احمد، فاروقی، سرہندی (وصال ۱۰۳۴ھ) ہیں۔

جنہوں نے مغل بادشاہ، جلال الدین اکبر کے ”فتنہ دین الہی“ کا مجاہدانہ مقابلہ کیا۔ مولانا ظہور الحسین، فاروقی، مجددی، رام پوری کی ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے ہوئی۔ علم نحو، مولانا امداد حسین سے پڑھا۔ معقولات کی ابتدائی کتابیں، مولانا عبدالحی، ریاضی داں رام پوری (تلمیذ علامہ فضل حق، خیر آبادی) مولانا نور النبی، رام پوری (تلمیذ علامہ فضل حق خیر آبادی) سے پڑھیں۔

شمس العلماء، مولانا عبدالحق، خیر آبادی (فرزید و تلمیذ علامہ فضل حق، خیر آبادی)

جب، رام پور شریف لائے

تو، مولانا ظہور الحسین نے اول سے اخیر تک معقولاتی کتابیں، ان سے پڑھیں۔

کتب دینیات میں مولانا ارشاد حسین (مجددی، رام پوری خلیفہ حضرت شاہ احمد سعید مجددی، دہلوی) سے استفادہ کیا۔ بعض کتابیں، مفتی سعد اللہ سے پڑھیں۔

سید صحاح رحمۃ اور احادیث، مولانا فضل الرحمن، گنج مراد آبادی سے حاصل کیا۔

مولانا فضل الرحمن کو، حضرت شاہ عبدالعزیز، مجدد دہلوی سے بلا واسطہ، سند حدیث ملی تھی۔ شمس العلماء، مولانا عبدالحق، خیر آبادی کو، مولانا ظہور حسین پر، اتنا اعتماد تھا کہ:

اپنے بعض طلبہ کو، آپ کے سپرد کر دیتے تھے۔

۱۳۱۹ھ میں مولانا عبدالحق، خیر آبادی نے نواب ریاست رام پور، ہرہانس نواب، سید محمد علی خان بہادر کے حضور میں، مدرسہ عالیہ (رام پور) کے مدرسین کو، بغرض امتحان، پیش کیا۔

مولانا ظہور حسین کی باری آئی، تو، مولانا عبدالحق نے آپ سے قاضی مبارک کے مقام (الْكَلِيَّةُ وَالْجُزْئِيَّةُ قِيلَ صِفَةُ الْعِلْمِ - الخ) کی پوری عبارت پڑھوائی۔

انھوں نے مائلہ و ماعلیہ کے ساتھ، ایسی تحقیق کی کہ:

مولانا عبدالحق خیر آبادی، نواب صاحب سے کہنے لگے کہ:

قاضی پڑھانا، اس کو کہتے ہیں۔“

شمس العلماء، مولانا عبدالحق خیر آبادی نے

ایسے الفاظ، غالباً، کسی کے لئے، کبھی، نہ کہے ہوں گے۔

مولانا ظہور الحسین، فاروقی، مجددی نے مدرسہ عالیہ، رام پور میں، بیس (۲۰) سال تک

نہایت عمدگی سے درس دیا۔ مدرسہ عالیہ کے مدرسین کی اکثریت، آپ کی شاگرد تھی۔

۱۳۲۲ھ میں رئیس اعظم راندر ضلع سورت (گجرات) نے مولانا ظہور الحسین کو

اپنے یہاں، بصد التجا بلایا۔ ایک جماعت علما کے ساتھ، آپ کا استقبال کیا۔

ایک نمائندہ اجلاس ہوا جس میں آپ کو ”شمس العلماء“ کا خطاب دیا گیا۔

یہ قومی خطاب، شاہی خطاب سے کہیں زیادہ، باوقعت ہے۔

آپ کو تعلیم و تدریس کا اتنا شوق تھا کہ تصنیف و تالیف کی طرف، توجہ نہ ہو سکی۔

بعض مخلص تلامذہ کے اصرار پر، حاشیہ ”الافق المبین“ شرح قاضی مبارک حامل امتن مع

منہیات۔ شرح میرزا ہد رسالہ مع منہیات۔ و غلام یحییٰ۔ شرح حمد اللہ۔ شرح حکمۃ العین۔

تقریر مثلاً پانچ کیر۔ ایک مفصل، دوسری مختصر، کتابیں لکھیں۔

حاشیہ ”مرزا زاہد کے علاوہ، سبھی کتابیں، نا تمام ہیں۔ کوئی کتاب، طبع نہ ہو سکی۔

مولانا ظہور الحسین کا ۱۳ جمادی الآخرہ ۱۳۴۲ھ کو، رام پور میں وصال ہوا۔

(أخذوا قبا من أزم ۱۸۴ ص ۱۸۶ ”تذکرہ کالملاہ رام پور“۔ مؤلفہ حافظ احمد علی خاں شوق

رام پوری۔ مطبوعہ ہمدرد پریس۔ کوچہ چیلان، دہلی۔ طبع اول ۱۹۲۹ء)

مولانا ظہور الحسین، رام پوری، تلمیذ مولانا شاہ فضل رحمن، گنج مراد آبادی و علامہ عبدالحق

خیر آبادی و مفتی ارشاد حسین، رام پوری ایک عرصے تک دارالعلوم، منظر اسلام، بریلی کے صدر مدرس بھی رہے۔

حضرت مولانا محمد حامد رضا، بریلوی اپنے ایک رسالہ (مَظَاهِرُ الْحَقِّ الْاَجَلِی) میں حضرت مولانا عبد الباری، فرنگی محلی کی دعوت پر، ایک دورہ فرنگی محل، لکھنؤ کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”میرے ہمراہ، حضرت مولانا ظہور حسین، رام پوری، صدر مدرس دارالعلوم (منظر اسلام بریلی) اور مولانا رحم الہی (منگوری، استاذ دارالعلوم منظر اسلام، بریلی) اور صدر الشریعہ، مولانا امجد علی صاحب (رضوی اعظمی، مؤلف بہار شریعت) خلفائے اعلیٰ حضرت بھی تھے۔ الخ۔

(رسالہ ”مَظَاهِرُ الْحَقِّ الْاَجَلِی“ - مشمولہ فتاویٰ حامدیہ - مطبوعہ بریلی)

حضرت مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی، مظفر پوری لکھتے ہیں:

”مجلس مؤید الاسلام، لکھنؤ کا اجلاس

حضرت مولانا عبد الباری، فرنگی محلی قدس سیرۃ نے طلب کیا۔

دعوت نامہ، چھاپ کر بھیجا۔ اس دعوت نامہ میں رافضی مجتہدوں کے نام بھی، داعیوں میں تھے۔

اعلیٰ حضرت، امام اہل سنت (فاضل بریلوی) نے شمس العلماء، مولانا ظہور الحسین

نقشبندی، فاضل رام پوری، صدر المدرسین، مدرسہ اہل سنت، منظر اسلام، بریلی کی

سرپرستی و قیادت میں لکھنؤ، وفد بھیجا۔

جس میں حضرت حجۃ الاسلام اور حضرت صدر الشریعہ قدس سیرۃ بھی، شریک تھے۔“ الخ۔

(ص ۲۸۲۔ ”سوانح رفاقتی“ مؤلفہ مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی - کاروان رفاقت - اسلام آباد۔

مظفر پور، بہار - ۱۳۳۱ھ / نومبر ۲۰۱۰ء)

”مولانا شاہ محمد عبد الباری، فرنگی محلی نے انگریزی راج میں، قاضی بیل کا معاملہ اٹھایا۔

..... حضرت حجۃ الاسلام نے اپنے ایک مفصل خط میں تحریر فرمایا ہے کہ:

اُس وقت، مدرسہ اہل سنت، منظر اسلام کے صدر المدرسین، مولانا ظہور الحسین، فاروقی

فاضل رام پوری اور مولانا محمد نعیم الدین (مراد آبادی) صاحب اور مولانا امجد علی صاحب

اور مجھ کو لکھنؤ کے جلسے میں شرکت کے لئے اعلیٰ حضرت نے فرنگی محل بھیجا تھا۔“ الخ۔

(ص ۴۰۶۔ ”سوانح رفاقتی“ - مؤلفہ مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی، مظفر پوری)

حکیم سید برکات احمد، ٹوکی

حکیم سید، برکات احمد، ٹوکی (متوفی ۱۳۴۷ھ/۱۹۲۸ء) تلمیذ، مولانا عبدالحق، خیر آبادی
فرزند و تلمیذ علامہ فضل حق، خیر آبادی، سلسلہ خیر آباد کے جلیل القدر اور کثیر التلاذذہ مدرس تھے۔
آپ کے والد، مولانا حکیم سید دائم علی، بہاری ثم ٹوکی، تلمیذ علامہ فضل حق، خیر آبادی
نواب ریاست ٹونک (راج پوتانہ) کے خصوصی معالج ہونے کی حیثیت سے
ریاست ٹونک میں، مستقل اقامت پذیر ہو گئے۔

حکیم سید، برکات احمد، ٹوکی، تاحیات، درس و تدریس ہی سے وابستہ رہے۔
آپ کے تلامذہ کے بارے میں مولانا عبدالشاد، شیروانی، علی گڑھی لکھتے ہیں:
”وسط ایشیا، ترکستان کے شہروں، خصوصاً بخارا، تاشقند وغیرہ سے لے کر، بنگال کے آخری
خُدود تک، تقریباً ہر بڑے شہر میں، کوئی نہ کوئی شاگرد، ضرور نظر آئے گا اور اچھی حالت میں نظر آئے گا۔
..... علمائے ہند میں مولانا متعین الدین، جمیری، مولانا خلیل الرحمن، ٹوکی، مولانا نصیر
احمد پھلتی، مولانا عبدالرحمن، چشتی، حیدر آبادی، مولانا اشرف، ملتان، مولانا عبدالرحمان، بہاری
مولانا مقبول احمد، دربھنگوی، مولانا محمود، سندھی، مولانا نعید اللہ الاصم، بہاری، مولانا عبدالحمید
ثرہٹی، مولانا محمد شریف، مبارک پوری، مولانا عبدالقدیر، بدایونی، مولانا فضل کریم، بہاری، مولانا
احمد کریم، بہاری، مولانا عبدالواسع، مولانا مناظر احسن، گیلانی وغیرہم، خاص طور پر، قابل ذکر ہیں۔“
(ص ۳۵۶۔ سلسلہ تلامذہ۔ ”باغی ہندوستان“، مطبوعہ مجمع الاسلامی۔ مبارک پور اعظم گڑھ۔ یو۔ پی۔ انڈیا)
حکیم سید، دائم علی (میرنگ ضلع پٹنہ۔ صوبہ بہار) طبیب خاص، دربار ٹونک (راج پوتانہ
موجودہ صوبہ راجستھان) کے فرزند، مولانا حکیم سید، برکات احمد، ٹوکی (ولادت ۱۲۸۰ھ
وقات ربیع الاول ۱۳۴۷ھ/ اگست ۱۹۲۸ء) کی ابتدائی تعلیم و تربیت، مولانا محمد احسن، گیلانی
(مولانا مناظر احسن گیلانی کے جد امجد) تلمیذ علامہ فضل حق، خیر آبادی کی خدمت میں ہوئی۔
علم حدیث، سید عالم علی، گینوی سے پڑھا۔ پھر، اپنے والد سے علم طب کی تعلیم، حاصل کی۔
مولانا محمد حسن، ٹوکی سے ہدایہ پڑھا۔

علم کی تشنگی، بھی نہیں، اس لئے رام پور پہنچ کر

علامہ عبدالحق، خیر آبادی، فرزند و تلمیذ علامہ فضل حق، خیر آبادی کی درس گاہ سے وابستہ ہوئے۔ اور حسب بیان مولانا عبد الشاہد، شیروانی، علی گڑھی (متوفی ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۴ء):
 ”حمد اللہ اور ہدایہ کا فارغ شدہ، یہ طالب علم، ایسا غوجی اور میزان، منطق جیسی ابتدائی کتابوں کے درجہ میں، نئے سرے سے شریک کر دیا گیا۔

..... سعادت مند شاگرد نے، پندرہ (۱۵) سال، استاذ کی خدمت میں اس طرح گزارے کہ جس کتاب، حمد اللہ کو گھر سے پڑھ کر آئے تھے، جب وہاں تک، کئی سال میں پہنچے تو، ایک بار نہیں، کئی بار، سمعاً و قراءۃً، اسے پڑھا اور سنا۔

نہ صرف نصاب درس نظامی، بلکہ قدما کی کتابیں بھی پڑھیں۔

جن میں شفاء ابن سینا، شرح اشارات طوسی، الأفق المبین، میر باقر داماد، حواشی دؤانی حواشی مرزا جان، خوانساری، مؤلفات قوشچی، خاص طور پر، قابل ذکر ہیں۔

خود، مولانا عبدالحق کی تصانیف خارج از نصاب ”جواہر عالیہ“ وغیرہا، پڑھیں۔“
 پھر، مولانا محمد ایوب، بھٹتی، قاضی ریاست بھوپال کی خدمت میں پہنچ کر

ان سے علم حدیث پڑھا۔ بھوپال میں ایک سال سے زیادہ، قیام کر کے ٹونک، واپس ہوئے۔ زمانہ طالب علمی میں شادی ہو گئی تھی اور رام پور کے کسی بزرگ سے بیعت بھی ہو گئے تھے۔ ولد ماجد، حکیم سید، دائم علی، بہاری، ٹونکی کی عمر، جب پچاس (۵۰) سے زائد ہوئی اور آپ پر غلبہ تصوف ہوا، جس کے بعد، ذکر و شغل اور عزلت و گوشہ نشینی کی طرف، طبیعت، زیادہ مائل ہوئی تو، نواب ریاست ٹونک سے گفتگو کر کے، اپنے بلند اقبال فرزند، حکیم سید، برکات احمد کو اپنی جگہ، مقرر کر دیا۔ آپ نے معالج خاص، دربار ٹونک کے عہدہ پر، ہی، مدۃ العمر، اکتفا کی۔ زندگی کا پہلا حصہ، درس و افادہ تھا۔ دوسرے حصہ میں تصنیف و تالیف کا ذوق، غالب ہوا۔

آخر عمر میں، ہر چیز سے الگ ہو کر، صرف عبادت و ریاضت و مجاہدہ میں

اس قدر مشغول اور محو ہو گئے کہ گویا، آپ، اسی کے لئے بنائے گئے تھے۔

ریاست ٹونک میں حکیم سید، برکات احمد، ٹونکی نے جب، درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا تھا تو، ابتدا میں، چند مقامی و بیرونی طلبہ، آپ کی خدمت میں، زیر تعلیم تھے۔

رفتہ رفتہ، آپ کی درسی عظمت کا احاطہ، وسیع ہونے لگا۔ یہاں تک کہ ایک زمانے میں صبح پانچ بجے سے، رات کے گیارہ بجے تک، مسلسل، آپ کا درس، جاری رہتا تھا۔

طلبہ کی کثرت دیکھ کر، والی ٹونک، نواب، محمد ابراہیم خاں خلیل نے ایک مدرسہ کا انتظام کر دیا جس کا نام ”مدرسہ خلیلیہ“ رکھا گیا۔

حکیم سید، برکات احمد، ٹونکی اپنے طلبہ پر بے پناہ شفقت فرماتے تھے۔ درس و تدریس کے وقت، پورا رعب و جلال، غالب رہتا تھا۔ بغیر مطالعہ کے، قطعی و شرح جامی بھی، نہ پڑھاتے تھے۔ علاوہ درسیات کے، طلبہ کو مثنوی مولانا روم کا بھی، درس دیا کرتے تھے۔ کسی کو فلسفہ، شروع کراتے

تو، اپنے استاذ، مولانا عبدالحق، خیر آبادی کی تصنیف ”زبدۃ الحکمۃ“ سے ابتدا کراتے۔ مولانا مناظر احسن، گیلانی، پروفیسر جامعہ عثمانیہ، حیدر آباد، دکن نے مسلسل آٹھ (۸) سال تک، ٹونک میں رہ کر، حکیم سید برکات احمد، ٹونکی سے تعلیم حاصل کی تھی۔

انھوں نے، صدر یار جنگ، مولانا حبیب الرحمن خاں، شیروانی، علی گڑھی کی ہدایت پر حکیم سید، برکات احمد، ٹونکی کے احوال پر مشتمل ایک تفصیلی مضمون لکھا۔ جو ۱۳۴ھ/۱۸۲۹ء کے ماہنامہ ”معارف“ اعظم گڑھ کے، تین شماروں میں شائع ہوا۔

اس مضمون کا خلاصہ اور کچھ اپنی طرف سے اضافہ کرتے ہوئے مولانا عبد الشاہد، شیروانی، علی گڑھی نے اپنے تحقیقی سوانحی مضمون کو مکمل کیا ہے۔ جس کی روشنی میں، حکیم سید برکات احمد ٹونکی کے کچھ احوال، درج ذیل ہیں:

تقریباً بیس (۲۰) سال تک، مختلف علوم و فنون کی مسلسل تعلیم و تدریس کے بعد

ادھر، پچھلے دس پندرہ سالوں سے حضرت مولانا حکیم سید برکات احمد نے اپنی توجہ درس سے زیادہ، تصنیف و تالیف کی طرف، پھیر دی تھی۔ آپ کی کئی کتابیں، عربی زبان میں ہیں۔ ایک ضخیم کتاب ”الْحُجَّةُ الْبَازِغَةُ“ کے نام سے ہے۔ جس میں مابعد الطبیعیات کے چند اہم ابواب پر، مجتہدانہ انداز سے گفتگو کی گئی ہے۔ اسے مولانا انوار اللہ، فاروقی، حیدر آبادی نے حکومت آصفیہ، حیدر آباد کی جانب سے شائع کرا دیا ہے۔

ایک کتاب آپ نے، فارسی سے عربی میں ترجمہ کی ہے۔ یہ بحر العلوم، مولانا عبد العلی، فرنگی محلی لکھنوی کی شرح منار (فارسی) کا عربی ترجمہ ہے۔ کاش، یہ شائع ہو جائے تو، نصاب کے لئے بہترین کتاب ہے۔

آخر عمر میں، آپ پر تصوف کا غلبہ ہو گیا تھا، اور چند اہم کتابیں، اس موضوع پر لکھیں۔
جو، سب کی سب، غیر مطبوع ہیں۔

آپ نے ”دیاندہ سروتی“ کے فلسفیانہ اصول کی تردید میں، بزبان اردو، کچھ نوٹ کرائے تھے جسے، باضابطہ مرتب کر کے آپ کے خلیفہ رشید، مولانا حکیم سید محمد احمد، ٹوکی نے شائع کر دیا ہے۔
بعض نزاعی مسائل میں، چھوٹے چھوٹے رسائل ہیں۔

ترمذی شریف کی ایک نامکمل شرح بھی ہے۔

حکیم سید، برکات احمد، ٹوکی کے اندر تقویٰ،، انابت، اخلاص اور عشق نبوی کے جوہر ابتداء سے منور تھے۔ لیکن، ان میں آپ و تاب اُس وقت آئی
جب، علم و عقل سے تھک کر، آپ، بیٹھ گئے۔

یہ تو، ہمیشہ سے، آپ کا معمول تھا کہ:

رات کے تین بجے، ساڑھے تین بجے، اٹھ جاتے۔ تہجد کی نماز پڑھتے۔

پھر، صبح تک، ذکر و بآلِ جہر کرتے، نماز فجر باجماعت، مسجد میں ادا کرتے
طلوع آفتاب تک، مسلسل زور زور سے، اذعیہ ماثورہ پڑھتے۔

تلاوت قرآن کرتے اور دلائل الخیرات کے اُوراد، ختم کرتے۔

آپ پر، حج و زیارت کا شوق، غالب ہوا، تو، زحمت سفر باندھا اور حجاز مقدس پہنچ گئے۔
وہاں سے شام و فلسطین اور مصر ہوتے ہوئے ہندوستان واپس آئے۔

اس کے بعد، آپ کا رنگ، بدلا ہوا تھا۔

فقر، اور درویشوں کے یوں تو، ہمیشہ سے عقیدت مند تھے

لیکن، اب، اس جماعت کی دامن آمیزی کا جذبہ، بہت تیز ہو گیا۔ اسی عرصہ میں ایک
ضرورت سے حیدرآباد، دکن جانا ہوا۔

وہاں، تلاش فقر میں آپ کی نگاہ، ایک ایسے فقیر پر پڑی، جو، اپنی ظاہری شکل و صورت میں
ایک معمولی سے آدمی تھے۔ اور رسمی علوم میں بھی، ان کا پایہ، کچھ بلند نہ تھا۔

لیکن، منطق و فلسفہ کا، یہ شہسوار، جب، اس فقیر کے آستانے پر حاضر ہوا

تو، پچاس (۵۰) سال کے سارے سرمایے کو، اس فقیر کے قدموں پر نثار کر دیا۔

یہ فقیر، حضرت کمال اللہ شاہ، عُرف مچھلی شاہ تھے۔

یہ بزرگ، مدراس کی ایک جماعتِ صوفیہ کے ایک بڑے اصلاحی گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔
حکیم سید برکات احمد، ٹوکی کاسینہ، نہایت وسیع اور چشم، کشادہ تھی۔

طلبہ کے ساتھ، اولاد جیسا برتاؤ تھا۔ غریبوں، بیواؤں، ضرورت مندوں اور اہل تعلق کے
ساتھ، مخفی طور پر، حسن سلوک کرتے تھے۔

خصوصاً، آفر با کے ساتھ، آپ کا حسن سلوک، غیر معمولی ہوا کرتا تھا۔

آپ کی تنخواہ کا، بڑا حصہ، ایسے ہی عزیزوں و ضرورت مندوں کے درمیان، تقسیم ہو جایا کرتا تھا۔

آخر میں عربوں کی مہمان نوازی کا جذبہ آپ پر، بہت حاوی ہو گیا تھا۔ محبتِ رسول کی شمع کی
لو، جوں جوں، تیز ہوتی جاتی تھی، دیارِ محبوب کا ہر آنے والا، آپ کو بے چین کر دیتا تھا۔

یہاں تک کہ اسی شوق کے پیشِ نظر، آپ نے چند سال پیشتر، ایک مستقل سرائے
اپنے مصارف سے ریاست ٹونک میں تعمیر کرائی تھی، جس کا نام آپ نے ”رابط“ رکھا ہے۔

اس، رابط میں ہر قسم کے سامانِ راحت کا انتظام، آپ کی طرف سے تھا۔

ریاست ٹونک میں جو عرب مہمان آتا۔ خصوصاً، اگر، مدینہ طیبہ کا ہوتا

تو، اس کے سامنے آپ معمولی خادم کی حیثیت سے اپنے کو پیش کرتے۔

ان کا مالی تعاون کرتے اور دوسروں سے کرائے۔

اسی طرح، دیگر مسلم ریاستوں سے بھی رابطہ، قائم کر کے، ان حضرات کو، ہر طرح، مدد

بہم پہنچاتے۔ آپ کی اخلاقی صفات میں، جو دو سخاوت کی صفت، بہت نمایاں تھی۔

لباس اور سواری وغیرہ میں آپ، سادگی پسند تھے۔ معمولی لباس، زیب تن فرماتے۔ مزاج

میں وارفتگی، حد سے زیادہ، بڑھی ہوئی تھی۔ حرص و طمع کا شائبہ، مطلقاً نہ تھا۔ دیگر ریاستوں کی دعوت

اور بڑی بڑی پیش کش کے مقابلے میں، آپ نے، ریاست ٹونک کے قیام کو، ہمیشہ، ترجیح دی۔

نواب رام پور کے اصرار پر آپ کا ایک علمی مباحثہ، رام پور میں مولانا عبدالوہاب بہاری

سے ہوا، جس کی تفصیل آپ کے شاگرد، مولانا معین الدین، اجمیری نے

اپنے رسالہ ”چهار تازیانہ فہار“ میں، لکھ دی ہے۔

بعض دیگر معاصر علما، مثلاً مولانا فضل حق، رام پوری، پرنسپل مدرسہ عالیہ، رام پور

اور مولانا عبداللہ، ٹوکی سے بھی بعض مسائل میں، نوک جھونک رہی۔

نیز بعض مسائل دیوبندیہ کے متعلق بھی، آپ نے کبھی کبھی، کچھ لکھا۔

مولانا حکیم سید محمد احمد، ٹوکی، علماً و منصباً، دیناً و عملاً اپنے والد ماجد، حکیم سید برکات احمد کے جانشین تھے۔ والد کے بعد، نواب ٹونک کے معالج خاص، مقرر ہوئے۔

اور موصوف کی جگہ، درس و تدریس کی باگ، آپ نے اپنے ہاتھ میں لی۔ مگر، دو تین سال بعد ہی، آپ، اس عالم فانی سے عالم جہودانی کے سفر پر، روانہ ہو گئے۔ ایک مکتوب میں، حکیم سید محمد احمد، ٹوکی (متوفی ۱۳۵۲ھ / ۱۹۳۲ء) اپنے والد ماجد، حکیم سید برکات احمد، ٹوکی کے سانحہ ارتحال کے بارے میں لکھتے ہیں:

”آفتابِ فضل و کمال، غرہ ربیع الاول ۱۳۴۷ھ کو، شب کے تین بجے، غروب ہو گیا۔
..... وفات شریف سے پہلے، وصیت فرمائی کہ:

میرے مدد رسہ اور، رباط کا، پوری طرح، خیال رکھنا۔
میرے والد ماجد (حضرت مولانا حکیم سید دائم علی، بہاری، ٹوکی)
رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ کا عرس، ضرور، جاری رکھنا۔
میرے فاتح کا، بہت خیال رکھنا۔“

”دورِ علالت، کامل پانچ ماہ، قائم رہا، مگر، ایک روز بھی مشغلہ علمی، ترک نہ ہوا۔
جمعہ کے روز، حضرت کی زندگی کا اخیر دن اور یوم الریحیل تھا۔
میں، جمعہ کی نماز سے واپس آیا

تو، ”الْتَعَرَفَ فِي حَقِيقَةِ التَّصَوُّفِ“ کے مطالعہ میں، مُسْتَرْق تھے۔
انھیں ایامِ علالت میں، تین علمی تصانیف فرمائیں۔ جن کا اختتام، زندگی کے لمحات کے اختتام کے ساتھ ہوا ہے۔ اور جن کو حضرت عَلَيْهِ الرَّحْمَةُ کے معلومات کا، نچوڑ سمجھنا چاہیے۔
اور جن میں ”إِمْتِنَاعُ نَظِيرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“ اور ”إِمْتِنَاعُ كَذِبِ الْوَأَجِبِ جَلَّ مَجْدُهُ“ کو، ایسے قوی تر اور روشن دلائل و حجج ساطعہ اور براہین قاطعہ سے ثابت کیا گیا ہے کہ، حضرت (سید برکات احمد، ٹوکی) رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ، جیسا امام وقت ہی کر سکتا ہے۔

اور تیسری کتاب، تصوف کے مسائل مشکلہ کے حل میں، بہترین کتاب ہے۔
ان، ہر سہ کتب کی تصانیف، شروع مرض میں، اس امر سے مطلع ہونے کے بعد کہ:
اب، اس دنیا سے کوچ ہے، شروع کی گئی۔

اور وفاتِ حسرت آیات سے چند ساعت پیشتر، اختتام کو پہنچائی گئیں۔ ”الی آخر المکبوب۔“

کترین ابوالحسنات، محمد احمد الهاشمی، معالج خصوصی، فرماں روا اے ٹوک۔
 وناظم اعلیٰ و صدر المدرسین دارالعلوم نظامیہ خلیلیہ۔ ٹوک (راجستھان)
 (تخصیص و اقتباس از ”سلسلہ تلامذہ“ در ”باغی ہندوستان“۔ بقلم مولانا عبدالشہاد، شیروانی، علی گڑھی۔
 مطبوعہ المجمع الاسلامی مبارک پور۔ ۱۹۸۵ء)

حکیم سید برکات احمد، ٹوکی کے صاحبزادے، مولانا حکیم سید محمد احمد، ٹوکی، آپ کے جانشین
 ہوئے۔ حکیم سید محمود احمد، برکاتی، ٹوکی و مولانا مسعود احمد، برکاتی، ٹوکی، آپ کے صاحبزادگان ہیں۔
 مولانا معین الدین، اجمیری (متوفی عاشورہ محرم الحرام ۱۳۵۹ھ اپریل ۱۹۴۰ء)
 حکیم سید برکات احمد، ٹوکی کے قابل افتخار تلمیذ تھے۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ ڈھائی سال تک مدرسہ نعمانیہ لاہور کے صدر المدرسین رہے۔
 ۱۳۳۷ھ میں، آپ نے مدرسہ معین الحق، اجمیر شریف کی بنیاد رکھی۔ اسی مدرسہ میں تدریس
 کے دوران، نظام حیدر آباد، چھ وقت، شریک درس ہوئے اور اتنے متاثر ہوئے کہ:

خلعت شاہانہ عطا کیا۔ پھر حضرت مولانا انوار اللہ، فاروقی، حیدر آبادی (وصال ۱۳۳۶ھ
 ۱۹۱۸ء) کی تحریک پر، مدرسہ معین الحق کو، مدرسہ معینیہ عثمانیہ، قرار دے کر
 اس کے لئے ساڑھے بارہ سو روپے ماہانہ امدادی رقم، جاری کر دی۔

مولانا معین الدین، اجمیری، اس مدرسہ کے صدر ہوئے۔ اور یہاں، پندرہ (۱۵) سال
 تک درس دیا۔ پھر، کچھ، داخلی اختلاف کی وجہ سے اس سے مستعفی ہو کر محرم ۱۳۳۸ھ میں دارالعلوم
 حنفیہ صوفیہ، اجمیر شریف، قائم فرمایا۔ اور بارہ (۱۲) سال تک، اس میں درس و تدریس کی خدمت
 انجام دی۔ اس کے بعد بھی کچھ، اسی طرح کے حالات سے، آپ، دو چار ہوئے۔

مولانا معین الدین، اجمیری کے سانچہ ارتحال کے بعد اپنے ایک تعزیتی مضمون میں
 سید سلیمان، ندوی (متوفی ۱۹۵۳ء۔ کراچی) لکھتے ہیں:

”مولانا اجمیری کے والد، شاہ عبدالرزاق، فرنگی محلی سے بیعت تھے۔

اور خود، مولانا اجمیری، شاہ صاحب کے صاحبزادے، حضرت مولانا شاہ عبدالوہاب
 صاحب (والد حضرت مولانا عبدالباری، فرنگی محلی مرحوم) سے بیعت تھے۔

استغناء، رجوع الی اللہ، توکل، وغیرہ، آپ کی طبیعت ثانیہ، بن چکے تھے۔

آخر کی سالی، تو، بڑے ہی صبر و استقامت اور متوکلانہ زندگی کے، تھے۔

فرائض تعلیم و افتا اور رشد و ہدایت کی ادائیگی کے بعد، کبھی لوگوں میں، بلا ضرورت، نہ ٹھہرتے۔

اُربابِ دولت و اہل دنیا، خصوصاً اُمراء و حکام سے ہمیشہ، بے تعلق رہے۔

لیکن، جب کوئی خدمتِ والا میں حاضر ہوتا

تو، اپنے قلب میں مولانا کے اخلاقی فاضلہ کا اثر لے کر، واپس آتا۔

عبادت کا، یہ حال تھا کہ فرائض کے سوا، نوافل و مستحبات کے بھی، ہمیشہ، پابند رہے۔

تا دمِ واپس، اپنے اُردو اشغال میں فرق، نہ آنے دیا۔

حق گوئی میں، کسی بڑی سے بڑی طاقت سے بھی، نہیں ڈرے۔

اسلاف کی سنت کے مطابق، قید و بند کی سنت سے بھی، دوچار ہوئے۔

لیکن، اس کو بھی، ہنسی خوشی، برداشت کیا اور ہمیشہ، یہی کیا، جو ایک مجاہد اور عالمِ ربانی کو کرنا چاہیے۔

ذاتِ نبوی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے ساتھ، محبت و شفقت کی کا، یہ عالم تھا کہ:

صحیح بخاری وغیرہ میں، جب، یہ حدیث آتی کہ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے

مرض و فات کی تکلیف دیکھ کر، حضرت فاطمہ رَضِیَ اللہُ عَنْہَا، بے اختیار، پکار اٹھیں:

یَا اَبَتَاہُ! (اے میرے باپ!)

سرکارِ دو عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

لَا تُکْرَبُ عَلٰی اَبْنِکَ بَعْدَ الْیَوْمِ۔

آج کے دن کے بعد، تمہارے باپ پر، مصیبت، نہیں ہے۔“

تو، اس جملہ پر، حضرت مولانا اجیری، بے تاب ہو جاتے، آنسو نکل آتے، چیخ نکال آتی۔

بسا اوقات، غشی، طاری ہو جاتی۔ مدرسہ میں درس دیتے وقت، ہر مرتبہ، یہ واقعہ پیش آیا ہے۔“

(ص ۳۶۷ و ۳۶۸۔ سلسلہ تلامذہ ”باغی ہندوستان“۔ مطبوعہ مجمع الاسلامی۔ مبارک پور۔ ضلع اعظم گڑھ۔

یو پی۔ انڈیا۔ ۱۹۸۵ء)

مولانا سید نجم الحسن، رضوی، خیر آبادی و مولانا حکیم سید محمود احمد، برکاتی، ٹوکی (کراچی) و مولانا

عبدالشاہد، شیروانی، علی گڑھی۔ یہ تینوں حضرات، مولانا معین الدین اجیری کے نامور تلامذہ ہیں۔

حکیم سید محمود احمد، برکاتی، ٹوکی اس ”سلسلہ خیر آباد“ کے آخری ”تلمیذِ اصیل“ تھے۔

جنہیں، ۱۴۳۳ھ/۲۰۱۳ء میں، کچھ دہشت گردوں نے کراچی میں شہید کر دیا۔

رَحْمَةُ اللّٰهِ رَحْمَةً وَّاسِعَةً۔

علامہ، سید سلیمان اشرف

علامہ، سید سلیمان اشرف بن مولانا حکیم سید عبداللہ

تقریباً ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء میں محلہ میرداد، پٹنہ، صوبہ بہار میں متولد ہوئے۔

ربیع الاول ۱۳۵۸ھ/اپریل ۱۹۳۹ء میں علی گڑھ میں انتقال ہوا۔

ابتدائی کتب پڑھنے کے بعد، استاذ الاساتذہ، مولانا ہدایت اللہ، جون پوری، تلمیذ علامہ

فضل حق، خیر آبادی سے مدرسہ حنفیہ، جون پور میں علوم و فنون کی تحصیل و تکمیل کی۔

صوبہ بہار کے ایک چشتی اصدقی بزرگ سے نسبت بیعت اور اجازت و خلافت تھی۔

فقیر اسلام، امام احمد رضا، قادری برکاتی، بریلوی (وصال ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) سے بھی اجازت و خلافت، حاصل تھی۔

نواب، صدر یاجنگ، مولانا حبیب الرحمن خاں، شیروانی، علی گڑھی (متوفی ۱۳۶۹ھ

۱۹۵۰ء) کی دعوت و تحریک کے نتیجے میں ۲۰-۱۳۱۹ھ/۱۹۰۲ء میں

استاذ دینیات، مدرسہ العلوم علی گڑھ کی حیثیت سے، سید سلیمان اشرف کا تقرر ہوا۔

حضرت مولانا مفتی اعجاز ولی، رضوی، بریلوی کی تحریری روایت کے مطابق:

علامہ سید سلیمان اشرف نے حضرت امام احمد رضا، قادری برکاتی، بریلوی کی

اجازت و ہدایت سے علی گڑھ کالج سے وابستگی، اختیار کی۔

چنانچہ، مولانا مفتی اعجاز ولی خاں، رضوی، بریلوی (ولادت ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء۔ وصال

۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء) سابق شیخ الحدیث جامعہ نعمانیہ، لاہور، تحریر فرماتے ہیں:

”آپ، اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے حسب ارشاد، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے منسلک ہوئے۔

آپ، رشد و ہدایت کے پیکر، صداقت و دیانت کے مجسمہ تھے۔

سیاسی بصیرت میں لاثانی تھے۔“ (ص ۳۱۔ مقالات یوم رضا، حصہ سوم۔ مطبوعہ لاہور ۱۹۷۱ء)

حافظ غلام غوث، بنیرہ علامہ ہدایت اللہ خاں، جون پوری نے اپنے ایک مطبوعہ مضمون میں

علی گڑھ کالج میں علامہ جون پوری کی تقرری کی تفصیل، کچھ اس طرح، بیان کی ہے:

دینیات کے لئے ایک لکچرر کی ضرورت تھی۔ آپ کو مدعو کیا گیا۔

اور انٹرویو کے ضابطہ کی کارروائی، مکمل کرنے کے لئے آپ سے کہا گیا کہ:

”معجزہ“ کے موضوع پر ایک مضمون لکھیں اور اس موضوع کی کتابیں کتب خانہ، حبیب گنج (علی گڑھ) میں مطالعہ کر کے، اُن سے استفادہ کر لیں۔ آپ نے فرمایا: بِحَمْدِ اللہ! مجھے، کتابوں کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف کاغذ اور قلم دوات مہیا کر دیا جائے۔

چنانچہ، بعد نمازِ عشاء، تا نمازِ فجر، ایک ہی مجلس میں، بائیس (۲۲) فل اسکیپ صفحات پر مدلل مضمون اور گراں قدر مقالہ تحریر کر دیا۔ جسے ذمہ دارانِ کالج نے بے حد پسند کیا۔ پھر، آپ سے کہا گیا کہ:

کالج کی جامع مسجد میں، توحید کے موضوع پر، بعد نماز جمعہ ایک خطاب فرمادیں۔ چنانچہ، آپ نے توحید کے موضوع پر تین گھنٹے تک ایسا زبردست خطاب فرمایا کہ: اسے سن کر، پرستارِ ان توحید، جمہوم اُٹھے۔

یہ خطاب، دینیات کمیٹی کے اراکین، نواب، وقار الملک، مشتاق حسین، اور صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن، شیروانی وغیرہ نے بڑے انہماک اور دل چسپی کے ساتھ سنا۔

اور اسی روز، پچاس روپے ماہانہ پر، بحیثیتِ استاذِ دینیات، علی گڑھ کالج، آپ کی تقرری ہو گئی۔ (ملخصاً) مضمون ”مولانا سلیمان اشرف اور مولانا حبیب الرحمن، شیروانی کے تعلقات“، بقلم

حافظ غلام غوث، نیرہ علامہ، ہدایت اللہ، جون پوری، مطبوعہ: سرماہی ”الطلم“۔ کراچی۔ شمارہ اپریل تا جون ۱۹۷۲ء)

علم و فضل، ذہانت و فطانت، تقریر و خطابت اور بصیرت و تدبیر و جرأت حق گوئی میں علامہ سید سلیمان اشرف، یکتا و بے مثال تھے۔ عزت و وقار اور عظمت و خودداری کے ساتھ آپ نے علی گڑھ میں، ساری عمر گزاری۔

آپ کے ایک شاگرد، پروفیسر، رشید احمد صدیقی (متوفی ۱۹۷۷ء۔ علی گڑھ۔ یوپی) لکھتے ہیں: ”مرحوم (سید سلیمان اشرف) میں، اپنے استاذ کا ہی، خیر و برکت و عطیہ تھا۔ ان کی شفقت میں بھی، خیر و برکت، کارفرما تھا۔ میں نے مرحوم کو، جھک کر، یا۔ گول مول باتیں کرتے، کبھی نہ پایا۔“ (”گنجائے گراں مایہ“ از پروفیسر رشید احمد صدیقی۔ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی ۲۵ ویں ایڈیشن، لاہور)

اس قابلِ افتخار شاگرد پر، آپ کے مایہ ناز استاذ کی شفقت و پذیرائی و حوصلہ افزائی کا ایک تاریخی واقعہ، پروفیسر رشید احمد صدیقی، اس طرح، بیان کرتے ہیں:

”جون پور میں سیرت رسول کا جلسہ تھا۔ مرحوم (مولانا سید سلیمان اشرف) کی

تقریر ہو رہی تھی۔

جلسہ کیا تھا، ایک جم غیر تھا۔

مرحوم (سید سلیمان اشرف) اپنے مخصوص والہانہ جوش و دھارنگی کے ساتھ تقریر کر رہے تھے۔ حاضرین کی خاموشی کا عالم، یہ تھا کہ سارا مجمع، ایک ہی متفلس تھا۔

اتنے میں دور سے ایک بوڑھا، پستہ قد، منحنی شخص، اُٹھ کھڑا ہوا، انہو کو چیرتا ہوا بڑھتا نظر آیا۔ جس شخص کے پاس سے گذرتا ہے، وہ خوف و عقیدت سے سمٹ کر، تعظیم دیتا ہے۔

دیکھتے ہی دیکھتے، پلیٹ فارم پر پہنچ گیا۔

مرحوم کو، سینے سے لگا کر، پیشانی کا بوسہ دیا۔ اور واپس چلا گیا۔

یہ، مولانا ہدایت اللہ خاں صاحب، مرحوم (سید سلیمان اشرف) کے استاذ

اور جون پور میں اُس وقت، علم و ہنر کے چشم و چراغ تھے۔“

(”گنجائے گراں مایہ“۔ از پروفیسر، رشید احمد صدیقی۔ مطبوعہ دہلی ولاہور)

تحریک خلافت و تحریک عدم تعاون (۲۰-۱۹۱۹ء) کے دور میں ہونے والی بے اصولی اور ہندوؤں کے ہاتھوں، کھلونا بننے والے ”ہندو مسلم اتحاد“ کے دور میں جرأت و بصیرت کے ساتھ

آپ نے جو کچھ لکھا اور لیڈروں کی بے اعتدالیوں کا، جو انجام سامنے آیا

اُس کے بارے میں، پروفیسر، رشید احمد صدیقی لکھتے ہیں:

”سیلاب، گذر گیا۔ جو کچھ ہونے والا تھا، وہ، بھی ہوا۔ لیکن، مرحوم (سید سلیمان اشرف)

نے اُس عہد سراپسیگلی میں جو کچھ، لکھ دیا تھا، بعد میں معلوم ہوا کہ:

”حقیقت، وہی تھی۔ اُس کا ایک ایک حرف صحیح تھا۔ آج تک اس کی سچائی، اپنی جگہ، قائم

ہے۔ سارے علما، سیلاب کی زد میں آچکے تھے۔ صرف مرحوم، اپنی جگہ، قائم تھے۔“

(”گنجائے گراں مایہ“۔ از پروفیسر رشید احمد صدیقی۔ مطبوعہ مکتبہ جامعہ لیڈن، نئی دہلی ۲۵۔

وآئینہ ادب، لاہور)

عربی زبان و ادب کی جامعیت و برتری پر، علامہ، سید سلیمان اشرف کی

نہایت و قیاس کتاب ”الْمُبِين“ پڑھ کر، مشہور مستشرق، مسٹر براؤن نے کہا تھا کہ:

”مولانا نے، اس عظیم موضوع پر، اردو زبان میں، یہ کتاب لکھ کر، ستم کیا۔“

عربی، یا انگریزی میں ہوتی، تو، کتاب کا وزن اور وقار، بہت بڑھ جاتا۔“

علامہ فصل حق، خیر آبادی کی بے نظیر کتاب ”امتناع النظیر“ (فارسی) سب سے پہلے آپ نے ہی ۱۹۰۸ء میں جون پور سے شائع کی۔

آپ کی متعدد تصانیف، النور، المرشاد، الحج، الأنهار، المبین، وغیرہ آپ کی علمی یادگار ہیں۔

علامہ سید سلیمان اشرف نے تقریباً نصف صدی تک، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں تدریسی فرائض انجام دیے۔ ہزار ہا طلبہ نے آپ سے استفادہ کیا۔ جن میں سے چند مشاہیر تلامذہ، یہ ہیں: مبلغ اسلام، مولانا ڈاکٹر فضل الرحمن انصاری (کراچی) پروفیسر، رشید احمد صدیقی (علی گڑھ) ڈاکٹر بہان احمد فاروقی (لاہور) ڈاکٹر عابد احمد علی (لاہور)

۵ ربیع الاول ۱۳۵۸ھ / ۲۵ اپریل ۱۹۳۹ء کو، حضرت علامہ سید سلیمان اشرف کا وصال ہوا۔ علی گڑھ کے قبرستان میں آپ مدفون ہوئے۔

آدم جی پیر بھائی منزل، علی گڑھ میں، آپ نے تیس (۳۰) سال تک قیام کیا۔ آپ کے قدر شناس، نواب، حبیب الرحمن خاں شیروانی (متوفی ۱۹۵۰ء) کی تحریک پر مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کی ”ایگزیکٹو کونسل“ نے مارچ ۱۹۴۰ء میں، یہ تجویز پاس کی کہ: آپ کے نام کا کتبہ، آدم جی پیر بھائی منزل کے شمالی برآمدے کے وسطی کمرے کے دروازے پر، آپ کا نام ایک کتبہ، نصب کیا جائے۔

چنانچہ، اس تجویز کے مطابق، عمل کرتے ہوئے کتبہ، نصب ہوا۔ جس پر، مرقوم ہے:

”مولانا سید سلیمان اشرف صاحب، مرحوم و مغفور

صدر شعبہ دینیات، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔

متوطن بہار شریف (بہار)

مولانا فضل حق، رام پوری

مولانا فضل حق، رام پوری (متولد ۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ء۔ متوفی ذوالقعدہ ۱۳۵۸ھ/۱۹۴۰ء)

(۱) مفتی لطف اللہ، علی گڑھی، تلمیذ مجاہد خریٹ، مفتی عنایت احمد، کاکوروی

(۲) مولانا ہدایت علی، بریلوی، تلمیذ علامہ فضل حق، خیر آبادی

(۳) مولانا عبدالحق، خیر آبادی، فرزند و تلمیذ علامہ فضل حق، خیر آبادی

(۴) مولانا سید عبدالعزیز، انپٹھوی، تلمیذ مولانا عبدالحق، خیر آبادی کے

نامور معقولی شاگرد اور مدرسہ عالیہ، رام پور کے پرنسپل تھے۔

حافظ احمد علی خاں شوق، رام پوری، اپنی معروف سوانحی و تاریخی کتاب

”تذکرہ کاملان رام پور“، مطبوعہ دہلی ۱۹۳۹ء میں لکھتے ہیں کہ:

مولوی فضل حق، رام پوری بن مولوی قاری حافظ عبدالحق

بارہ سواٹھمتر (۱۲۷۸ھ) میں، رام پور میں پیدا ہوئے۔

یہی سال (۱۲۷۸ھ) مولانا فضل حق خیر آبادی کی رحلت (درجہ ۱۰ ائمہ مان) کا ہے۔

گویا، اللہ تعالیٰ نے مرحوم کا جانشین، پیدا کیا۔

ابتداءً اپنے والد، مولوی عبدالحق سے حفظ قرآن شروع کیا

مگر، وہ، بوجہ تعلق تدریس، نواکھالی، بنگالہ میں رہتے تھے اس لئے دیگر مشہور حفاظ شہر

(رام پور) سے قرآن شریف، حفظ کیا۔ اور دس (۱۰) سال کی عمر میں ختم حفظ کر لیا۔

کتب درسیہ، فارسی کی حکیم احسن، ساکن محلہ کھاری کنویں (رام پور) سے پڑھیں۔

اور عربی صرف و نحو، مولوی عبدالرحمن، قندھاری جو محلہ کی مسجد میں رہتے تھے، اُن سے

اور دیگر منتحی طلبہ سے پڑھیں۔ اسی طرح، ابتدائی کتب منطق بھی، رام پور میں پڑھیں۔

تحصیل علم کے لئے سفر، علما کی قدیم سنت ہے، اس لئے یہاں سے بھیک پور، علاقہ، علی گڑھ

کو، مولوی حکیم عبدالکریم خاں، رام پوری سے استفادہ کے لئے گئے۔

وہاں، ملاً، حسن اور شرح و قافیہ، اس درجہ کی دیگر کتابیں پڑھیں۔

وہاں سے علی گڑھ آئے اور مولانا لطف اللہ، علی گڑھی (تلمیذ ارشد مفتی عنایت احمد، کاکوری

مؤلف توارخ حبیب اللہ و علم الصیغہ) سابق مفتی عدالت حیدرآباد، دکن کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہاں، اکثر کتب معقولات و منقولات، حدیث و تفسیر کی تکمیل کی۔ مولانا لطف اللہ علی گڑھی کی توجہ اور آپ کی ذہانت کے سبب، بہت سی کتب درس نظامی کی تعلیم مکمل ہو گئی۔

قدما کی کتابوں کی تحصیل و تعلیم کا شوق پیدا ہوا

تو، علی گڑھ سے بریلی آ گئے اور مولانا ہدایت علی، بریلوی، شاگرد مولانا فضل حق، خیر آبادی سے کتب قدما، مثل شرح اشارات وغیرہ کا استفادہ کیا۔

تکمیل علوم و فنون منقول و معقول کے بعد، بریلی سے رام پور آ گئے

اور مدرسہ عالیہ رام پور کے مدرس اول، مقرر ہوئے۔

نہایت مختصر عمر میں تحصیل علوم سے فراغت پا کر، درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔

اور صبح سے شام تک، تیس (۲۳) تیس (۲۳) اسباق پڑھایا کرتے تھے۔

حکیم نور الحسن، افسر الاطباء، ریاست بھوپال نے اکثر کتب درسیہ، آپ سے بریلی میں پڑھیں۔

نواب رام پور کے عہد حکومت (۱۳۰۲ھ تا ۱۳۰۶ھ) میں، مدرسہ عالیہ رام پور کا

جب، نیا انتظام ہوا، تو، مولوی ہدایت علی، بریلوی مرحوم کو

بریلی سے بلا کر، مدرسہ عالیہ، رام پور کا، مدرس اول، مقرر کیا۔

مولانا فضل حق، رام پوری، اوقات مدرسہ عالیہ رام پور کے علاوہ

شب کے دس گیارہ بجے تک اپنے مکان پر طلبہ کو پڑھاتے تھے۔

اور پڑھانے میں بڑی دل چسپی کے ساتھ، سخت محنت بھی کیا کرتے تھے۔ اس طرح

سیکڑوں طلبہ، آپ سے مستفیض و مستفید ہوئے۔

آپ کے چند تلامذہ کے نام، یہ ہیں:

مولوی محمد دین، مدرس ہزارہ۔ مولوی غلام جیلانی، مدرس تناول علاقہ سرحد۔ مولوی

عبد العزیز، مدرسہ رضوانیہ، کلکتہ۔ مولوی فضل کریم، مدرس چکوال، پنجاب۔ مولوی حمید الدین

مدرس، نسہرہ۔ مولوی محمد صدیق، قندھاری۔ مولوی سیف اللہ، ہراتی۔ مولوی عبدالرود، بدخشان۔

اخوندزادہ محمد دین، مدرس قندھار۔ مولوی احمد امین، مدرس مدرسہ عالیہ، رام پور۔ مولوی

عبدالصمد، مدرس مدرسہ کلکتہ۔ مولوی عبدالحمید، مدرس مدرسہ چانگام۔ مولوی مسلم، جون پوری۔

مولوی عبدالکریم۔ مولوی خلیل اللہ۔ مولانا سید یوسف، مدراسی، مدرس مدرسہ نعمانیہ، دہلی۔

مولوی غلام محمد، ملتان، مدرس اول و مہتمم مدرسہ انوار العلوم، رام پور۔

مدرسہ عالیہ، رام پور کی تدریس کے زمانہ میں وزیر ریاست بھوپال کی دعوت پر ایک سال کے لئے مولانا فضل حق، رام پوری نے مدرسہ سلیمانیہ، بھوپال میں بھی تدریسی خدمت انجام دی تھی۔

شمس العلماء، مولانا عبدالحق، خیر آبادی فرزند تلمیذ علامہ فضل حق، خیر آبادی

جب، مدرسہ عالیہ، رام پور کے پرنسپل، مقرر ہوئے

تو، مولانا فضل حق، رام پوری نے، ان سے بھی معقول کی بعض اہم کتابیں پڑھیں۔

مولانا فضل حق، رام پوری، اس کے بعد، درجہ بدرجہ، ترقی کرتے ہوئے

مدرس اول، مدرسہ عالیہ، رام پور، مقرر ہوئے۔

غالباً ۱۹۰۹ء یا ۱۹۱۰ء میں گورنمنٹ بنگال کی جانب سے مدرسہ عالیہ، کلکتہ کی دعوت ملی

اور ایک سال تک آپ نے مدرسہ عالیہ، کلکتہ میں بھی تعلیم دی۔

پھر حصول رخصت کے لئے رام پور آئے، تو، نواب رام پور کا حکم ہوا کہ:

مولانا فضل حق، رام پوری کو، اب، رام پور سے کلکتہ، نہ جانے دیا جائے۔

چنانچہ کلکتہ کی ڈیڑھ سو کی ملازمت ترک کر کے آپ مدرسہ عالیہ، رام پور میں پرنسپل، مقرر ہوئے۔

اوقات، آپ کے نہایت عمدہ ہیں۔ فلسفہ کے درس و تدریس کے باوجود

کتاب و سنت سے اعتقاداً و عملاً، سر مو، تجاوز و تفاوت، نہیں ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ کے مقلد ہیں۔ دین کی محبت، رگ و پے میں پیوست ہے۔

خوش اخلاق اور طلبہ پر مہربان و شفیق ہیں۔ طرز تفہیم، بے مثال ہے۔

آپ کی تصانیف میں سے حاشیہ میرا بیان غوجی، شرح ایسا غوجی، حاشیہ میرزا ابداموز عامہ

الظفر الحامدی، افضل التحقیقات فی مسئلۃ الصفات، شائع ہو چکی ہیں۔

(ملخصاً از ص ۳۱۷ تا ص ۳۲۰۔ ”تذکرہ کالملاں رام پور“۔ مؤلفہ حافظ احمد علی خاں شوق رام پوری۔

مطبوعہ ہمدرد پریس۔ کوچہ چیلان، دہلی۔ طبع اول ۱۹۲۹ء)

مولانا امجد علی، اعظمی، رضوی

صدر الشریعہ، بذر الطریقہ، مولانا حکیم مفتی، محمد امجد علی، اعظمی، رضوی بن حکیم جمال الدین بن خدا بخش بن خیر الدین، ۱۲۹۶ھ/۷۹-۸۷ء میں محلہ کریم الدین پور، قصبہ گھوسی، ضلع اعظم گڑھ (موجودہ ضلع مئو- یوپی) میں پیدا ہوئے۔

اپنے چچا زاد بھائی، مولانا محمد صدیق، اعظمی، تلمیذ مولانا ہدایت اللہ، جون پوری سے مختلف علوم و فنون کی ابتدائی کتابیں پڑھ کر آپ ہی کے مشورے پر مولانا ہدایت اللہ، جون پوری، تلمیذ استاد مطلق، علامہ فضل حق، خیر آبادی سے اخذ علوم و اکتساب فیض کے لئے جون پور پہنچ کر، مدرسہ حنفیہ میں داخل ہوئے۔ یہاں، تکمیل علوم و فنون کر کے، شیخ الحدیثین، مولانا شاہ وحسی احمد، محدث سورتی (وصال ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۶ء) کی خدمت میں حاضر ہو کر، مدرسۃ الحدیث، پبلی بھیت (روہیل کھنڈ) میں، درس حدیث لیا۔ اور سند حدیث سے سرفراز ہوئے۔

لکھنؤ پہنچ کر، حکیم عبدالوہابی، جھوئی ٹولہ، لکھنؤ سے علم طب، حاصل کیا۔

۱۳۲۳ھ سے ۱۳۲۷ھ تک، حضرت محدث سورتی کے مدرسۃ الحدیث، پبلی بھیت میں درس دیا۔ اس کے بعد، ایک سال تک، پنڈہ (بہار) میں مطب کیا۔

پنڈہ سے حضرت محدث سورتی کی ہدایت پر، بریلی پہنچ کر، دارالعلوم منظر اسلام، بریلی میں مدرس ہوئے۔ تدریس، مطبع اہل سنت بریلی کا انتظام، جماعتِ رضا، مصطفیٰ، بریلی کے شعبہ علمیہ کی صدارت، یہ ساری خدمات، آپ کے سپرد تھیں۔

یہیں، سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ میں، فقیہ اسلام، امام احمد رضا، قادری برکاتی، بریلوی سے نسبت بیعت و ارادت قائم کی اور اجازت و خلافت سے سرفراز ہوئے۔

۱۳۳۰ھ/۱۹۱۱ء میں تکمیل ”کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن“ از امام احمد رضا

قادری برکاتی، بریلوی، آپ ہی کی مساعی جلیلہ کا نتیجہ ہے۔

دائر العلوم، معینہ عثمانیہ، جمیر شریف اور مدرسہ حافظیہ سعیدیہ، ریاست دادوں (علی گڑھ)

کے بھی، آپ ساہا سال تک، صدر مدرس رہے۔

احمیر شریف و بے پورا اور جودھ پور کے علاقے میں آپ کی دعوتی و تبلیغی مساعی، گراں قدر ہیں۔ رجب ۱۳۳۹ھ مارچ ۱۹۲۱ء کے اجلاس جمعیتہ العلماء، منعقدہ اسلامیہ کالج گراؤنڈ، بریلی کے موقع پر، آپ کے ستر (۷۰) سوالات پر مشتمل کتابچہ، بنام ”اتمام حجت تامہ“ مطبوعہ بریلی ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء۔ آپ کی دینی و علمی و فکری جامعیت و بصیرت کا شاہکار ہے۔

شعبان المعظم ۱۳۵۸ھ اکتوبر ۱۹۲۵ء کی آل انڈیا سنی کانفرنس (مراد آباد) زیر اہتمام، صدر الافاضل، مولانا محمد نعیم الدین، مراد آبادی (وصال ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء) میں، آپ نے نمایاں طور پر شرکت کی۔

صدر الشریعہ کو، اللہ تعالیٰ نے جملہ علوم و فنون میں مہارت تامہ، عطا فرمائی تھی۔ لیکن تفسیر، حدیث اور فقہ سے خصوصی لگاؤ تھا۔ فقہی جزئیات، ہمیشہ نوک زبان پر زبانی، اس لئے حضرت امام احمد رضا، قادری برکاتی، بریلوی نے آپ کو ”صدر الشریعہ“ کا لقب، عطا فرمایا۔ ”شرح معانی الآثار“ پر، آپ نے مبسوط حاشیہ (جوشائع ہو چکا ہے) دادوں، علی گڑھ کے قیام کے زمانے میں تحریر کیا۔ ”فتاویٰ امجدیہ“ آپ کا مجموعہ فتاویٰ (چار جلد) ہے ”بہار شریعت“ کے سترہ (۱۷) حصے، پاک و ہند میں مسلسل، شائع ہو رہے ہیں۔

بہار شریعت کے چھ حصے، فقہ اسلام، حضرت امام احمد رضا، قادری برکاتی، بریلوی کی اصلاح و تصدیق سے مزین ہیں۔

بہار شریعت کی امتیازی خصوصیت، یہ ہے کہ:

پہلے، آیات مبارکہ، پھر، احادیث مقدسہ، اُس کے بعد، مسائل فقہیہ، بیان کیے گئے ہیں۔ صدر الشریعہ کے چند ممتاز تلامذہ کے نام، مندرجہ ذیل ہیں:

محدث اعظم پاکستان، مولانا سردار احمد، لائل پوری۔ حافظ ملت، مولانا شاہ عبدالعزیز مراد آبادی ثم مبارک پوری۔ مجاہد ملت، مولانا محمد حبیب الرحمن، قادری، الہ آبادی، اُڑیسوی۔ صدر العلماء، مولانا سید غلام جیلانی، میرٹھی۔ مفتی اعظم کان پور، مفتی رفاقت حسین، مظفر پوری۔ شمس العلماء، قاضی شمس الدین، جعفری، جون پوری۔ مولانا غلام یزدانی، اعظمی۔ مولانا غلام جیلانی اعظمی۔ مولانا تقدس علی خاں، بریلوی (سندھ)۔ مولانا وقار الدین، پبلی بھیتی (کراچی)۔ مولانا اعجاز رضوی، بریلوی (لاہور)، مولانا حشمت علی، پبلی بھیتی، مولانا محمد الیاس، سیالکوٹی وغیرہم۔

حضرت مولانا محمود، قادری، رفاقتی، مظفر پوری لکھتے ہیں:

صدر الشریعہ، حضرت مولانا محمد امجد علی، اعظمی، جس وقت، مدرسہ حنفیہ، جون پوری میں داخل ہوئے، اُس وقت، استاذ العلماء، حضرت مولانا محمد ہدایت اللہ خاں، حنفی، فاضل رام پوری شتم جون پوری کا آخری دورِ حیات تھا۔

درازی عمر کی وجہ سے کتبِ علیا کی تدریس، ممتاز شاگردوں کے سپرد کر کے، خود ابتدائی کتابوں کا درس دیتے تھے۔ حضرت صدر الشریعہ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ ان کے قریبی خاندانی بزرگ، حضرت مولانا محمد صدیق، اعظمی (حضرت مولانا غلام یزدانی اعظمی و حضرت مولانا غلام جیلانی، اعظمی کے والدِ مکرم)

اور حضرت مولانا سید ہادی حسن رشیدی کے ذمہ لگا دیں۔ حضرت صدر الشریعہ کی محنت تحصیلِ علم کا شغف، ذکاوت اور قوتِ آخذہ، ملاحظہ فرما کر حضرت فاضل رام پوری نے ان کے اسباق، اپنے پاس کر لیے۔ وہ روایت جو، متواتر، ہم تک پہنچی ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت فاضل رام پوری نے فرمایا: پڑھنے والا بھی ملا تو، بڑھاپے میں ملا

حضرت صدر الشریعہ، قدس سرہ نے دورہ حدیث شریف، مدرسۃ الحدیث، پہلی بھیبت میں، حضرت مولانا شاہ، وصی احمد، محدث سورتی سے کیا۔

مصباح العارفین، حضرت مولانا شاہ مصباح الحسن علیہ الرحمۃ آستانہ صمدیہ پھونڈ شریف، ضلع اٹاوہ (موجودہ ضلع اترپار، اتر پردیش) حضرت فاضل رام پوری سے تکمیلِ علوم و فنون کر کے دورہ حدیث کے لئے حضرت محدث سورتی کے پاس، ان کے آخر عہد میں پہنچے۔

تو، حضرت محدث سورتی نے حضرت صدر الشریعہ کے بارے میں فرمایا:

یہاں، جو کچھ تھا، وہ، لے گیا۔“

حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ نے ۱۳۲۶ھ کے آخرِ ماہِ شوال سے تدریس کا آغاز پٹنہ عظیم آباد (صوبہ بہار) کے عظیم دارالعلوم حنفیہ سے کیا۔

یہاں ۱۳۲۷ھ شعبان تک، اہمات کتبِ علوم و فنون کا درس دیا۔

۱۳۲۸ھ سے ۱۳۳۰ھ تک، امام اہل سنت، اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی سرپرستی و نگرانی میں، آپ ہی کے مدرسہ اہل سنت، منظرِ اسلام، بریلی شریف میں علوم و فنون کی تدریس

اور ثقہ میں امتیاز کی تحسین سے سرفراز ہوئے۔

حضرت صدر الشریعہ کی کیسی بصیرت والی آنکھ تھی؟ اور کیسی عمیق فکر تھی؟

اپنے ”اجمیری دو پندرہ لیس“ کے شاگردوں کے بارے میں

آخر زمانہ حیات تک فرماتے رہے کہ:

ساری عمر میں بس یہی ایک جماعت ملی ہے۔

جس کے تمام طلبہ، ذہین و فطین اور تعلیم سے غایت دل چسپی رکھنے والے ہیں۔“

(ملخصاً ص: ۱۱۰ و ص ۱۱۱۔ سوانح رفاقتی۔ مؤلفہ مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی، مظفر پوری۔

کاروان رفاقت۔ اسلام آباد۔ مظفر پور۔ بہار۔ طبع اول ۱۴۳۱ھ نومبر ۲۰۱۰ء)

کبھی تلامذہ صدر الشریعہ، بِفَضْلِهِ تعالیٰ، علم و عمل کے جامع اور فضل و کمال کے حامل تھے

جن کی مایہ ناز شخصیات اور وقیع و عظیم دینی و علمی خدمات

آج بھی، سوا و اعظم اہل سنت و جماعت کے لئے سرمایہ افتخار ہیں۔

بطور نمونہ، صرف ایک شخصیت کے تعلق سے بقلم مولانا موصوف، مختصر تاثر، درج ذیل ہے:

”حضرت استاذ العلماء (حافظ ملت) علم و عمل کے قطب مینار تھے۔

مدرسہ اہل سنت اشرفیہ مصباح العلوم، مبارک پور کی دینی و علمی تعمیر و ترقی میں زندگانی

گذاردی۔ قانع و بے طمع تھے۔ اسلاف کبار کی روش پر، دینی علوم کی ترویج میں لگے رہے۔

خدمت اسلام کے لئے افراد سازی کا گراں بہا کارنامہ انجام دیتے رہے۔

حضور قبلہ گاہی (حضرت مفتی محمد رفاقت حسین، اشرفی، مظفر پوری) فُتِّسَ سِرُّهُ

خدمت دینی و علمی میں اپنے دور فقہاء درس:

ایک استاذ العلماء (حافظ ملت، مولانا عبدالعزیز) دوسرے، محدث اعظم، پاکستان

(حضرت مولانا سدار احمد) صاحب کی وقیع خدمات کا ذکر فرماتے۔

بلاشبہ یہ دونوں، اپنے ملک میں شہر یار علم تھے۔“

(ملخصاً ص ۶۲۳ سوانح رفاقتی۔ مؤلفہ مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی، مظفر پوری۔ کاروان رفاقت۔

اسلام آباد۔ مظفر پور۔ بہار۔ طبع اول ۱۴۳۱ھ نومبر ۲۰۱۰ء)

حضرت صدر الشریعہ کے فرزند و تلمیذ، علامہ عبدالمصطفیٰ، اعظمی، اُزہری (کراچی) پاکستان کے

صف اول کے عالم دین ہونے کے ساتھ، جمعیت العلماء پاکستان کے اہم رہنما اور میر قومی اسمبلی تھے۔

دیگر صاحبزادگان میں قاری رضاء المصطفیٰ، اعظمی (کراچی) علاء ضیاء المصطفیٰ، قادری
ومولانا فداء المصطفیٰ، اعظمی ہیں۔

اول الذکر دونوں حضرات کا انتقال ہو چکا ہے۔

صدر الشریعہ نے قیام بریلی کے، دوران ۱۳۳۷ھ میں پہلا حج کیا تھا۔

دوسری بار، حج و زیارت کے ارادہ سے اپنے وطن، قصبہ گھوسی ضلع اعظم گڑھ (موجودہ ضلع

منو) سے روانہ ہو کر ممبئی پہنچے اور ممبئی میں ۲۱ روز والقعدہ ۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۸ء کو، آپ کا وصال ہو گیا۔

تدفین آپ کے وطن، قصبہ گھوسی، ضلع اعظم گڑھ (موجودہ ضلع منو، اتر پردیش) میں ہوئی۔

شاعر مشرق، شفیق جون پوری نے صدر الشریعہ کے عرسِ چہلم کے موقع پر

اپنی عقیدت کا خراج اور تحفہ، اس طرح، پیش کیا:

مہ و خورشید، پیشانی جھکا دیں

سلامی، جا بجا ارض و سما، دیں

جدھر جائیں، فرشتے، پر ہنجھا دیں

ترے حُدام، اے صدرِ شریعت!

مولانا یار محمد، بندیالوی

استاذ العلماء، مولانا یار محمد، بندیالوی (متولد ۱۳۰۲ھ/ ۱۸۸۷ء۔ بندیال ضلع سرگودھا

صوبہ پنجاب۔ وصال ۲۲ محرم ۱۳۶۷ھ/ ۶ دسمبر ۱۹۴۷ء) بن میاں شاہ نواز نے

حفظ قرآن کے بعد، ایک مقامی عالم سے فارسی پڑھی۔

مولانا محمد امیر دامانی (مؤلف قانونچہ امیریہ) سے صرف و نحو اور بعض دینی کتابیں پڑھیں۔

مولانا ثناء اللہ سے موضع پنجائن ضلع جہلم (صوبہ پنجاب) سے اَلْفِیہ بن مالک پڑھا۔

مولانا غلام احمد، حافظ آبادی، صدر مدرس جامعہ نعمانیہ، لاہور سے فنونِ عالیہ کی تحصیل کی۔

مدرسہ جامع مسجد، فتح پوری، دہلی میں بھی کچھ تعلیم، حاصل کی۔

مولانا یار محمد، بندیالوی نے مدرسہ حنفیہ، پٹنہ، بہار میں مولانا سید عبدالعزیز، انپٹھوی

سہارن پوری، تلمیذِ علامہ عبدالحق، خیر آبادی سے اور آپ کے چلے جانے کے بعد

اسی مدرسہ حنفیہ، پٹنہ میں مولانا محمد پر دل خاں، افغانی سے بھی تعلیم، حاصل کی۔

مزید تعلیم کے لئے حضرت امام احمد رضا، قادری، برکاتی، بریلوی کی خدمت میں

بریلی حاضر ہوئے۔ آپ نے اپنی مصروفیات تصنیف و تالیف اور علالتِ طبع کی وجہ سے ارشاد فرمایا کہ:

مولانا ہدایت اللہ، جون پوری سے مدرسہ حنفیہ جون پور میں تعلیم، حاصل کرنا

آپ کے لئے بہتر ہے۔ وہاں، آپ تشریف لے جائیں۔“

حضرت مولانا یار محمد، بندیالوی نے، رَحْمَتِ سربانداہا۔ اور جون پور پہنچ کر

آپ نے مدرسہ حنفیہ میں مولانا ہدایت اللہ، جون پوری تلمیذِ رشید، امام الحکمتہ والکلام، علامہ

فصلِ حق، خیر آبادی سے منتہی کتب، مثلاً: الْأَفُقُ الْمُبِین، شرحِ اشارات، حواشی قدیمہ و جدیدہ

پڑھ کر، تکمیل کی۔ بعض اسباق میں، مولانا عبدالقادر، سرحدی آپ کے ہم سبق تھے۔

حضرت مولانا صوفی محمد حسین، چشتی، صابری، الہ آبادی (وصال ۸ ربیع ۱۳۲۲ھ/ ۱۹ اکتوبر

۱۹۰۴ء) خلیفہ حضرت حاجی امداد اللہ، مہاجر کی، چشتی، صابری (وصال ۱۳۱۷ھ۔ مکہ مکرمہ) سے

سلسلہ چشتیہ صابریہ میں، بیعت ہوئے۔

اوڑھائی سال تک، بارگاہِ شیخ میں حاضر رہ کر کتب تصوف کا درس لیا۔

سلوک کے منازل، طے کیے۔ اور اجازت و خلافت سے مشرف ہوئے۔

استاذ الاساتذہ، مولانا ہدایت اللہ، جون پوری کے انتقال کے بعد، مدرسہ حنفیہ، جون پور میں، مدرس، مقرر رہوئے۔ بعد ازاں، الد آباد، رام پور، بھوپال، ٹونک کے مدارس میں، بیس (۲۰) بائیس (۲۲) سال تک، تدریسی فرائض، انجام دینے کے بعد، وطن (پنجاب) واپس ہوئے۔ اور تقریباً تیس (۳۰) سال تک، یہاں، تشنگانِ علوم کی علمی پیاس بجھاتے رہے۔

آپ، نہایت قوی الحافظ تھے۔ تمام علوم و فنون میں کامل و ماہر تھے۔ اور فقہ میں میدطولی، حاصل تھا۔ فنِ مناظرہ میں، ذرک و کمال تھا۔ تقریر و خطابت، بے نظیر تھی۔ قیامِ ہند کے دوران ایک مرتبہ آپ کی ملاقات، دیوبندی عالم، مولانا اشرف علی، تھانوی سے ہوئی۔ آپ نے تھانوی صاحب سے پوچھا کہ:

ارشادِ باری تعالیٰ: وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا، میں، الْأَسْمَاءَ معرّفِ بلامِ استغراق ہے اور کُلُّهَا سے مؤکد ہے۔ اس کا عموم، قطعی، ناقابلِ تخصیص ہے۔ یہی علم گئی ہے۔

تو، جو علم، حضرت آدم علیہ السلام کے لئے ثابت ہے

اُسے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ماننا، کیوں کر، کفر و شرک ہے؟

تھانوی صاحب نے کہا: حضرت آدم علیہ السلام کو، صرف اَسْمَاء کا علم دیا گیا تھا نہ کہ مُسْمِیات کا۔ لہذا، یہ علم گئی، نہیں ہوا۔

مولانا یار محمد، بندیالوی نے فرمایا: اس کے بعد، ارشاد ہوتا ہے:

ثُمَّ عَرَّضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْبِئُوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ -

پھر، آدم علیہ السلام سے فرمایا: اَنْبِئُهُمْ بِاَسْمَآءِ هِم -

اس سے صراحت، پتہ چلتا ہے کہ:

آدم علیہ السلام کو، اَسْمَا اور مُسْمِیات، دونوں کا علم، عطا کیا گیا تھا، نہ کہ صرف اَسْمَا کا۔

تھانوی صاحب سے کوئی جواب، نہ بن پڑا۔

وطن، واپسی کے بعد، حضرت مولانا، یار محمد، بندیالوی نے دارالعلوم امدادیہ مظہریہ (بندیال ضلع سرگودھا، پنجاب) قائم کیا اور اس میں درس و تدریس کے فرائض، انجام دے کر، باصلاحیت علما کی ایک فوج، تیار کی۔ یہ دارالعلوم آپ کی دینی و علمی یادگار اور اہل سنت کی عظیم درس گاہ ہے۔ استاذ الاساتذہ، مولانا یار محمد، بندیالوی سے تعلیم پانے والے سیکڑوں طلبہ میں سے

چند حضرات کے نام، درج ذیل ہیں:

مولانا حافظ عطا محمد، چشتی، گولڑوی، مولانا عبدالغفور، ہزاروی، مولانا فتح محمد، مولانا قادر بخش
مولانا عبدالرحیم (کاشغر) مولانا عبدالخالق (سوات) وغیرہم۔

آپ کے تلامذہ میں، سب سے زیادہ فیض رساں شخصیت، مولانا عطا محمد، چشتی، گولڑوی
استاذ دارالعلوم امدادیہ مظہریہ، بندیال ضلع سرگودھا، پنجاب کی ہے۔

آپ کے پالواسطہ و پلاواسطہ تلامذہ، کراچی سے پشاور تک کے مدارس میں
گراں قدر تدریسی خدمات، انجام دے رہے ہیں۔

استاذ العلماء، مولانا یار محمد، بندیالوی کا وصال ۲۲ محرم ۱۳۶۷ھ / ۶ دسمبر ۱۹۴۷ء کو ہوا۔

بندیال ضلع سرگودھا (پنجاب، پاکستان) میں، آپ کا مزار، مریحِ خلائق ہے۔

آپ کے صاحبزادگان، مولانا محمد عبدالحق و مولانا محمد فضل حق، اصحابِ علم و فضل ہوئے۔

(ملخصاً۔ ص ۵۷۰ تا ۵۷۲۔ تذکرہ اکابر اہل سنت۔ مؤلفہ مولانا محمد عبدالحکیم شرف، قادری

مکتبہ قادریہ، جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور۔ طبع دوم ۱۴۰۴ھ / ۱۹۸۳ء۔ مع اضافہ)

مولانا شاہ عبدالقدیر، عثمانی، بدایونی

مولانا شاہ ”عاشق الرسول، محمد عبدالقدیر“ عثمانی، قادری، بدایونی (ولادت بروز چہار شنبہ۔ ۱۱ شوال ۱۳۱۱ھ / ۱۷ اپریل ۱۸۹۴ء۔ وصال بروز پنج شنبہ۔ ۳ شوال ۱۳۷۹ھ / ۳۱ مارچ ۱۹۶۰ء) بن محب رسول، تاج الفحول، مولانا عبدالقادر، بدایونی کا تاریخی نام ”محمد ظہور الحق“ ہے۔

مولانا شاہ عبدالقدیر، بدایونی، ابھی آٹھ سال ہی کے تھے کہ والدِ مکرم تاج الفحول، بدایونی (وصال ۱۳۱۹ھ / ۱۹۰۶ء) کا ظاہری سایہ شفقت، آپ کے سر سے اٹھ گیا۔

برادرِ بزرگ، مولانا شاہ محمد عبدالمتقدر، بدایونی کے سایہ عاطفت میں آپ کی پرورش ہوئی۔ جنھوں نے آپ کی تعلیم و تربیت کی طرف، خصوصی توجہ فرمائی۔

۱۳۳۱ھ تک، برادرِ بزرگ، مولانا شاہ عبدالمتقدر ہی کی خدمت میں مولانا شاہ عبدالقدیر تحصیلِ علوم و فنون کرتے رہے۔ اس دوران، حافظ غوثی شاہ، مولوی سید الطاف علی، مولوی سید عبدالحق سے بھی ابتدائی تعلیم پائی۔

درسِ نظامی کی کتب متداولہ، مولانا فہیل احمد، قادری و مولانا محبت احمد، قادری و مولانا حبیب الرحمن، قادری اور مولانا حافظ بخش، قادری سے بھی اکتساب و استفادہ کرتے رہے۔

سلسلہ خیر آباد کے معروف و جلیل القدر اساتذہ اور علما، محمد الحق خیر آبادی، فرزند و تلمیذ علما، فہیل حق، خیر آبادی کے سلسلہ علم کے مشہور تلامذہ، مولانا سید عبدالعزیز، انیسٹھوی، سہارن پوری و مولانا حکیم سید برکات احمد، ٹوکی تلامذہ علما، محمد الحق، خیر آبادی کی درس گاہ سے بھی مولانا شاہ عبدالقدیر بدایونی نے تعلیم پائی۔

اس سلسلے میں مولانا اُسید الحق محمد عاصم، قادری، بدایونی اپنے جدِ امجد کے بارے میں مولانا محمد عبدالمہادی، قادری، فرزند مولانا شاہ عبدالقدیر، بدایونی کی ایک تحریر پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مولانا عبدالعزیز، انیسٹھوی کی درس گاہ میں آپ کی تعلیم کے آغاز کا واقعہ دل چسپی سے خالی نہ ہوگا۔

”استاذ، مولانا سید عبدالعزیز صاحب کی خدمت میں حاضری دی۔

انھوں نے پوچھا: کون ہو؟ کیوں آئے ہو؟

انھوں نے عرض کیا: بدایوں سے پڑھنے آیا ہوں۔

بدایوں کا نام سن کر، وہ چونکے۔ والد کا نام پوچھا۔ انھوں نے بتایا: مولوی عبدالقادر، قادری۔

سید عبدالعزیز، اٹیٹھوی صاحب نے فرمایا: تمہارے والد، میرے استاذ کے استاذ بھائی

تھے۔ انھوں نے اتنا پڑھ لیا ہے کہ سات پشتوں تک کافی ہے۔ اب تم، کیا پڑھو گے؟

”اَلْمَوْلٰی“ (مولانا عبدالقدیر، بدایونی) نے عرض کیا:

آپ، پڑھائیں گے تو، میں بھی، پڑھا ہوا، ہو جاؤں گا۔“

سید صاحب نے پوچھا: ابھی تک کیا کرتے رہے ہو؟

انھوں نے کہا: درسیات کی تکمیل، گھر پر ہی کی۔

پھر، حکیم سید برکات احمد صاحب کے پاس، ٹونک چلا گیا۔

استاذ بنے اور فرمایا: یہ تو، مان سکتا ہوں کہ استاذ نے بڑھاپے میں خدمت گار رکھ لیا تھا۔

ورنہ، برکات کا علم سے کیا تعلق؟

اَلْمَوْلٰی (مولانا عبدالقدیر، بدایونی) نے عرض کیا: آپ استاذ بھائی ہیں۔ ایک دوسرے

کو، جو چاہیں، کہہ سکتے ہیں۔ مگر، میں تو، حکیم صاحب کا شاگرد ہوں۔ میرے سامنے کچھ نہ فرمائیں۔“

سید صاحب خوش ہو گئے۔

فرمایا: ادب جانتے ہو۔ شاید پڑھ جاؤ۔ مگر، میں، بڑی کتابیں، نہیں پڑھاتا۔

اَلْمَوْلٰی (مولانا عبدالقدیر، بدایونی) نے عرض کیا:

جو کتاب آپ کہیں گے، وہی پڑھوں گا۔ مجھے تو، آپ سے پڑھنا ہے۔“

سید صاحب نے فرمایا: ”ایسا غوجی“ لاؤ (منطق کا پہلا قاعدہ)

دوسرے روز، ایسا غوجی لے کر پہنچے۔

پوچھا: کون سی کتاب لائے؟ عرض کیا: جو آپ نے فرمائی تھی۔ وہی لایا ہوں، ایسا غوجی۔“

انھوں نے پڑھانا، شروع کیا۔ پہلی کتاب میں وہ مطالب، بیان کرنا شروع کیے

جو، بڑی سے بڑی کتابوں ہی میں ملتے ہیں۔

درس ختم ہوا تو، فرمایا۔ کل سے اپنی پسند سے جو کتاب چاہو، لاؤ۔“

(ص ۵۳۔ ”احوال و مقامات“۔ بحوالہ ص ۷۱ و ۷۲۔ ”خیر آبادیات“ مؤلفہ مولانا اسید الحق محمد عام

قادری بدایونی۔ تاج التحول اکیڈمی، بدایوں۔ ۱۴۳۲ھ/۲۰۱۱ء)

مولانا شاہ عبدالقدیر، بدایونی اپنے برادرِ بزرگ، مولانا عبدالقادر کے دامنِ کرم سے وابستہ اور آپ ہی کے مُرید تھے۔ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ میں آپ کو اپنے برادرِ بزرگ کی طرف سے اجازت و خلافت ملی۔ ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۵ء میں برادرِ بزرگ کے وصال کے بعد، مولانا شاہ عبدالقدیر، بدایونی نے اپنے آبائی سجادۂ قادریہ، مجیدیہ، بدایوں کو، زینت و رونق بخشی۔

تقریباً ۱۹۲۱ء سے، ریاستِ حیدرآباد میں مولانا شاہ عبدالقدیر بدایونی کا قیام رہا۔ جس کا سلسلہ سقوطِ حیدرآباد (۱۹۴۹ء) تک، جاری رہا۔

آپ، ریاستِ حیدرآباد کی طرف سے ”مفتی اعظم عدالتِ عالیہ، حیدرآباد“ کے عہدہ جلیلہ پر، فائز تھے۔ ۱۹۵۰ء میں حیدرآباد کی جگہ، بدایوں، دوبارہ آپ کا مرکزِ توجہ بنا۔ مفتی دشیخ طریقت ہونے کے ساتھ، مسلمانانِ ہند کے قومی و ملی و اجتماعی امور و معاملات سے آپ کو گہری دل چسپی رہی اور مختلف مسائل و تحریکات میں، سرگرم عمل رہے۔

تحریکِ خلافت (۱۹۱۹ء) و تحریکِ عدم تعاون (۱۹۲۰ء) میں آپ نے نمایاں اور سرگرم کردار ادا کیا۔

مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی، مظفرپوری لکھتے ہیں:

”انگریزوں کے خلاف، لڑائی میں کافی حصہ لیا۔ مولانا عبدالباری، فرنگی محلی، مولانا سید فضل الحسن، حسرت مہمانی، مولانا سید مصباح الحسن، پچھوندوی قنسسٹ آسرو لہم، ہر فرقائے خصوصی تھے۔ کاکوری شریف کے مشہور کیس کی آپ نے پوری رہنمائی کی۔ مولانا قطب الدین عبدالوالی فرنگی محلی کے ساتھ، صوبہ سرحد کا دورہ کیا۔ انگریزی حکومت کی دست درازی سے دیسی ریاستوں کو بچانے اور محفوظ رکھنے کے لئے لاہور میں، کل ہند کانفرنس بلائی اور خطبہٴ صدارت پڑھا۔ مسجد شہید گنج (لاہور) کی واپسی کے لئے حضرت مولانا سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری (سیالکوٹی) نے جدوجہد کی، آپ نے ان کی پوری مدد کی۔

انگریزوں نے عرب اکثریت کا توازن بر باد کرنے کے لئے ارضِ مقدس میں باہر سے یہودیوں کو لا کر آباد کرنا شروع کیا اور عربوں نے ان کے خلاف، صدائے احتجاج، بلند کی تو، حالات کا مشاہدہ کرنے کے لئے آپ نے ہندوستان کے نمائندہ کی حیثیت سے

فلسطین کا سفر کیا۔

مفتی اعظم فلسطین، سید امین الحسینی نے عربی یونیورسٹی کے لئے ہندوستان کا دورہ کیا

تو، ان کے ترجمان اور سرکاری کام کیا۔

..... دوبارہ حج و زیارت سے مشرف ہوئے۔ اندرون خانہ کعبہ کے غسل میں

شرکت کی۔ حرم نبوی اور روضہ مطہرہ کی خلوتِ خاص میں، باریاب ہوئے۔

دربارِ غوثِ اعظم (بغداد شریف) کی حاضری، معمولات سے تھی۔

آپ، سب سے پہلے عالم و بزرگ ہیں

جن کو، دربار شریف (بغداد مقدسہ) میں، امامت و خطابت کا اعزاز ملا۔

اسی طرح، مفتی اعظم فلسطین، سید امین الحسینی کے اصرار پر آپ نے مسجد اقصیٰ میں

جمعہ کا خطبہ دیا اور نماز پڑھائی۔“

(ص ۱۵۰ اور ۱۵۱۔ ”تذکرہ علمائے اہل سنت“۔ مؤلفہ مولانا محمود احمد، قادری۔ مطبوعہ کانپور ۱۹۷۱ء)

سید محمد حسین، سید پوری، آپ کے حالات میں لکھتے ہیں کہ:

”اپنے پدرِ عالی قدر (تاج الفحول) اور اراخِ مکرم، مولانا شاہ عبدالمتقدر صاحب، بدایونی

سے پڑھا۔ بعد اٹھ برس کی عمر کے، جب والد صاحب کا وصال ہو گیا

تو ۱۳۳۱ھ تک، صرف بھائی صاحب سے تحصیل و تکمیل کی۔

بہ مقام ٹونک (راج پوتانہ) تین ماہ تک معقول و منقول کا، جناب مولانا سید برکات

احمد صاحب (ٹونکی) سے مطالعہ کیا۔ اس کے بعد، کتب معقول مولوی سید عبدالعزیز صاحب

انپٹھوی سے جو مولانا عبدالحق صاحب، خیر آبادی کی یادگار ہیں، اخذ فرمائیں۔

سید صاحب نے نہایت فخر و مباہات کے ساتھ، آپ کو تعلیم دی۔

اور چند ماہ بعد ہی، اجازت، درس کی، عطا فرمائی۔

..... ۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ، بہ تقریب عرس حضرت تاج الفحول بدایونی

حسب فرمائش جناب مولانا سید شاہ اسماعیل حسن صاحب، مارہروی

مولانا عبدالمتقدر صاحب نے آپ کو اور مولوی حکیم عبدالماجد صاحب بدایونی کو

اجازت و خلافت تحریری و زبانی، عطا فرمائی۔

(ص ۱۴۶۔ مظہر العلماء و تراجم العلماء۔ غیر مطبوعہ۔ بحوالہ ص ۴۷۔ ”تذکرہ خانوادہ قادریہ“۔ مرتبہ مولانا

عبدالحکیم، قادری، جمیدی۔ مطبوعہ تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں، شوال ۱۴۳۳ھ (ستمبر ۲۰۱۲ء)

خیر آبادی اساتذہ و طلبہ کے باہمی علاقہ محبت و شفقت و عقیدت کا ذکر کرتے ہوئے

مولانا سید الحق محمد عاصم قادری، بدایونی لکھتے ہیں:

راقم الحروف کے دادا، عاشق الرسول، مولانا عبد القدیر، قادری، بدایونی بھی حکیم سید برکات احمد، ٹوکی (تلمیذ مولانا عبد الحق، خیر آبادی) کے تلمیذ ہیں۔ اپنے مشن طریقت اور اساتذہ کی نسبتوں کے احترام میں آپ بھی، ایک الگ شان رکھتے ہیں۔ استاذ زادہ کے ادب و احترام کا ایک واقعہ، عم مکرم، حضرت عبد المجید اقبال قادری صاحب (مقیم کراچی) نے سنایا۔ انھوں نے فرمایا کہ:

غالباً ۱۹۵۷ء، یا ۱۹۵۸ء میں، جب حضرت عاشق الرسول، آخری بار، کراچی تشریف لائے تو، صدیق بھائی کے گھر، قیام پذیر تھے۔

صحت، بہت خراب تھی۔ بغیر سہارے کے خود سے، اٹھ بھی نہیں سکتے تھے۔ مریدین و متوسلین کا مجمع تھا۔ اسی درمیان، حکیم سید محمود احمد، برکاتی، ٹوکی (جو، اُس وقت نوجوان تھے) آئے اور مصافحہ کر کے ایک کونے میں خاموشی سے بیٹھ گئے۔ کافی دیر کے بعد کسی نے حضرت کو بتایا کہ:

”مولانا برکات احمد، ٹوکی کے پوتے، یہاں تشریف فرما ہیں۔“

یہ سنتے ہی، حضرت اپنی تمام تر کمزوری کے باوجود، کھڑے ہوئے۔

حکیم صاحب کو آگے بلایا۔ دست بوسی کی اور فرمایا کہ:

صاحب زادے! آپ نے اپنا تعارف بھی، نہیں کرایا۔

اگر، آپ، ایسے ہی اٹھ کر چلے جاتے تو، میں، قیامت میں استاذ کو کیا جواب دیتا؟

اس واقعہ کی جانب، خود حکیم سید محمود احمد برکاتی نے بھی مختصر، اشارہ کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

”۱۹۵۷ء میں، آخری بار، کراچی تشریف لائے تھے۔

میں، ملاقات کے لئے حاضر ہوا تو، مفلوج ہونے کے باوجود، دوسروں کا سہارا لے کر

مجھے تعظیم دی۔ صرف، مولانا سید برکات احمد کی ضلعی نسبت کی بنا پر۔“

(ص ۲۷۹۔ ”مولانا حکیم سید برکات احمد! سیرت اور علوم“۔ مؤلفہ حکیم سید محمود احمد، برکاتی، ٹوکی (کراچی)

برکات اکیڈمی۔ کراچی ۱۹۹۳ء)

جب، استاذ اور استاذ زادوں سے ”خیر آبادیوں“ کے عشق و محبت اور ادب و احترام کا

ذکر چل رہا ہے تو، یہاں، یہ واقعہ بھی، بے محل، نہ ہوگا کہ:

۱۳۷۶ھ/۱۹۵۷ء میں، خانقاہ عالیہ صمدیہ، پھپھوند شریف (ضلع اٹاوا - یوپی) میں حضرت مولانا سید محمد اکبر میاں، چشتی، پھپھوندی کی دستار بندی کا جلسہ تھا۔ جس میں اپنے وقت کے اچلے علما تشریف فرما تھے۔

مگر، جلسہ کی صدارت کے لئے بانی محفل حضرت خواجہ مصباح الحسن، چشتی رَحْمَةُ اللہ عَلَیْہ نے حضرت عاشق الرسول، مولانا عبدالقدیر بدایونی کا نام پیش کیا۔ اور اس کی وجہ بھی خود ہی، بیان فرمادی۔ جلسہ کی روداد کے مرتب، حکیم ظہیر السجاد لکھتے ہیں:

”جلسہ کی صدارت کے واسطے، حضرت مولانا شاہ عبدالقدیر صاحب بدایونی کا نام ہی اس مختصر تقریر کے بعد، پیش فرمایا:

حضرات! اس قصبہ پھپھوند میں مسلمانوں کو جس ذات اقدس کی وجہ سے علم و مذہب سے ذوق و شوق پیدا ہوا، وہ، میرے حضرت قبلہ عالم (مولانا سید شاہ عبدالصمد، چشتی، سہوانی) رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہُ کی ذات اقدس تھی۔

چوں کہ میرے حضرت قبلہ عالم نے تمام ترفیضِ علم، تاج الفحول، حضرت مولانا شاہ عبدالقادر (بدایونی) صاحب سے حاصل فرمایا، جو، حضرت مولانا شاہ عبدالقدیر صاحب کے والد ماجد تھے۔ پس! میں نے، اسی لحاظ سے حضرت مولانا (عبدالقدیر، بدایونی) کا نام نامی پیش کیا ہے۔“

(ص ۳۸۔ یوم فضیلت۔ ظہیر السجاد، چشتی۔ مشمولہ ”ملفوظ مصابح القلوب“۔ انتظامی پریس، کان پور ۱۹۵۷ء) اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ:

خیر آبادی سلسلے میں، نہ صرف تلامذہ، اپنے استاذ اور استاذ زادوں کا لحاظ فرماتے تھے بلکہ تلامذہ کے اخلاف و جانشین بھی، اپنے اکابر کے استاذ زادوں کا ادب و احترام فرماتے تھے۔“ (ص ۶۰ و ۶۱۔ ”خیر آبادیات“۔ مؤلفہ مولانا سید الحق محمد عاصم، قادری، بدایونی۔ تاج الفحول اکیڈمی۔

بدایوں۔ طبع اول ۱۳۳۲ھ/۲۰۱۱ء)

اپنے جلسہ دستار بندی، پھپھوند شریف ۱۹۵۷ء کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مولانا سید محمد اکبر، چشتی، سجادہ نشین خانقاہ چشتیہ صمدیہ، پھپھوند شریف ضلع اٹاوا، تحریر فرماتے ہیں:

”۱۳۷۶ھ میں، حضور قبلہ عالم، صدر مجلس علما اہل سنت، حافظ بخاری، خواجہ بیکس نواز سید شاہ عبدالصمد، مودودی، چشتی قدس سِرُّہ النورانی کے عرس کے موقع پر، میری دستار بندی تھی۔ جس میں، اُس زمانے کے بڑے بڑے علما کرام تشریف لائے تھے۔ حضرت مفتی اعظم

(بریلی شریف) بھی، پہلی بار جلسہ دستار بندی میں پھونڈ شریف تشریف لائے تھے۔
جب مجھے پہلی مرتبہ ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔“

(ص ۳۹۳۔ ”جہان مفتی اعظم“۔ مطبوعہ رضا اکیڈمی، بمبئی ۱۴۲۸ھ/۲۰۰۷ء)

حضرت مولانا شاہ عبدالقدیر، بدایونی کے مرض وصال کا ذکر کرتے ہوئے، مولانا احمد حسین قادری، گٹوری، بدایونی لکھتے ہیں:

”پالا آخر، وقت موعود آ پہنچا ۳ شوال (۱۳۷۹ھ) کو، ظہر کی نماز ادا کر کے
سینے پر، ہاتھ باندھے باندھے، باواز بلند ”یا معبود“ فرما کر، وصال فرمایا۔
پورا مکان، عجب نور اور خوشبو سے بھر گیا۔

چہرہ مبارکہ، ایسا نورانی اور متبسم تھا کہ الفاظ، بیان کرنے سے قاصر ہیں۔

اس خبر سے، سارے شہر (بدایوں) میں کہرام مچ گیا۔ ہزار ہا بندگانِ خدا، خبر ملتے ہی مدرسہ
قادریہ (بدایوں) میں آ گئے۔ ۴ شوال (۱۳۷۹ھ) کو بعد جمعہ، حسب معمول، عید گاہ شمس
(بدایوں) میں، نماز جنازہ، آپ کے صاحبزادے، حضرت شیخ سالم میاں نے پڑھائی۔
اور عصر و مغرب کے درمیان، حضور کی میت شریفہ آپ کی آخری آرام گاہ
درگاہ قادریہ (بدایوں) پہنچادی گئی۔

اور سرکار، صاحب الاقدار (مولانا شاہ عبدالقادر، بدایونی) کے پہلو میں، تدفین ہوئی۔

(ص ۶۵۔ ”اکابرِ بدایوں“۔ مؤلفہ مولانا احمد حسین، قادری، گٹوری، بدایونی۔ تاج الفول اکیڈمی۔

بدایوں۔ طبع جدید جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ/مارچ ۲۰۱۳ء۔ طبع اول ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۵ء)

خواجہ سید مصباح الحسن، چشتی، پھپھوندوی

خواجہ سید مصباح الحسن، چشتی، پھپھوندوی (ولادت ۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۰۲ھ - ۱۸۸۷ء۔
وصال رمضان ۱۳۸۴ھ) فرزند و تلمیذ ”حافظ بخاری“، خواجہ، سید عبدالصمد، مودودی، چشتی
سہوانی و تلمیذ مولانا ہدایت اللہ، جون پوری و مولانا وصی احمد، محدث سورتی
بڑے جلیل القدر عالم اور مصلوب و متدین شیخ طریقت تھے۔

آپ نے قرآن شریف اپنے والد محترم، حافظ بخاری کے جاں نثار مرید
حافظ اخلاق حسین، پانی پتی (فرزید خواجہ الطاف حسین حالی) سے ختم کیا۔
حافظ اخلاق حسین نے اپنی زندگی، پھپھوند ضلع اٹاواہ (اتر پردیش، انڈیا) ہی میں گزاری۔
اور وہیں، مدفون بھی ہوئے۔

خواجہ سید مصباح الحسن، مودودی، چشتی نے مولانا محمد ابراہیم، بدایونی، فرزید مولانا محبت احمد
بدایونی سے پھپھوند میں ہی کافیہ، شرح جامی، شرح وقایہ، شرح تہذیب تک پڑھا۔
درمیان میں بعض کتابیں، مولانا سید اخلاص حسین، سہوانی اور مولانا حکیم
مومن سجاد، کان پوری سے بھی پڑھیں۔

اس کے بعد کی تعلیم کے بارے میں ”ملفوظ مصباح القلوب“ (۱۳۷۶ھ) طبع اول
۱۳۷۷ھ کے مرتب، مولانا ظہیر السجاد، نیرہ مولانا حکیم، مومن سجاد، کان پوری، تحریر فرماتے ہیں:
”اور آخر میں ملّا حسن، نور الانوار، شرح وقایہ، حضرت قبلہ عالم (حافظ بخاری، خواجہ) سید
عبدالصمد، مودودی، چشتی، سہوانی، رَضِیَ اللہُ عَنْہُ سے پڑھیں۔

بعدہ، حضرت قبلہ عالم نے اپنے وصال سے چند ماہ پیشتر، ماہ صفر المظفر ۱۳۲۳ھ میں
استاذ العلماء، امام معقول و منقول، حضرت مولانا ہدایت اللہ خاں صاحب، رام پوری
رَحْمَةُ اللہِ عَلَیْہِ، جو، امام المَعْقُولَات، حضرت مولانا فاضل حق، خیر آبادی رَحْمَةُ اللہِ عَلَیْہِ
کے ارشد تلامذہ میں تھے، اُن کی خدمت میں جون پور، بغرض تعلیم، روانہ فرمایا۔

وقتِ روانگی، جو نصیحت فرمائی، وہ، حضرت قبلہ عالم کے حالاتِ وفات میں، مرقوم ہوئی۔
چنانچہ، آپ نے تین (۳) برس، حضرت مولانا (ہدایت اللہ، جون پوری) کی خدمت میں
رہ کر، کتب معقول و فلسفہ اور اصول فقہ، ختم فرمائیں۔

نیز ماسی، دوران میں مولانا سید سلیمان اشرف صاحب بہاری سے بعض پچھلی کتابوں کی تکرار کی۔
جون پوسے فارغ ہونے کے بعد، شیخ الحدیث، مولانا وصی احمد، محدث سورتی رَحْمَةُ اللّٰهِ
عَلَيْهِ کی خدمت میں، پہلی بھیت، حاضر ہو کر، اور تین سال قیام فرما کر، علم حدیث و تفسیر، حاصل فرمایا۔
پھپھوند، واپس آنے کے بعد، مولانا حکیم مومن سجاد (کان پوری) صاحب سے
”عَرَفَ اَرْفَ الْمَعَارِفَ“ پڑھی۔

اس طرح، آپ نے ۱۳۲۸ھ میں، علم ظاہر سے فراغ، حاصل فرمایا۔

(ص ۲۶۲ و ۲۶۵۔ ”لفظو مصابح القلوب“۔ حصہ دوم۔ مؤلفہ ظہیر السجاد، کان پوری۔ طبع دوم۔ ۱۴۲۰ھ

۱۹۹۹ء، مکتبہ صمدیہ۔ آستانہ عالیہ صمدیہ، پھپھوند شریف۔ ضلع اُردیا (سابق ضلع اٹاوا) صوبہ اتر پردیش۔ انڈیا)
والد محترم، حافظ بخاری، اپنے وطن اصلی، قصبہ سہوان، بدایوں سے ربیع الآخر ۱۲۹۳ھ میں
پھپھوند، تشریف لا کر، مستقل طور پر مقیم ہو گئے تھے اور یہیں، آپ کا وصال (۱۳۲۳ھ) ہوا۔
مرقد مبارک، پھپھوند شریف ضلع اٹاوا (موجودہ ضلع اُردیا) میں، مرجع خواص و عوام ہے۔

حافظ بخاری (وصال ۷ ارجمادی الاخریٰ ۱۳۲۳ھ) نے اپنے فرزند عزیز، سید مصباح الحسن
کو، پھپھوند شریف سے جون پور بغرض تعلیم، رخصت کرتے ہوئے جو قیمتی ناصحانہ کلمات
ارشاد فرمائے تھے، اُن کا ذکر کرتے ہوئے جامع حالات، ظہیر السجاد، کان پوری، بیان کرتے ہیں:
”محرم ۱۳۲۳ھ کا جب چاند نکلا تو، حضرت قبلہ عالم (حافظ بخاری، سید شاہ عبدالصمد
مودودی، چشتی، سہوانی) نے، میرے حضرت، مُرشدی و مولائی (خواجہ سید مصباح الحسن
پھپھوندوی) مُدَّ ظِلُّهُ الْعَالَمِی کو، بغرض تعلیم، امام معقول و منقول، حضرت مولانا ہدایت اللہ خاں
صاحب، جون پوری رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْهِ کی خدمت میں، جون پور، روانہ کرنے کا ارادہ فرمایا۔
متوسّطات تک، معقول و منقول کی تعلیم، یہیں، مکان پر ہوئی تھی۔

شرح وقایہ، نور الانوار، ملّا حَسَن، میبذی وغیرہ، خود، حضرت قبلہ عالم (حافظ بخاری) نے
پڑھائی تھی۔ حضرت مولانا (ہدایت اللہ، جون پوری) صاحب قبلہ کو
حضرت قبلہ عالم نے اس سے مطلع فرمایا۔

روانگی سے ایک روز قبل، بعد مغرب، حضرت قبلہ عالم (حافظ بخاری) نے
میرے حضرت (خواجہ سید مصباح الحسن) کو، طلب فرما کر، ارشاد فرمایا کہ:
”میر سید شریف، رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْهِ، جب، طالب علمی کے لئے گھر سے چلے

تو، جہاں، انھوں نے تعلیم، حاصل کی، ایک گھڑا، رکھ لیا۔

جب، مکان سے کوئی تحریر جاتی تھی، اُسے، بلا پڑھے ہوئے گھڑے میں ڈال دیتے تھے۔

جب، فارغ التحصیل ہو گئے، تو، تمام تحریرات نکالیں۔

جس پر رونا تھا، روئے۔ اور جس پر ہنسا تھا، ہنسے۔

تم، علم، حاصل کرنے جا رہے ہو۔

لہذا، یہاں، کوئی، مَرے کہ زندہ رہے، تم، اپنے کام سے کام رکھو۔

اور، مولانا (ہدایت اللہ، جون پوری) صاحب کو، راضی رکھنا، اپنا فرض سمجھو۔“

(ص ۱۴۷ تا ص ۱۴۸۔ ”ملفوظ مصابح القلوب“، حصہ اول مؤلفہ ظہیر السجاد۔ مکتبہ صمدیہ، پھونڈ شریف)

حضرت حافظ بخاری نے اپنے صاحب زادہ، سید مصباح الحسن کو، بغرض تعلیم

جون پور بھیجے گا ارادہ فرمایا تو، بغرض استصواب، ایک گرامی نامہ، جون پور بھیجا۔

حافظ بخاری کے اس مکتوب گرامی کے جواب میں، استاذ العلماء، جون پوری کا

جو صحیفہ گرامی، صادر اور پھر، موصول ہوا، اُس کی نقل، ملاحظہ فرمائیں:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

حَامِدًا وَمُصَلِّيًا۔

خط ملا، یا۔ نعمت کونین، تجھ کو مل گئی اے دل محزون بتا، تو، کچھ مسرت کا سبب؟

مَجْمَعُ الْعُلُومِ وَالْبَرَکَاتِ، مَنَبُعُ الْبِرِّ وَالْحَسَنَاتِ، حضرت مولانا سید شاہ عبدالصمد

صاحب، دَامَتْ بَرَکَاتُکُمْ! اَرْمَغَانِ سَلام کہ، بہ ازاں متاع، بہ کشور اسلام، نیست، موصول باد۔

حضرت کا گرامی نامہ، وارد ہوا۔ کتنی مسرت، کس قدر بہجت، حاصل ہوئی؟

یہ تو، حاطہ تحریر سے، باہر ہے۔ رہا، یہ کہ اس یا فرمائی کا شکریہ، ادا کروں؟ سو، یہ بھی، ناممکن ہے۔

ہاں! اپنی خوش نصیبی پر، جس قدر، ناز کروں، بجائے۔

اس سے بڑھ کر، اب اور کیا، ہو سکتا ہے کہ، مولیٰ اپنے بندہ کو، یاد رکھے اور اس کی حالت پُرسی کرے؟

یہ تو، مجھے، کہیں اور یاد، رہ جانے کی امید، دلا رہی ہے۔

کل کے روز، میدانِ محشر میں، اپنے جَدِّ امجد، نبی کریم، عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالتَّسْلِیْم کے

حضور میں، جہاں، اتنا فرمادیا کہ: یہ فلاں، میرا ہے۔

پھر، کیا ہے۔ کشتی، پار ہے۔

دارم زغم، بیماری، بیمار غم را، یاد داری
 گر تو، کئی غم خواری، از غم، چه پاک؟ اے نازنین
 اور سب سے بڑھ کر خوشی کی بات تو، یہ ہے کہ آپ نے اب، سند بھی دینی چاہی۔
 سُبْحَنَ اللّٰہ! بھلا، میرے نصیب، ایسے کہاں کہ، اپنے آقا کی خدمت کا فخر، حاصل کر سکوں؟
 یہ عین سعادتِ بخت ہے کہ خود بخود، وسیلہ نجات پیدا ہو گیا۔ ع
 بریں مُردہ، گر، جاں فشاحم، رواست
 مولانا! آپ، حضرت صاحبزادہ صاحب کو، روانہ فرمائیے۔
 اور ضرور، مجھے، اس دولتِ بے بہا سے، مالا مال ہونے کا موقع دیجیے۔
 یہ بے بضاعت، صاحبزادہ صاحب سلمہ کی خدمت، دستاویز شفاعت، سمجھتا ہے۔
 قیامت کے روز، جب، رَبُّ الْعِزَّتِ جَلَّ جَلَالُہُ، یہ سوال فرمائے گا کہ:
 میرے دربار میں، کون سا تحفہ لائے؟
 تو، صاحبزادہ صاحب کو، پیش کر دوں گا۔
 اور عرض کر دوں گا کہ:

مایہ ریاضت لایا ہوں، نہ سرمایہ اطاعت۔
 ہاں! تیرے محبوب کے فرزند کی کچھ دنوں، خدمت کی ہے۔
 بس! یہی پونجی ہے، یہی تحفہ۔ اب، بوسیہ، اس کے، میری نجات فرما۔“
 تعلیم کی جانب سے آپ، مطمئن رہیں۔ مفید اور ضروری علوم کی طرف، توجہ دلائی جائے گی۔
 اللہ بس، باقی ہو۔ بندہ، محمد ہدایت اللہ عفی عنہ۔

از جون پور۔ مدرسہ حنفیہ۔ (موصولہ آخر عشرہ صفر المظفر ۱۳۲۳ھ)
 (ص ۸۱ و ۸۲۔ ”ملفوظات مصابح القلوب“، حصہ اول۔ مؤلفہ ظہیر السجاد۔ طبع دوم ۱۳۲۰ھ/۱۹۹۹ء۔
 مکتبہ صمدیہ۔ آستانہ عالیہ۔ پھونڈ شریف ضلع آوریٹا۔ اتر پردیش)

حضرت حافظ بخاری کے چہیتے مرید و خلیفہ اور ملفوظِ مصابح القلوب کے مؤلف
 ظہیر السجاد کے دادا، حکیم مومن سجاد، کان پوری کے نام، اسی طرح کے ایک مکتوب کے جواب میں
 استاذ الحدیث مولانا وصی احمد، محدث سورتی ثم پبلی بھتی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:
 عزیز می، سید مصباح الحسن، سلمہ اللہ واصلح حالہ فی السر والعلن۔

اگر تحصیل علم کے شائق ہیں، تو، میں حسب استعداد و استطاعت ان کی تعلیم کے لئے بسر و چشم، موجود ہوں کہ وہ، میرے ایسے دوست کے جگر پارہ ہیں جن کے کمال صلاحیت دینی و حمایہ مذہبی کا ہمیں، غلامِ ذر خرید ہوں۔ اور، دل سے چاہتا ہوں کہ:

صاحب زادہ صاحب کو بھی، یہ دولتِ عظمیٰ و منقبتِ انسانی، نصیب ہو۔ اور جس طرح، وہ، صدرِ نشینِ مسندِ حمایتِ سنت، اس مذہب میں، شہرہ آفاق رہے اُسی طرح، ان کے خلیفہ صدق، زبیب، سجادہ کو بھی، یہ فضیلت، حاصل ہو۔“
(انتهی بِقَدْرِ الضَّرُورَةِ۔ مؤلف)

(ص ۸۸۔ ”ملفوظِ مصابحِ القلوب“، حصہ اول، مؤلف: ظہیر السجاد، نبیرہ حکیم مومن سجاد، کان پوری۔ طبع دوم ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء۔ مکتبہ صمدیہ، پھپھوند شریف)

حضرت سید شاہ مصباح الحسن، مودودی، چشتی، پھپھوندوی کے فارغ التحصیل ہونے کے بارے میں، مولانا ظہیر السجاد لکھتے ہیں کہ

”یہاں (جون پور) سے فارغ ہونے کے بعد، شیخ الحدیث، حضرت مولانا وصی احمد، محدثِ سورتی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ کی خدمت میں، پہلی بھیت حاضر ہو کر

اور تین (۳) سال، قیام فرما کر علمِ تفسیر و حدیث، حاصل فرمایا۔ پھپھوند، واپس آنے کے بعد، مولانا حکیم مومن سجاد صاحب سے ”عوارف المعارف“ پڑھی۔ اس طرح، آپ نے ۱۳۲۸ھ میں علمِ ظاہر سے فراغ، حاصل فرمایا۔“

(ص ۲۶۵۔ ”ملفوظِ مصابحِ القلوب“، حصہ دوم)

جون پور پہنچ کر، سید شاہ مصباح الحسن، بڑے انہماک و دل چسپی کے ساتھ مصروفِ تعلیم تھے اور ابھی، پانچ ماہ ہی گزرے تھے کہ:

حضرت حافظِ بخاری پر، اچانک فالج کا حملہ ہو گیا۔ یہ حادثہ، جمادی الاخریٰ ۱۳۲۳ھ کا ہے۔ پھپھوند شریف سے آپ کی والدہ ماجدہ اور حضرت حافظِ بخاری کی اہلیہ محترمہ نے فوراً، مولانا حافظ محمد اسماعیل، محمود آبادی کو جون پور بھیجا کہ:

وہاں، حادثہ کی اطلاع دے کر، سید مصباح الحسن کو، اپنے ساتھ، پھپھوند، واپس لائیں۔ آپ کے پھپھوند پہنچنے سے چند گھنٹہ پیشتر، حضرت حافظِ بخاری کا وصال ہو چکا تھا۔

إِنَّا لِلَّهِ وَأَنَا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

اس سے آگے کا حال، ظہیر السجاد صاحب، اس طرح بیان کرتے ہیں:
”فاتحہ سوم کے موقع پر، سجادگی کی دستار بندی کا مشورہ ہوا۔

اور حضرت قبلہ عالم (حافظ بخاری) کے غلامان خاص، مثلاً:

حکیم مومن سجاد صاحب و نور خاں صاحب افغانی رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِم

اور حضرت پیرانی صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهَا کا رُحمان، اس طرح تھا کہ:

سجادگی و دستار بندی کے لئے حضرت چچامیاں رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، زیادہ موزوں ہیں۔
لیکن، حضرت چچامیاں نے اس سے انکار فرمایا۔“

(ص ۲۶۵۔ ۲۶۶۔ ملفوظ مصابح القلوب، حصہ دوم)

سید شاہ، اخلاص حسین، سہوانی، معروف بہ، چچامیاں

چچازاد بھائی و داماد و خلیفہ حضرت حافظ بخاری تھے۔

”بشارت شیخ“ کے ذیلی عنوان سے مولانا ظہیر السجاد لکھتے ہیں کہ:

”حضرت قبلہ عالم (حافظ بخاری) رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ نے

حضرت (سید شاہ مصباح الحسن) کے متعلق، جو کلمات، ارشاد فرمائے

انھیں، ملفوظ حضرت قبلہ عالم، مرتبہ منشی دین محمد صاحب مرحوم سے نقل کرتا ہوں۔

حضرت مولانا، سید، اخلاص حسین (سہوانی) صاحب رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، راوی ہیں کہ:

حضرت قبلہ عالم نے اپنے وصال سے ایک ہفتہ قبل ہی

اپنی مہر کی انگوٹھی اتار کر، حضرت پیرانی صاحبہ معظمہ کو، یہ کہہ کر، عنایت فرمائی:

”تمہارا لڑکا، بہت اچھا ہو گیا ہے۔“

دوسری روایت، جس کے راوی، منشی دین محمد صاحب اور مُصَدِّق

حافظ اخلاق حسین صاحب، پانی پتی ہیں کہ، ایک مرتبہ، حضرت قبلہ عالم نے ارشاد فرمایا:

”مصباح الحسن، مجھ سے، اچھے ہوں گے۔“ (ص ۲۶۸۔ ملفوظ مصابح القلوب، حصہ دوم)

رسم سجادگی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

..... حضرت چچامیاں رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ نے اپنے ہاتھ سے دستار بندی فرما کر

پہلی نذر، خود، پیش کی۔

خدائے جہاں را، ہزاراں سپاس
کہ گوہر سپردہ، گوہر شناس
اس طرح، آپ، انیس (۱۹) سال کی عمر شریف میں، سجادہ حضرت شیخ پر، رونق افروز ہو کر
خلق اللہ کی رشد و ہدایت پر، مامور ہوئے۔

حضرت شیخ المشائخ، سیدنا حافظ محمد اسلم، خیر آبادی رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کی
خلافت و مجازیت سے جس وقت، حضرت قبلہ عالم رَضِیَ اللہُ عَنْہُ، سرفراز ہوئے
اُس وقت، حضرت قبلہ عالم کی عمر شریف بھی، تقریباً یہی تھی۔

حضرت، چاروں خانوادے، چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ، سہروردیہ میں
حضرت قبلہ عالم رَضِیَ اللہُ عَنْہُ سے مجاز ہیں اور تمامی سلاسل کا اجرا بھی فرمایا ہے۔
لیکن، زیادہ تر، خاندان چشتیہ میں بیعت فرماتے ہیں۔ اور باقی سلاسل میں بہت ہی کم۔
حضرت قبلہ عالم رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کی مجازیت و خلافت کے علاوہ

حضرت شاہ، یار محمد صاحب، مختاری رَحْمَةُ اللہِ عَلَیْہِ، جو، حضرت قطب الاقطاب رَضِیَ اللہُ
عَنْہُ کی اولاد میں تھے اور مخدوم جہاں، حضرت صاحبزادہ شاہ الہ بخش صاحب تونسوی رَضِیَ اللہُ عَنْہُ
کے خلیفہ و مجاز تھے

انھوں نے، باوجود، کافی مُرید رکھنے اور کبرنی کے، کسی کو بھی مجاز نہیں فرمایا تھا۔
لیکن، میرے حضرت (سید شاہ مصباح الحسن) کو بغیر کسی طلب کے، اپنا خلیفہ و مجاز فرمایا۔
نیز، حضرت سید شاہ امتیاز حسین صاحب رَحْمَةُ اللہِ عَلَیْہِ، سجادہ نشین حضرت شیخ الشیوخ
سیدنا مولانا شاہ سید حافظ محمد علی صاحب خیر آبادی، رَضِیَ اللہُ عَنْہُ نے بھی اپنا مجاز فرمایا تھا۔
لیکن، بوجہ غلو و خف حضرت قبلہ عالم، حضرت نے ان، ہر دو سلاسل کا
اس وقت تک، اجرا نہیں فرمایا۔

یہ صورت، بالکل حضرت قبلہ عالم کے اُس واقعہ کے مطابق ہے
جو، حضرت کو مدینہ طیبہ میں پیش آیا تھا۔ یعنی، حضرت یوسف بن مبارک یمنی رَحْمَةُ اللہِ
عَلِیْہِ نے بغیر کسی طلب کے، دو سلسلوں میں اپنا مجاز فرمایا تھا۔ مگر، حضرت قبلہ عالم سے بھی
ان سلاسل کا اجرا، ظہور میں نہیں آیا۔“ (ص ۲۶۶ تا ص ۲۶۸۔ ملفوظ مصابح القلوب، حصہ دوم)
مولانا سید شاہ محمد اکبر، چشتی، پھونڈوی، فرزند حضرت سید شاہ مصباح الحسن، چشتی، پھونڈوی

اپنے والدِ مکرم کی زبانی، سنی ہوئی، یہ روایت، بیان فرماتے ہیں کہ:

شیخ المشائخ، حضرت سیدنا مولانا حافظ محمد اسلم صاحب رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کے وصال سے ایک سال قبل، مجھے، حضرت قبلہ عالم رَضِیَ اللہُ عَنْہُ اپنے ہمراہ لے کر حضرت شیخ المشائخ کی خدمت میں، خیر آباد شریف، حاضر ہوئے۔ حضرت قبلہ عالم نے مسجد میں قیام فرمایا۔

جس وقت، حضرت شیخ المشائخ، مسجد میں آئے

تو، میری جانب، اشارہ فرما کر، حضرت قبلہ عالم سے دریافت فرمایا کہ: یہ کون صاحب ہیں؟
حضرت قبلہ عالم نے، عرض کیا کہ: خادم زادہ۔

حضرت شیخ المشائخ نے مجھے، اپنے پاس بلا کر، سینہ اقدس سے لگایا

اور ارشاد فرمایا کہ: تم، ہم سے نہیں ملے؟

میں، کچھ توقف کے بعد، علیحدہ ہو کر، ایک جانب بیٹھ گیا۔

حضرت شیخ المشائخ نے کچھ دیر بعد پھر میری جانب اشارہ کر کے، دریافت فرمایا کہ:

یہ کون صاحب ہیں؟

حضرت قبلہ عالم نے عرض کیا کہ: خادم زادہ۔

حضرت شیخ المشائخ نے پھر، مجھے اپنے پاس بلا کر، سینہ اقدس سے لگایا۔

اور ارشاد فرمایا: تم، ہم سے نہیں ملے؟

تیسری بار پھر، اس کا اعادہ ہوا کہ حضرت شیخ المشائخ نے میرے متعلق دریافت فرمایا

اور مجھے اپنے سینہ اقدس سے لگایا۔“ (ص ۲۶۹ و ۲۷۰۔ ملفوظ مصابح القلوب، حصہ دوم)

مؤلف ملفوظ، جناب ظہیر السجاد، اس توجہ و عنایتِ خصوصی پر

اس طرح، اپنا تاثر، ظاہر کرتے ہیں:

”حضرت شیخ المشائخ (سید محمد اسلم، خیر آبادی) رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کا تین مرتبہ

حضرت (سید شاہ مصلح الحسن، چشتی) کو، سینہ اقدس سے لگانا

فیوضاتِ باطنی و تہذباتِ خصوصی سے سرفراز کرنے کی طرف، اشارہ کر رہا ہے کہ:

اکثر پیرانِ اعظام نے اسی طرح، فیوضاتِ باطنی کو، منتقل فرمایا ہے۔“

(ص ۲۷۰۔ ”ملفوظ مصابح القلوب“، حصہ دوم)

اپنے حضرت شیخ قبلہ عالم (حافظ بخاری) کی روحانی نسبت و ارتباطِ قوی کا

ذکر کرتے ہوئے ظہیر السجاد لکھتے ہیں کہ:

..... اگر، حضرت (سید شاہ مصباح الحسن، چشتی) کے علم و عمل، عبادات و ریاضات

و عبادات، جود و سخا، عفو و حلم، اخلاق و عادات، وضع و لباس، طرز و روش

غرض کہ تمامی صفات کو، بنظر غائر دیکھا جائے، تو معلوم ہوگا کہ:

حضرت، مجملہ صفات میں عکس و پرتو ہیں، حضرت قبلہ عالم رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت قبلہ عالم کے مخصوص غلامان و جید عشاق

حتیٰ کہ غُلفانے بھی حضرت کو، قبلہ عالم ثانی، تسلیم کیا ہے۔

یہاں، میں، صرف ایک خواب، حضرت مولانا سید اخلاص حسین (سہوانی) رَحْمَةُ اللہِ

عَلَيْہِ خلیفہ و مجاز حضرت قبلہ عالم کا نقل کرتا ہوں۔ جس پر مدوح کو، اس درجہ وثوق و یقین تھا کہ:

اس خواب کو دیکھنے کے بعد، باصرار و بہ کوشش مبلغ، حضرت صاحب قبلہ کے دست اقدس پر

بہ موجب مزارِ فاضل الانوار، حضرت قبلہ عالم رَضِیَ اللہُ عَنْہُ، تجدید بیعت کی۔

”میں، مسجد میں سو رہا تھا۔ خواب میں دیکھا کہ:

حضرت قبلہ عالم، مسجد میں نماز پڑھ رہے ہیں اور میں تھوڑے فاصلے پر لیٹا، سو رہا ہوں۔

اس دیکھنے کے بعد ہی، فوراً، آنکھ کھل گئی۔

میں نے، اسی قدر فاصلے پر، اسی بیت سے مولوی مصباح الحسن صاحب کو

اسی طرح، نماز پڑھتے، پایا۔

میرے پیر بھائی، ڈاکٹر عین التعمیم صاحب نے، خوب کہا ہے:

مصباح حسن میں، نورِ صمدی

آئینہ میں، عکس مہر تاباں

(ص ۲۷۰ و ۲۷۱۔ ”ملفوظِ مصابح القلوب“، حصہ دوم)

نصیبہ کی ارجمندی اور زندگی کی سب سے بڑی معراج، یہ ہے کہ:

سید شاہ مصباح الحسن، چشتی نے، دو مرتبہ، زیارتِ مبارک

حضرت سرورِ عالم، باعِثِ ایجادِ عالم، فخرِ آدم و بنی آدم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

اور ایک مرتبہ، غوثِ الثقلین، محی الدین عبدالقادر، جیلانی، بغدادی کی سعادت، حاصل کی۔

(ص ۲۷۰۔ ”ملفوظِ مصابح القلوب“، حصہ دوم)

۱۳۶۸ھ میں، آپ، حج و زیارتِ حرمین شریفین سے مشرف ہوئے۔
اور، مدینہ طیبہ میں مقیم، حضرت مولانا شاہ علی حسن، خیر آبادی، بن حضرت شاہ اعظم حسین
خیر آبادی، مہاجر مدنی سے اجازت و سندِ حدیث، حاصل فرمائی۔“

(ص ۲۹۱۔ ”ملفوظ مصابح القلوب“، حصہ دوم)

مشائخِ سلسلہ عالیہ کے علم و فضل کا ذکر کرتے ہوئے مؤلفِ ملفوظ، ظہیر السجاد لکھتے ہیں:
”اس سلسلہ عالیہ چشتیہ، نظامیہ، فخریہ، سلیمانیہ، حافظیہ کی، یہ ایک بڑی خصوصیت ہے کہ:
اس سلسلہ عالیہ کے محلہ شیوخ، جامع شریعت و طریقت ہوئے۔“

(ص ۲۹۲۔ ”ملفوظ مصابح القلوب“، حصہ دوم)

فخر الملیّہ والدّین، حضرت خواجہ نور محمد، مہاروی، حضرت خواجہ سلیمان، تونسوی
حضرت حافظ، سید محمد علی، خیر آبادی، حضرت حافظ سید محمد اسلم، خیر آبادی، حضرت مولانا سید محمد
عبد الصمد سہوانی رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اسمائے گرامی لکھنے کے بعد، تحریر کرتے ہیں:
”یہ وہ جلیل القدر ذواتِ قدسیہ ہیں کہ:

جنہوں نے اپنے زمانہ مبارکہ میں علم شریعت و طریقت کے دریا بہا کر
خلق اللہ کو سیراب فرمایا ہے۔

چوں کہ، قدرت نے حضرت (سید مصباح الحسن چشتی) صاحبِ قبلہ کی ذاتِ اقدس کو
ان کا صحیح جانشین بنایا ہے۔ لہٰذا، یہ ذاتِ گرامی، اگر، کمالاتِ باطنی میں اپنے شیوخِ طریقت کی
آئینہ و منظر ہے، تو، علمِ ظاہری میں بھی، علم و عمل کا ایک نمونہ اور حدیث شریف
النظرُ الیّ وجہ العالمِ عبادۃ، یعنی، عالم کے چہرے کی طرف دیکھنا، عبادت ہے۔

کی، صحیح مصداق۔“ (ص ۲۹۲۔ ”ملفوظ مصابح القلوب“، حصہ دوم)

آپ کے علم و وسعتِ مطالعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”آپ کے ذوقِ مطالعہ اور علمی مشاغل نے حضرت قبلہ عالمِ رَضِیَ اللہ عنہ کے زمانہ کے

کتب خانہ کو، دو چند، زیادہ کر دیا ہے۔

جن میں مختلف علوم، مثل اسماء الزّجال، حدیث، تفسیر، فقہ، منطق، فلسفہ، تجوید و قرأت
تصوف، تاریخ، نجوم، اخلاق، حکمت، نیز اور تمامی ضروری علوم کی کتاب کا ایک معتد بہ ذخیرہ ہے۔
جن میں، بعض کتب، تو، نادر و نایاب ہیں۔

ان میں سے اکثر کتب پر، حضرت کے قلم خاص کے تحریر کردہ سادہ صفحات پر، صحتِ اعلاط اور ضروری یادداشت اور حواشی پر، جاہِ جاوید تشریح و توضیح موجود ہے۔ جن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ان کا، ایک ایک لفظ، ملاحظہ فرمالیا ہے۔ بعض کتابیں، اس قدر ضخیم ہیں کہ جن کے مطالعہ میں، ہفتہ اور مہینہ صرف ہوئے ہوں گے۔“ (ص ۲۹۳ و ۲۹۴۔ ”ملفوظِ مصابح القلوب“، حصہ دوم)

حملہ فزقی باطلہ کا رد، نہایت واضح الفاظ میں مفصل طور پر تحریر و تقریر فرمایا کرتے تھے۔ اور اس سلسلے میں آپ کے فتاویٰ بھی، شائع ہوتے رہے۔ تبلیغی جماعت کی دسیسہ کاری کے خلاف ۷۲۔ ۱۳۷۱ھ میں ایک رسالہ بنام ”الیاسی جماعت، یا۔ ناسوروہایت؟“ لکھ کر شائع کیا۔

اور اسے اپنے ڈاک خرچ سے، ہندوستان کے بیشتر صوبوں میں بھجوا یا۔

آپ کے تحریری وصایا کا، یہ حصہ بڑا ہی اہم ہے جو، توکل علی اللہ اور حمایتِ حق و اہل حق سے متعلق ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

”حضرت قبلہ عالم رَضِیَ اللہ عَنْہُ، متوکل محض تھے۔

اور جہاں تک ہوسکا، میں نے بھی، اس کی پاس داری کی۔ میرے جانشین، اگر، ہمت کر سکیں تو، اختیار کریں۔ ورنہ تلاشِ معاش کی، باتیں، اجازت ہے۔ بہ شرطے کہ شرعی حدود کے اندر ہو۔

مذہبِ حق اہل سنت، جس کا معیار، اس زمانے میں حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی، رَحْمَةُ اللہ عَلَیْہِ کی تصانیف ہیں یہی مسلک، میرے حضرت، قبلہ عالم کا تھا۔

اور یہی مسلک، حضراتِ پیرانِ عظامِ سلسلہ رَضَوَاتُ اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْن کا تھا۔ اور اسی کا پابند، میں ہوں۔

اس کی حمایت میں کسی مخالفت کی نہ، نہیں کرنا چاہیے۔

اور پابندیِ مذہب کے لئے اَلْحُبُّ فِی اللہِ وَ اَلْبُغْضُ فِی اللہِ کا پابند، رہنا چاہیے۔ اس سے ہٹنا، بد مذہبی ہے۔ جس کی گنجائش، نہ میں، اپنے جانشینوں کو دیتا ہوں اور، نہ مستقبلین کو۔ حضرت قبلہ عالم، جب ۱۲۹۳ھ میں، پھپھوند شریف لائے

گھلے مخالف، رَوَافِضِ پھپھوند تھے۔ اور ان سے علی الاعلان، رد و کد، رہا۔ الخ۔

(ص ۳۱۸۔ ”ملفوظِ مصابیح القلوب“، حصہ دوم۔ مکتبہ صدیہ، پھپھوند شریف)

اپنے جانشین اور اعزہ و اقارب کو اپنی اور والدِ مکرّم، قبلہ عالم، حافظِ بخاری کا طریقہ و طرزِ روش، اختیار کرنے کی ہدایت دیتے ہوئے تحریری وصیت نامہ میں

عام نصائح بھی، بے حد اہم اور مفید ہیں۔ جو، اس طرح، آپ نے تحریر فرمائے ہیں:

(۱) میرے گھر والے اور عام متوسّلین کو چاہیے کہ:

خدا سے اپنا معاملہ، صاف رکھیں کہ، اسی میں نجات ہے۔

..... میرے اعزہ و متوسّلین کو، خدا سے ڈرتے رہنا چاہیے۔

اور خدا کی مرضی کو، ہر چیز پر مقدم رکھنا چاہیے کہ اسی میں نجات ہے۔

(۲) شرعِ مطہر کی پابندی، ظاہر و باطن میں رکھنا، ضروری ہے۔

حتی الامکان، عہد، گناہ سے بچتا رہے۔ اور شامتِ عمل سے کوئی گناہ، سرزد ہو جائے

تو فوراً، تائب ہو جانا چاہیے۔ اور ظاہر گناہ کی توبہ، ظاہر میں کرنا چاہیے۔

(۳) عبادتِ خداوندی اور مجاہداتِ نفس، جو کچھ کرے، وہ، کسی اجر و ثواب سے مستغنی ہو کر

صرف، رضاے خدا و رسول عَزَّ وَجَلَّ وَصَلَّى اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے لئے کرے۔

اور اس پر جو کچھ بھی، نزولِ رحمت ہو، اسے، خدا کا فضل

اور رَحْمۃٌ لِلْعٰلَمِیْنَ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی رحمت سمجھے۔

ورنہ، ہم کیا؟ اور ہماری طاعت کیا؟

تو، بندگی، چوں گدایاں، بشرطِ اجر، مکن

کہ خواجہ، خود، روشِ بندہ پروری، داکھ

(۴) میرے تجربے میں ایک چیز، بہت مفید اور بہتر ثابت ہوئی کہ:

چوبیس گھنٹہ کے دن اور رات میں ایک وقت، اپنے نفس سے محاسبہ کرے۔

اور جتنے افعال، سرزد ہوئے ہیں، اُن میں دیکھے کہ کتنے گناہ ہوئے اور کتنے شریعتِ مطہرہ

کے اندر اور رضاے الہی کے لئے؟ (اگر کوئی گناہ کیا، تو، اُس سے فوراً، تائب ہو جائے)

(ص ۳۲۲-۳۲۶۔ ملفوظِ مصابیح القلوب، حصہ دوم)

آپ کے فرزندِ اکبر، حضرت مولانا سید محمد اکبر، چشتی، پھپھوندی نے

مفتی اعظم کان پور، حضرت مولانا رفاقت حسین، صدر مدرّس مدرّسہ احسن المدارس قدیم کان پور کی خدمت میں، تعلیم، حاصل کی تھی۔

آپ کی دستار بندی کا جلسہ، ایام عرس میں، پھپھوند شریف میں ہوا۔ جس کی روداد ”یوم فضیلت“ (۱۳۷۶ھ) کے نام سے ”ملفوظ مصابیح القلوب“، حصہ دوم (ص ۳۲۸ تا ۳۳۱) میں، شامل ہے۔

۱۸ جمادی الاخریٰ ۱۳۷۶ھ مطابق ۲۰ جنوری ۱۹۵۷ء کو، یہ جلسہ دستار بندی، منعقد ہوا تھا۔

مؤلف ملفوظ، جناب ظہیر السجاد، نبیرہ مولانا حکیم مومن سجاد، کان پوری اس جلسے کی منظر کشی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”آج، تمام علمائے کرام نے صبح کی چائے، حضرت مولانا شاہ عبدالقدیر صاحب، بدایونی کی نشست گاہ پر، پی۔ اور ابھی، یہیں، سبھی حضرات، تشریف فرما تھے۔

(حضرت مولانا کا قیام، احاطہ درگاہ شریف کے اندر، ایک مکان میں تھا)

جب، جلسہ کا وقت، قریب آیا

تو، میرے حضرت، مرشدی و مولائی (سید شاہ مصباح الحسن، چشتی) مُدَّ ظِلُّہُ الْعَالِی تمام علمائے کرام کو، جلسہ گاہ میں لائے.....

اب، آخر میں، حضرت والا منزلت، صاحب زادہ والا تنہار، جناب حافظ سید بشیر الدین صاحب، متولی آستانہ عالم پناہ، سرکار حافظیہ، خیر آباد، تشریف لائے.....

(ص ۳۳۲۔ ”ملفوظ مصابیح القلوب“، حصہ دوم)

تلاوت قرآن حکیم و نعت رسول مقبول (صَلَّى اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) اور تعارفِ علماء و مشائخ کے بعد حضرت سید شاہ مصباح الحسن، چشتی، سجادہ نشین، خانقاہ عالیہ چشتیہ، صمدیہ، پھپھوند شریف نے

صدارتِ اجلاس کے لئے حضرت مولانا شاہ عبدالقدیر، بدایونی کا نام

اس مختصر تقریر کے ساتھ، پیش کیا:

حضرات! اس قصبہ پھپھوند شریف میں مسلمانوں کو، جس ذاتِ اقدس کی وجہ سے

علم و مذہب سے ذوق و شوق پیدا ہوا، وہ، میرے حضرت، قبلہ عالم (حافظ بخاری، سید شاہ

عبد الصمد، چشتی، سہوانی) رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کی ذاتِ اقدس تھی۔

چوں کہ، میرے حضرت، قبلہ عالم نے تمام ترفیضِ علم، حضرت تاج الفحول، مولانا شاہ

عبد القادر صاحب، بدایونی، رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْہِ سے حاصل فرمایا

جو کہ حضرت مولانا شاہ عبدالقدیر صاحب، بدایونی کے والد ماجد تھے

پس! میں نے اسی لحاظ سے، حضرت مولانا (عبدالقدیر، بدایونی) کا نام نامی، پیش کیا ہے۔“

اس تحریک صدارت کی تائید حضرت مفتی اعظم ہند (مولانا شاہ محمد مصطفیٰ رضا، نوری، بریلوی) نیز، تمام علمائے کرام نے متفقہ طور پر فرمائی۔

اب، صاحب صدر (مولانا شاہ عبدالقدیر، بدایونی) صدر نشین پر، جلوہ افروز ہوئے۔

آپ کے دائیں جانب، حضرت مفتی اعظم ہند، مولانا مصطفیٰ رضا خاں صاحب، قادری بریلوی، خُلف و جانشین امام العلماء، حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب، بریلوی، رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْہِ۔
حضرت مولانا قاضی، احسان الحق، نعیمی، بہرائچی و حضرت مفتی اعظم کان پور، تلمیذ رشید صدر الشریعہ
حضرت مولانا امجد علی صاحب، رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْہِ و حضرت مولانا غلام جیلانی صاحب میرٹھی
تلمیذ صدر الشریعہ، حضرت مولانا امجد علی، رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْہِ و حضرت مولانا مشتاق احمد صاحب، نظامی
الہ آبادی، ایڈیٹر پاسبان، الہ آباد و حضرت مولانا رجب علی صاحب، قادری، نان پاروی
علی اشر تیب، رونق افروز ہوئے۔

دوسری جانب، حضرت صاحبزادہ صاحب اور معزز اہل علم حضرات۔

اب، میرے حضرت (سید مصباح الحسن، چشتی) صاحب قبلہ، مَدَّ ظِلُّہُ الْعَالِی نے

چند مختصر اور جامع الفاظ میں، حضرت مفتی اعظم کان پور کی اس توجہ پر

جو، انھوں نے حضرت صاحبزادہ سید محمد اکبر صاحب سَلَمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی پر فرمائی تھی

تحسین و آفرین فرمانے کے بعد، ارشاد فرمایا کہ:

اگرچہ، مفتی صاحب، فارغ التحصیل اور تبحر عالم ہیں۔ لیکن، مجھے، یہ معلوم ہوا ہے کہ:

مفتی صاحب کی دستار بندی، ابھی تک، نہیں ہوئی ہے۔

لہذا، میں، ضروری اور مناسب سمجھتا ہوں کہ:

اس موقع پر، حضرت مفتی صاحب کی بھی، دستار بندی کر دی جائے۔

اور چوں کہ مفتی صاحب کے استاذ، حضرت صدر الشریعہ، میرے استاذ بھائی

اور بے تکلف دوست تھے۔ اور اسی رشتہ کی بنا پر، مفتی صاحب، مجھے، چچا کہتے ہیں۔

لہذا، اسی لحاظ سے میں، ان کا، یہ حق اپنے اوپر سمجھتا ہوں کہ میں، خود، ان کی دستار بندی کروں۔“

اس کے بعد، حضرت مفتی صاحب کو، اپنے قریب بلا کر
 امامہ اور عبا، اپنے دست مبارک سے پہنا کر، چند عاصیہ الفاظ فرمائے۔

زال بعد، حضرت صاحب قبلہ نے صاحبزادہ عالی قدر، سید محمد اکبر صاحب سَلَّمَہ اللہ
 تعالیٰ کی دستار بندی کے لئے حضرت صاحب صدر (مولانا شاہ عبدالقدیر، بدایونی) سے تحریک فرمائی۔
 چنانچہ، حضرت، قبلہ عالم، رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کی دستار مقدس کے، دو تین بیچ
 صاحب صدر نے اور ایک ایک بیچ، تمام علمائے کرام نے باندھا۔

اس کے بعد، حضرت قبلہ عالم کا عبا شریف، جو، بہت بوسیدہ تھا، اُسے آپ کے
 سر اقدس پر، تیر کا رکھا گیا۔ حاضرین نے، والہانہ طور پر، نعرہ ہائے تکبیر، بلند کیے۔“
 (ص ۳۳۴ تا ص ۳۳۷۔ ”ملفوظ مصابح القلوب“، حصہ دوم)

”جو حضرات علمائے کرام، تشریف لائے تھے، اُن کی خدمت میں
 حضرت صاحب قبلہ نے، بذریعہ صاحبزادہ، سید محمد اکبر میاں صاحب، مندورات، پیش کرائیں۔
 لیکن، حضرت مفتی اعظم ہند، بریلوی نے
 وہی نذر، صاحبزادہ صاحب کو، بطور نذرانہ، عطا فرمادی۔“

(ص ۳۴۰۔ ”ملفوظ مصابح القلوب“، حصہ دوم۔ مؤلفہ مولانا ظہیر الشجاد، طبع دوم، مکتبہ صمدیہ، پھچھوند شریف
 ضلع اورتیا، اتر پردیش۔ ۱۴۲۰ھ ۱۹۹۹ء)

حضرت مولانا سید محمد اکبر میاں، چشتی کی سجادگی کا جلسہ، ۱۷ جمادی الاخریٰ ۱۳۷۷ھ کو ہوا
 جس کی مختصر روداد ”فرید تازہ بشارت“ (۱۳۷۷ھ) کے عنوان سے
 کتاب کے آخر میں، شامل ہے۔ جس کا خاص حصہ، یہ ہے:

”ایک بجے، تمام احباب سلسلہ، مقامی وغیرہ مقامی، حضرت قبلہ عالم، رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کے
 مزار فائض الانوار کے مواجہہ میں، صحن مسجد کے اندر جمع ہو گئے۔

میرے حضرت مرشدی و مولائی، مَدَّ ظِلُّہُ الْعَالِی، مع مخصوص حضرات، مثل

حضرت صاحبزادہ، حافظ سید بشیر الدین صاحب، متولی آستانہ عالیہ حافظیہ، خیر آباد شریف
 و حضرت صاحبزادہ، سید عبدالوحید صاحب و صاحبزادہ سید محمد سلمان صاحب، خیر آباد شریف
 و حضرت سیدی شاہ، اسلام الدین صاحب، امام مسجد حضرت سلطان المشائخ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ
 و حضرت شاہ قطب الدین صاحب، زیب سجادہ آستانہ قادریہ، چورہ شریف ضلع کان پور

حضرت الحاج مولانا مفتی رفاقت حسین صاحب و حضرت مولانا مولوی رجب علی صاحب نان پاروی و حکیم اعجاز رسول صاحب، خیر آبادی و جناب جمال احمد صاحب منصرم چیف کورٹ لکھنؤ کے صحن مسجد اور بیرون گنبد شریف کی درمیانی جگہ پر، تشریف فرما ہوئے۔

میرے حضرت قبلہ دَامَتْ بَرَکَاتُہُمْ الْعَالِیَہ نے اپنی تصدیق ”ملفوظ مصابیح القلوب“

اور وصایا شریف جو ملفوظ شریف میں طبع ہو چکی ہے

پڑھ کر سنانے کے بعد، ارشاد فرمایا کہ:

یہ تحریر، میری ہی لکھوائی ہوئی ہے اور میں نے اس، کو، آپ حضرات کے سامنے

اس لئے پڑھ کر سنانی، تاکہ آپ سب، اس کے شاہد، رہیں۔“

(ص ۳۵۵ و ۳۵۶۔ ”ملفوظ مصابیح القلوب“، حصہ دوم۔ مکتبہ صمدیہ پھونڈ شریف۔

طبع دوم ۱۳۲۰-۱۹۹۹ء۔ مکتبہ صمدیہ، پھونڈ شریف)

حضرت مولانا سید شاہ، محمد اکبر، چشتی، خَلْفُ الصَّدَق، حضرت مولانا سید شاہ، مصباح الحسن

چشتی، عَلَیْہِمَا الرَّحْمَةُ وَالرَّضْوَانُ سے بہت پہلے، اُس وقت مجھے، ملاقات و گفتگو کی سعادت

حاصل ہوئی، جب کہ خانقاہ صمدیہ، پھونڈ شریف میں میری حاضری ہوئی تھی۔

متعدد علمی و دینی موضوعات پر، آپ سے گفتگو کا شرف، حاصل ہوا۔

اس ایک ملاقات و گفتگو کا، میرے اوپر جو تاثر، قائم ہوا، وہ، یہ ہے کہ:

آپ، مجسمہ اخلاقِ فاضلہ ہیں۔ آپ کے اندر، علم کا وقار اور مشیخت کا اعتبار ہے۔

اپنے اسلاف کے سچے جانشین ہیں۔ سلیم الطبع، صحیح الفکر، متودّع، وسیع القلب، متقی

اور مثالی عالم و شیخ طریقت ہیں۔“

اس دورِ قحطِ الزّجال میں ایسے علما و مشائخ، اب ڈھونڈنے سے بھی، کہاں ملتے ہیں

جن کے اندر، اپنے اسلاف و اکابر کا عکس جمیل، نظر آتا ہو؟

جو بادہ کش تھے پرانے، وہ اٹھتے جاتے ہیں

کہیں سے آبِ بقائے دوام، لا، ساقی

رَحْمَتُہُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی وَ جَعَلَ الْجَنَّةَ مَثْوٰیہُمْ۔ آمین!

بِحَاہِ النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ، عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَعْلَمَآءِہٖ وَسَلَّمَ

اُمّتہ اجمعین۔

مولانا الشاہ مصطفیٰ رضا، نوری، بریلوی

مفتی اعظم، مولانا شاہ مصطفیٰ رضا، قادری، برکاتی، نوری، بریلوی (ولادت:- بوقت صبح صادق بروز جمعہ، بتاریخ ۲۲ ذوالحجہ ۱۳۱۰ھ / ۷ جولائی ۱۸۹۳ء - وصال:- بوقت شب، ایک بج کر چالیس منٹ - بتاریخ ۱۴ محرم الحرام ۱۴۰۲ھ / ۱۲ نومبر ۱۹۸۱ء) خلفِ اصغر، امامِ اہل سنت مولانا الشاہ، محمد احمد رضا، حنفی، قادری برکاتی، بریلوی (ولادت:- بروز شنبہ، بوقت ظہر:- ۱۰ ارشوال المکرم ۱۲۷۲ھ - مطابق ۱۴ جون ۱۸۵۶ء - وصال:- ۲۵ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ / ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۱ء) تبحر عالمِ دین، دقیق النظر فقیہ، نکتہ رس مفتی، قادر الکلام شاعر نعت، متوزع ومتقی بزرگ جامع اوصاف شیخ طریقت اور مرجع علما و خواص و عوام تھے۔

آپ کا اصل نام، محمد ہے۔ جس پر آپ کا عقیدہ ہوا۔

آپ کے مرشد طریقت، نور العارفین، سید شاہ ابوالحسن احمد، نوری، مارہروی (وصال ۱۱ رجب ۱۳۲۴ھ مطابق ۳۱ اگست ۱۹۰۶ء) بن سید شاہ ظہور حسن، مارہروی (وصال ۱۲۶۶ھ) بن خاتم الکابر، سید شاہ آل رسول، احمدی، قادری، برکاتی، مارہروی (وصال ذوالقعدہ ۱۲۹۶ھ / دسمبر ۱۸۷۹ء) نے

آپ کا نام ”ابوالبرکات محی الدین جیلانی“ تجویز فرمایا۔

اور آپ کے والد ماجد، امام احمد رضا نے آپ کا عرفی نام ”مصطفیٰ رضا“ رکھا۔ نوری، آپ کا تخلص ہے۔ مفتی اعظم کے لقب سے علما و مشائخ کرام اور خواص و عوام کے درمیان، مشہور ہوئے۔

مفتی اعظم کی ولادت کے وقت، آپ کے والد ماجد، امام احمد رضا

اپنے شہر، بریلی نہیں، بلکہ اپنے مرکز عقیدت، مارہرہ مظہرہ میں تھے۔

۲۲ ذوالحجہ ۱۳۱۰ھ کو نور العارفین، حضرت سید شاہ ابوالحسن احمد، نوری میاں قدس سرہ

نے امام احمد رضا قدس سرہ کو مفتی اعظم کی ولادت کی بشارت دی۔

ولادت کے بعد ”محمد“ کے بابرکت نام سے والد ماجد، امام احمد رضا نے اس بچے کا ساتویں

روز، عقیدہ کیا۔ صرف، چھ ماہ تین یوم کی عمر میں ۲۵ جمادی الآخرہ ۱۳۱۱ھ کو حضرت نور العارفین

مارہروی نے اس بچے کے منہ میں اپنی انکشت شہادت ڈالا، جسے اس نے چوسنا شروع کیا۔

آپ نے داخل سلسلہ فرمانے کے ساتھ، جملہ سلاسل کی اجازت و خلافت بھی اُسی وقت، عطا فرمادی۔ اور ارشاد فرمایا:

”خلق خدا کو، اس بچے سے بڑا فیض پہنچے گا۔ دین و ملت کی یہ بچہ، بڑی خدمت کرے گا۔ یہ بچہ، ولی ہے۔ یہ، فیض کا دریا بہائے گا۔“

مفتی اعظم کا، ہجری سال ولادت، اس آیت کریمہ سے نکلتا ہے:

وَسَلِّمْ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی (سورہ نمل - آیت ۵۹)

اپنے اس بچے، یعنی مفتی اعظم کو، امام احمد رضا نے بھی جمع اوراد و اشغال، اوافق و اعمال اور جملہ سلاسل طریقت کی اجازت و خلافت، عطا فرمائی۔

مفتی اعظم کی تسمیہ خوانی اور تعلیم و تربیت، آپ کے والد مکرم، امام احمد رضا کی آغوش شفقت میں ہوئی۔ امام احمد رضا، نے علم ہیئت کی تعلیم، مولانا عبدالعلی، ریاضی و ال، رام پوری، تلمیذ علامہ فضل حق، خیر آبادی سے حاصل کی تھی۔ مفتی اعظم کے برادر اکبر، چچہ الاسلام، مولانا حامد رضا، قادری برکاتی، بریلوی (وصال ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء) نے بھی، آپ کو تعلیم دی۔

آپ کے شفیق استاذ، مولانا شاہ رحم الہی، منگلوری، مظفر نگری (وصال ۱۳۶۱ھ) تلمیذ مولانا سید عبدالعزیز، انیٹھوی، سہارن پوری، تلمیذ مولانا عبدالحق، خیر آبادی تھے۔

ان کے علاوہ، مولانا ظہور حسین، فاروقی، رام پوری (وصال ۱۳۴۲ھ) تلمیذ مولانا عبدالحق، خیر آبادی و تلمیذ مولانا شاہ فضل رحمن، گنج مراد آبادی اور مولانا سید بشیر احمد، علی گڑھی تلمیذ مفتی لطف اللہ، علی گڑھی تلمیذ مفتی عنایت احمد، کاکوروی بھی، آپ کے اساتذہ کرام ہیں۔

دائر العلوم، مظفر اسلام (قائم شدہ ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء) بریلی میں جملہ علوم نقلیہ و عقلیہ کی تحصیل و تکمیل کر کے، ہجر اٹھارہ سال (۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء میں) مفتی اعظم کی تعلیمی فراغت ہوئی۔

۱۹۷۵ء کے سفر حج و زیارت حرمین طہیین کے مبارک موقع پر مولانا محمود احمد، قادری، رفاقی مظفر پوری مؤلف ”تذکرہ علمائے اہل سنت“ نے میمن رباط، مکہ مکرمہ میں مفتی اعظم سے آپ کے ابتدائی حالات، دریافت کیے۔ آپ نے تفصیل سے جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

”مولانا (حامد رضا بریلوی) کے بعد، اعلیٰ حضرت (مولانا احمد رضا، بریلوی) کے یہاں کسی فرزند کی ولادت نہیں ہوئی۔ اعلیٰ حضرت، مارہرہ شریف میں حاضر تھے۔

ظہر کی نماز باجماعت ادا کر کے، حضرت نوز العارفین (سید شاہ ابوالحسین احمد، نوری

مارہروی (قدّس سرّہ کے پیچھے پیچھے مسجد برکاتی گئی سیڑھیاں اتر رہے تھے۔
تبھی، فرزند کی ولادت کی دعا کی درخواست کی۔

حضرت نور العارفین نے دعا کی اور فرزند کی ولادت کی بشارت سنائی۔
جب، میری ولادت ہوئی، اعلیٰ حضرت، مارہرہ شریف، حاضر تھے۔
حضرت نور العارفین، نماز ادا کر کے واپس، اتر رہے تھے
اور اعلیٰ حضرت سیڑھیاں طے کر کے مسجد شریف میں حاضری کے لئے جا رہے تھے۔
جبھی، حضرت نور العارفین نے فرزند کی ولادت کی خوش خبری سنائی۔ اور فرمایا:
”مولوی صاحب! آپ کے یہاں، فرزند کی ولادت ہوئی ہے۔“
اور ”ابوالبرکات، محی الدین جیلانی“ نام، مرحمت فرمایا۔

یہی نام نامی، حضرت کے فرزند ارجمند کا تھا۔
محمد، نام پر عقیقہ ہوا، مصطفیٰ رضا، خاندانی عرف ہوا۔
اعلیٰ حضرت نے آل الرحمن کا بھی، اضافہ فرمایا۔
حضرت نور العارفین قدّس سرّہ نے بشارت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:
”میں، بریلی آکر، فرزند کو، دیکھوں گا۔“

چنانچہ، جب، میں، چھ ماہ کا تھا۔ حضرت نور العارفین قدّس سرّہ، بریلی، تشریف فرما ہوئے۔
مٹھلے پچا کے یہاں، قیام فرما تھے۔ اعلیٰ حضرت نے مجھے لے جا کر حضرت کی گود میں دے دیا۔
حضرت نور العارفین نے میرے منہ میں انگلی ڈال دی، میں، انگلی چوسنے لگا۔
اعلیٰ حضرت نے عرض کیا: حضور! غلام بھی بنالیں۔“
میں نے حضرت والا سیدی الکریم، مفتی اعظم علیہ الرحمۃ سے عرض کیا۔
کچھ، اپنی تعلیم کے بارے میں بھی فرمائیں؟

فرمایا: قرآن شریف، اعلیٰ حضرت سے پڑھا۔ مٹھلے اور چھوٹے چچا کے علاوہ
مولانا حامد رضا، بریلوی سے بھی پڑھا۔ اس کے بعد فارسی اور عربی بھی، انھیں حضرات سے پڑھی۔
جب، مدرسہ اہل سنت قائم ہوا تو، اس کے اساتذہ سے بھی۔ مولانا سید بشیر احمد، علی گڑھی
سے بھی پڑھا۔ مولانا ظہور الحسین، فاروقی، رام پوری سے بھی پڑھا۔
جب، مولانا رحم الہی (منگلوری) مظفر نگری، مدرس دوم ہو کر پائے

تو، ان سے خاص طور سے پڑھا۔ یہ میرے خاص استاذ تھے۔
جب، متوسطات پڑھ چکا، تو، زیادہ تر، اعلیٰ حضرت کی خدمت میں، حضوری، حاصل رہتی۔
جس سے فوائد کثیرہ، حاصل ہوئے۔“

میں نے عرض کیا: حضور کے شرکاءے درس، کون کون تھے؟
فرمایا: مٹھلے چچا جان کے صاحب زادے، مولانا حسنین رضا خاں تھے۔
بریلی کے مولوی حشمت علی بھی تھے۔

عرض کیا: تربیتِ افتا کا بھی کچھ حال، ارشاد فرمائیں؟
فرمایا: دارالافتاء اہل سنت میں اعلیٰ حضرت قبلہ کی رہنمائی میں مدرسہ اہل سنت
منظر اسلام کے فارغ، مولانا ظفر الدین صاحب، مدرس سوم۔ اور مدرسہ اہل سنت ہی کے اولین
فارغین، مولانا سید عبدالرشید صاحب، عظیم آبادی اور مولانا سید غلام محمد صاحب، بہار شریف
افتا کا کام کرتے تھے۔ بریلی کے مولانا نواب مرزا بھی، فتاویٰ لکھتے تھے۔

ایک دن، میں، دارالافتاء اہل سنت میں پہنچا۔
دیکھا کہ مولانا ظفر الدین، فتاویٰ لکھنے میں مشغول ہیں۔
اور مراجعت کے لئے بار بار، فتاویٰ رضویہ کی جلدیں، کھول کھول دیکھتے جاتے ہیں۔
بار بار، ایسا کرتے پایا، تو، اُن سے میں نے کہا:

کیا، فتاویٰ رضویہ، دیکھ دیکھ کر، جواب لکھتے ہو؟
انہوں نے کہا: تم، بغیر دیکھے لکھو، تو، جائیں۔

ایک استثنا اٹھا کر، انہوں نے مجھے دیا۔ میں نے لکھ دیا۔
تصدیق و تصویب کے لئے اعلیٰ حضرت قبلہ کی خدمت میں پیش ہوا۔
جواب صحیح اور درست تھا۔ اعلیٰ حضرت قبلہ نے تصویب فرمائی۔

اور ایک روپیہ، انعام میں، مرحمت فرمایا۔

بندہ (محمود احمد، قادری، رفاقی) نے عرض کیا: کیا سوال تھا؟

حضرت والا مفتی اعظم نے فرمایا: رضاعت کا مسئلہ تھا۔ رضاعت ہی کا جواب
اعلیٰ حضرت قبلہ نے تحریر فرمایا تھا اور اپنے والد ماجد قبلہ سے ایک روپیہ، انعام میں پایا تھا۔

مسکرا کر، ارشاد فرمایا: مولانا ظفر الدین صاحب نے بھی

پہلا جواب، رضاعت کا لکھا اور انعام پایا۔“

(ص ۱۰۸۳ و ۱۰۸۴)۔ ”جہان مفتی اعظم“۔ مضمون بقلم مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی۔ ترتیب مجموعہ مضامین ”جہان مفتی اعظم“ از مولانا محمد احمد، اعظمی، مصباحی و مولانا عبدالحسین، نعمانی، مصباحی و مولانا مقبول احمد، مصباحی۔ مطبوعہ رضا اکیڈمی۔ بمبئی۔ ۱۳۲۸ھ (۲۰۰۷ء)

مفتی اعظم کو، اپنے پیرومرشد، حضرت نور العارفین، مارہروی اور امام احمد رضا کے ذریعہ اور آپ دونوں حضرات کے توسط سے، وہ تمام اجازات و اسانید حاصل ہیں

جو، رسالہ ”النُّورُ وَالبَہَا فی اَسَانِیدِ الْحَدِیثِ وَ سَلَسِلِ الْاَوَّلِیَا۔ (۱۳۰۷ھ) مولفہ حضرت نور العارفین، مارہروی و ”الْاِجَازَاتُ الْمَتِیْنَةُ لِعُلَمَاءِ بَکَّةَ وَ الْمَدِیْنَةِ (۱۳۲۳ھ) از امام احمد رضا، بریلوی اور ”حیاتِ اعلیٰ حضرت“ حصہ سوم، مولفہ مولانا محمد ظفر الدین، قادری رضوی، عظیم آبادی میں، مسطور و مذکور ہیں۔

اپنے شیخ طریقت، نور العارفین، سید شاہ ابوالحسن احمد، نوری، مارہروی اور والد مکرم امام احمد رضا، بریلوی قَدِسَ سِرُّہُمْ مَّا کے واسطہ سے خانوادہ قادریہ برکاتہ کی مخصوص روایات و اجازات کے علاوہ، مسلسل و سلسلہ حدیث، از امام المحدثین، شیخ عبدالحق محدث دہلوی و سراج الہند، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرزند و جانشین شاہ ولی اللہ محدث دہلوی و بحر العلوم مولانا عبدالحق، فرنگی محلی، لکھنوی، اور پھر.. اِلَیْ اٰخِرِ السِّلْسِلَةِ کی بھی، اجازتیں آپ کو، حاصل ہیں۔

خانوادہ فرنگی محل، لکھنؤ کا ایک سلسلہ ہے: مفتی اعظم، مولانا شاہ مصطفیٰ رضا از امام احمد رضا خاتم الکابر، سید شاہ آل رسول، احمدی، مارہروی از عارف باللہ، مولانا نور الحق، فرنگی محلی بن مولانا انوار الحق، فرنگی محلی از بحر العلوم، مولانا عبدالحق، فرنگی محلی، لکھنوی۔ اِلَیْ اٰخِرِ السِّلْسِلَةِ۔

دوسرا فرنگی محلی سلسلہ، اس طرح ہے: مفتی اعظم، مولانا شاہ مصطفیٰ رضا بریلوی از امام احمد رضا بریلوی از مولانا نقی علی، بریلوی از مولانا مفتی رضاعلی، بریلوی از مولانا غلیل الرحمن، محمد آبادی رام پوری۔ از مولانا محمد علم، سندیلوی از بحر العلوم، مولانا عبدالحق، فرنگی محلی۔ اِلَیْ اٰخِرِ السِّلْسِلَةِ۔ علمائے خانوادہ فرنگی محل (لکھنؤ) اور علمائے خانوادہ رضویہ (بریلی) کا دینی علمی رشتہ

دو صدیوں کو محیط ہے۔ قندھار (افغانستان) سے لاہور و دہلی جوتے ہوئے بریلی تک کا سفر خانوادہ رضویہ (بریلی) کے جن آباؤ اجداد نے کیا، اُن کے ہاتھ میں، شمشیر و لٹان تھی۔

اس خاتون کے جس فرد کے ہاتھ ”قبضہ شمشیر“ چھوڑ کر ”گلدستہ علم“ کی طرف بڑھے
اُس سعید و صالح مرد میدان کا نام ہے: حافظ کاظم علی خاں، بریلوی۔

حافظ کاظم علی خاں، بریلوی پر، تدبیر و تقویٰ کا غلبہ ہوا۔

اور وہ ساعت سعید بھی، ان کی زندگی میں، بہار بن کر آئی

جب حضرت مولانا شاہ انوار الحق قادری، رزاقی، فرنگی محلی، لکھنوی (وصال ۱۲۳۶ھ/۱۸۲۱ء) کا دامن کرم، حافظ کاظم علی، بریلوی کے ہاتھ میں آیا۔ اور آپ، ان کی بیعت و ارادت سے بہرہ ور و سرفراز ہوئے۔

اور حافظ کاظم علی کے صاحب زادے، حضرت مولانا مفتی رضا علی خاں، بریلوی (وصال ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۵ء) کا دینی و علمی رشتہ بھی، بالواسطہ، اسی خانوادہ فرنگی محل سے اس طور پر، استوار ہوا کہ:
فرنگی محلی سلسلہ کے عالم و مدرس، حضرت مولانا خلیل الرحمن، رام پوری، آپ کے استاد
اور حضرت شاہ فضل رحمن، گنج مراد آبادی، آپ کے مرشد طریقت تھے۔
حضرت شاہ فضل رحمن، گنج مراد آبادی کے بارے میں اس کتاب کے
قارئین کو معلوم ہو چکا ہے کہ:

آپ، حضرت مولانا نور الحق، فرنگی محلی کے، نیز حضرت شاہ عبدالعزیز، محدث دہلوی کے
شاگرد رشید تھے۔ اور حضرت شاہ آفاق، نقشبندی، مجددی، دہلوی کے مرید و خلیفہ خاص تھے۔
حضرت مفتی رضا علی، بریلوی کے تعارف و تذکرہ میں

مولانا رحمن علی (متوفی ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء) لکھتے ہیں:

”مولوی رضا علی خاں بن محمد کاظم علی خاں بن محمد اعظم خاں بن محمد سعادت یار خاں۔

بریلی (روہیل کھنڈ) کے مشہور عالم اور بھڑیچ پٹھان تھے۔

ان کے بزرگ، سلاطین دہلی کے یہاں ”شش ہزاری“ وغیرہ، مناصب جلیلہ پر ممتاز تھے۔

۱۲۴۲ھ/۱۸۰۹ء میں پیدا ہوئے۔ مولوی خلیل الرحمن مرحوم سے ٹونک (راج پوتانہ) میں

علوم درسیہ کی تحصیل کی۔ اور تیس (۲۳) سال کی عمر میں، علوم مرؤجہ سے فراغت، حاصل کر لی۔

اپنے ہم عصروں میں ممتاز ہوئے۔ خصوصاً علم فقہ میں بڑی مہارت تھی۔

..... ۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۵ء میں انتقال ہوا۔

”بھڑیچ“ پٹھانوں کا ایک قبیلہ ہے۔ جس کو ”روہیلہ“ بھی کہتے ہیں۔“

(ع ۱۹۳ - تذکرہ علماء ہند - مؤلفہ رحمٰن علی - اردو ترجمہ از پروفیسر محمد ایوب، قادری۔

پاکستان، سٹوریکل سوسائٹی - کراچی - ۱۹۶۱ء)

مولانا خلیل الرحمن، رام پوری نے مثلاً، عرفان بن عمران، رام پوری، تلمیذ بحر العلوم، علامہ عبدالعلی، فرنگی محلی کے علاوہ، معقولات کے ماہر عالم و مدرس، مولانا شرف الدین، رام پوری اور مثلاً، حسن، فرنگی محلی سے تعلیم پائی تھی۔

مولانا خلیل الرحمن، نواب امیر خاں، بانی ریاست ٹونک (راج پوتانہ) کی ریاست ٹونک کے قاضی ہوئے۔ پھر حج و زیارت حرمین کے بعد، جاوڑہ (موجودہ مدھیہ پردیش) میں مقیم ہو گئے۔ حکیم عبدالحی، رائے بریلوی، آپ کی تصنیفات کے بارے میں لکھتے ہیں:

وَمِنْ مُصَنَّفَاتِهِ "الدَّائِرَةُ" شَرْحٌ عَلَى "مَنَارِ الْأُصُولِ" وَلَهُ تَعْلِيقَاتٌ عَلَى "حَاشِيَةِ غَلَامِ يَحْيَى" وَ "مِيرْزَاهُ رِسَالَةُ" وَ "مِيرْزَاهُ عَلَى شَرْحِ الْمَوَاقِفِ" وَ "رَسْمُ الْخَيْرِ" وَ رَسْمُ الْخَيْرَاتِ "رَسَالَتَانِ فِي اثْبَاتِ الرُّسُومِ مِنَ الْفَاتِحَةِ وَغَيْرِهَا۔

وَلَهُ "مِئَةُ عَامِلٍ" صَنَّفَهُ لِابْنِهِ عَبْدِ الْعَزِيزِ وَ شَرْحٌ بَسِيطٌ عَلَيْهِ، وَلَهُ مَنَظُومَةٌ فِي الْعُرُوضِ وَ مَنَظُومَةٌ فِي جَوَابِ سَوَالِ الْخ۔

(ص ۹۶۲ - نزهة الخواطر - جلد سابع - دار ابن حزم، بیروت)

مولانا خلیل الرحمن، رام پوری، ٹونکی کے والد، مولانا عرفان بن عمران، رام پوری تلمیذ بحر العلوم، مولانا عبدالعلی، فرنگی محلی کے بارے میں نزهة الخواطر میں ہے:

لَهُ مُصَنَّفَاتٌ جَلِيلَةٌ فِي الْفِقْهِ وَالْأُصُولِ مِنْهَا: "مَدَارُ الْأُصُولِ" وَ "دَوَارُ الْأُصُولِ" كِلَاهُمَا شَرْحٌ "دَائِرَةِ الْأُصُولِ إِلَى عِلْمِ الْأُصُولِ" لَهُ خَمْسَةُ أَسْنَاءَ كُلُّهُمْ عُلَمَاءُ - أَحْلَاهُمُ الْقَاضِي خَلِيلُ الرَّحْمَنِ الطُّونُكِيُّ - مَاتَ بِمَدِينَةِ "رَام فُور" - (ص ۱۰۳۷ - نزهة الخواطر - ج - سابع - دار ابن حزم، بیروت)

کچھ علماء و مشائخ مجاز کو، اپنی اجازات و آسانید کے اجازت نامہ (مطبوعہ الإجازات المصنفة) میں، مفتی اعظم کے والد مکرم، امام احمد رضا، قادری برکاتی، بریلوی تحریر فرماتے ہیں:

(عربی سے ترجمہ) میں، انھیں، علی بركة الله تعالى درج ذیل کتب، اور علوم و فنون کی اجازت دیتا ہوں، جن کا، میں، مجاز ہوں۔

قرآن مجید، نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی احادیث مبارکہ اور کتب احادیث، مثل صحاح، سنن، مسانید، جوامع، معاجم، انجز، شروح، کتب اصول حدیث، کتب اسماء الرجال، فقہ تفسیر، قرأت، تجوید، کلام، اصول فقہ، سیر، تواریخ، ادب، نحو، صرف، لغت، معانی، بیان، بدیع منطق، حکمت، ہندسہ، ہیأت، زینیات کی کتابیں اور مقاصد و ذرائع کی باقی کتابیں جن کی، میں اپنے بزرگ ترین مشائخ سے روایت کرتا ہوں۔ مثلاً

- (۱) میں، اپنے آقا، اپنے مُرشد، اپنے سردار سے راوی ہوں۔
یعنی، سید شاہ آل رسول، احمدی (اللہ تعالیٰ، انھیں، دائمی رضا، مرحمت فرمائے)
وہ، اپنے جلیل القدر مشائخ سے۔ جن میں، شاہ عبد العزیز، دہلوی بھی ہیں۔
وہ، اپنے والد، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے (رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ)
(۲) میں، اپنے والد سے راوی ہوں۔ یعنی، سیدنا مولانا محمد تقی علی، قادری برکاتی، بریلوی
وہ، اپنے کریم باپ، عارف ربّانی، سیدنا مولوی محمد رضا علی سے۔
وہ، مولانا خلیل الرحمن، محمد آبادی (رام پوری) سے۔ وہ فاضل، محمد اعلم، سندیلوی سے۔
وہ بحر العلوم، مولانا عبد العلی (فرنگی محلی) لکھنوی سے۔
(۳) میں، بلدِ امان، مکہ مکرمہ کے شیخ العلماء، امام، محدث، پختہ رائے والے فقیہ، مولانا الشیخ احمد بن زین دحلان، مکی سے راوی ہوں۔ وہ، شیخ عثمان دمیاطی وغیرہ سے، راوی ہیں۔
(۴) میں، مولانا الشیخ عبد الرحمن، فرزند مفتی احناف مکہ مکرمہ شیخ عبد اللہ سراج سے روایت کرتا ہوں۔ وہ، مولانا الشیخ جمال بن عبد اللہ بن عمر مفتی اعظم احناف سے۔
وہ، مولانا الشیخ محمد عابد، سندھی، مدنی سے روایت کرتے ہیں۔
(۵) میں، شیخ سید حسین بن صالح لجمال اللیل، مکی سے راوی ہوں۔
اور وہ، شیخ عابد، سندھی، مدنی سے روایت کرتے ہیں۔
(مُلَخَّصٌ اَزْ اِلَاجَا زَاتِ الْمَیْنَةِ لِعُلَمَاءِ بَغْدَادِ الْمَدِیْنَةِ۔ از امام احمد رضا، بریلوی)
مفتی اعظم کی مجلس تعلیم و تربیت میں اصلاحِ فتویٰ کا انداز اور نمونہ پیش کرتے ہوئے
حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی، سابق صدر شعبۂ افتاء الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور تحریر فرماتے ہیں:
”یہ مجلس، آدھی رات سے پہلے کبھی ختم نہ ہوتی۔
بارہا، رات کے دو بج جاتے۔ اور رمضان شریف میں، سحری کا وقت تو، روز ہو جاتا تھا۔

”بارہا، ایسا ہوتا کہ حکم کی تائید میں کوئی عبارت نہ ملتی تو، میں اپنی صواب دید سے حکم لکھ دیتا۔ کبھی، دور دراز کی عبارت سے تائید لاتا۔ مگر، مفتی اعظم، ان کتابوں کی عبارتیں، جو، دائرِ الافتائیں نہ تھیں، زبانی لکھوا دیتے۔ میں، حیران رہ جاتا۔ یا اللہ! کبھی، کتاب کا مطالعہ کرتے نہیں۔ یہ عبارتیں، زبانی کیسے یاد ہیں؟ پیچیدہ سے پیچیدہ، دقیق سے دقیق مسائل پر، ایسی تقریر فرماتے کہ: معلوم ہوتا کہ، اس پر، بڑی محنت سے تیاری کی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ کلام، بہت کم فرماتے تھے۔ مگر، جب ضرورت ہوتی تو، ایسی بحث فرماتے کہ اچلے علماء، انگشت بدنداں رہ جاتے۔ کسی مسئلہ میں ٹھہرا کے، متضاد اقوال ہیں تو، سب دماغ میں، بروقت، حاضر رہتے۔ سب کے دلائل، وجوہ ترجیح اور قولِ مختار، مفتی بہ پر یقین اور ان سب اقوال پر، اس کی وجہ ترجیح، سب، ازبر۔

..... انجکشن لگوانے سے روزہ، فاسد ہوتا ہے، یا۔ نہیں؟

کچھ علماء، اس کے قائل ہیں کہ مطلقاً، ہر انجکشن سے روزہ، فاسد ہو جاتا ہے۔ کچھ علماء، اس کے قائل ہیں کہ روزہ، فاسد نہیں ہوتا اور کوئی کراہت بھی نہیں۔ حضرت مفتی اعظم کی تحقیق، یہ ہے کہ روزہ، فاسد نہیں ہوتا، مگر، مکروہ ہے۔ یہ ایک متن ہے جس کی شرح، میرے متعدد فتاویٰ میں موجود ہے۔“ الخ

(ص ۲۵۲ و ۲۵۳۔ ”جہانِ مفتی اعظم“۔ رضا اکیڈمی، بمبئی)

مفتی اعظم کے دورِ آخر کے ایک تربیت یافتہ مفتی، مولانا محمد مطیع الرحمن، مضطر، رضوی، پورنوی

درس و طریقہ تربیت کا ذکر کرتے ہوئے، تحریر فرماتے ہیں:

”حضور مفتی اعظم، درسِ افتائیں اس کا التزام فرماتے تھے کہ:

محض نفسِ حکم سے واقفیت نہ ہو۔ بلکہ اس کے مآلہ و مآعلیہ کے تمام نشیب و فراز

ذہن نشین ہو جائیں۔

پہلے، آیات و احادیث سے استدلال فرماتے۔ پھر، اصول فقہ و حدیث سے اس کی تائید

دکھاتے اور قواعدِ کلیہ کی روشنی میں اس کا جائزہ لے کر کتب فقہ سے جزیات، پیش فرماتے۔

پھر، مزید اطمینان کے لئے فتاویٰ رضویہ، یا ارشادِ امام احمد رضا، نقل فرماتے۔
 اگر، مسئلہ میں اختلاف ہوتا تو، قولِ راجح کی تعیین، دلائل سے کرتے۔
 اور اصولِ افتا کی روشنی میں مَالَهُ وَمَا عَلَيْهِ الْفَتْوَى کی نشان دہی فرماتے۔
 پھر، فتاویٰ رضویہ، یا ارشادِ امام احمد رضا سے، اس کی تائید، پیش فرماتے۔
 مگر، عموماً، یہ سب، زبانی ہوتا۔

عام طور پر جواب، بہت مختصر اور سادہ لکھنے کی تاکید فرماتے۔
 ہاں! کسی عالم کا بھیجا ہوا استفتاء ہوتا۔ اور وہ، ان تفصیلات کا خواست گار ہوتا
 تو، پھر جواب میں وہی رنگ اختیار کرنے کی بات، ارشاد فرماتے۔“
 (ص ۱۱۲۔ جہانِ مفتی اعظم۔ رضا اکیڈمی، بمبئی)

مفتی اعظم، بچپن ہی سے صاحبِ زہد و تقویٰ اور میکِ علم و عمل تھے۔
 جس کی شہادت، اہل خانہ و اہل تعلق دیتے چلے آ رہے ہیں۔

حضرت مولانا ضیاء الدین احمد، قادری، مدنی (وصال ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء۔ مدفون جنت البقیع۔
 مدینہ منورہ) عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ وَالْوَدُّوٰن، ہندوپاک کے زائرینِ مدینہ سے عموماً
 مفتی اعظم کے احوال، بڑی عقیدت کے ساتھ، بیان فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ، آپ فرماتے ہیں:
 ”ضیاء الدین احمد نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

وَاللّٰهُ الْعَظِیْمُ! مفتی اعظم، بچپن ہی سے میکِ علم و عمل ہیں۔ جامعِ زہد و تقویٰ ہیں۔
 اس وقت، ان کے علم و فضل، زہد و تقویٰ، بزرگی و پرہیزگاری، فکر و عرفان کا
 کوئی کیا اندازہ کر سکتا ہے؟

فقیر ضیاء الدین احمد، عمر میں تو، مفتی اعظم سے ضرور بڑا ہے۔
 لیکن، مراتب میں مفتی اعظم، فقیر سے بہت بڑے ہیں۔“

فریضہٴ اُمُرِ بِالْمَعْرُوفِ وَنَهٰی عَنِ الْمُنْكَرِ کے بارے میں حافظِ مِلّت، مولانا الشاہ
 عبدالعزیز، مراد آبادی، محدثِ مبارک پوری (وصال ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء) ارشاد فرماتے ہیں:
 فرزندِ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا، حضرت مفتی اعظم ہند، علامہ الشاہ محمد مصطفیٰ رضا صاحب
 بریلوی، اُمُرِ بِالْمَعْرُوفِ وَنَهٰی عَنِ الْمُنْكَرِ کی جتنی جاگتی تصویر ہیں۔
 حق گوئی کے وہ، ایسے مجاہد فی الدین ہیں کہ معاصرین میں، یہ بات نہیں ملتی۔

بے خوف، بے جھجک۔ ہر شخص کے غیر شرعی عمل پر ٹوک دینا، ان کا طرہ امتیاز ہے۔“
 (”مفتی اعظم نمبر۔ استقامت ڈائجسٹ، کانپور۔ مئی ۱۹۸۳ء)

اہتمام صلوٰۃ و جماعت کے بارے میں، شارح بخاری، مفتی محمد شریف الحق امجدی (سابق صدر شعبہ افتاء، الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور) اپنے گیارہ (۱۱) سالہ قیام بریلی و رفاقت مفتی اعظم کے مشاہدات، اس طرح بیان کرتے ہیں
 ”حضرت مفتی اعظم کی عادت کریمہ تھی کہ:

ہر نماز، مسجد میں حاضر ہو کر، تازہ وضو سے باجماعت، ادا فرماتے تھے۔

سفر کتنا ہی دشوار ہو۔ گاڑی میں کتنی ہی بیٹھ ہو۔ کبھی کوئی نماز، قضا نہیں ہوئی۔

اور فرض، یا۔ سنت بیٹھ کر، ادا نہ فرمائی۔

اس سلسلے میں، بڑی دشواریاں، پیش آئیں۔ مگر کبھی کوئی پروا نہ کی۔“

(ص ۲۶۱۔ مضمون! ”مفتی اعظم اپنے فضل و کمال کے آئینے میں۔“ بقلم مفتی محمد شریف الحق امجدی۔

شمولہ ”انوار مفتی اعظم“۔ باہتمام انجمن الاسلامی، مبارک پور۔ ناشر:۔ رضا اکیڈمی، بمبئی۔

ربیع الاول ۱۴۱۳ھ / اکتوبر ۱۹۹۲ء)

شیخ الاسلام، مولانا سید محمد مدنی، اشرفی، کچھو چھوی

شہزادہ محمد شہ اعظم، سید محمد محدث اشرفی، کچھو چھوی، تحریر فرماتے ہیں:

”بخاری و مسلم کا سننے والا، جس یقین و اذعان کے ساتھ، کہہ سکتا ہے کہ:

ہم نے، رسول کریم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے اقوال سے

اُسی یقین و اذعان کے ساتھ، حضور مفتی اعظم کے دیکھنے والے کو، یہ حق ہے کہ کہے:

ہم نے رسول کریم کی چلتی پھرتی جی تصویر دیکھی ہے۔

فرائض و واجبات و مؤکدات کو، رہنے دیجیے۔

جو، ہستی، مباحات اور فطری خواہشات میں بھی رسول کریم کی اطاعت و اتباع سے

سرِ مو، تجاوز نہ ہو، وہ، رسول کریم کی جی تصویر اور افعال رسول کی حفاظت کا بیکر نور، نہیں تو، اور کیا ہے؟

(ص ۱۲۶۔ مفتی اعظم نمبر۔ استقامت ڈائجسٹ، کانپور، شمارہ مئی ۱۹۸۳ء)

مولانا قمر الزماں، اعظمی، مصباحی (ماچسٹر، انگلینڈ) مفتی اعظم کی نماز میں خشوع و خضوع

کی روحانی منظر کشی کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

حضور مفتی اعظم کے نزدیک ”توحید“ محض ایک لفظ نہیں جس کو صرف زبان سے ادا کیا جائے۔ بلکہ ایک کیفیت ہے، جو اُن کو جملہ موجودات اور ممکنات کے تعین سے بے گانہ کر دیتی ہے۔

چنانچہ جب وہ نماز پڑھنے کے لئے خدا کی بارگاہ میں کھڑے ہوتے تھے تو ایک خاص کیفیت، اُن پر طاری ہوتی تھی۔

جس کا مشاہدہ، اُن سیکڑوں حاضر باش افراد نے کیا ہے جنہوں نے، انھیں، نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

وضو، اس طرح کرتے کہ گویا، وہ، اپنے محبوب حقیقی کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے لئے، طہارتِ کاملہ کے ذریعہ، خود کو نکھار رہے ہوں۔ سنن و مستحبات اور تمام تجویزات کا، کامل اہتمام فرماتے تھے۔

عمامہ شریف، سر پر رکھتے اور عبا، زیب تن فرماتے تو، ایسا محسوس ہوتا کہ: مجبور حقیقی کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے لئے خود کو آراستہ کر رہے ہیں کہ: کہیں، کوئی بٹن کھلا نہ رہ جائے۔ کہیں، کوئی آستین، مڑی نہ رہ جائے اور گریباں چاک حاضری کا الزام، عائد ہو جائے۔

کہیں، لا اُبابی پن اور کسل مندی، نہ نمایاں ہو جائے۔ اس لئے کہ: یہ سب، ایمان اور محبت کے تقاضے کے خلاف ہے۔

نماز کی کیفیت کا، یہ عالم تھا کہ:

محسوس ہوتا تھا کہ گائیکِ تِراہ کے کیفِ سرمدی میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو

عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

خادم نے شدید گرمی کے موسم میں، جب وہ، حالتِ نماز میں تھے

پنکھا، جھلنا شروع کر دیا تو، سلام پھیرنے کے بعد سخت ناراض ہوئے کہ:

ایک بندہ عاجز اپنے خدا کی بارگاہ میں حاضر تھا اور تم، میری خدمت کر رہے تھے؟

کیا، ایک غلام اپنے آقا کے حضور میں کسی خدمت گار کو لے کر، حاضر ہو سکتا ہے؟

لوگ، خدا کو شہید و بصیر مانتے ہیں۔

مگر، مفتی اعظم کی ذات پر، خدا کے شہید و بصیر ہونے کا احساس، اس قدر غالب تھا کہ:

وہ، ایک لمحے کے لئے بھی، اُس کے حضور میں حاضری کے احساس سے غافل نہیں تھے۔
کسی نے سوال کیا کہ: حضرت! آج کے ماڈرن دور میں بعض مقامات پر سنت کے مطابق
کھانا کھانے سے، ایک عجیب سا احساس ہوتا ہے۔

جواب، عطا ہوتا ہے کہ: تم کو، لوگوں کا احساس ہے۔ مگر، یہ احساس نہیں کہ:

تم، رَزَّاقِ مطلق کا رِزق کھا رہے ہو۔ اور تم، اس کے بندے ہو؟

کیا، ایک بندہ، اپنے آقا کے حضور میں کبر و نخوت کے انداز سے کھانا کھا سکتا ہے؟

کسی نے ضعف کی وجہ سے آپ کے ہاتھ میں لرزش محسوس کی۔

اور وضو کے لئے، لوٹے میں، آپ کے ہاتھوں پر، پانی ڈالنا چاہتا تو منع فرمادیا۔ اور فرمایا کہ:

وضو، نماز کے اہتمام کا ایک حصہ ہے۔ یہ بھی، عبادت ہے۔

اور عبادت غیر مقصودہ میں بھی، حتیٰ الامکان، کسی غیر سے مدد نہیں لینی چاہیے۔“

مفتی اعظم، عَلَیْہِ الرَّحْمَةُ وَالرِّضْوَانُ، سفر و حضر میں اوقاتِ مستحبہ میں نماز کی ادائیگی کا

اہتمام، خود بھی فرماتے اور رُفقاء سفر، نیز خُدام حاضر باش کو بھی حکم دیتے تھے۔“ الخ۔

(اقتباس و التقاط۔ جہانِ مفتی اعظم۔ رضا اکیڈمی، ممبئی۔ مضمون بقلم علامہ قمر الزماں، اعظمی)

مفتی اعظم قُدس سرور کا ایک وصفِ خاص، یہ تھا کہ:

جن دینی جلسوں کی دعوت، قبول فرمالیتے، اُن میں ضرور شرکت کرتے۔

اور مدارس کے جلسوں میں بڑی دل چسپی کے ساتھ، شرکت فرمایا کرتے تھے۔

لیکن، ان کی طرف سے پیش کردہ نذرانہ، قبول نہیں کرتے۔

یا۔ اصرار کرنے پر قبول فرمالیتے اور پھر، اُسے اپنی جانب سے، مدرسے کو عطا فرمادیا کرتے تھے۔

تعلیمی کانفرنس مبارک پور ۱۹۷۲ء میں شرکت کے بعد واپسی کے وقت کا واقعہ

حضرت علامہ ارشد القادری (متوفی ۲۰۰۲ء) اس طرح بیان فرماتے ہیں:

”حضور مفتی اعظم ہند، جب رخصت ہونے لگے

تو ہم نے جامعہ کی طرف سے کچھ پیش کرنا چاہا۔ حضرت نے دریافت فرمایا: کیا ہے؟

جلدی میں، میرے منہ سے نکل گیا: کرایہ ہے۔“

حضرت نے فرمایا: میں، کرایہ کا مولوی نہیں ہوں۔“

اس جواب پر میں، پسینہ پسینہ ہو گیا۔ رہ رہ کر کچھتاؤا ہوتا تھا کہ:

میزے منہ سے، یہ جملہ کیوں نکل گیا۔ کچھ اور کہہ دیا ہوتا۔“

(رفاقت۔ پینہ۔ شمارہ ۱۵ دسمبر ۱۹۸۱ء)

”خاص طور پر، ان مدرسوں کے اجلاس میں ضرور شرکت فرماتے جن کے ذیل میں کسی عظیم عمارت کے سنگ بنیاد کی تقریب ہوتی۔ اس طرح کے موقع پر سب سے پہلے عطیہ جو چندے کی جھولی میں پڑتا وہ خود مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کی طرف سے ہوتا۔ مدارس کے جلسوں میں حضرت کا معمول، یہ تھا کہ:

وہ، مدرسوں سے، نذرانہ قبول کرتے اور نہ سفر خرچ۔“ (رفاقت۔ پینہ۔ دسمبر ۱۹۸۱ء)

پندرہ (۱۵) بیس (۲۰) سال پہلے کی بات ہے کہ:

راقم سطور (یسرے آخر مصباحی) ایک مرتبہ، رضا اکیڈمی، بمبئی کے آفس (جو، اُس وقت کامیوٹر اسٹریٹ میں تھا) میں، بیٹھا ہوا تھا کہ:

ایک معمر شخص، تشریف لائے۔ غالباً، اُن کا نام، عبدالقادر شریف تھا۔ جو، بمبئی ہی کے رہنے والے اور حضور مفتی اعظم کے مُرید تھے۔ انھوں نے، دورانِ گفتگو، ایک واقعہ سنایا کہ:

حضور مفتی اعظم، ایک بار بمبئی تشریف لائے۔ بہت پہلے کا، یہ واقعہ ہے۔ کسی خاص جگہ، آپ، رونق افروز تھے اور مریدوں و عقیدت مندوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ ایک متمول شخص نے پانچ ہزار روپے کی گڈی، آپ کی خدمت میں بطور نذر، پیش کی۔ آپ نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ اُس نے عرض کیا کہ حضور! یہ میری طرف سے، نذرانہ ہے۔“ آپ نے اسے، یہ نذرانہ، واپس کر دیا اور اصرار کے باوجود قبول کرنے سے انکار کیا۔ اسی مجلس کی بات ہے کہ ایک مزدور پیشہ آدمی آیا

اور اس نے دو روپے، آپ کی خدمت میں پیش کیے۔ آپ نے دریافت فرمایا: یہ کیا ہے؟ اس نے عرض کیا: حضور، یہ میری طرف سے نذرانہ ہے۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ:

آپ کیا کرتے ہیں؟ اس نے کہا: حضور! میں، سڑک پر ٹھیلہ چلاتا ہوں۔“

آپ نے اس غریب مخلص کی جائز کمائی کی، یہ نذر، قبول فرمائی۔

ٹھہہ حضرات کی زبانی، میں نے سنا کہ اگر کوئی شخص، یہ کہہ کر آپ کو کچھ رقم، پیش کرتا کہ:

یہ آپ کے مدرسے کے لئے ہے، تو، اس شخص کا نام و پتہ لکھ کر، رقم کے ساتھ اسے صدری کی

دوسری جیب میں رکھتے اور بریلی، واپس آتے ہی وہ رقم، مع نام و پتہ، مدرسے کے حوالے فرمادیتے۔ مفتی اعظم نے زندگی میں کبھی، چندہ نہیں کیا۔ باوجود اس کے:

آپ، دارالعلوم مظہر اسلام، بریلی شریف کے بانی اور اس کے اخراجات کے کفیل تھے۔ اور اس کے اخراجات کے سلسلے میں آپ، مقروض بھی، ہو جایا کرتے تھے۔

”جب، محدث اعظم پاکستان (مولانا سر دار احمد، رضوی، لائل پوری) رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِ دارالعلوم مظہر اسلام، بریلی شریف میں صدر المدرسین و شیخ الحدیث تھے۔ ان کے ایثار و خلوص سے متاثر ہو کر حضور مفتی اعظم نے طلبہ و مدرسین کے سارے اخراجات اپنے ذمہ لے لیے تھے۔ اس سلسلے میں آپ، ہزاروں کے مقروض ہو گئے تھے۔ آپ کی دوکانیں بھی، رہن ہو گئی تھیں۔

صدر الشریعہ (مولانا محمد امجد علی، اعظمی، رضوی) قُدَسَ سِرُّہُ اپنے صاحب ثروت کاٹھیاواڑی میمن سیٹھ صاحبان کے ہمراہ، عرس رضوی کے موقع پر آستانہ عالیہ رضویہ (بریلی شریف) حاضر ہوئے۔

اسی موقع پر، صدر الشریعہ نے اپنے مرید سیٹھ صاحبان سے فرمایا:

حضرت مفتی اعظم صاحب کو، نذر پیش کریں۔“

سب لوگوں نے نذرانے پیش کیے۔

اس طرح، حضرت مفتی اعظم، بارِ قرض سے بُک دوش ہوئے۔“

سنی دارالاشاعت، مبارک پور، جسے فتاویٰ رضویہ جلد سوم تا جلد ہشتم کے مسودوں کی تنبیض سے طباعت و اشاعت تک کا شرف، حاصل ہوا

اُس کے قیام کا پس منظر، یہ ہے کہ:

حضور مفتی اعظم ہند، ۱۹۵۹ء میں، دارالعلوم اشرفیہ، مبارک پور تشریف لائے۔

اس سے آگے کا واقعہ، استاذی الکریم، حضرت مولانا حافظ عبدالرؤف بلیاوی، نائب شیخ الحدیث دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور (متوفی ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء) اس طرح، بیان فرماتے ہیں:

”مفتی اعظم، مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خاں صاحب، دَامَتْ بَرَکَاتُہُمْ الْقُدْسِیۃ دارالعلوم اشرفیہ تشریف لائے۔

ان سے عرض کی گئی: ”فتاویٰ رضویہ کی اشاعت کا کیا ہوا؟

آپ نے فرمایا: تم لوگوں کے علاوہ، کس سے، اس کی توقع ہو سکتی ہے؟

اس کرامت آثار جملہ نے دلوں میں ہمت اور عزائم میں استواری، پیدا کی۔
 دارالعلوم اشرفیہ کی رہنمائی میں کام ہوا اور ”سنی دارالاشاعت“ کی بنیاد رکھی گئی۔“

(دیباچہ۔ فتاویٰ رضویہ، جلد سوم۔ مطبوعہ سنی دارالاشاعت، مبارک پور)

۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء میں، جس وقت، اشرفیہ مبارک پور کا عظیم منصوبہ

حافظ ملت نے قوم کے سامنے پیش کیا اور قصبہ مبارک پور سے باہر، وسیع و عریض زمین
 میں اس کی تعمیر اور مختلف شعبوں پر مشتمل تعلیمی منصوبہ، منظر عام پر آیا

تو، حضور مفتی اعظم ہند نے اپنی تائید و حمایت اور سرپرستی سے تحریک اشرفیہ میں جان ڈال دی۔
 ”مفتی اعظم“، حقیقی معنی میں، مفتی اعظم تھے۔ فقہ احناف کے باب میں اپنے عہد و عصر میں
 اپنی نظیر آپ تھے۔ تجربہ علمی کے ساتھ، احوال و غیر احوال پر بھی آپ کی گہری نظر تھی۔

اور حقائق کی تک پہنچ کر صحیح شرعی موقف، اختیار کرنا آپ کی عادت و روایت مستترہ، رہی ہے۔
 چنانچہ، حضرت مفتی محمد اعظم صاحب رضوی، شیخ الحدیث دارالعلوم مظہر اسلام، بریلی شریف
 ایک تاریخی علمی مجلس کا، ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

ایک بار، جس زمانے (۱۹۶۹ء) میں، چاند پر، امریکی آدمیوں کے پہنچنے کی خبر، امریکہ والے
 خوب، زور و شور سے دنیا میں پھیلا رہے تھے، حضرت مفتی اعظم، رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ
 اپنے دارالافتا کی باہری بیٹھک میں تشریف فرما تھے۔

استاذ محترم، شمس العلماء، حضرت قاضی شمس الدین احمد صاحب جعفری، جون پوری
 مصنف قانون شریعت اور صدر العلماء، حضرت مولانا سید غلام جیلانی صاحب میرٹھی

حضور مفتی اعظم کے پاس بیٹھے تھے۔ علمی مذاکرہ، ہو رہا تھا۔

فقیر راقم الحروف، محمد اعظم، رضوی بھی، اس مبارک مجلس میں حاضر تھا۔

اُٹناے مذاکرہ، چاند پر عام انسان کے پہنچ سکنے، یا نہ پہنچ سکنے کی بات بھی آ گئی۔

حضور مفتی اعظم سے پوچھا گیا۔ کیا چاند پر، عام انسان کا پہنچنا، ممکن ہے؟

حضرت مفتی اعظم نے فرمایا:

ممکن ہے۔ کیوں کہ چاند اور سورج اور تارے آسمان کے نیچے ہیں۔

زمین و آسمان کے درمیان، مسخر ہیں۔

مذاکرہ میں، آیت کریمہ

”كُلُّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ“ (سورہ انبیاء- ۲۱/۳۳) کی تفسیر میں ہے:

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ الْمُرَادَ بِالْفَلَكَ السَّمَاءَ وَالْجَمْهُورُ عَلَى أَنَّ الْفَلَكَ مَوْجٌ مَكْفُوفٌ تَحْتَ السَّمَاءِ، تَجْرِي فِيهِ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ۔

(ص ۱۵۷۔ پارہ سولہ۔ دائر المعرفہ۔ بیروت)

یعنی، حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہ عَنْہُمَا کا موقف، یہ ہے کہ: فلک سے مراد، آسمان ہی ہے۔

جب کہ جمہور کے مسلک کے مطابق، سورج، چاند اور ستارے

سب، زمین و آسمان کے درمیان، ایک موج مکفوف میں، تیر رہے ہیں۔

یعنی، سورج اور چاند اور تمام تارے، زمین و آسمان کے درمیان، مخر ہیں۔

حضرت مفتی اعظم نے فرمایا:

جب، چاند اور سورج، آسمان کے نیچے ہیں تو، ان تک پہنچنا، ممکن ہے۔ ہاں! مشکل ہے۔

اس کے بعد، غالباً مولانا غلام جیلانی صاحب میرٹھی نے کہا کہ:

حضور! اس آیت کریمہ کا کیا مطلب ہے؟

”كُلُّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ“۔ (سورہ انبیاء- ۲۱/۳۳) ترجمہ: ہر ایک، ایک فلک میں تیر رہا ہے۔“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ: چاند اور سورج آسمان میں ہیں۔

حضرت مفتی اعظم نے فرمایا:

فلک سے مراد، دائرہ حرکت ہے۔ اور، یہ دائرہ حرکت، آسمان کے نیچے ہے۔

اور قرآن حکیم میں جہاں، یہ فرمایا گیا ہے کہ چاند اور سورج آسمانوں میں ہیں

وہاں، ظرفیت سے، اسی قسم کی ظرفیت، مراد ہے، جو، شامیانے وغیرہ میں مراد ہوتی ہے۔

کہتے ہیں کہ چراغ، فانوس، یا۔ بلب، شامیانے میں، جل رہا ہے۔

تو، اس سے، یہ مراد نہیں ہوتی کہ شامیانے کے اوپر، جل رہا ہے۔

بلکہ، یہ مراد ہوتی ہے کہ اس کے نیچے، جل رہا ہے۔

اسی طرح، آسمان دنیا میں بھی جو قدرتی شامیانہ ہے

اُس کے نیچے، چاند اور سورج، موجود ہیں۔

اس کے بعد، حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب نے کہا کہ:

حضور! وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَهَا۔ (سورہ یس: ۳۶/۳۸) میں، تَجْرِي سے

اس کا چلنا، معلوم ہوتا ہے۔ اور اَلْمُسْتَقَرِّ لَهَا سے معلوم ہوتا ہے کہ آفتاب کے لئے قرار گاہ ہے۔
تو، چلنا اور مستقر رہنا، یعنی حرکت نہ کرنا

آفتاب کے لئے دونوں باتیں، ایک وقت میں ثابت ہوتی ہیں۔

یہ اجتماعِ ضدّین کیسے ہو سکتا ہے کہ:

آفتاب، حرکت بھی کر رہا ہو۔ اور اسی وقت، اُس کے لئے قرار اور ٹھہراؤ بھی ہو؟

اس پر حضرت مفتی اعظم کا جواب، کچھ اس طرح تھا کہ:

قرآن حکیم میں، یہ نہیں ہے کہ سورج، اپنے مستقر میں چل رہا ہے۔

بلکہ، یہ ہے کہ سورج، اپنے ایک مستقر اور ٹھہراؤ کے لئے چل رہا ہے۔

علاوہ ازیں، اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَام سے فرمایا تھا کہ:

جنت سے، زمین کی طرف جاؤ۔

قرآن حکیم میں ہے: وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ۔

یعنی، اللہ تعالیٰ نے زمین کو آدم عَلَیْہِ السَّلَام اور ان کی اولاد کے لئے مستقر فرمایا۔

تو، کیا زمین میں، جو، انسانوں کی قرار گاہ ہے، انسان، چلتے پھرتے نہیں ہیں؟

بے حرکت کھڑے، یا بیٹھے، یا لیٹے رہتے ہیں؟

جیسے زمین، انسانوں کا مستقر اور مسکن ہے اور وہ اس میں چلتے پھرتے ہیں

اسی طرح، چاند اور سورج کے لئے کوئی مستقر ہو، اور ان کی حدود میں ان کی حرکت ہو

تو، قرار گاہ ہونا اور حرکت ہونا، دونوں امر، ثابت ہوں گے۔

الْغَرَضُ، آفتاب کے لئے مستقر ہونا، اس کی حرکت کی نفی نہیں کرتا۔“

(ص ۱۰۵۲ اور ص ۱۰۵۳۔ ”جہانِ مفتی اعظم“۔ مطبوعہ رضا اکیڈمی۔ بمبئی)

مفتی اعظم، دینی بصیرت و استقامت اور صلابت و حق گوئی کا پیکر تھے۔

سنگین اور نازک ترین حالات میں بھی آپ کے قدم، کبھی، جادہ شریعت سے نہیں ڈگمگائے۔

آپ نے ہر حال میں وہی کہا اور وہی لکھا جو شریعتِ اسلامی و فقہِ اسلامی کا حکم تھا۔ مثلاً:

مسجد شہید گنج، لاہور کا حادثہ، پورے متحدہ ہندوستان کے لئے زلزلہ خیز تھا۔

۱۳۵۲ھ/۱۹۳۵ء میں، یہ مسجد، ظلماً و جبراً، شہید کر دی گئی تھی۔

مسلمانانِ متحدہ ہندوستان کا غم و غصہ، شباب پر تھا۔

اسی سلسلے میں ایک استفتا کے جواب میں مفتی اعظم تحریر فرماتے ہیں:

”لاہور کی مسجد شہید گنج ہو، یا۔ کہیں کی کوئی مسجد۔ جو مسجد ہے

وہ، ہمیشہ کے لئے مسجد ہے۔ اس کی مسجدیت، باطل نہیں ہو سکتی۔

سکھوں نے شہید کی ہو، یا۔ کسی اور نے۔

وہ مسجد، جیسے شہید ہونے سے پہلے تھی، یوں ہی، اب ہے اور قیامت تک، مسجد رہے گی۔

عیاذاً باللہ، کافروں کے قبضے میں مسجد آ جانے سے

کسی کے نزدیک اس کی مسجدیت، نہیں جاتی۔

کعبہ، برہنہ برس، قبضہ کفار میں رہا۔ جس کے گردا گرد، مشرکوں نے تین سو ساٹھ (۳۶۰)

بت رکھے۔ ہر دن ایک نئے بت پوجا کرتے۔ اس قبضہ سے کعبہ، غیر کعبہ نہیں ہو گیا۔

وہاں، بتوں کے ٹھب کرنے اور پوجا ہونے سے قبلہ، بت خانہ، نہیں بن گیا۔

وہ، جیسا خالصاً لوجہ اللہ تعالیٰ برائے قرأت و طاعتِ الہی، پہلے تھا

یوں ہی، جب رہا، یوں ہی، اب ہے۔ یوں ہی لہذا آباد تک رہے گا۔

اسی طرح، مسجد کا وہ بقعہ طاہرہ، جو، خالصاً لوجہ اللہ تعالیٰ برائے طاعت و قرأت، وقف

کیا گیا وہ، جب، مسلمانوں کے قبضہ میں تھا، جیسا جب تھا، ویسا ہی سکھوں کے قبضہ میں چلے

جانے کے بعد رہا۔ ویسا ہی مسجد کی عمارت، شہید ہو جانے کے بعد، اب ہے۔

اصل مسجد تو، موضعِ صلوٰۃ ہے۔ عمارت ہو، یا نہ ہو۔ جو جگہ، مسجد ہو گئی، مسجد ہی رہے گی۔

الْأَعْنَدُ مُحَمَّدٌ فِي بَعْضِ الصُّورِ - وَهَذِهِ لَيْسَتْ مِنْهَا -“

(ص ۲۴۴ و ص ۲۴۵ - ”فتاویٰ مصطفویہ“ از مفتی اعظم مولانا الشاہ مصطفیٰ رضا، نوری، بریلی۔

مطبوعہ رضا اکیڈمی۔ بمبئی)

قدیم کتب فقہ کے حوالے سے اس موقف کو، مدلل و مؤثر بن کرنے کے بعد

مفتی اعظم ہند، رقم طراز ہیں:

”ان عبارات سے آفتابِ نصف النہار کی طرح، واضح و آشکار ہوا کہ:

مسجد شہید گنج، مسجد ہی ہے۔

بستی (آبادی) کے مسلمان اسے تو وہ ہے، کسی ایسی مسجد کو، جو بوجہ قدامت

بوسیدہ و خراب ہو چکی ہوتی۔ جس سے استغنا ہو گیا ہوتا۔

غیر آباد ہو گئی ہوتی۔ ویرانہ میں پڑ گئی ہوتی۔
ایسی مسجد کو بھی فروخت نہیں کر سکتے۔
مسجد شہید گنج (لاہور) کو مسلمان
سکھوں، یا کسی کے ہاتھ فروخت کر ڈالتے
تو، بھی وہ بیچ نہ ہو سکتی تھی۔

وہ، ہزار بار، اگر فروخت کی جائے تو بھی، وقف ہی ہے۔ ع

ہزار بار جو یوسف پکے، غلام نہیں

..... مساجد، بیوٹ اللہ ہیں۔ اللہ کے دین کا شعارِ عظیم ہیں۔

اور کسی شعارِ دین کی ادنیٰ ہتک، ہرگز، مسلمان، برداشت نہیں کر سکتے۔

بے شک، بے شک، شعارِ دین پر حملہ ہے۔ مسلمانوں کی ذاتی ہی عزت پر حملہ نہیں

بلکہ مسلمانوں کی دینی عزت پر بھی۔ جس پر مسلمان، اپنی عزت و آبرو، اپنی جان و مال

تین من و دھن سب کچھ قربان کر دینے کا سچا جذبہ رکھتے ہیں۔ اور جو، بن پڑے

اور جس کی، اُن کا دین و مذہب، اجازت دے، وہ سب کچھ، کر گذر نے کو تیار رہتے ہیں۔

مسجد شہید گنج (لاہور) یقیناً، شعارِ دین ہے۔

مسجد کی صیانت و حفاظت، فرضِ مبین ہے۔

جہاں تک، جس جائز طریقے سے ہو، کرنا، ناگزیر ہے۔“ الخ

(ص ۲۳۶ و ۲۳۷۔ ”فتاویٰ مصطفویہ“ از مفتی اعظم ہند۔ مطبوعہ رضا اکیڈمی۔ بمبئی)

جے پور (راج پوتانہ) سے ایک مسجد کے بارے میں استفتاء آیا کہ:

ایک مسجد کے دروازہ کی توسیع کے سلسلے میں، فائرنگ ہو گئی۔ اور تازہ ہو گیا۔

راجہ جے پور، اس مسجد کے بدلے میں، وسیع و عریض زمین مع ایک لاکھ روپیہ دے کر

نئی مسجد، تعمیر کرانا چاہتے ہیں

تو، کیا، اس صورت میں مسلمانوں کے لئے ایسا کرنا، جائز ہے؟

یہ استفتاء ۲۲ محرم ۱۳۵۸ھ کا لکھا ہوا ہے۔

اس کے جواب میں، مفتی اعظم نے، یہ فتویٰ تحریر فرمایا:

”جو مسجد ہو چکی، تا قیام قیامت وہ، مسجد ہی رہے گی۔ مسجد، بیچ ڈالنے، بدل لینے کی چیز نہیں۔

نہ چند، یا ساری دنیا کے مسلمانوں کے بیچنے، بدل لینے سے، وہ مسجد، مسجد ہونے سے نکل سکے۔

ایک لاکھ نہیں، اگر، راجہ، اپنی ساری ریاست دے دے

اور مسجد نہیں، مسجد میں سے ایک گز بھر زمین لے

ہر گز، مسلمانوں کو، اس کا اختیار نہیں۔

جو، اس پر راضی ہوں گے، اشد گنہگار ہوں گے۔ بیچنے خریدنے والے سب ظالم، بھٹاکار

ٹھہریں گے۔ نہ مسجد کی تعمیر، ہوا، مسلمانوں کے، کسی کے لئے، صحیح و درست۔

..... ہاں! یہ ہو سکتا ہے کہ

غیر مسلم، مسلمانوں کو روپیہ دے دے۔ مسلمان اس روپیہ کا مالک ہو کر مسجد بنائے۔

یا غیر مسلم، کسی زمین پر عمارت بنا کر مسلمانوں کو دے دے، مسلمان اس پر قابض ہو کر

اس کے مالک ہو کر، اسے وقف کر دیں۔ ان دونوں صورتوں میں، وہ، مسجد ہو جائے گی۔

اس صورت میں کہ غیر مسلم، مسجد بنائے اور اسے اپنی ملک پر باقی رکھے۔

یا۔ خود، وقف کرے، وہ، مسجد نہ ہوگی۔

نماز، اس میں ہو جائے گی۔ مگر، مسجد کا ثواب نہ ہوگا۔ نہ اس کے لئے احکام مسجد، ثابت ہوں گے۔

اگر، مسجد جامع کی بجائے، دوسری مسجد، بنا کر مسلمانوں کو، دے دینے کا خیال ہے کہ:

مسلمان، اس پر قابض ہو کر، اسے وقف کریں اور اسے مسجد جامع کر لیں۔

اور جو مسجد، اب تک جامع تھی، اُسے جامع نہ رکھیں، مگر، وہ مسجد رہے، صرف جامع، نہ رہے۔

بجائے اس کے، مسجد جامع، یہ نئی مسجد کی جائے، تو، یہ کر سکتے ہیں۔

مگر، سوال کے لفظ، یہ ہیں کہ مسجد کے معاوضہ میں، دوسری مسجد لینا، جائز ہے، یا نہیں؟

اس کا مطلب ظاہری، یہی ہے کہ دوسری کو لے کر، پہلی کو مسجد ہی، نہ رکھا جائے۔

یہ ہر گز، نہیں ہو سکتا۔ اس پر جو راضی ہو گا وہ، عذاب الیم اور شدید وبال و نکال اپنے سر لے گا۔

وہ مسجد، ابداً آباد تک، مسجد ہی رہے گی۔

مسجد، خاص ملک الہی ہے۔ جسے، نہ کوئی بیچ سکتا ہے، نہ بدل سکتا ہے۔

آباد معمور مسجد تو، آباد و معمور ہے، جو، مسجد غیر آباد ہو گئی ہو۔ خرابہ میں پڑ گئی ہو۔

بہت خستہ، بالکل شکستہ ہو چکی ہو۔ وہاں، اس کے ارد گرد آبادی بھی نہ رہی، ویرانہ میں آگئی ہو۔

لوگ اس سے مستغنی ہو چکے ہوں۔

ایسی مسجد کو بھی نہیں بیجا جاسکتا۔ بلکہ اس کے ملبہ کڑی، تختہ، اینٹ، پتھر کو، دوسری مسجد میں نہیں لگایا جاسکتا۔“ الخ۔ (ص ۲۶۷ تا ۲۶۹۔ فتاویٰ مصطفویہ۔ مطبوعہ رضا اکیڈمی۔ بمبئی)

مفتی اعظم ہند نے اپنے عہد شباب میں اسلام اور مسلمانان ہند کے خلاف اٹھنے والے ایک بہت بڑے طوفان کا مقابلہ کیا تھا، جسے، شدھی تحریک، یعنی تحریک ارتدادِ مسلمین کہا جاتا ہے۔ یہ شدھی تحریک ۱۹۲۳ء میں، آگرہ و مٹھرا والو ر یعنی خطہٴ ملکانہ میں برپا ہوئی تھی اور ہزاروں جاہل و غریب مسلمان، اس شدھی تحریک کے اثر سے مُردہ ہو گئے تھے۔ مَعَاذَ اللہ رَبِّ الْعَالَمِین۔ فقہیہ اسلام، امام احمد رضا، قادری برکاتی، بریلوی کی قائم کردہ ”جماعتِ رضا“، مصطفیٰ، بریلی (تشکیل ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء) کے پلیٹ فارم سے

مفتی اعظم و دیگر علما و مشائخ اہل سنت نے اس تحریک کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ جنہیں، حضرت سید شاہ ابوالقاسم اسماعیل حسن، شاہ جی میاں، قادری برکاتی، مارہروی و حضرت سید شاہ علی حسین، اشرفی، کچھوچھوی و حضرت سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری سیالکوٹی جیسے مشاہیر اُمت کی مبارک و مسعود دعاؤں کے ساتھ ان حضرات کی مکمل سرپرستی و پشت پناہی، حاصل تھی۔

راقم سطور (یہ سنہ آخرِ مصباحی) نے اپنی تالیف ”علمائے اہل سنت کی بصیرت و قیادت“ میں ”شدھی تحریک اور جماعتِ رضا“، مصطفیٰ، بریلی کے عنوان سے قدیم مطبوعہ مواد کی روشنی میں، شرح و وسط کے ساتھ، کچھ اہم حقائق و واقعات، پیش کیے ہیں۔ تفصیل و تحقیق کے لئے اس کتاب کا مطالعہ کیا جائے۔

حضرت مولانا محمود احمد، قادری، رفاقتی، مظفر پوری، سفر حج و زیارتِ حرمین شریفین ۱۹۷۵ء کے دوران، حرمین طہیین کے اندر، حضرت مفتی اعظم ہند سے اپنی ملاقاتوں کے ضمن میں لکھتے ہیں: ”استاذِ مکرم و محترم، استاذِ العلماء، حضرت مولانا مفتی محمد عبدالعزیز خاں صاحب، نعیمی اشرفی فتح پوری، حضرت صدرالافاضل (مولانا محمد نعیم الدین، مراد آبادی) عَلَیْہِ الرُّحْمَۃ کے خاص الخاص تلمیذِ ارشد تھے۔ علاوہ، علومِ اسلامیہ میں تبحر کے، سنسکرت اور ویدوں کے بالغ نظر فاضل تھے۔ فتنہ عظیمہ ”فتنہ ارتداد“ راج پوتانہ کے خلاف، تحفظ و دفاعِ اسلام میں سرگرم حصہ لے چکے تھے۔ جامعہ نعیمیہ، مراد آباد کے ”گروکل“ میں

اسلامی مبلغین، انھیں کی نگرانی میں ویدک علوم کا تقابلی مطالعہ کرتے تھے۔

حضرت استاذ العلماء، فتح پوری، اپنی دینی و علمی مجالس میں ”شدھی ننتہ“ کی فتنہ سامانی کی تفصیل، بیان فرماتے

تو، اُن پر رقت، طاری ہو جاتی اور سننے والے بھی، شدت تاثر میں، آشک بار ہو جاتے۔
 لو کے تھپڑوں میں، مٹی اور جون (۱۹۲۳ء) کے مہینوں میں، گرد آلود راہوں میں چلنا
 وہ بھی، میل دو میل نہیں، دس دس، پندرہ پندرہ میل کا تبلیغی سفر کرتے۔
 بڑے رومال کے گوشے میں، بٹھنے ہوئے چنے بندھے ہوتے۔

کسی درخت کی چھاؤں میں بیٹھ کر، چنے اور گڑ کھا کر پانی پیا، پھر چل کھڑے ہوئے۔
 استاذ معظم، استاذ العلماء، فتح پوری کی وہ باتیں، یہاں، مکہ مکرمہ میں یاد آئیں۔
 بندہ (محمود احمد، قادری، رفاہی) نے حضرت مفتی اعظم ہند کے سامنے
 سلسلہ بیان میں، اس کا ذکر چھیڑا۔

حضرت، سنبھل کر بیٹھ گئے اور نہایت محویت کے ساتھ
 اس جدوجہد بھری داستان کے، ورق کے ورق سناتے گئے۔
 خدا کی شان دیکھیے کہ اس دن، ظہر کی اذان سے پہلے، کوئی آیا بھی نہیں۔
 حضرت والا سناتے سناتے، چند لمحوں کے لئے خاموش بھی ہو جاتے۔
 پان، جس کے بے حد عادی تھے، ایک بار بھی نہیں کھایا۔

حضرت صدر الافاضل کی بے ثباتی، استاذ العلماء، مفتی اعظم پاکستان، حضرت سید ابوالبرکات
 اور ان کے والد گرامی، حضرت شیخ الحدیث، سید دیدار علی شاہ، آلوری، امیر ملت، حضرت سید
 جماعت علی شاہ، محدث علی پوری اور شبیرہ غوث الثقلین، حضرت شاہ علی حسین اشرفی میاں، میر سید
 غلام بھیک صاحب نیرنگ، فقیر اللہ شاہ اور حضرت مولانا سید غلام قطب الدین، اشرفی، چشتی، نظامی
 اور راجہ حق میں بادیہ پیما مبلغین اسلام کی اعانت و حمایت میں سرگرم عمل
 شیروانی، علی گڑھی اولوالعزم امر اور وسا۔

اور رئیس المتکلمین، حضرت مولانا سید شاہ محمد سلیمان اشرف صاحب، صدر شعبہ دینیات
 مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کی دل سوزیوں کا ذکر فرمایا۔

بندہ نے، اپنے لفظوں میں، اس مجلس کے ارشادات و ملفوظات، قلم بند کر لیے۔
 اسی عمل نے توجہ دلائی تو، گذشتہ ملفوظات بھی، ضبط تحریر میں لایا۔“ الخ

(ص ۱۰۸۶۔ جہان مفتی اعظم۔ رضا اکیڈمی۔ بمبئی)

تحریکی و تنظیمی امور کی جانب بھی، مفتی اعظم ہند کی توجہ تھی۔

چنانچہ، آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس ۱۹۴۶ء میں آپ نے نمایاں اور مرکزی کردار ادا کیا۔

۲۴ تا ۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۵ھ / ۲۷ تا ۳۰ اپریل ۱۹۴۶ء کی اس تاریخی کانفرنس

میں، متحدہ ہندوستان کے ہزاروں علما و مشائخ اور لاکھوں خواص و عوام کی شرکت تھی۔

اس دور کی ملّی سیاست میں اس کانفرنس نے بڑا گہرا اثر ڈالا اور تاریخی حیثیت سے متحدہ

ہندوستان کی نمایاں ترین و موثر ترین کانفرنسوں میں، اس بنارس کانفرنس ۱۹۴۶ء کا شمار ہوتا ہے۔

دسمبر ۱۹۶۱ء میں، دہلی کے اندر ہونے والی ”سنی اوقاف کانفرنس“ کو بھی، حضور مفتی اعظم ہند

کی سرپرستی، حاصل تھی۔ یہ کانفرنس، علّامہ ارشد القادری و مولانا سید مظفر حسین، کچھوچھوی و مولانا

سید اسرار الحق و مفتی غلام محمد، رضوی وغیرہم کی مشترکہ کوششوں کے نتیجے میں ہوئی۔

اور تقسیم ہند (۱۹۴۷ء) کے بعد، اوقاف کے تحفظ، نیز مسلم حقوق کے تحفظ کی راہیں

اسی کانفرنس کے ذریعہ، ہموار ہوئیں۔

پروفیسر، مختار الدین احمد (سابق ڈین فیکلٹی آف آرٹس۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) نے اپنے

والد مکرم، مولانا محمد ظفر الدین، قادری، رضوی، عظیم آبادی (متوفی شب دوشنبہ ۱۹ جمادی الاخریٰ

۱۳۸۲ھ مطابق ۱۸ نومبر ۱۹۶۲ء) خلیفہ امام احمد رضا، قادری، برکاتی، بریلوی کے نام

حضرت مفتی اعظم ہند کے انیس (۱۹) خطوط کی نقل، اپنے ایک مضمون میں، پیش کی ہے۔

جس میں ۷ ربیع الاول ۱۳۷۱ھ / ۱۸ دسمبر ۱۹۵۱ء کا تحریر کردہ

یہ خط، نہایت اہم ہے، جو آزادی ہند کے بعد ہونے والے پہلے الیکشن سے متعلق ہے۔

جناب محترم! السّلامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُہُ۔

الیکشن، قریب آ رہا ہے۔ اس نازک دور میں، یہ الیکشن جیسا کہ ہے، آپ، خوب جانتے ہیں۔

یہاں، اہم و اشد ضرورت ہے کہ:

ہم سب مل کر، اس کے متعلق، غور و فکر کریں اور کوئی لائحہ عمل، تیار کریں۔

جس سے مسلمان بِاِذْنِہِ تَعَالٰی ہر فتنہ سے بچے رہیں اور دینی و دنیوی نقصانات سے محفوظ رہیں۔“

۲۹ دسمبر ۱۹۵۱ء تک، میں، بریلی میں رہوں گا۔

اس سے پہلے پہلے، یہ اجتماع ہو جانا، ضروری ہے۔

اس لئے اہتمام ہے کہ آپ، بتاریخ ۲۳ ربیع الاول ۱۳۷۱ھ مطابق ۲۳ دسمبر ۱۹۵۱ء بروز یک شنبہ، بوقت گیارہ بجے دن، بریلی، محلہ سوداگران، فقیر خانہ پر تشریف لاکر اس ضروری امر کے اجتماع میں شریک ہوں۔

اگر، خدا نخواستہ، آپ نہ آسکیں تو، اپنی رائے سے ۲۱/۲۰ دسمبر ۱۹۵۱ء تک مطلع فرمادیں۔

(۱) ووٹ، آپ کی رائے میں، ان جماعتوں میں سے کس جماعت کے آدمی کو دیا جائے؟

(۲) یا۔ کسی کو، نہ دیا جائے؟

(۳) ووٹ، کیسے شخص کو دیا جائے۔ دینی اعتبار سے بھی اور سیاسی لحاظ سے بھی؟

ان سوالوں کا مفصل جواب لکھیے۔ محض مختصر رائے ہی، نہ ہو۔

فقیر مصطفیٰ رضا قادری نوری غفور لہٰ محملہ سوداگران۔ بریلی

دسمبر ۱۹۷۲ء میں، بمبئی کے اندر، کل ہند نمائندہ مسلم پرسنل لاکنوش کا انعقاد ہوا۔

جس میں حضور مفتی اعظم کے حکم سے برہان ملّت، مفتی محمد عبدالباقی برہان الحق رضوی جبل پوری علیہ الرحمۃ والرضوان نے شرکت فرمائی۔

جس کا ذکر، برہان ملّت نے اپنے تفصیلی مضمون میں کیا۔

برہان ملّت، مفتی محمد عبدالباقی برہان الحق، رضوی، جبل پوری، خلیفہ امام احمد رضا، بریلوی نے مسلم پرسنل لاکنوش بمبئی، دسمبر ۱۹۷۲ء میں، اپنی شرکت سے متعلق جو مضمون تحریر فرمایا ہے وہ، سب سے پہلے ”مفتی اعظم نمبر“ استقامت ڈائجسٹ، کانپور۔ شمارہ مئی ۱۹۸۳ء میں شائع ہوا۔

مسلم پرسنل لاکنوش بمبئی دسمبر ۱۹۷۲ء میں اپنی شرکت اور تقریر وغیرہ کی بعض تفصیلات

لکھنے کے بعد، حضرت برہان ملّت تحریر فرماتے ہیں:

”حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کو، جب جلسے کی مکمل رپورٹ ملی

تو، انھوں نے میری کامیابی پر، دعائیہ کلمات کے ساتھ، مبارک باتحریف فرمایا کہ، والا نامہ سے نوازا۔

جب، میں، بریلی شریف، حاضر ہوا

تو، حضور مفتی اعظم نے اپنی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اگر تم، شریک جلسہ، نہ ہوتے اور اظہار حق و اعلان حق، نہ کیا ہوتا تو، بڑی کمی رہ جاتی۔

تم نے، اس سلسلے میں جو احتجاجی کارروائی میں پہل کی تھی

اس کی تائید میں یہ جلسہ، بڑا کامیاب رہا۔

اور، یہ جلسہ، تمہاری شرکت سے، تمہارا جلسہ ہو گیا۔“

فَالْحَمْدُ عَلَىٰ إِحْسَانِهِ وَنَوَالِهِ وَأَفْضَالِهِ -

(ص ۲۲۰۔ بقلم مفتی محمد عبدالباقی، ہان الحق، رضوی، جبل پوری۔ مطبوعہ۔ ”جہان مفتی اعظم“۔

رضا اکیڈمی، بمبئی ۲۰۰۷ء)

”سَوَادِ اعْظَم کَانْفَرَس“ کا صدارتی خطاب

خطاب: مولانا یسٰر اختر مصباحی

ترتیب: محمد ارشاد عالم نعمانی، مصباحی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَبْدَعَ الْاَفْلاَکَ وَالْاَرْضَیْنَ - وَالصَّلٰوةَ وَالسَّلَامَ عَلٰی مَنْ
کَانَ نَبِیًّا وَّ اَدَمَ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ وَّ عَلٰی اٰلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِیْنَ - اَمَّا بَعْدُ !
اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ - صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ -

محترم سامعین! ”سَوَادِ اعْظَم“ کے نام سے اس تاریخی کانفرنس کے انعقاد پر ہم، سب سے پہلے
قاری سبطین رضا قادری ایوبی (خاتماہ قادریہ ایوبیہ - پیرانک - ضلع کوشنگر - مشرقی
اتر پردیش) کو ہدیہ تبریک پیش کرتے ہیں جنہوں نے اس اہم موضوع پر کانفرنس کا انعقاد
(بتاریخ ۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ / ۲۷ مارچ ۲۰۱۲ء) کر کے جماعت اہل سنت، سَوَادِ اعْظَم
اہل سنت و جماعت کے تعارف و تذکرہ و تشہیر کے لئے نہایت تاریخی اور مفید قدم اٹھایا ہے۔

آپ کی اس سرزمین پر ”سَوَادِ اعْظَم اہل سنت“ کے موضوع پر منعقد ہونے والی اس ”سَوَادِ اعْظَم کانفرنس“ (جسے
حضرت مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی و حضرت مولانا مفتی محمد نظام الدین، رضوی، مصباحی اور مولانا فروغ احمد
اعظمی مصباحی نے خطاب فرمایا) کے اثرات ان شاء اللہ، وسیع اور ہمہ گیر سطح پر ہوں گے اور اس نام سے
ملک کے دیگر مقامات پر بھی کانفرنسیں منعقد ہوں گی۔ یہ آپ کے لئے بہت ہی اعزاز و افتخار کی بات ہے۔
”سَوَادِ اعْظَم اہل سنت و جماعت“ یہ ہمارا نام ہے جو الفاظ حدیث سے مستنبط اور ماخوذ ہے۔

ایک حدیث مبارک جسے آپ اس سے پہلے سن چکے ہیں۔ ابن ماجہ شریف کی حدیث ہے:
اَتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ فَانَّهُ مَنْ شَذَّ شَذَّ فِي النَّارِ - سَوَادِ اعْظَم کی اقتدا و اتباع کرو
کیوں کہ جو اس سے الگ ہو وہ جہنم میں گیا۔“

”سَوَادِ اعْظَم“ کا لفظ سن کر بہت سے لوگ یہ سوچ رہے ہوں گے کہ ”سَوَادِ اعْظَم“ کا مطلب کیا ہے؟
معنی کیا ہے؟ مفہوم کیا ہے؟

”سَوَادِ اعْظَم“ کہتے ہیں، بڑی جماعت کو، جمہوریت کو۔ سَوَادِ اعْظَم کا یہ لفظ حدیث رسول سے ماخوذ ہے۔
ایک دوسری حدیث میں ہے۔ رسول اکرم صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمُهَدِّدِينَ - تمہارے اوپر لازم ہے کہ میری
سُنَّت اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء کی سُنَّت کی پیروی کرو، ان کے ساتھ وابستہ رہو۔“

اس حدیث رسول کی روشنی میں ہم اپنے آپ کو اہل سنت کہتے ہیں۔ گویا یہ سؤاِ اعظم اور یہ اہل سنت، دونوں ”سنتی“ نام ہیں۔

ایک حدیث میں ہے: عَلَيْنَا بِالْجَمَاعَةِ اور دوسری حدیث میں ہے: يَذَلُّهُ عَلَى الْجَمَاعَةِ۔ ان احادیث مبارکہ میں جماعت کے ساتھ رہنے کی تاکید و ہدایت اور جماعت کے لئے نصرت الہی کی بشارت ہے۔ اس طرح پورا نام ہوا ”سؤاِ اعظم اہل سنت و جماعت۔“

اہل سنت و جماعت کون ہیں؟ سؤاِ اعظم کون ہیں؟ ایک حدیث ہے جس میں رسول پاک صَلَّی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

”يَأْتِي تَهْتَرَفُونَ فِي بَيْتِ جَانِئٍ كَيْفَ تَكُونُ؟ كُلُّهَا فِي النَّارِ سَارِعَةً فَرَقَ جَهَنَّمَ فِي هَوْنٍ“

سؤاِ سنت و جماعت کے، ایک ملت کے۔“

سوال کیا گیا حضور اکرم صَلَّی اللہ علیہ وسلم سے کہ وہ ملت کون سی ہوگی؟

آپ نے ارشاد فرمایا:

مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي۔ جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔

اس پر گامزن رہنے والے ہی جنتی ہیں۔“

دعویٰ ہر فرقہ کا ہے کہ ”مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي“ کا مصادیق، ہم ہیں۔

سؤاِ اعظم، ہم ہیں۔ اہل سنت، ہم ہیں۔ اس کا پتہ کیسے چلے؟

سؤاِ اعظم، صحیح معنی میں کون ہے؟ اہل سنت کون ہیں؟ اس سلسلے میں اہل سنت کے نہایت عظیم المرتبت محدث، امامُ المحدثین حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (وصال ۱۰۵۲ھ) نے بڑی عمدہ اور جامع گفتگو کی ہے اشعةُ اللامعات شرح مشکوٰۃ میں۔ اور انھوں نے فرمایا ہے کہ:

اس سے پہلے کی جتنی بھی اہم کتابیں (تفسیر و حدیث و فقہ وغیرہ کی) ہیں، اکٹھا کر لی جائیں اور ان کی روشنی میں تحقیق کر کے نتیجہ نکالا جائے تو یہ اہل سنت ہی سؤاِ اعظم ہیں۔ اور یہی ”مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي“ کا مصادیق ہیں۔ تفسیر و حدیث اور فقہ و کلام کی صدیوں قدیم کتابوں سے یہی ثابت ہے۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ! کل بھی ہم، سؤاِ اعظم تھے اور آج بھی سؤاِ اعظم ہیں۔ یہاں تک کہ جب شاہ محمد اسحاق دہلوی (متوفی ۱۲۳۶ھ/۱۸۳۱ء) کی تقریروں اور تحریروں کے نتیجے میں ہندوستان کے اندر ایک نئے فرقے کی بنیاد پڑی، فرقہ وہابیہ کی ۱۲۳۰ھ/۱۸۲۴ء میں، اُس وقت بھی جامع مسجد دہلی کے اندر جو مباحثہ اور مناظرہ ہوا اُس کی روداد بیان کرتے ہوئے ابوالکلام آزاد نے کہا ہے۔

یہ ایک کتاب ہے ”آزاد کی کہانی، آزاد کی زبانی“۔ عبدالمزاق بلخ آبادی ندوی نے جسے مرتب کیا

ہے۔ ابوالکلام آزاد نے اس میں یہ کہا ہے کہ:

شاہ اسماعیل دہلوی سے یہ مباحثہ جو ہوا اُس میں سارے علمائے دہلی ایک طرف تھے اور شاہ اسماعیل دہلوی اور ان کے ماننے والے ایک مولوی عبدالحی (بڈھانوی) دوسری طرف۔“
اور ابوالکلام آزاد (متوفی ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء) کے بقول:

شاہ منور الدین دہلوی، شاہگر و شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، اس مناظرہ کے انعقاد کے سلسلے میں اور شاہ اسماعیل کے تعاقب میں پیش پیش تھے۔“

مولانا شاہ مخصوص اللہ دہلوی و مولانا شاہ محمد موسیٰ دہلوی فرزند ان شاہ رفیع الدین دہلوی فرزند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، اور علامہ فضل حق خیر آبادی و مولانا رشید الدین خاں دہلوی تلامذہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور دیگر علماء و مشائخ سوادِ اعظم اہل سنت و جماعت نے شاہ محمد اسماعیل دہلوی (متوفی ۱۲۳۶ھ/۱۸۳۱ء) اور ان کے ہم خیال مولوی عبدالحی بڈھانوی (متوفی ۱۸۲۸ء) کو مباحثہ جامع مسجد دہلی (۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء) میں بالکل عاجز و ساکت و لا جواب کر دیا۔

گویا ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء میں بھی سوادِ اعظم اہل سنت و جماعت ہی تھے۔ اور اس سے جو الگ ہوئے اُن میں قابل ذکر جو جامع مسجد دہلی کے مباحثہ میں نام تھا وہ صرف دو تھے۔ اور ان دونوں کے یا مقابل سارے کے سارے علماء و مشائخ کرام، سوادِ اعظم اہل سنت و جماعت تھے۔

یہ ہندوستان کے ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء کی بات ہے۔ اور ہندوستان کے اندر سوادِ اعظم اہل سنت و جماعت کے نمائندہ وہ علماء و مشائخ کرام بھی ہیں، مختلف صدیوں اور ادوار کے۔ اور آپ جانتے ہیں کہ ہندوستان کے اندر اسلام کی نشر و اشاعت، صوفیہ و مشائخ کرام کے ذریعہ زیادہ ہوئی۔ جن میں یہ حضرات نمایاں ہیں: حضرت داتا گنج بخش، جویری لاہوری، حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی، حضرت خواجہ معین الدین چشتی، اجمیری، حضرت فرید الدین مسعود، گنج شکر، حضرت خواجہ قطب الدین، بختیار کاکی، دہلوی، حضرت محبوب الہی نظام الدین اولیا، دہلوی، حضرت مخدوم علی احمد علاء الدین، صابر کلیری، حضرت مخدوم سید اشرف جہاں گیر، سمنانی، حضرت مخدوم شرف الدین احمد یحییٰ، منیری اور اس طرح کے دیگر اکابر صوفیہ و مشائخ کرام۔

یہ سوادِ اعظم اہل سنت و جماعت کے پیشوا اور ہنر و قائم و سالار تھے۔ اور دنیا جانتی ہے کہ یہ سارے کے سارے صوفیہ و مشائخ کرام سنی تھے۔ اور سنی ہونے کے ساتھ خفی بھی تھے۔

لوگ آج کل بہت بڑھ چڑھ کر باتیں کرتے ہیں اتحادِ اُمت کی

اور اتحاد بین المسلمین کی۔ میں ان سے کہتا ہوں کہ:

یہ شخصیات جن کے ذریعہ ہندوستان کے اندر اسلام کی روشنی پھیلی ان کے قدیم مذہب و مسلک پر سب لوگ آجائیں تو خود بخود ساری امت کا اتحاد ہو جائے گا۔ اور باطل مذاہب و مسالک کا وجود خود بخود مٹ جائے گا۔ اس کے لئے کچھ کہنے سننے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی۔ اسی طرح سوا دِ اعظم اہل سنت و جماعت کا تسلسل و توارث بھی اچھی طرح واضح ہو جائے گا۔

یہ تو ماضی کی بات ہے۔ ابھی حجاز مقدس کی بات چل رہی تھی۔ ۱۹۸۲ء کی بات ہے۔ میں مسجد نبوی شریف (مدینہ طیبہ) سے عصر کی نماز پڑھ کر نکل رہا تھا۔ باہر باب مجیدی کی طرف جا رہا تھا۔ حضرت مولانا ضیاء الدین احمد قادری مہاجر مدنی (وصال ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء) رحمۃ اللہ علیہ کے دولت کدے کی طرف۔ جن سے نجدی قاضی سے مباحثہ کی ایک بات حضرت علامہ (محمد احمد اعظمی مصباحی) مصباحی نے بیان کی۔ میں انھیں کے گھر جا رہا تھا۔ راستے میں ایک ہندوستانی ندوی اصلاحی مل گیا، جو مجھے ہندوستان ہی سے جانتا تھا۔ اُس نے مجھ سے کہا کہ:

”یہاں تو سب آپ ہی کے لوگ نظر آتے ہیں۔“

وہ مدینہ یونیورسٹی میں لکچرر تھا اور کئی سال سے مدینہ طیبہ میں مقیم تھا۔ اس نے اپنا مشاہدہ بیان کیا کہ: یہاں تو سب آپ ہی کے لوگ نظر آتے ہیں۔“

”آپ ہی کے لوگ“ کا مطلب یہ ہے کہ سنی زیادہ نظر آتے ہیں۔

یہ سن کر میں نے اُس سے کہا کہ: یہاں ہمارے لوگ نہیں تو کیا تمہارے لوگ نظر آئیں گے؟ تو یہ مدینہ طیبہ کا حال اُس زمانے (۱۹۸۲ء) میں بھی تھا۔ اور لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ سعودیہ میں سب کے سب یا اکثر وہابی ہی ہیں۔ ایسا معاملہ نہیں۔ سعودیہ کے دو حصے اور دو علاقے اور دو خطے ہیں۔ ایک کا نام ہے نجد اور ایک کا نام ہے حجاز۔ یوپی اور بہار سمجھ لیجیے۔

نجدی حصے (ریاض، ظہران، دمام، عسیر، احسا وغیرہ) میں وہابی رہتے ہیں۔ حجاز کا حصہ جس میں

ملکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، جدہ اور طائف ہیں۔

یہاں کی قدیم آبادی پہلے بھی سنی تھی اور آج بھی سنی ہی ہے۔

صرف حکومتی عہدوں اور مناصب پر نجدیوں کے منتخب افسر اور مساجد میں ان کے مقرر امام و مؤذن ہوتے ہیں۔ اس لئے بظاہر ایسا لگتا ہے کہ یہی زیادہ ہیں۔

حالاں کہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ جو اصلی حجازی ہیں وہ پہلے بھی سنی تھے اور آج بھی سنی ہیں۔

اور ابھی حضرت سید محمد بن علوی مالکی کی جن کا ۲۰۰۴ء میں انتقال ہوا ہے، حرمین طہیین کے جلیل القدر خاندانی محدث و عالم دین و شیخ طریقت تھے۔ انھوں نے سارے نجدی شیوخ کو چیلنج کیا تھا کہ:

جو مجھ سے بحث کرنا چاہے، بحث کر لے۔ میں مذہب اہل سنت کی حقانیت واضح اور ثابت کر دوں گا۔“

لیکن کوئی نجدی شیخ و عالم ان کے سامنے نہیں آیا۔ اور ان کا ادب و احترام اتنا زیادہ تھا کہ خود سعودی حکومت بھی ان کی طرف آنکھ اٹھانے اور ان پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت و ہمت نہیں کر سکتی تھی۔ تو یہ ماضی قریب اور آج کا حال ہے حجاز مقدس کا۔

وہاں پر صرف حکومتی سطح پر قبضہ ہے نجدیوں کا، عوامی سطح پر آج بھی سینکڑوں، ہزاروں گھروں میں میلاد شریف ہوتا ہے۔ اور میں خود مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ سے لے کر ریاض تک بہت سی محافل میلاد میں شرکت کر چکا ہوں۔

آج کی یہ ”سُوداِ اعظم کا نفرنس“ جو درحقیقت ”سُوداِ اعظم اہل سنت و جماعت کا نفرنس“ ہے۔ یہ پیغام دینے کے لئے منعقد ہوئی ہے کہ جو قدیم سُوداِ اعظم ہے، جو قدیم اہل سنت ہیں، ان کی راہ پر سب لوگ آجائیں۔ یہ بعد کے جو نوزائیدہ باطل مسالک اور مسائل ہیں۔ یہ خود بخود ختم ہو جائیں گے۔ ان کا کوئی وجود ہی کہیں باقی نہیں رہ جائے گا۔

اہل سنت و علمائے اہل سنت کے تعلق سے اپنی لاعلمی بلکہ عناد و خصامت کی وجہ سے مُعاندین و مُخالفین کی طرف سے بہت سی باتیں کہی جاتی ہیں۔ ان میں سے ایک بات یہ بھی بار بار کہی اور لکھی جاتی ہے کہ:

”مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے اپنی تحریروں کے ذریعہ ہندوستان کے اندر مسلکی اختلاف پیدا کیا اور اسے مدوان چڑھایا۔“

ان ناواقفوں یا مخالفوں کو معلوم نہیں کہ ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء میں جب تقویۃ الایمان (جس کی تالیف کئی سال پہلے ہی ہو چکی تھی اور نقل و نقل لوگوں تک پہنچی رہی) منظر عام پر آئی تو سب سے پہلا اس کا تحریری جواب ۱۲۴۰ھ ہی میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (وصال ۱۲۳۹ھ)

کے شاگردِ رشید، حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی (وصال ۱۲۷۸ھ / ۱۸۶۱ء) نے دیا۔ اور ۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۴ء میں تقویۃ الایمان کے پیدا کردہ مسائل کے خلاف علمائے اہل سنت نے جامع مسجد دہلی میں شاہ محمد اسماعیل دہلوی (متوفی ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۱ء) سے مناظرہ کر کے اسے لاجواب کیا۔

اور ساتھ ہی ساتھ یہ تاریخی حقیقت بھی یاد رکھنی چاہیے کہ:

اس سنی وہابی مناظرہ جامع مسجد دہلی میں نہ بدایوں کا کوئی شخص (عالم دین) تھا، نہ بریلی کا۔ (امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی پر ”مسلمکی اختلاف پیدا کرنے کا الزام“ نہایت لغو اور باطل ہے جس کی تردید و تعلیط کے لئے اس حقیقت کا اظہار کافی ہے کہ مناظرہ جامع مسجد دہلی ۱۲۴۰ھ کے بتیس (۳۲) سال بعد ۱۲۷۲ھ / ۱۸۵۶ء میں امام احمد رضا کی ولادت ہوئی۔ جب کہ خود آپ کے والد محترم، حضرت مولانا نقی علی قادری برکاتی بریلوی کی بھی اس مناظرہ (۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۴ء) کے چھ (۶) سال بعد ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۰ء میں ولادت ہوئی تھی) بدایوں و بریلی میں متعدد جلیل القدر علمائے تھے۔ ان کی بہت ساری دینی و علمی خدمات ہیں۔ لیکن اس تعلق سے جامع مسجد دہلی میں جو کچھ ہوا اُس میں صرف علمائے دہلی شریک تھے اور انھوں نے ان نئے (وہابی) خیالات کا رد و انطال کیا۔ دوسرا تاریخی مناظرہ ”براہین قاطعہ“ مؤلفہ مولانا خلیل احمد انبٹھوی سہارن پوری (متوفی ۱۳۴۶ھ / ۱۹۲۸ء) و مصدقہ مولانا رشید احمد گنگوہی (متوفی جمادی الآخرہ ۱۳۲۳ھ / اگست ۱۹۰۵ء) کی ایک توہین آمیز عبارت کے خلاف ہوا۔

۱۳۰۶ھ / ۱۸۸۸ء میں بھاؤل پور، پنجاب (موجودہ پاکست ن) کے اندر ہونے والے اس مناظرہ میں ایک طرف سنی علمائے پنجاب تھے اور دوسری طرف دیوبندی علمائے سہارن پور۔ بدایوں اور بریلی کا کوئی عالم اس سنی

دیوبندی مناظرہ میں بھی شریک نہیں تھا۔

علمائے پنجاب کی طرف سے حضرت مولانا غلام دستگیر قصوری (وصال ۱۳۱۵ھ) اور علمائے سہارن پور کی طرف سے مولانا خلیل احمد انبیٹھوی سہارن پوری (متوفی ۱۳۴۶ھ/۱۹۲۸ء) مناظر تھے۔ مناظرہ بہاول پور پنجاب کی تفصیلی روداد "تَقْدِیسُ الْوَکِیلِ عَنْ تَوْحِیْنِ الرَّشِیدِ وَالْخَلِیلِ" مؤلفہ مولانا غلام دستگیر قصوری، پاک و ہند سے شائع ہو چکی ہے۔

اہل سنت کے درمیان مختلف ادوار میں مختلف شخصیتیں جلوہ گر ہوتی رہیں اور انھوں نے اپنے اپنے طور پر نمایاں دینی و علمی خدمات انجام دیں۔

اِظہر آخری دور میں سب سے نمایاں اور ممتاز خدمات، فقیر اسلام، امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی (وصال ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ/۲۸ اکتوبر ۱۹۲۱ء) عَلَیْہِ الرَّحْمَۃُ وَالرِّضْوَان کی ہیں۔ جن کی خدمات کے بارے میں آپ بہت کچھ پڑھتے اور سنتے چلے آ رہے ہیں۔

ہندوستان کے اندر ہماری جو شخصیات ہیں اور ہمارے جو نظریات ہیں وہ تسلسل کے ساتھ ہیں اور ان کا تسلسل، ہماری شخصیات کا، قدیم دینی و روحانی مراکز کے ساتھ خانوادہ ولی اللہی عزیزی، دہلی و خانوادہ فرنگی محل، لکھنؤ اور بدایوں، پھر بریلی، ان سب دینی و علمی مراکز کے علما و مشائخ کرام کے ذریعہ ہماری شخصیات کا تسلسل ہے۔ اور ہمارے نظریات کا تسلسل اور ہمارے جو عقائد اور معمولات ہیں وہ سب مشہور و معروف ہیں۔ جنہیں ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

سَوَادِ اعْظَم سے الگ ہٹ کر ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۳ء میں جو علما سامنے آئے اور جو نظریات سامنے

آئے وہ بالکل نوزائیدہ ہیں۔ سَوَادِ اعظم سے بالکل الگ ہٹ کر ہیں۔ تو وہ ہم سے جدا ہوئے ہیں۔ ہم کسی سے جدا نہیں ہوئے ہیں۔ بلکہ اپنی اصل سے، اپنی جڑ سے، اپنے وجود سے وابستہ، ہم، کل بھی تھے اور آج بھی ہیں۔ اور ہندوستان سے لے کر خرمین طہمین تک ہمارا تسلسل، شخصیتی بھی اور نظریاتی بھی، ہر طرح سے قائم اور باقی ہے۔

ضرورت ہے کہ ہم اپنے ان نظریات کو، اپنی ان شخصیات کو تسلسل کے ساتھ جانیں بھی اور ان کا ذکر و بیان بھی کریں۔

اپنے اکابر و اسلاف کو جاننا، ان کی خدمات کا تعارف کرنا، یہ ہمارا مذہبی، ملی اور قومی فریضہ ہے۔ اور جس طرح سے کوئی سعید اور صالح اولاد، کوئی نیک بخت لڑکا اپنے باپ دادا کا ذکر کرتا ہے اور تعریف کرتا ہے اور تعریف سننے پر خوش ہوتا ہے، ہم کو بھی اسی طرح سے، بلکہ اس سے زیادہ اپنے اسلاف کا اور جتنی بھی نمایاں اور ممتاز اسلامی شخصیات و افراد ہیں، حسب ضرورت و اہمیت و افادیت سب کا ذکر و بیان کرنا چاہیے تاکہ نئی نسل ان سب سے واقف ہو۔ اور یہ وراثت، نسل در نسل آگے کی طرف منتقل ہوتی رہے۔

ایسا نہ ہو کہ کوئی نام جب نئی نسل کے سامنے آئے تو یہ نوجوان پوچھیں کہ یہ کون بزرگ ہیں؟ جیسا کہ ”سَوَادِ اعظم“ کا لفظ جب پہلی مرتبہ یہاں آپ کے سامنے آیا تو آپ چونک گئے کہ ”سَوَادِ اعظم“ کیا چیز ہے؟ اور اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا مفہوم ہے؟ تو یہ نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ شخصیات کا نظریات کا، بار بار ذکر ہونا چاہیے، ان کا تعارف و تذکرہ کرنا اور کرانا چاہیے

اور ان سے وابستہ رہ کر آگے کا جو کام ہے دینی، علمی، وہ کرتے رہنا چاہیے۔
آج میں یہ سمجھتا ہوں کہ:

اس ”سَوَادِ اعْظَمِ کَافِرِیْن“ سے بانی خانقاہ اور بانی ادارہ، حضرت مولانا محمد ایوب شریف القادری صاحب عَلَیْهِ الرِّحْمَةُ و الرِّضْوَان کی روح، یقیناً خوش ہو رہی ہوگی کہ میرے لڑکوں نے، میرے اہل خانہ نے، میرے مُریدین، مخلصین، متوسلین اور محبین نے میرے چھوڑے ہوئے کام اور مشن کو آگے بڑھایا اور اسے ترقی دی۔

یہ ان کے لئے ایک بے حد روحانی مسرت کی بات ہوگی اور وہ اپنی قبر میں یقیناً خوش ہو رہے ہوں گے۔

اس طرح کا کام یہاں کے جو متعلقین و منتظمین ہیں ان کو آئندہ بھی کرتے رہنا چاہیے تاکہ ان کا دینی و علمی فریضہ ادا ہوتا رہے اور ان کے بزرگوں کی روحوں بھی خوش ہوتی رہیں۔
وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ۔

(خطابِ ذَرِّ سَوَادِ اعْظَمِ کَافِرِیْن، منعقدہ شبِ ۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ / ۲۷ مارچ ۲۰۱۲ء۔)

بمقام پیر الٹک۔ ضلع کوٹلی نگر۔ مشرقی اتر پردیش۔ انڈیا)

خانقاہ ایوبیہ: تعمیر کی طرف

شاہ محمد سبطین رضا، قادری، ایوبی

سجادہ نشین: خانقاہ قادریہ ایوبیہ، کشی نگر۔ اتر پردیش

خانقاہ قادریہ ایوبیہ (چچراکنک، ضلع کشی نگر، یوپی) راقم سطور کے والد و مرشد گرامی، عالم باعمل صوفی باصفا، حضرت علامہ محمد ایوب شریف القادری علیہ الرحمۃ کے مبارک نام سے منسوب ہے۔ والد گرامی کے وصال کے بعد، راقم سطور کے ناتواں کندھے پر آپ کی جانشینی کا بار گراں اہل عقیدت اور وابستگان شریعت العلماء کے ذریعہ ڈال دیا گیا۔

اللہ کریم کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے، اپنے اکابر علماء اور مخلص احباب کے تعاون سے والد گرامی کے چھوڑے ہوئے مشن کی تکمیل کے لیے ہم نے لائحہ عمل تیار کیا، جس کے نتیجے میں مختلف شعبوں میں خانقاہ قادریہ ایوبیہ کی سرگرمیاں، جاری ہوئیں۔

اللہ جلّ و علا کے فضل و کرم اور اس کے حبیب مکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے صدقہ و طفیل میں، بہت کم عرصے میں خانقاہ کی تعمیری، علمی اور دینی خدمات کو، اہل علم کے ساتھ برادران طریقت نے بھی سراہا، جس سے آگے بڑھ کر کچھ اور خدمت کرنے کا حوصلہ ملا۔

خانقاہ کی تعمیراتی پیش رفت کی تفصیل کا، یہ موقع نہیں ہے۔ البتہ اس کے تحت ہونے والے دینی و علمی کاموں کی ایک مختصر روداد، ذیل میں پیش کی جا رہی ہے۔ تاکہ اہل علم اس کی حوصلہ افزا پیش رفت سے آگاہ ہو سکیں۔

خانقاہ قادریہ ایوبیہ کے زیر اہتمام، اب تک جن کتابوں کی اشاعت، عمل میں آچکی ہے ان کی تفصیل، حسب ذیل ہے:

(۱) یادگار ایوبی: یہ خانقاہ کے زیر اہتمام نکلنے والا سالانہ مجلہ ہے، جس کی اب تک پانچ جلدیں، قارئین اور برادران طریقت کی خدمت میں پیش کی جا چکی ہیں۔ ان کی ترتیب و تدوین کے لیے مختلف اصحاب علم و فن کی خدمات، حاصل کی گئیں، جنہوں نے اپنا قیمتی وقت، صرف فرما کر ان شماروں کی اہمیت میں اضافہ کیا۔

سالنامہ ”یادگار ایوبی“ کے خصوصی شماروں میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رَضِیَ اللہ عَنْہُ کی حیات و خدمات پر ”انوارِ امام اعظم“ صفحات ۸۵۳۔ غوثِ اعظم، سیدنا شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہُ کی حیات و خدمات پر ”فیضانِ غوثِ اعظم“ صفحات ۲۵۲۔

اور مشائخِ مارہرہ مظہرہ کی حیات و خدمات پر ”فیضانِ برکات“ صفحات: ۲۰۸۔ خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔

(۲) سُو اِو اِ اعظم: یہ کتاب بھی، خانقاہِ قادریہ ایوبیہ و تحریکِ جماعتِ اہل سنت کے زیرِ اہتمام اشاعت پذیر ہوئی۔ کتاب کے مؤلف، حضرت علامہ یسّٰ اختر مصباحی دَامَ ظِلُّہُ ہیں۔ ۱۲۲ صفحات پر مشتمل یہ کتاب، جماعتِ اہل سنت کی مرکزی شخصیات اور ان کی دینی و علمی خدمات اور افکار و عقائد پر مشتمل ہے۔ کتابی شکل میں اس کی پہلی طباعت، دارُ القلم، ذاکر نگر، نئی دہلی سے ۱۹۹۸ء میں ہوئی، پھر بعد میں، ہندوپاک کے متعدد اداروں کے زیرِ اہتمام، اس کے کئی ایڈیشن آئے۔

خانقاہِ قادریہ ایوبیہ کے زیرِ اہتمام اشاعت میں حضرت مصباحی صاحب نے بڑے قیمتی اضافے کیے ہیں، جن سے کتاب کی افادیت، مزید بڑھ گئی ہے۔ ۲۰۱۱ء میں، گیارہ سو (۱۱۰۰) کی تعداد میں اس کی اشاعت ہوئی، جو بِفَضْلِہُ تَعَالٰی، خانقاہ کی طرف سے مفت تقسیم ہوئی۔

(۳) شریعت العلماء کے احوال و آثار: یہ کتاب بھی، خانقاہِ قادریہ ایوبیہ و تحریکِ جماعتِ اہل سنت کے زیرِ اہتمام ۲۰۱۱ء میں شائع ہوئی۔

کتاب کی ترتیب و تالیف کا کام، نوجوان صاحبِ قلم، مولانا ارشاد عالم نعمانی، مصباحی نے کیا ہے۔ کتاب ۹۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

یہ کتاب، والدِ گرامی حضرت مولانا محمد ایوب شریف القادر رَضِیَ اللہ عَنْہُ عَلَیْہِ الرِّحْمَۃُ وَ الرِّضْوَانُ کی زندگی کے احوال اور ان کی دینی و علمی خدمات پر مشتمل ہے۔

(۴) آفتاب و ماہتاب: یہ کتاب، فقیرِ اسلام، اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا، قادری اور مفتی اعظم علامہ الشاہِ مصطفیٰ رضا، قادری قُدَسَ سِرُّہُمَا کے احوال اور دینی و علمی خدمات پر مشتمل ہے۔

جس کی تالیف و ترتیب، رئیسِ التحریر، حضرت علامہ یسّٰ اختر مصباحی صاحب بانی و صدر دارِ القلم، ذاکر نگر، نئی دہلی کے قلم سے ہوئی ہے۔ کتاب ۱۳۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کی طباعت و اشاعت، خانقاہِ قادریہ ایوبیہ کے زیرِ اہتمام ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ / ستمبر ۲۰۱۳ء میں، پانچ ہزار

(۵۰۰۰) کی تعداد میں عمل میں آئی۔

اور سارے نئے، مفت، تقسیم کیے گئے۔

مذکورہ بالا کتابوں اور یادگاری سالانہ مجلہ کے متعدد شماروں کی اشاعت کے بعد ۲۵ سوال ۱۳۳۵ھ/۲۲ اگست ۲۰۱۴ء کو، خانقاہ قادریہ ایوبیہ کے زیر اہتمام

باضابطہ ایک اہم تصنیفی و تحقیقی ادارہ ”مرکز مجلس ایوبی“ کے نام سے قائم کیا گیا۔

جس کا اہم مقصد یہ ہے کہ عام مسلمانوں کی اصلاح و تربیت کی خاطر مفید اور موثر کتابیں چھاپی جائیں۔ اور خصوصی طور سے مجلس کے ارکان کی تصانیف کی اشاعت ہو۔

اس کے ارکان میں حسب ذیل علمائے کرام اور اہل قلم، شامل ہیں:

۱- صدر العلماء، حضرت علامہ محمد احمد، اعظمی مصباحی (ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ، مبارکپور)

سرپرست اعلیٰ

۲- رئیس التحریر، حضرت علامہ یونس اختر مصباحی (بانی و صدر: دارالقلم، ذاکر نگر، نئی دہلی)

سرپرست اعلیٰ

۳- سربراہ الفقہاء، حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی

(صدر المدرسین، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور)

۴- حضرت مولانا فروغ احمد اعظمی مصباحی (پرنسپل دارالعلوم علمیہ، محمد اشاہی، بستی، یوپی)

۵- حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی (استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارکپور)

۶- حضرت مولانا اختر حسین فیضی مصباحی (استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارکپور)

۷- حضرت مولانا محمد نظام الدین قادری مصباحی (استاذ دارالعلوم علمیہ، محمد اشاہی، بستی۔ یوپی)

۸- مولانا ارشاد عالم نعمانی، مصباحی (ریسرچ اسکالر: جامعہ ہمدرد، نئی دہلی)

۹- مولانا شمس الدین رضوی مصباحی (استاذ دارالعلوم منظر اسلام، الثقافت گنج، یوپی)

۱۰- مولانا جنید احمد مصباحی (استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارکپور)

۱۱- مولانا غلام سید علمی (پرنسپل جامعہ نظامیہ بیدیا پور۔ یوپی)

۱۲- مولانا کمال احمد علمی (استاذ دارالعلوم علمیہ، محمد اشاہی، بستی۔ یوپی)

۱۳- مولانا محمد ابراہیم مصباحی (استاذ دارالعلوم فیضان مدینہ، کشی نگر۔ یوپی)

۱۴- مولانا عبد مناف ایوبی (استاذ مرکز السنۃ جامعہ ایوبیہ، کشی نگر، یوپی)

۱۵- مولانا شمشاد احمد (استاذ جامعہ ایوب نسواں، کشی نگر۔ یوپی)

۱۶- مولانا عبدالسلام ثقانی (استاذ جامعہ ایوب نسواں، کشی نگر۔ یوپی)

۱۷- مولانا داؤد کمال عزیز مصباحی (گوپال گنج، بہار)

اب تک کئی ایک مشاورتی مجلسیں ”مرکز مجلس ایوبی“ کے زیر اہتمام منعقد ہو چکی ہیں۔

اور ہر سال، جولائی، عمل، علمائے کرام کی جانب سے طے کیا جاتا ہے، اس کے مطابق، عمل کی کوشش کی جاتی ہے۔ اب تک ”مرکز مجلس ایوبی“ کے زیر اہتمام جو کتابیں، اشاعت پذیر ہو کر اہل علم اور قارئین کی خدمت میں پیش کی جا چکی ہیں، ان کی تفصیل، حسب ذیل ہے:

(۱) شرح ہدایۃ النخو: یہ کتاب، والد گرامی، حضرت مولانا ایوب شریف قادری کی تالیف ہے، جو، انھوں نے ہدایۃ النخو کے مختلف اہم مباحث کی تشریح میں ۱۳۷۰ھ/۱۹۷۰ء میں لائل پور (پنجاب، پاکستان) میں قلمبند فرمائی تھی۔

مولانا کمال احمد علی نے ترتیب جدید اور حواشی کے ساتھ، اسے کتابی شکل میں تیار کیا ہے۔ کتاب کا مقدمہ، خود، حضرت مولانا کمال احمد علی نے تحریر کیا ہے۔

جو، کتاب کی استنادی اور افادی حیثیت پر ایک جامع تحریر ہے۔

کتاب کی ترتیب جدید و حواشی میں مولانا موصوف نے بڑی دلچسپی اور لگن سے کام کیا ہے۔ حواشی کے ذریعہ، مباحث کو، مزید آسان کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی طلبہ کی استعداد کے پیش نظر مشقی و تمرینی سوالات کا اضافہ کر کے، انھوں نے کتاب کی افادیت میں خاطر خواہ، اضافہ کر دیا ہے۔

یہ کتاب، درس نظامی کے طلبہ کے لیے اردو زبان میں ”مرکز مجلس ایوبی“ کی جانب سے ایک قیمتی تحفہ ہے۔ کتاب کی پہلی طباعت ۱۴۳۵ھ/۲۰۱۴ء میں عمل میں آئی ہے۔ صفحات کی تعداد ۸۴۲ ہے۔

(۲) تبلیغی جماعت کا حقیقی روپ: یہ کتاب، والد گرامی کی تصنیف ہے، جو، انھوں نے ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۶ء میں علاقہ کشی نگر و اطراف میں تبلیغی جماعت کے پروپیگنڈے کے جواب میں

قلمبند کیا تھا۔ کتاب کی پہلی اشاعت، آپ کی حیات ہی میں

تحریر جماعت اہل سنت، کشی نگر کے زیر اہتمام ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۶ء میں ہوئی تھی۔

اس کا جدید ایڈیشن، مولانا جنید احمد، مصباحی، استاد جامعہ اشرفیہ، مبارک پور کی تخریق و تحقیق کے بعد ”مرکز مجلس ایوبی“ کے زیر اہتمام ۱۴۲۵ھ/۲۰۱۶ء میں اشاعت پذیر ہوا ہے۔

کتاب ۷۷ صفحات پر مشتمل ہے، جس میں مصنف نے تبلیغی جماعت کی حقیقت اور افکار و نظریات پر مفید گفتگو کی ہے۔

(۳) تصویر الابصار: یہ کتاب، حضرت مولانا نعیم احمد مصباحی، استاد جامعہ اشرفیہ کے صاحبزادہ گرامی، مولانا رئیس اختر مصباحی کی تالیف ہے۔

کتاب، احادیث و آثار میں مقبول و مسنون دعاؤں کا ایک نہایت مفید انتخاب ہے جو انھوں نے بڑی عرق ریزی سے عوام الناس کے افادے کے لیے جمع کیا ہے۔

کتاب، دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں دعا کے فضائل و آداب پر بڑی جامع گفتگو ہے، جب کہ دوسرے حصے میں احادیث و آثار میں مختلف مواقع کے لیے مسنون دعاؤں کا انتخاب ہے۔ یہ بھی ”مرکز مجلس ایوبی“ کے زیر اہتمام ۱۴۳۶ھ/۲۰۱۵ء میں شائع ہو چکی ہے۔

(۴) ممتاز علمائے فرنگی محل بکھنؤ: استاذ الہند، ملاً، نظام الدین محمد، فرنگی محلی

و بحر العلوم، علامہ عبد العلی، فرنگی محلی اور دیگر مشاہیر علمائے فرنگی محل کی حیات و خدمات پر حضرت علامہ یسٰٰس اختر مصباحی کی، یہ نہایت دقیق اور تاریخی کتاب ”مرکز مجلس ایوبی“ کے زیر اہتمام، اہل علم اور باشعور قارئین کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔

(۵) انوار قرآن: حضرت شریف العلماء علیہ الرحمۃ کے تفسیری مضامین کا مجموعہ

جس کی ترتیب و تخریج، مولانا ارشاد عالم نعمانی، مصباحی کر رہے ہیں۔

یہ کتاب بھی ”مرکز مجلس ایوبی“ کے زیر اہتمام، اشاعت کے لیے پریس کے حوالے کی جانے والی ہے۔

(۶) شریف العلماء: حیات و خدمات: حضرت شریف العلماء علیہ الرحمۃ کی حیات

و خدمات کے تعلق سے مولانا کمال احمد عظیمی کی کوششوں سے اب تک اہل تعلق کے کثیر بیانات کیسٹوں میں محفوظ ہو چکے ہیں۔

انھیں، اصل صورت میں، مناسب سرخیاں، قائم کر کے کتاب کے حصہ اول کے طور پر اسی سال، عرس ایوبی میں ”مرکز مجلس ایوبی“ کے زیر اہتمام، پیش کی جا رہی ہے۔ اور اہل تعلق

و وابستگان شریف العلماء کے وہ بیت جو بعد میں دستیاب ہوں گے۔

انہیں، ہندہ عرس کے موقع پر، حصہ دوم کے طور پر شائع کیا جائے گا۔

(۷) توحید عربی: یہ کتاب، حضرت شریف العلماء علیہ الرحمۃ کے ذریعہ، جمع کیے ہوئے

قواعد عربی کا مجموعہ ہے۔ جس کی تمییز و ترتیب، مولانا کمال احمد علیہی کر رہے ہیں۔

(۸) شریف العلماء اور اصلاح معاشرہ: اس کی تالیف و تصحیح کا کام، مولانا شمس الدین مصباحی (استاذ دارالعلوم مظہر اسلام، التفات گنج، امبیڈ کرنگر۔ یوپی) نے کیا ہے۔

یہ کتاب بھی ”مرکز مجلس ایوبی“ کے زیر اہتمام، اشاعت پذیر ہو رہی ہے۔

(۹) کڈ روں الایوبیہ: نصابی کتاب ”الڈ روں الایوبیہ“ (عربی، انگریزی)

”مرکز مجلس ایوبی“ کے زیر اہتمام، اشاعت پذیر ہونے والی ہے۔

کتابوں کی اشاعت و تشہیر کے ساتھ ۱۴۳۲ھ/۲۰۱۲ء سے خانقاہ قادریہ ایوبیہ کے زیر اہتمام اہم موضوعات پر، سیمینار و کانفرنس کا سلسلہ بھی شروع کیا گیا، جو اب تک، تسلسل کے ساتھ جاری ہے۔

خانقاہ قادریہ ایوبیہ کے زیر اہتمام، اکابر علمائے اہل سنت، خصوصاً صدر العلماء، علما محمد احمد اعظمی، مصباح و رئیس التحریر، علما محمد یونس اختر مصباحی اور سرانج الفقہاء، مفتی محمد نظام الدین رضوی، مصباحی دام ظللہم العالی کی قیادت و صدارت اور نگرانی میں

اب تک، چار اہم سیمینار منعقد کیے جا چکے ہیں اور ان چاروں سیمیناروں کے مقالات بھی کتابی شکل میں اشاعت پذیر ہو چکے ہیں۔ ذیل میں منعقدہ سیمینار و کانفرنس کی مختصر تفصیل آپ بھی ملاحظہ کیجیے:

☆ سہ روزہ امام اعظم ابوحنیفہ سیمینار و کانفرنس: یہ سیمینار ۷-۸-۹ صفر ۱۴۳۲ھ/۲۱-۲۲-۲۳ دسمبر ۲۰۱۲ء کو ممبئی میں منعقد کیا گیا۔

شرکائے سیمینار کے مقالات کا مجموعہ ۸۵۳ صفحات پر مشتمل ”انوار امام اعظم“ کے نام سے خانقاہ قادریہ ایوبیہ کے زیر اہتمام ۱۴۳۲ھ/مارچ ۲۰۱۳ء میں چھپ کر، نذر قارئین ہو چکا ہے۔

اس سیمینار و کانفرنس کے مقالات کی ترتیب و تدوین کا اہم کام

حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی، مصباحی، حضرت مولانا نفیس احمد، مصباحی اور حضرت مولانا اختر حسین، فیضی، مصباحی نے انجام دیا ہے۔

☆ فیضانِ برکات سیمینار و کانفرنس: مشائخ مارہرہ مطہرہ کی حیات و خدمات پر، یک روزہ سیمینار و کانفرنس کا انعقاد، خانقاہ قادریہ ایوبیہ کے زیر اہتمام ۱۴۳۵ھ/۲۰۱۴ء میں کیا گیا۔

اور شرکائے سیمینار کے مقالات، عربی، ایوبی، جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ/مارچ ۲۰۱۴ء میں ”فیضانِ برکات“ کے نام سے شائع کیے گئے۔

اس سیمینار کے مقالات کی ترتیب، حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی اور حضرت مولانا اختر حسین فیضی، مصباحی کے اشتراک سے عمل میں آئی۔

☆ فیضانِ غوثِ اعظم سیمینار و کانفرنس: غوثِ صمدانی، محبوب سبحانی، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی، بغدادی رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کی حیات و خدمات پر، یہ سیمینار، خانقاہ قادریہ ایوبیہ کے زیرِ اہتمام انعقاد پذیر ہوا۔ شرکاء سیمینار کے مقالات اور دیگر اہل قلم کی اہم تحریروں کی شمولیت کے ساتھ مقالات کا مجموعہ ”فیضانِ غوثِ اعظم“ کے نام سے خانقاہ قادریہ ایوبیہ کے زیرِ اہتمام ۱۴۳۷ھ/۲۰۱۶ء میں شائع کیا گیا۔ اس کی ترتیب بھی، حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی اور حضرت مولانا اختر حسین، فیضی کی مرہونِ منت ہے۔

☆ فیضانِ خواجہ غریب نواز سیمینار و کانفرنس: سلطانِ الہند، عطاے رسول، حضرت خواجہ معین الدین، چشتی، اجیری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی حیات و خدمات پر سیمینار کا انعقاد، خانقاہ قادریہ ایوبیہ کے زیرِ اہتمام ہوا۔

شرکاء سیمینار کے مقالات کا مجموعہ ”فیضانِ خواجہ غریب نواز“ کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔
☆ شاہ عبدالعزیز، محدث دہلوی سیمینار و کانفرنس: سراجِ الہند، حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز، محدث دہلوی، فرزندِ وجائیں امام الہند، حضرت شاہ ولی اللہ، محدث دہلوی کے دو سو سالہ یومِ وصال کی مناسبت سے آپ کی حیات و خدمات پر ۲۰۱۶ء میں انعقاد پذیر ہوا۔ شرکاء سیمینار کے مقالات کا مجموعہ

”شاہ عبدالعزیز، محدث دہلوی: احوال و آثار“ کے نام سے، زیرِ ترتیب ہے۔

☆ بحرِ العلوم، حضرت علامہ عبدالعلی، فرنگی محلی سیمینار و کانفرنس: ۱۴۳۸ھ/۲۰۱۷ء میں مذکورہ موضوع پر سیمینار و کانفرنس کے انعقاد اور ”مرکزِ مجلسِ ایوبی“ کے زیرِ اہتمام علمی کتابوں کی اشاعت کے لیے ایک مشاورتی مجلس میں

جو امور، باتفاق رائے طے کیے گئے، اُن کی رپورٹ اس طرح ہے:

”آج، مؤرخہ ۱۵/۱۵ ذی قعدہ ۱۴۳۷ھ/۱۸/اگست ۲۰۱۶ء شپ جمعہ، بعد نمازِ مغرب مرکزِ مجلسِ ایوبی، خانقاہ قادریہ ایوبیہ، کشی نگر کی ایک سالانہ نشست

زیرِ صدارت، صدرِ العلماء، حضرت علامہ محمد احمد اعظمی مصباحی دَامَ ظِلُّہُ الْعَالِیِ ناظمِ تعلیمات جامعہ اشرفیہ، مبارک پور منعقد ہوئی۔

جس میں باتفاقِ رائے، درج ذیل امور طے ہوئے:

(۱) اسی سال عرسِ قادری ایوبی کے موقع پر، بحر العلوم، فرنگی محلی سیمینار کے لیے سب سے پہلے، حضرت علامہ مینس اختر مصباحی کی کتاب ”تذکرہ بحر العلوم فرنگی محلی“ شائع کی جائے۔ اور پھر، متعلقہ موضوع کے تحت، عنوانات، مقرر کر کے قلم کاروں کو دعوت نامے کے ساتھ یہ کتاب بھی بھیج دی جائے۔ تاکہ مقالہ نویسی میں آسانی ہو اور مقالے، نسبتاً، وسیع، کارآمد اور مفید ہو سکیں۔

(۲) حضرت شریف العلماء علیہ الرحمۃ کی حیات و خدمات کے تعلق سے مولانا کمال احمد علی کی کی کوششوں سے اب تک، اہل تعلق کے جو بیانات کیسٹوں میں محفوظ ہو چکے ہیں انھیں، اصل صورت میں، مناسب سرخیاں، قائم کر کے کتاب کے حصہ اول کے طور پر اسی سال، عرسِ ایوبی میں شائع کیا جائے۔

اور بعد میں جو ہوا و دستیاب ہو، اسے آئندہ عرس کے موقع پر، حصہ دوم کے طور پر شائع کیا جائے۔
(۳) حضرت شریف العلماء علیہ الرحمۃ کی مختلف موضوعات سے متعلق تقریروں کا ایک مجموعہ، تیار کر کے، آئندہ عرس تک شائع کیا جائے۔
اس کی ترتیب و تدوین کی ذمہ داری، مولانا محمد طیب علی (استاذ: دارالعلوم علیہ، جمہ اشاہی بستی۔ یوپی) کے حوالے کی گئی۔

(۴) حضرت شریف العلماء علیہ الرحمۃ کے تفسیری مضامین کا مجموعہ بھی

اسی سال، عرسِ قادری ایوبی کے موقع پر، شائع ہونا ہے۔

جس کی ترتیب و تخریج کی ذمہ داری، مولانا ارشاد عالم نعمانی مصباحی کو، سپرد کی گئی۔

(۵) ”شریف العلماء اور اصلاحِ معاشرہ“ نامی رسالہ بھی، اسی سال، عرسِ قادری ایوبی کے

موقع پر، اشاعت پذیر ہوگا۔

جس کی تالیف و تصحیح کا کام، مولانا شمس الدین مصباحی (استاذ: دارالعلوم مظہر اسلام

النفات گنج، امبید کرنگر۔ یوپی) کے ذمہ کیا گیا۔

آخر میں حضرت صدر العلماء اَمَ ظِلُّہُ العالی کی دعا پر پونے دس بجے رات کو

نشت کا اختتام ہوا۔“

شرکائے نشت:

- ۱- صدر العلماء، حضرت علامہ محمد احمد، اعظمی، مصباحی صاحب قبلہ دَامَ ظِلُّہُ الْعَالِی، مبارک پور۔
 - ۲- حضرت علامہ فروغ احمد اعظمی مصباحی، دارالعلوم علمیہ، جہد اشاہی، بستی۔
 - ۳- حضرت مولانا نقیس احمد مصباحی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
 - ۴- حضرت مولانا اختر حسین فیضی مصباحی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
 - ۵- حضرت مولانا جنید احمد مصباحی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
 - ۶- حضرت مولانا شمس الدین مصباحی، دارالعلوم منظر اسلام، التفات گنج۔ یوپی
 - ۷- حضرت مولانا غلام سید علی علی، پرنسپل جامعہ نظامیہ
 - ۸- حضرت مولانا محمد طیب علی، علمیہ، جہد اشاہی، بستی
 - ۹- حضرت مولانا کمال احمد علی، علمیہ، جہد اشاہی، بستی
 - ۱۰- حضرت مولانا محمد داؤد کمال عزیز مصباحی، گوپال گنج
 - ۱۱- حضرت مولانا شمشاد احمد، استاذ جامعہ ایوبیہ نسواں، پیر الکنک
 - ۱۲- حضرت مولانا محمد ابراہیم مصباحی، دارالعلوم فیضان مدینہ، کشی نگر
 - ۱۳- حضرت مولانا عبد السلام ثقانی، استاذ جامعہ ایوبیہ نسواں، پیر الکنک
 - ۱۴- برادر محترم، کوئین رضا، قادری ایوبی
 - ۱۵- برادر گرامی، انجینئر حسین رضا، قادری، ایوبی
 - ۱۶- راقم سطور (سبطین رضا قادری ایوبی، سجادہ نشین خانقاہ قادریہ ایوبیہ)
- شرکائے نشست کی رائے کے مطابق، بحر العلوم حضرت علامہ عبد العلی، فرنگی بھلی پر
 سینارو کانفرنس کا فیصلہ ہوا۔ اور صدر العلماء دیگر اہل تعلق کی رائے اور خواہش کے مطابق
 راقم نے، رئیس التحریر، حضرت علامہ یسّر اختر مصباحی دَامَ ظِلُّہُ الْعَالِی سے کتاب کی
 تصنیف کی گزارش کی۔ حضرت نے عریضے کو منظور فرمایا۔
 اور ایک گراں قدر کتاب، آپ کے ہاتھوں میں ہے۔
 راقم، ذاتی طور پر، اس اہم کام کی تکمیل پر حضرت مصباحی صاحب کی خدمت میں
 ہدیہ تشکر پیش کرتا ہے اور اس بات کے لیے بھی آپ کا ممنون احسان ہے کہ:
 خانقاہ قادریہ ایوبیہ کے دینی و علمی و تحقیقی کاموں کے پیچھے
 حضرت کی مشفقانہ تحریک و سرپرستی، بے حد معاون، ثابت ہوتی رہی ہے۔

خانقاہ قادریہ ایوبیہ میں علما و مشائخ کی آمد:

یہاں، اس حقیقت کا اظہار بھی، ضروری ہے کہ:

خانقاہ قادریہ ایوبیہ میں ابتدائی سے مستند علما و مشائخ کی آمد ہوتی رہی ہے

جس سے، یہ ظاہر ہوتا ہے کہ:

شروع ہی سے اس خانقاہ کو، علما و مشائخ عصر کی تائید و سرپرستی، حاصل ہے۔

خانقاہ کے تعلق سے، علما و مشائخ کے گراں قدر تاثرات، احساسات اور خیالات

ہمارے اس دعوے پر شاہد ہیں، ان تاثرات کے نقل کا یہ موقع نہیں۔

ان علما و مشائخ کی حوصلہ افزائیوں سے کاروان ایوبی، بڑی تیزی کے ساتھ منزل مقصود کی

جانب، رواں دواں ہے۔

قارئین کرام، دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ، اس میں مزید استحکام و ترقی عطا فرمائے۔ آمین۔

ذیل میں، چند مشاہیر کے اسمائے گرامی، ذکر کیے جاتے ہیں

جن کی آمد سے ہمارے حوصلوں کو تقویت ملی:

- ۱- حضرت علامہ محمد احمد، اعظمی، مصباحی (ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ، مبارکپور)
- ۲- حضرت علامہ یونس اختر مصباحی (بانی و صدر: دارالعلم، ذاکر نگر، نئی دہلی)
- ۳- حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی (صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ، مبارکپور)
- ۴- حضرت مولانا توصیف رضا خان، قادری، رضوی (بریلی شریف)
- ۵- حضرت مفتی عبدالمنان، کلیسی، مصباحی (صدر مجلس علما، ہندو مفتی شہر مراد آباد)
- ۶- حضرت مفتی محمد قاسم، ابراہیمی (سابق ایم ایل اے، حکومت بہار)
- ۷- حضرت مولانا فروغ احمد اعظمی مصباحی (پرنسپل: دارالعلوم علیہ، جمہور اشانی، بستی، یوپی)
- ۸- حضرت قاری رضی اللہ، چتر ویدی (دیوریا۔ یوپی)
- ۹- حضرت مولانا نظام الدین مصباحی (استاذ شعبہ عربی ادب، دارالعلوم علیہ، جمہور اشانی، بستی)
- ۱۰- حضرت مولانا مسعود احمد برکاتی مصباحی (استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارکپور)
- ۱۱- حضرت مولانا مقبول احمد مصباحی (مہتمم جامعہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی۔ دہلی)

- ۱۲- حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی (ایڈیٹر، ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور)
- ۱۳- حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی (استاذ: جامعہ اشرفیہ، مبارکپور)
- ۱۱۲- حضرت مولانا اختر حسین فیضی مصباحی (استاذ: جامعہ اشرفیہ، مبارکپور)
- ان مشاہیر علما و مشائخ کے علاوہ، جن دانشوروں نے ان قوم و ملت کی بنفس نفیس خانقاہ قادریہ ایوبیہ میں آمد ہو چکی ہے، ان میں، درج ذیل شخصیات، قابل ذکر ہیں:
- ۱- جناب پروفیسر، اختر الواسع (جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی)
- ۲- جناب شمس الدین محمد مشرف (ایس ایم مشرف)
- (سابق آئی پی ایس، پونے، مہاراشٹر)
- ۳- جناب عزیز برنی (سابق گروپ ایڈیٹر، راشٹریہ سہارا-نویڈا-یوپی)
- ان کے علاوہ، دیگر علما و مشائخ اور دانشوروں کی خانقاہ قادریہ ایوبیہ، کشی نگر ممبئی میں آمد ہو چکی ہے، جن کا ذکر، طوالت کے خوف سے ترک کیا جا رہا ہے۔
- خانقاہ قادریہ ایوبیہ کی تعلیمی، تدریسی اور تعمیری خدمات پر مشتمل تفصیلی مضمون میں ان حضرات کا ذکر کیا جائے گا اور ساتھ ہی خانقاہ اور صاحب خانقاہ کے حوالے سے ان کے گراں قدر تاثرات، خیالات اور احساسات بھی، پیش کیے جائیں گے۔

شاہ محمد بسطین رضا قادری ایوبی

سجادہ نشین: خانقاہ قادریہ ایوبیہ، کشی نگر۔ اتر پردیش

۷ نومبر ۲۰۱۶ء، بروز پیر، شب بعد نماز مغرب

اَشْرَفِیَّہ، عہدِ ماضی کا حُدِی خواں، زندہ باد

نئی فکر

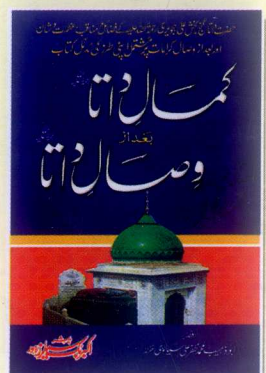
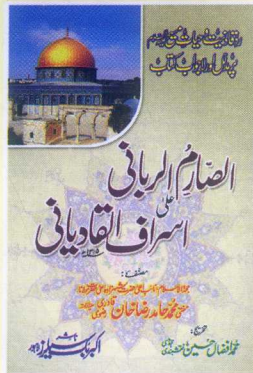
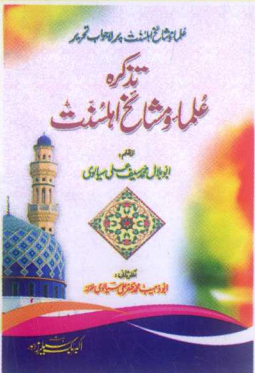
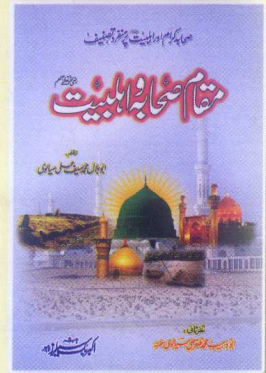
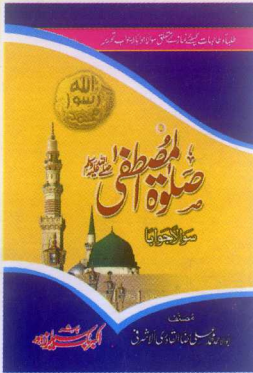
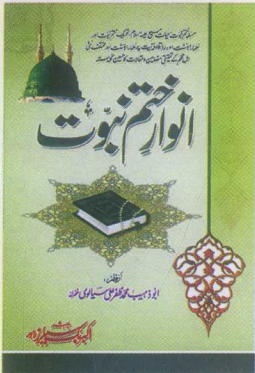
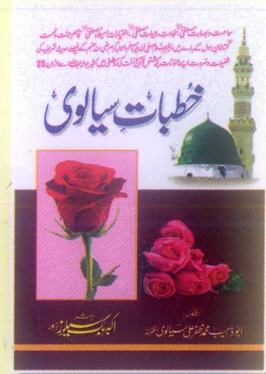
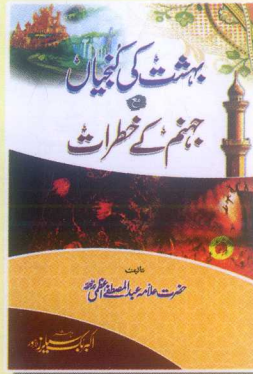
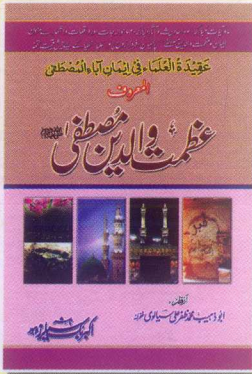
یَسّ اختر مصباحی

اشرفیہ، مطلعِ ایمان و ایقان، زندہ باد	اشرفیہ، حاملِ آیاتِ قرآن، زندہ باد
اشرفیہ، دائیِ پیغامِ فاراں، زندہ باد	اشرفیہ، وارثِ علمِ رسولاں، زندہ باد
اشرفیہ، قاسمِ کنزِ فراواں، زندہ باد	اشرفیہ، مشعلِ وفانوسِ ایماں، زندہ باد
اشرفیہ، جادۂ منزل کا عنوان، زندہ باد	اشرفیہ، آیۂ ایمان و عرفاں، زندہ باد
اشرفیہ، مایۂ اصحابِ ایماں، زندہ باد	اشرفیہ، عظمتِ رفتہ پہ نازاں، زندہ باد
اشرفیہ، عہدِ ماضی کا حُدِی خواں، زندہ باد	اشرفیہ، آشناۂ رمزِ دوراں، زندہ باد
اشرفیہ، فکرِ مستقبل کا عنوان، زندہ باد	اشرفیہ، لہلہاتا باغِ دُستاں، زندہ باد
اشرفیہ، نخلِ تازہ کا خیاں، زندہ باد	اشرفیہ، علم و حکمت کا دُستاں، زندہ باد
اشرفیہ، شاخِ تازہ، گلِ بداماں، زندہ باد	اشرفیہ، رونقِ شہرِ نگاراں، زندہ باد
اشرفیہ، آمدِ فصلِ بہاراں، زندہ باد	اشرفیہ، گوہرِ قطراتِ نیساں، زندہ باد
اشرفیہ، خندۂ صبحِ گلستاں، زندہ باد	اشرفیہ، علم کا خورشیدِ تاباں، زندہ باد
اشرفیہ، فکر کا مہرِ درخشاں، زندہ باد	اشرفیہ، اہلِ سُنّت کی رگِ جاں، زندہ باد
اشرفیہ، سلسلِ بحرِ عرفاں، زندہ باد	اشرفیہ، اخترِ آفاقِ ایماں، زندہ باد
اشرفیہ، شمعِ بزمِ عشق و عرفاں، زندہ باد	

زندہ باد اے اشرفیہ! ”آزہ ہندوستان“

”چھتا ہے تیری پیشانی کو، جھک کر آسماں“

چند دیگر تصانیف



زمین نمبر ۴۰ اردو بازار لاہور
Ph: 042 - 37352022

اکبر پبلشرز